

روزانہ درس قرآن پاک

# تفسیر

سُورَةُ يُوسُفَ مَكَّمَل  
سُورَةُ هُودَ مَكَّمَل  
سُورَةُ يُوسُفَ مَكَّمَل



إفادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ

خطیب جامع مسجد نور

گوجرانولہ، پاکستان

طبع بارہ

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

معارف العرفان فی دروس القرآن (سورۃ یونس، ہود، یوسف مکمل)	نام کتاب
حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ	افادات
الحق الحق، زین، ایم اس (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور	مرتب
پانچ سو (۵۰۰)	تعداد طباعت
سید الخطاطین حضرت شادانغیس الحسینی مدظلہ	سرورق
محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ	کتابت
مکتبہ دروس القرآن فاروق ٹینج گوجرانوالہ	ناشر
۲۶۰۰ دو سو ساٹھ روپے	قیمت

تاریخ طبع گیارہ .... اپریل 2008 بمطابق ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن محلہ فاروق ٹینج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ قراہینہ اردو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ حلیمہ، نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۷) اسلامیہ کتب خانہ ڈاکا، ایبٹ آباد
- (۸) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۹) مکتبہ العلم، اردو بازار لاہور
- (۱۰) مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

فہرست مضامین  
معالم العرفان فی درس القرآن سورۃ یونس (یوسف علیہ السلام)  
جلد ۱۰

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰	استری علی العرش	۲۳	پیش لفظ
"	شاہ ولی اللہ کا فلسفہ	۲۵	سورۃ یونس
۴۲	تہذیب امر	۲۶	درس اول آیت ۱ تا ۲
۴۳	مشعل شفاعت	"	آیات و ترجمہ
۴۴	عبادت اللہ	"	نام اور کوائف
۴۵	وقوع قیامت	۲۷	مضامین سورۃ
۴۶	کفار کا انجام	۲۸	عروف مقطعات
۴۷	درس دوم ۲ (آیت ۵ تا ۱۰)	۲۹	شاہ ولی اللہ کا نظریہ
"	آیات و ترجمہ	"	حرف آخر
۴۸	رابطہ آیات	۳۰	محکمات اور مشابہات
"	سبح اور چاند	۳۱	کتاب حکیم
۵۰	چاند اور سورج کے مدار	۳۲	معیار رسالت
۵۲	نشانات قدرت	۳۳	مرد و زن کا دائرہ کار
۵۳	معاذ پر ایمان	۳۴	بنی کے فرائض منصبی
۵۴	دنیا اور آخرت کا تقابل	۳۵	کفار کی الزام تراشی
۵۵	اہل ایمان کے لیے انعامات	۳۶	درس سوم ۲ (آیت ۳ تا ۴)
"	اہل جنت کی تسبیحات	"	آیات و ترجمہ
۵۶	سلامتی کے نغمے	۳۸	رابطہ آیات
۵۸	درس چہارم ۴ (آیت ۱۱ تا ۱۴)	۳۹	صفت ربوبیت



۸۲	توحید اور شرک	۵۸	آیات و ترجمہ
۸۳	انسانی تعظیم شرک سب	۵۹	ربط آیات
۸۵	قبروں کی تعظیم	"	جلد ہی بازی کا نتیجہ
۸۶	غیر اللہ کی مذرونیاز	۶۱	بد دعا کی ممانعت
۸۷	قبر پرستی	"	قانون اصال و تہ تیج
۸۸	مسئلہ شفاعت	۶۲	شرک پر انصار
۹۰	شرک کی ابتدا	۶۳	مسفرین سے شکوہ
۹۱	معجزات کی فرمائش	"	سابقہ اقوام کی ہلاکت
۹۲	درس ہفتم (آیت ۲۱ تا ۲۳)	۶۵	موجودہ قوم کی آزمائش
"	آیات و ترجمہ	۶۶	دنیا اور عورت کا فتنہ
۹۵	ربط آیات	۶۷	حکومت بطور امانت
۹۶	تکلیف کے بعد راحت	۶۹	درس ہفتم (آیت ۱۵ تا ۱۷)
۹۷	مشرکین کی حیل سازی	"	آیات و ترجمہ
۹۹	بحر و بر کا سفر	۷۰	ربط آیات
"	سمندری سفر اور طوفان	"	آیات بنیات
۱۰۲	نجات کے بعد بغاوت	۷۱	معاوضے انکار
۱۰۳	سکرتی کا وبال	۷۲	قرآن میں ترمیم کی خواہش
۱۰۵	درس ہشتم (آیت ۲۲ تا ۲۷)	۷۵	قرآنی قانون کا نفاذ
"	آیات و ترجمہ	۷۷	حیات پیغمبر بطور دلیل
۱۰۶	انسانی زندگی کی مثال	۷۹	برائے ظالم
۱۰۹	تہ رقی آفات	۸۱	درس ہشتم (آیت ۱۸ تا ۲۰)
۱۱۰	دارالسلام کی طرف دعوت	"	آیات و ترجمہ
۱۱۱	اصحاب اجماع	۸۲	ربط آیات



۱۳۳	ابتدائی تخلیق اور اعادہ	۱۱۱	اصحاب النار
۱۳۵	راہنمائی بطرف حق	۱۱۲	معرفت الہی
۱۳۶	راہنمائی کی ضرورت	۱۱۳	درس نہم ۹ (آیت ۲۸ تا ۳۰)
۱۳۹	اتباع الظن	"	آیات و ترجمہ
۱۴۰	اچھا گمان	"	میدانِ حشر
۱۴۲	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۳۷ تا ۴۰)	۱۱۶	مشرکین کے لیے پابندی
"	آیات و ترجمہ	"	عابد اور معبود میں تفریق
۱۴۳	ربط آیات	۱۱۹	ہر نفس کا محاسبہ
"	قرآن کی حقانیت	۱۲۰	مشرکین کی مایوسی
۱۴۴	تفصیل الاحکام	۱۲۲	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۱ تا ۳۳)
۱۴۶	شک سے پاک کلام	"	آیات و ترجمہ
۱۴۷	مثال لانے کا چیلنج	"	ربط آیات
۱۴۸	بلو وجہ تکذیب	۱۲۳	روزی رساں ذات
۱۴۹	ایماندار اور کافر	۱۲۴	سماعت اور بینائی
۱۵۱	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۴۱ تا ۴۵)	"	اعضائے انسانی کی حکمت
"	آیات و ترجمہ	۱۲۵	کان کی ساخت
۱۵۲	ربط آیات	۱۲۶	آنکھوں کی ساخت
"	تکذیب رسالت	۱۲۷	کان اور آنکھ بلحاظ فضیلت
۱۵۳	ظاہری اور باطنی سماعت	۱۲۹	زندہ اور مردہ کا خالق
"	دل کے اندھے	۱۳۱	فوق ذریعہ محرومی
۱۵۵	مستشرقین کی ریشہ دوانیاں	۱۳۲	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۴ تا ۳۶)
"	خود فریبی	"	آیت و ترجمہ
۱۵۶	عرصہ زندگی	۱۳۳	ربط آیات



۷۶	۱۵۷	مہرِ عظمت	خدا کے حضور بی بسی
"	"	۱۲۱ شفا	انکارِ معاد
۷۷	۱۵۹	۱۲۲ ہدایت	درس چہارم ۱۴ (آیت ۴۶ تا ۵۲)
۷۸	"	۱۴۰ رحمت	آیات و ترجمہ
۷۹	۱۶۰	۱۴۱ فضل و رحمتِ خداوندی	رابطہ آیات
۸۰	۱۶۱	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۵۹ تا ۶۰)	بعض موعید کا اظہار
"	"	آیات و ترجمہ	خدا کے ہاں حاضری
"	۱۶۲	رابطہ آیات	برائمت کے لیے رسول
۸۲	۱۶۳	۱۴۲ نزولِ رزق	عذاب کی فرمائش
۸۳	۱۶۴	۱۴۳ خرد ساختہ حلت و عدمیت	ایک مقررہ وقت
۸۴	۱۶۵	۱۴۴ نعمت کی ناشکری	عذاب کی اچانک آمد
۸۵	۱۶۶	۱۴۵ حلت و عدمیت کا اختیار	ٹھیک ٹھیک بدلہ
۸۶	۱۶۸	۱۴۶ اللہ پر افتراء	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۵۴ تا ۵۶)
۸۸	"	درس ہشتم ۱۸ (آیت ۶۶ تا ۶۷)	آیات و ترجمہ
"	"	آیات و ترجمہ	رابطہ آیات
۸۹	۱۶۹	۱۴۷ رابطہ آیات	ظلم کا نہ یہ
"	۱۷۰	۱۴۸ نظرِ خداوندی	بعد از وقت نماز
۹۱	۱۷۲	۱۴۹ علمِ خداوندی	حق کا فیصلہ
۹۲	"	۱۵۰ اولیاء اللہ کے مناقب	حائقی اور حقیقی ملکیت
۹۳	۱۷۳	۱۵۱ ولایت کا غلط تصور	زندگی اور موت
۹۴	۱۷۵	۱۵۲ ولی کی چھان	درس ششہم ۱۶ (آیت ۵۷ تا ۵۸)
۹۶	"	۱۵۳ اولیاء اللہ کے لیے ثبات	آیات و ترجمہ
"	"	پیغمبر اسلام کے لیے ثبات	رابطہ آیات

۲۱۸	قوم کا تکبر	۱۹۷	گمان کی پیروی
۲۲۰	حق کا انکار	۱۹۹	درس نور و تم ۱۹ (آیت ۷۰ تا ۷۷)
۲۲۱	جادو کی خباثتیں	"	آیات و ترجمہ
۲۲۲	جادو گروں کی ناکامی	۲۰۰	ربط آیات
"	حصول اقتدار کا طعن	"	رات اور دن بطور دلیل
۲۲۳	آبادی اجاد کی تقلید	۲۰۱	رات کے فائدے
"	جادو گروں کا اجتماع	۲۰۲	سکون کی ضرورت
۲۲۶	حق کا بول بالا	۲۰۳	نشانی قدرت
۲۲۷	درس سبت دوم (آیت ۸۳ تا ۸۷)	۲۰۴	عقیدہ ابن اللہ
"	آیات و ترجمہ	۲۰۶	خدا کے حضور پیشی
۲۲۸	ربط آیات	۲۰۸	درس سبت ۲۰ (آیت ۷۱ تا ۷۴)
"	چند اہل ایمان افراد	"	آیات و ترجمہ
۲۲۹	چند بنی اسرائیل نوجوان	۲۰۹	ربط آیات
۲۳۰	فرعون کے مظالم	۲۱۰	حضرت نوح علیہ السلام کا وعظ
۲۳۱	خدا پر بھروسہ	۲۱۱	توکل علی اللہ
۲۳۲	اہل ایمان کی آزمائش	۲۱۲	کفار کو چیلنج
۲۳۳	قوم موسیٰ علیہ السلام کو علیحدگی کا حکم	۲۱۳	بے لوث خدمت
"	گھروں میں نماز کا حکم	"	مکذبین کی غرقابی
۲۳۴	مسجد کے آداب	۲۱۴	مسئل تکذیب
۲۳۵	نماز کی تعمین	۲۱۶	درس سبت یکم (آیت ۷۵ تا ۸۲)
۲۳۶	درس سبت سوم (آیت ۸۸ تا ۸۹)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۲۱۷	ربط آیات
"	ربط آیات	"	موسیٰ علیہ السلام کی بعثت



۳۴۷	آیات و ترجمہ	۲۲۳	تخلیقِ ارض و سما
	رابطہ آیات	۲۲۵	عرش بر آب
۳۴۸	واضح راستہ	۲۲۷	مقصد تخلیق کائنات
۳۴۹	لفظ شاہد کی توجہات	۲۲۸	بعث بعد الموت
۳۵۰	توجہ کا بیج	۲۲۹	عذاب الہی
۳۵۱	تورات بطور پیشوا اور رحمت	۲۳۱	درس چہارم ۴ (آیت ۹ تا ۱۲)
۳۵۲	منکرین کا انجام	"	آیات و ترجمہ
۳۵۳	حق بجانب اللہ	۲۳۲	رابطہ آیات
۳۵۵	درس ہفتم ۷ (آیت ۱۸ تا ۲۴)	"	عروج کے بعد زوال
۳۵۶	آیات و ترجمہ	۲۳۳	تکلیف کے بعد راحت
۳۵۷	رابطہ آیات	۲۳۴	صبر اور عمل صالح
۳۵۸	افترار علی اللہ	۲۳۵	اہل ایمان کے لیے تسلی
	اللہ کے حضور پیشی	۲۳۶	نبی بحیثیت نذیر
۳۵۹	اللہ کے راستے سے ہٹنے والے	۲۳۸	درس پنجم ۵ (آیت ۱۳ تا ۱۶)
۳۶۰	اسلام کے خلاف سازشیں	"	آیات و ترجمہ
۳۶۱	منکرین کے لیے دگنا عذاب	۲۳۹	رابطہ آیات
۳۶۲	اہل ایمان کے لیے جنت	"	قرآن بطور چیلنج
۳۶۳	نیک و بد کا تقابل	۲۴۱	چیلنج کی بنیاد
۳۶۴	درس مشتمل ۸ (آیت ۲۵ تا ۲۷)	۲۴۲	نزولِ علم اللہ
	آیت و ترجمہ	۲۴۳	معبود برحق
	نامرستہ انبیاء	"	دنیا کی خواہش
۳۶۵	زمانہ قبل از نوح علیہ السلام	۲۴۵	آخرت میں محرومی
۳۶۸	نوح علیہ السلام کا دور	۲۴۷	درس ششم ۶ (آیت ۱۷)



۳۰۱	سورة هود	۲۷۹	ایام اللہ کا انتظار
۳۰۲	درس اوّل (آیت ۴ تا ۱۲)	۲۸۰	اہل اللہ کا تحفظ
"	آیات و ترجمہ	۲۸۱	اللہ بی حق کا قیام
۳۰۳	نام اور کوائف	۲۸۲	درس سبت ہشت ۲۸ (آیت ۱۰ تا ۱۷)
"	مضامین سورة	"	آیات و ترجمہ
۳۰۴	حروف مقطعات	۲۸۵	رابطہ آیات
۳۰۶	محکم آیات	۲۸۶	خدائے واحد کی عبادت
۳۰۷	اصول تفسیر	"	وفات بطور دلیل
۳۰۹	عبادت خداوندی	۲۸۷	ایمان پر استقامت
"	استغفار کی برکات	۲۸۸	شرک کی بیماری
۳۱۰	مناہج حسن	۲۸۹	ما فوق الاسباب استعانت
۳۱۱	خوف خدا	۲۹۰	شرک کا وبال
۳۱۳	درس دوم ۲ (آیت ۲۵ تا ۶)	"	خیر و شر کا اختیار
"	آیات و ترجمہ	۲۹۲	درس سبت نہ ۲۹ (آیت ۱۰ تا ۱۹)
"	رابطہ آیات	"	آیات و ترجمہ
۳۱۴	شان نزول	"	حق کی آمد
۳۱۵	اللہ کا علم محیط	۲۹۳	ہدایت کا فائدہ
۳۱۶	رزق کی ذمہ داری	۲۹۴	گمراہی کا نقصان
۳۲۰	مستقر اور مستودع	۲۹۵	اسلام میں جبر نہیں
۳۲۱	کتاب مبین	۲۹۶	جبر فساد کی جڑ ہے
۳۲۲	درس سوم ۳ (آیت ۷ تا ۸)	۲۹۷	مسلمانوں میں فرقہ بندی
"	آیات و ترجمہ	"	اتباع وحی
"	رابطہ آیات	۲۹۸	صبر کی تلخین



۲۵۲	بنی اسرائیل کا عروج و زوال	۲۲۷	گمراہی بسبب زینت اور مال
۲۵۸	بنی اسرائیل کی علمی خیانت	۲۳۹	جائزہ اور ناجائز زینت
۲۵۹	قرآن کریم کی حقانیت	۲۴۰	موسیٰ علیہ السلام کی بددعا
۲۶۲	حضور کے لیے تشفی	۲۴۱	دعا کی قبولیت
۲۶۳	منکرین کی مہل دھرمی	۲۴۲	انبیاء اور بددعا
۲۶۵	درس نسبت شش ۲۶ (آیت ۹۸)	۲۴۳	دعا اور آمین
"	آیات و ترجمہ	۲۴۴	استقامت کا حکم
"	رابطہ آیات	۲۴۶	درس نسبت چہارم ۲۴ (آیت ۹۰ تا ۹۲)
۲۶۶	حضرت یونس علیہ السلام کی بعثت	"	آیات و ترجمہ
۲۶۷	حضرت یونس علیہ السلام کی لغزش	۲۴۷	رابطہ آیات
۲۶۸	حضرت یونس علیہ السلام پر ابتلا	"	بنی اسرائیل کی روانگی
۲۶۹	مصیبت سے نجات	۲۴۸	فرعون کی طرف سے تعاقب
۲۷۰	صحرائیں سامان زلیات	۲۴۹	بنی اسرائیل کی پریشانی
۲۷۱	قوم یونس کی توبہ	"	فرعونوں کی غرقابی
۲۷۳	حضرت یونس علیہ السلام کا ازالہ فقرہ	۲۵۰	فرعون کا ایمان لانا
۲۷۴	درس نسبت ہفت ۲۷ (آیت ۹۹ تا ۱۰۳)	۲۵۱	نعت فرعون کی سلامتی
"	آیات و ترجمہ	۲۵۲	فراعین مصر
۲۷۵	رابطہ آیات	۲۵۳	نشان عبرت
"	ہدایت اور گمراہی کا قانون	"	بدن معنی زرہ
۲۷۶	دین میں جبر نہیں	۲۵۵	درس نسبت سوچ ۲۵ (آیت ۹۳ تا ۹۷)
۲۷۷	عقیدے کی نجاست	"	آیات و ترجمہ
"	عقل کا استعمال	۲۵۶	رابطہ آیات
۲۷۹	مشہدہ نشانات قدرت		



۳۹۶	وقت انتقام	۳۷۰	آغاز تبلیغ
"	نوح علیہ السلام کو ایذا رسانی	۳۷۱	توحید باری تعالیٰ
۳۹۷	نوح علیہ السلام کی دعا	۳۷۲	قوم کا جواب
"	کشتی کی تیاری	۳۷۳	بشریتِ انبیاء
۳۹۹	ایمان اور اعمالِ صالحہ بطور کشتی	۳۷۴	انسانوں کے درجات
۴۰۰	سفارش کی ممانعت	۳۷۵	مشرکین کا دوسرا اعتراض
"	نوح علیہ السلام کے ساتھ ٹھٹھا	۳۷۶	کامیابی کا مدار
۴۰۱	کذبین کا انجام	۳۷۷	درس ہفتم ۹ (آیت ۲۸ تا ۳۱)
۴۰۲	درس وازدہم ۱۲ (آیت ۴۰ تا ۴۳)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۳۸۰	نبی کی وجہ امتیاز
۴۰۳	رابطہ آیات	۳۸۱	ہدایتِ جبرائیل علیہ السلام
"	طوفان کی علامت	۳۸۲	تبلیغ دین کا اجر
۴۰۴	مہرِ قسم کے جانور	۳۸۳	اہل ایمان کی قدردانی
۴۰۶	گھبرائے اور اہل ایمان	۳۸۴	نبی کی شخصی حیثیت
۴۰۷	سوار ہونے کی دعائیں	۳۸۵	امیر و غریب میں تفاوت
۴۰۸	کشتی کی روانگی	۳۸۸	درس دہم ۱۰ (آیت ۲۲ تا ۲۵)
۴۰۹	بیٹے کے ساتھ مکالمہ	"	آیات و ترجمہ
۴۱۰	قوم کی غرقابی	۳۸۹	رابطہ آیات
۴۱۱	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۴۴ تا ۴۷)	۳۹۰	عذاب کا مطالبہ
"	آیات و ترجمہ	۳۹۱	نوح علیہ السلام کا جواب
۴۱۲	رابطہ آیات	۳۹۲	افترار کا الزام
"	طوفانِ تھم گیا	۳۹۵	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۶ تا ۳۹)
۴۱۳	جودی پہاڑ	"	آیات و ترجمہ

۴۲۳	معافی مذہب	۴۱۴	بیٹے کے لیے دعا
۴۲۴	اہلزم مسر	۴۱۵	اللہ تعالیٰ کا سخت جواب
۴۲۵	قوم عاد کا مکین	"	خالی نسلی قرابت غیب نہیں
"	اخوت کی مختلف صورتیں	۴۱۶	نور علیہ السلام کی لغزش
۴۲۷	ہود علیہ السلام کی دعوت توحید	۴۱۸	ماثریدی کی ترجمہ
۴۲۸	شرک کی بنیاد	۴۲۰	شیخ الاسلام کی ترجمہ
۴۲۹	استغفار کی برکات	"	معافی کی درخواست
۴۳۰	درس شانزدہم (آیت ۵۳ تا ۵۷)	۴۲۲	درس چہار و حکم ۱۴ (آیت ۴۸ تا ۴۹)
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
۴۳۱	رابطہ آیات	"	رابطہ آیات
"	معجزے کا مطالبہ	۴۲۳	دسویں محرم کی فضیلت
۴۳۲	معبودان باطلہ پر اصرار	"	کشتی سے اترنے کا حکم
۴۳۳	شرک سے بیزاری	۴۲۴	اللہ کی طرف سے سلامتی
۴۳۴	توحید پر ثابت قدمی	۴۲۵	سلامتی سرب اوسب میں
۴۳۵	عدل و انصاف کا راستہ	۴۲۶	اللہ کی طرف سے برکت
۴۳۶	درس ہفتم (آیت ۵۸ تا ۶۰)	۴۲۷	عذاب کے متعلقین
"	آیات و ترجمہ	"	غیب کی خبریں
"	رابطہ آیات	۴۲۸	نبی عالم الغیب نہیں ہوتا
۴۳۷	قوم عاد کے دو خاندان	۴۲۹	صبر کی تلقین
۴۳۸	قوم عاد کا وفد	۴۳۰	درس پانزدہم ۵ (آیت ۵۰ تا ۵۲)
۴۳۹	قوم عاد پر عذاب	"	آیات و ترجمہ
۴۴۰	اہل ایمان کی نجات	۴۳۱	رابطہ آیات
"	آیات اور رسولوں کا انکار	"	ہود علیہ السلام اور آپ کی قوم

۴۵۵	سرکشوں کی پیروی	۴۵۵	اہل ایمان کی نجات	۴۵۶
۴۵۶	لعنت کا طوق	۴۵۶	ظالموں کی ہلاکت	۴۵۷
۴۵۸	درس ہفتم (آیت ۶۱ تا ۶۳)	۴۵۸	سامان عبرت اور تنبیہ	۴۵۸
۴۵۹	آیات و ترجمہ	۴۵۹	درس ہشتم (آیت ۶۹ تا ۷۶)	۴۵۹
۴۵۹	رابط آیات	۴۵۹	آیات و ترجمہ	۴۵۹
۴۶۰	قوم ثمود	۴۶۰	رابط آیات	۴۶۰
۴۶۰	صالح علیہ السلام کی بعثت	۴۶۰	ابراہیم علیہ السلام کو بشارت	۴۶۱
۴۶۱	دعوت الی التوحید	۴۶۱	ابراہیم علیہ السلام کی ممان نوازی	۴۶۱
۴۶۲	مٹی سے انسانی تخلیق	۴۶۲	مسئلہ علم غیب	۴۶۲
۴۶۳	زمین کی آباد کاری	۴۶۳	بیٹے اور پوتے کی بشارت	۴۶۳
۴۶۴	استغفار کی تلقین	۴۶۴	ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت	۴۶۴
۴۶۵	خدا سے براہ راست دعا	۴۶۵	قوم لوط کے متعلق تشریش	۴۶۵
۴۶۶	ترسل کی حقیقت	۴۶۶	درس نہتہ یکم (آیت ۷۷ تا ۸۳)	۴۶۶
۴۶۷	آباد و اجداد کا طریقہ	۴۶۷	آیات و ترجمہ	۴۶۷
۴۶۸	توحید پر استقامت	۴۶۸	رابط آیات	۴۶۸
۴۶۹	درس نوزدہم (آیت ۶۴ تا ۶۸)	۴۶۹	لوط کی بیماری	۴۶۹
۴۷۰	آیات و ترجمہ	۴۷۰	فرشتوں کی آمد	۴۷۰
۴۷۱	رابط آیات	۴۷۱	لوط علیہ السلام کی پیش کش	۴۷۱
۴۷۲	نثانی کا مطالبہ	۴۷۲	قوم کے ساتھ طحار	۴۷۲
۴۷۳	اونٹنی کے لیے شرائط	۴۷۳	فرشتوں کی طرف سے قتل	۴۷۳
۴۷۴	شعائر اللہ کی تعظیم	۴۷۴	لوط علیہ السلام کی بیوی	۴۷۴
۴۷۵	عذاب الہی کی آمد	۴۷۵	عذاب الہی آگیا	۴۷۵
۴۷۶	بد بخت آدمی	۴۷۶	درس نہتہ دوم (آیت ۸۴ تا ۸۶)	۴۷۶



۵۱۹	۴۹۸	کمزوری کا طعنہ	آیات و ترجمہ
۵۲۰	۴۹۹	خاندان کا لحاظ	رابطہ آیات
"	"	حق و باطل میں امتیاز	حضرت شعیب علیہ السلام
۵۲۱	۵۰۰	عذاب کی آم	شعیب علیہ السلام کی بیعت
۵۲۳	۵۰۲	مکمل تباہی	ماہ قول میں کمی
۵۲۴	۵۰۳	درس سبست پینچ ۲۵ (آیت ۹۶ تا ۱۰۱)	حقوق العباد
"	۵۰۳	آیات و ترجمہ	عذاب کا خطرہ
۵۲۵	"	رابطہ آیات	فنا فی الارض
"	۵۰۵	موسیٰ علیہ السلام کی بعثت	بقیت النبی بہتر ہے
۵۲۶	۵۰۷	دوڑنیوں کی قیادت	درس سبست ۲۲ (آیت ۸۷ تا ۹۰)
۵۲۷	"	دنیا و آخرت کی لعنت	آیات و ترجمہ
۵۲۸	۵۰۸	تذکیر بایم اللہ	رابطہ آیات
۵۲۹	"	معبودان باطلہ سے مایوسی	شعیب علیہ السلام پر طعن
۵۳۱	۵۰۹	درس سبست و شش ۲۶ (آیت ۱۰۲ تا ۱۰۹)	کسب تصرف پر پابندی
"	۵۱۱	آیات و ترجمہ	حلال روزی
۵۳۳	۵۱۲	رابطہ آیات	قول و فعل کی مطابقت
"	۵۱۳	اللہ تعالیٰ کی گرفت	اصلاح احوال
۵۳۴	۵۱۴	نشان عبرت	توفیق اپنوردی
۵۳۵	"	افسانوں کی زبان بندی	قوم سے دلی غیر خواہی
"	۵۱۶	شقاوت و سعادت	درس سبست چہارم ۲۴ (آیت ۹۱ تا ۹۵)
۵۳۶	"	شقی و سعید کا انجام	آیات و ترجمہ
۵۳۷	۵۱۷	ارض مسما کی اہمیت	رابطہ آیات
۵۳۹	۵۱۸	ماشاء اللہ کی توجہیات	نافعی کا بیان

۵۶۲	۵۴۰	شُرک اور اس کا بدلہ	ربط آیات
"	۵۴۱	درس سبب ہفت ۲ (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۳)	فادائی الارض کی ممانعت
۵۶۳	"	آیات و ترجمہ	متاع دنیا میں رغبت
۵۶۴	۵۴۳	ربط آیات	فاد کے اثرات
۵۶۵	"	نزول تورات	اسلام میں جبر نہیں
۵۶۶	۵۴۴	اختلاف فی الکتاب	دین میں اختلاف
۵۶۸	۵۴۵	قانون اعمال و تدریج	جہنم بھیر جائے گی
۵۶۰	۵۴۶	کلام الہی میں تردد	درس سہمی ۳۰ (آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳)
"	۵۴۷	استقامت کا حکم	آیات و ترجمہ
۵۶۱	۵۴۸	عقیدے کی پختگی	ولی تہلی کا مضمون
۵۶۲	۵۴۹	اعمال میں استقامت	حق کی آمد
"	۵۵۰	استقامت بطور سخت حکم	وعظ و نصیحت
۵۶۳	۵۵۱	درس سبب ہشت ۲۸ (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)	یاد و دہانی
"	"	آیات و ترجمہ	خدائی فیصلے کا انتظار
۵۶۴	"	ربط آیات	علم غیب
۵۶۶	۵۵۲	استقامت علی الدین	عبادت الہی
۵۶۷	۵۵۳	ظالم اور مظلوم میں کش مکش	توکل علی اللہ
۵۶۹	۵۵۵	ظلم کی سیاست	سورۃ یوسف
۵۸۰	۵۵۷	اقامت صلوٰۃ	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۳)
"	۵۵۸	برائی کے بعد نیکی	آیات و ترجمہ
"	۵۵۹	صبر کا اجر	نام اور کوائف
۵۸۱	۵۶۱	درس سبب نہ ۲۹ (آیت ۱۱۶ تا ۱۱۹)	مضامین سورۃ
"	"	آیات و ترجمہ	حضور علیہ السلام کا روشن مستقبل

۶۰۶	محبت کی وجوہات	۵۸۲	حروف مقطعات
۶۰۸	درس چہارم ۴ (آیت ۱۱ تا ۱۴)	۵۸۳	قرآن اور عربی زبان
	آیات و ترجمہ	۵۸۵	قرآن کا ترجمہ قرآن نہیں
۶۰۹	ربط آیات	۵۸۶	احسن القصص
	باب ست درخواست	۵۸۷	واقعہ یوسف بنور ولیل رسالت
۶۱۰	کھیلوں کی حیثیت	۵۸۸	درس دوم ۲ (آیت ۲ تا ۶)
۶۱۱	کھیلوں کی قیادت	..	آیات و ترجمہ
۶۱۲	یعقوب علیہ السلام کی تشویش	۵۸۹	ربط آیات
۶۱۳	اقنار کی جنگ	۵۹۰	حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب
	عبانیوں کا اسرار	۵۹۱	یوسف علیہ السلام کا خاندان
۶۱۵	درس پنجم ۵ (آیت ۱۵ تا ۲۰)	۵۹۲	خواب کی اقسام
۶۱۶	آیات و ترجمہ	۵۹۳	خواب کی حقیقت
	ربط آیات	۵۹۴	خواب کی تعبیر
۶۱۷	سپر وچاہ	۵۹۵	یوسف علیہ السلام کی برگزیدگی
۶۱۸	وحی الہی کا نزول	..	آل یعقوب پر اتمہ محبت
۶۱۹	یوسف علیہ السلام کی دعا	۵۹۹	درس سوم ۳ (آیت ۷ تا ۱۰)
	عبانیوں کی حید سازی	..	آیات و ترجمہ
۶۲۰	خون آلود قمیص	۶۰۰	ربط آیات
۶۲۱	یوسف علیہ السلام کی برآمدگی	..	واقعہ یوسف میں نشانیاں
۶۲۲	یوسف علیہ السلام کی فروختی	۶۰۱	سالمین کون تھے
۶۲۵	درس ششم ۶ (آیت ۲۱ تا ۲۲)	۶۰۲	برادران یوسف کا صلہ مشورہ
	آیات و ترجمہ	۶۰۳	قتل یا گمشدگی
	ربط آیات	۶۰۵	یوسف علیہ السلام اور ضروری اصولوں میں مماثلت



۶۵۲	محبت کے چرچے	۶۲۶	کنعان سے مصر تک
۶۵۳	محبس طعام کا انعقاد	۶۲۷	مصر میں قدر و قیمت
۶۵۵	یوسف علیہ السلام کا سامنے آنا	"	یوسف علیہ السلام کی عزت افزائی
۶۵۶	ہاتھ کاٹ ڈالے	۶۲۹	عالمین فرستِ صادقہ
"	فرشتہ صوت النان	"	تأویل الاحادیث کا علم
۶۵۷	فرشتہ عربی ادب میں	۶۳۰	کمال حکمت و علم
۶۵۹	درس ہفتم ۱۰ (آیت ۳۲ تا ۳۵)	۶۳۱	ایک غلط فہمی
"	آیات و ترجمہ	۶۳۲	نیکی کا بدلہ
۶۶۰	رابطہ آیات	۶۳۳	درس ہفتم ۷ (آیت ۲۳ تا ۲۴)
"	چھری کانٹے کا استعمال	"	آیات و ترجمہ
۶۶۲	زلیخا کا اعتراف حقیقت	۶۳۵	تشریح آیات
۶۶۴	یوسف علیہ السلام کی دعا	۶۳۷	درس ہفتم ۸ (آیت ۲۵ تا ۲۹)
۶۶۵	عرش کا سایہ	"	آیات و ترجمہ
۶۶۶	برائی کے وقت خوفِ خدا	۶۳۳	قمیص پھٹ جانا
۶۶۷	دعا کی قبولیت	۶۳۴	بائبل اور قرآن میں تضاد
۶۶۸	قید بطور مصلحت	۶۳۵	خاوند سے شکایت
۶۶۹	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۶ تا ۳۸)	۶۳۶	یوسف علیہ السلام کی بے گناہی
"	آیات و ترجمہ	۶۳۷	علامت کی اہمیت
۶۷۰	تبدیلی رائے	۶۳۸	عورتوں کی مکاریاں
۶۷۱	قید و بند کی تاریخ	۶۵۰	عزیز مصر کی معاملہ فہمی
۶۷۲	دوشاہی ملزمان	۶۵۱	درس نہم ۹ (آیت ۳۰ تا ۳۱)
۶۷۳	قیدیوں کے خواب	"	آیات و ترجمہ
۶۷۵	تعبیر خواب	"	رابطہ آیات

۷۰۳	آیات و ترجمہ	۶۷۷	ذریعہ تبلیغ
۷۰۴	ربط آیات	۶۷۸	اتباع مدت برای پی
۷۰۵	شاهی و بار ستہ پیغام	۶۸۰	عقیدہ توحید پر تمام است
۷۰۶	یوسف علیہ السلام کا سفر	۶۸۲	درس و ترجمہ ۱۱ (آیت ۳۹ تا ۴۲)
۷۰۷	مثنوی درجات کا تراجم	۶۸۳	آیات و ترجمہ
۷۰۸	بادشاہ کی طرف سے تحقیق	۶۸۴	ربط آیات
۷۰۹	زینجا کا اقرار حق و یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی	۶۸۵	داعیہ محمود بر حق
۷۱۰	یوسف علیہ السلام کی آنسواری	۶۸۶	خود ساختہ نامہ
۷۱۱	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۵۴ تا ۵۷)	۶۸۷	تبلیغ کی ضرورت
۷۱۲	آیات و ترجمہ	۶۸۸	خواب کی تعبیر
۷۱۳	ربط آیات	۶۸۹	یوسف علیہ السلام کی لغزش
۷۱۴	یوسف علیہ السلام شاهی و بار میں	۶۹۰	دائرہ اسباب میں اعانت
۷۱۵	وزارت خزانہ کا مطالبہ	۶۹۱	شاهی دربار میں تبلیغ
۷۱۶	غیر مسلم کی خدمت	۶۹۲	درس سیزدہم ۱۴ (آیت ۴۳ تا ۴۹)
۷۱۷	یوسف علیہ السلام کا اقتدار	۶۹۳	بادشاہ کا خواب
۷۱۸	زینجات نکاح	۶۹۴	سات گناہیں
۷۱۹	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۵۸ تا ۶۲)	۶۹۵	سات خوشے
۷۲۰	آیات و ترجمہ	۶۹۶	تعبیر کی تلاش
۷۲۱	ربط آیات	۶۹۷	یوسف علیہ السلام کی خدمت میں
۷۲۲	یوسف علیہ السلام کی تدبیر	۶۹۸	یوسف علیہ السلام کا جواب
۷۲۳	عالمی قحط	۷۰۰	پندرہویں سال
۷۲۴	قیمت پر کنٹرول	۷۰۱	درس چار ویکم ۱۴ (آیت ۵۳ تا ۵۷)
۷۲۵	گواہی کا صلہ	۷۰۲	

۷۵۲	برادرانہ تعلقات	۷۲۸	برادرانہ تعلقات	۷۲۸	برادرانہ تعلقات
۷۵۳	پیمانے کی گمشدگی	۷۲۹	پیمانے کی گمشدگی	۷۲۹	پیمانے کی گمشدگی
۷۵۴	چوری کا الزام	۷۳۰	چوری کا الزام	۷۳۰	چوری کا الزام
۷۵۵	برادرانہ یوسف کا انکار	۷۳۱	برادرانہ یوسف کا انکار	۷۳۱	برادرانہ یوسف کا انکار
۷۵۶	چوری کی سزا	۷۳۲	چوری کی سزا	۷۳۲	چوری کی سزا
۷۵۷	درس سیم ۲ (آیت ۷۶ تا ۷۹)	۷۳۳	درس سیم ۲ (آیت ۷۶ تا ۷۹)	۷۳۳	درس سیم ۲ (آیت ۷۶ تا ۷۹)
۷۵۸	آیات و ترجمہ	۷۳۴	آیات و ترجمہ	۷۳۴	آیات و ترجمہ
۷۵۹	ربط آیات	۷۳۵	ربط آیات	۷۳۵	ربط آیات
۷۶۰	بن یامین کے لیے فرائض	۷۳۶	بن یامین کے لیے فرائض	۷۳۶	بن یامین کے لیے فرائض
۷۶۱	باپ کا جواب	۷۳۷	باپ کا جواب	۷۳۷	باپ کا جواب
۷۶۲	بیٹوں کی طرف سے اصرار	۷۳۸	بیٹوں کی طرف سے اصرار	۷۳۸	بیٹوں کی طرف سے اصرار
۷۶۳	صناعت کا مطالبہ	۷۳۹	صناعت کا مطالبہ	۷۳۹	صناعت کا مطالبہ
۷۶۴	اسباب اور توکل	۷۴۰	اسباب اور توکل	۷۴۰	اسباب اور توکل
۷۶۵	درس ہشودیم ۱۸ (آیت ۶ تا ۶۸)	۷۴۱	درس ہشودیم ۱۸ (آیت ۶ تا ۶۸)	۷۴۱	درس ہشودیم ۱۸ (آیت ۶ تا ۶۸)
۷۶۶	آیات و ترجمہ	۷۴۲	آیات و ترجمہ	۷۴۲	آیات و ترجمہ
۷۶۷	ربط آیات	۷۴۳	ربط آیات	۷۴۳	ربط آیات
۷۶۸	متفرق دروازوں سے داخلہ	۷۴۴	متفرق دروازوں سے داخلہ	۷۴۴	متفرق دروازوں سے داخلہ
۷۶۹	توکل برخدا	۷۴۵	توکل برخدا	۷۴۵	توکل برخدا
۷۷۰	اس نصیحت کی وجوہات	۷۴۶	اس نصیحت کی وجوہات	۷۴۶	اس نصیحت کی وجوہات
۷۷۱	مشکل نظر	۷۴۷	مشکل نظر	۷۴۷	مشکل نظر
۷۷۲	علم اور عمل	۷۴۸	علم اور عمل	۷۴۸	علم اور عمل
۷۷۳	درس نوزدیم ۱۹ (آیت ۶۹ تا ۷۵)	۷۴۹	درس نوزدیم ۱۹ (آیت ۶۹ تا ۷۵)	۷۴۹	درس نوزدیم ۱۹ (آیت ۶۹ تا ۷۵)
۷۷۴	آیات و ترجمہ	۷۵۰	آیات و ترجمہ	۷۵۰	آیات و ترجمہ
۷۷۵	ربط آیات	۷۵۱	ربط آیات	۷۵۱	ربط آیات
۷۷۶	بن یامین سے تعارف	۷۵۲	بن یامین سے تعارف	۷۵۲	بن یامین سے تعارف



۷۹۸	باب کے لئے فیصلہ کا تحفہ	۷۹۸	باب کے سلسلے سرگزشت
۷۹۹	پوسے خاندان کو دعوت	۷۹۹	باب کی بے یقینی
۸۰۱	درس لست چہار (آیت ۹۲ تا ۹۸)	۸۰۱	یوسف علیہ السلام کی باپ کے بے غبنی
"	آیات و ترجمہ	"	امید کا دامن
۸۰۲	ربط آیات	۸۰۲	درس لست و دو (آیت ۸۴ تا ۸۷)
۸۰۳	خوشنویسے یوسف علیہ السلام	"	آیات و ترجمہ
۸۰۵	یعقوب علیہ السلام بنیا ہو گئے	۸۰۵	ربط آیات
۸۰۶	منصب انبیاء	"	یعقوب علیہ السلام کی حالت زار
"	معافی کی درخواست	۸۰۶	بیٹوں سے مکالمہ
۸۰۸	قبولیت دعا کا وقت	۸۰۸	کثرت غم پر اشکال
۸۱۰	درس لست پنج (آیت ۹۹ تا ۱۰۰)	۸۱۰	امام مجتہد کی توجہ یہ
"	آیات و ترجمہ	"	ما بوسی گناہ سے
۸۱۱	ربط آیات	۸۱۱	درس لست ستر (آیت ۸۸ تا ۹۳)
"	یعقوب علیہ السلام کا استقبال	"	آیات و ترجمہ
۸۱۳	والدین کی عزت افزائی	۸۱۳	ربط آیات
۸۱۵	سب سجدہ ریز ہو گئے	۸۱۵	یوسف علیہ السلام سے تیسری ملاقات
۸۱۶	سجدہ کی شرعی حیثیت	۸۱۶	اناج کی درخواست
۸۱۸	خراب کی سچی تعبیر	۸۱۸	صدقے کا مفہوم
۸۱۹	شیطان کی مداخلت	۸۱۹	پیرہہ اٹھ گئی
۸۲۱	درس لست شوش (آیت ۱۰۴ تا ۱۰۵)	۸۲۱	تقرری اور صبر
"	آیات و ترجمہ	"	غلطی کا اعتراف
۸۲۲	ربط آیات	۸۲۲	عام معافی کا اعلان
"	یعقوب علیہ السلام کی وفات	"	

۸۳۶	نشانات قدرت سے اعراض	۸۲۳	یوسف علیہ السلام کا آخری زمانہ
۸۳۸	مشرکین کی کثرت	۸۲۴	ماہل حدیث کا علم
۸۴۰	عذاب الہی سے بے فکری	۸۲۵	اللہ کے سلسلے انگاری
۸۴۲	صراطِ مستقیم	۸۲۶	موت علی الاسلام کی دعا
۸۴۵	درس نسبت ہفت (آیت ۱۰۹ تا ۱۱۱)	۸۲۷	تمام انبیاء کی دعا
"	آیات و ترجمہ	۸۲۸	نیک لوگوں کی معیت
۸۴۶	ربط آیات	۸۲۹	اختتام واقعہ یوسف علیہ السلام
۸۴۷	انبیاء از نزع انسانی	۸۳۰	رسالت کی صداقت
"	مردوزن میں تفریق	۸۳۱	مسئلہ حاضر و ناظر
۸۴۹	دیباچی اور شری تمدن	۸۳۲	اکثریت گمراہ ہے
۸۵۰	نیک و بد کا انجام	۸۳۳	بے لوث خدمت
"	انبیاء کی مایوسی	۸۳۴	درس نسبت ہفت (آیت ۱۰۵ تا ۱۰۸)
۸۵۲	نصرت الہی	"	آیات و ترجمہ
۸۵۳	سامانِ عبرت	۸۳۵	یوسف علیہ السلام کی تدفین
۸۵۴	قرآن پاک کی حقانیت	"	تصدیق رسالت
۸۵۵	پہایت اور رحمت	۸۳۶	تخصر علیہ السلام کا روشن مستقبل

## پیش لفظ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ  
وَالْمَكْلُوَّةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ

اما بعد

سورۃ یونس، سورۃ ہود، اور سورۃ یوسف پر مشتمل سلسلہ دروس القرآن کی دسویں جلد پیش کرتے وقت ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہیں کہ جس کی توفیق سے ادارہ دروس القرآن اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اگرچہ منزل ابھی دور ہے مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور قارئین کے تعاون نے اسے قریب کر دیا ہے۔ ہم تمام قارئین سے اس سلسلہ کی تکمیل کے لیے دعا کے خواستگار ہیں۔

ان تینوں سورتوں کا تعلق مکی دور سے ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح ان میں بھی اسلام کے چار بنیادی مضامین بیان کیے گئے ہیں

۱۔ قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور اس کا وحی الہی ہونا۔

۲۔ توحیدِ خداوندی اور اُس کے عقلی اور عقلی دلائل۔

۳۔ بعثتِ انبیاء، ان کا طریقہ تبلیغ، اقوام کا ردِ عمل اور منافرانوں کے لیے سزا۔

۴۔ وقوعِ قیامت، محاسبہ اعمال اور جزا و سزا

ان سورتوں کا زمانہ نزول مکی زندگی کا آخری حصہ معلوم ہوتا ہے جب کہ پیغمبر اسلام اور اہل ایمان کے خلاف کفار کی ریشہ دوانیاں بہت بڑھ چکی تھیں جنہوں نے علیہ السلام و عطا و تبلیغ کے تمام وسائل استعمال کر چکے تھے مگر قوم کی طرف سے مسلسل انکار، راز، سازشوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اب ایک ہی صورت باقی رہی



تھی کہ اللہ تعالیٰ اس قوم پر بھی قہر کی نگاہ ڈالے اور جس عذاب کو یہ خود اپنی زبانوں سے طلب کر رہے ہیں، اُس کا سزا چکھا دے۔

سورۃ یونس اور ہود میں ان انبیاء کے حالات کے علاوہ دیگر انبیاء، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جدوجہد اقوام کی نافرمانی اور پھیر آن پر آنے والی سزا کا ذکر ہے۔ البتہ سورۃ یوسف میں صرف آپ ہی کے واقعات نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ قصہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے احسن القصص سے تعبیر کیا ہے۔ اس سورۃ کی شان نزول کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ یہودیوں کے ایما پر مشرکین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا تھا کہ بنی اسرائیل ۱۳۱۳، وثن تو شام و فلسطین تھا مگر جب انہوں نے فرعون سے نجات حاصل کی تو وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ ان کا تعلق مصر سے کیسے قائم ہوا اور یہ اتنی بڑی تعداد میں وہاں کیسے جمع ہو گئے؟ یہود و مشرکین کا خیال تھا کہ آپ علیہ السلام اس سوال کا جواب نہیں دے سکیں گے تو انہیں اسلام کے خلاف پراگینڈا کرنے کا ایک موقع میسر آ جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ سوال کے جواب میں پوری سورۃ یوسف نازل فرما کر مخالفین کے منہ بند کر دیے اور واضح کر دیا کہ مصر میں بنی اسرائیل کے ورود کی ابتدا خاندان یوسف سے ہوئی تھی۔ اس سورۃ کے نزول کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ واقعہ یوسف علیہ السلام کی مائلمت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے رشتہ مستقبل کی پیشین گوئی بھی فرمادی، جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنی تمام تر تدابیر کے باوجود ناکام اور یوسف علیہ السلام کامیاب ہوئے اسی طرح قریش مکہ کو بھی یہ بات سمجھا دی گئی کہ براہ راست یوسف کی طرح تم بھی اپنے بھائی کی جتنی چاہو مخالفت کر لو۔ مگر کامیابی انہی کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔

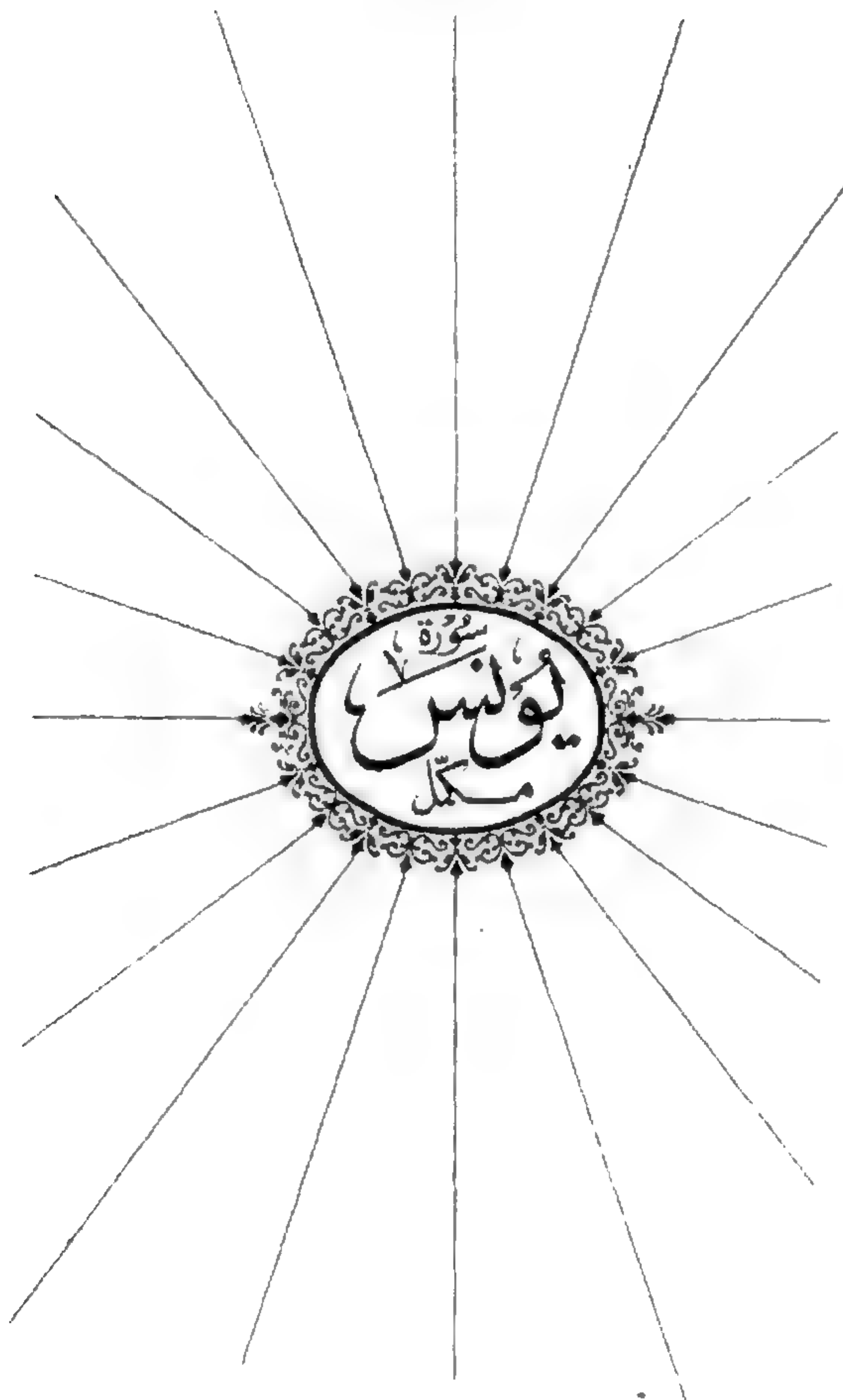
یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بہت سے حقائق بیان کیے گئے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اٹل ہوتی ہے اور اُس کے فضل سے کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا،

تمام مقاصد صبر و استقامت کے فربے حاصل ہوتے ہیں، جس اور عداوت خود عاصد کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو جو ہر عقل عطا فرمایا ہے اس سے فائدہ اٹھانا خود انسان کا کام ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا اور سزا کا درو مدار ایمان اور کفر تک ہے اور اس میں کسی مقرب ترین شخصیت کا بھی ذاتی تعلق منغیر نہیں ہو سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان بیوی کی مثالیں بیان کی گئی ہیں کہ پیغمبر کے ساتھ قریب ترین ذاتی تعلق کے باوجود وہ عذاب الہی سے نہ بچ سکے۔ اس کے برخلاف جو لوگ ایمان سے آئے وہ کامیاب کامران ہوئے اگرچہ ذاتی طور پر ان کا پیغمبر کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔

احقر العباد

(شیخ) لعل حسن علیہ السلام  
شام مارماتن لاهور







نسبت سے اس کا نام سورۃ یونس ہے۔ اس سورۃ کا ایسا نام الٰہ بھی ہے جو کہ سورۃ کے پہلے لفظ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی، لہذا مکی سورۃ کہلاتی ہے۔ اس کی ایک سو نو آیات اور گیارہ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۰۸۲ الفاظ اور ۶۵۶۷ حروف پر مشتمل ہے۔

اس سورۃ کے مضامین پہلی سورۃ توبہ کے مضامین سے خاصی مناسبت رکھتے ہیں۔ گذشتہ سورۃ کے آخر میں توحید و رسالت کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں یہی مضمون ابتداء میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

گذشتہ سورۃ میں زیادہ تر جہاد بالسیف کا ذکر تھا اور اسی سلسلہ میں غزوہ تبوک کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں مگر اس سورۃ میں زیادہ تر جہاد باللسان کا ذکر ہے۔ بہر حال ان دونوں جہادوں میں جہاد بھی قدر مشترک ہے۔ پہلی سورۃ میں کفار کے تین گروہ یعنی کافر، اہل کتاب اور منافق لوگوں کا رد کیا گیا تھا جب کہ اس سورۃ میں مشرکین کے ساتھ بحث مباحثہ، ان کا رد اور ان کو اسلام کی دعوت کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو گویا سورۃ یونس میں ایک توحید اور شرک کا مسئلہ بالوضاحت بیان کیا گیا ہے اور دوسرا مسئلہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی نبوت و رسالت کا ہے جسے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور نبوت و رسالت پر شکوک و شبہات کا اظہار کرنے والوں کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ پھر تیسرا مسئلہ معاد یعنی قیامت کا ہے کہ یہ بھی اجزائے ایمان میں سے ایک اہم جزو ہے۔ تو اس سورۃ میں قیامت کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ ملے گا۔ اس کے علاوہ اس سورۃ میں سابقہ قوموں کے حالات انبیاء کی دعوت اور ان کی اقوام کا رد عمل اور پھر ان کا انجام بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ ان واقعات میں فرعون اور اس کی قوم کا واقعہ خاص طور پر بیان ہوا ہے۔ اس سورۃ

مضامین سورۃ



کا سب سے اہم موضوع دعوت الی القرآن ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی  
عداقت و مخالفت کو واضح کر کے اس کے پروگرام کی طرف دعوت  
دی ہے۔ اس مضمون کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نیز توحید  
کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کر کے شرک کا رد کیا گیا ہے۔ بہر حال قرآن  
کے اسلوب بیان کے مطابق یہی سورتوں میں زیادہ تر بنیادی عقائد کا  
ذکر کر کے ان کی اصلاح کو سبق دیا جاتا ہے۔ یہی سورۃ ہوتے گناہ  
سورۃ یونس کا بھی یہی طرز امتیاز ہے۔

اس سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات کے ساتھ ہوتی ہے  
جن کے متعلق مفسرین کلام کی مختلف آراء ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ  
قرآن پاک میں آنے والے اس قسم کے مفرد حروف یا تو اللہ تعالیٰ  
کے کسی اہم پاک کی طرف اشارہ کرتے ہیں یا ان میں قرآن پاک کی کسی  
خاص بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ البتہ بعض مفسرین مختلف حروف  
کی مختلف تشریح کرتے ہیں مثلاً یہ کہ ا سے اللہ مراد ہے  
اور م سے اللہ کی رافت اور رحمت کا اظہار ہوتا ہے۔ تو گویا ان  
کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! دیکھو  
میں نے تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنی رافت اور رحمت  
کے ساتھ کتنا اچھا کلام نازل فرمایا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ  
اشارہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جہان کی طرف ہے اور پورا مطلب یہ ہے  
اَنَا اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ میں تمہارا اللہ ہوں جو رحمان بھی ہوں اور یہ میری  
رحمت کے کمرے ہیں کہ تمہاری ہدایت کے لیے ایک رسول بھجوا کر  
بھیجا، ایک کتاب بھی نازل فرمائی اور تمہارے لیے تمام ظاہری اور  
باطنی لوازمات زندگی مہیا فرمائے۔ اس سورۃ میں آگے آ رہا ہے کہ  
اللہ تعالیٰ نے انسان کو کتنے عظیم نعمات سے نوازا ہے۔ بعض یہ بھی

حروف  
مقطعات

شاہ ولی  
کا نظریہ

کہتے ہیں اسے رویت مراد ہے۔ اور اس طرح معنی یہ بنتا ہے اَللّٰہُ  
اللّٰہُ آدی یعنی میں تمہارا اللہ ہوں جو تمہاری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہوں۔  
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بذریعہ کشف یا ذوق ان حروف کے  
معانی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہر سورۃ کی ابتدا میں آنے والے حروف  
مقطعات اُس سورۃ کے مضمون کا خلاصہ ہوتے ہیں اور ان حروف  
کو دیکھ کر سورۃ کی اندرونی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے۔ فرماتے ہیں  
کہ ہم لفظ قاضی کا استعمال کرتے ہیں، تو اس کا پورا مضمون فوراً سمجھ آجاتا  
ہے کہ یہ ایک ایسی شخصیت کا ذکر ہے جس کی یہ یہ اہلیت ہوتی ہے  
اور وہ فلاں کام انجام دیتا ہے۔ اسی طرح ہم بی اے، ایم اے یا  
پی ایچ ڈی کا لفظ بولتے ہیں تو ان الفاظ کے معانی و مضمون کی پوری  
حقیقت ہمارے ذہن میں ہوتی ہے۔ اسی طرح شاہ صاحب فرماتے  
ہیں کہ حروف مقطعات سے بھی مخفی حقائق کی نشاندہی ہوتی ہے جسے  
شاہ صاحب اپنی کتاب الخیر البکیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ میں مقامات  
انبیاء کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے بنی اس دنیا میں آکر ہمیشہ ضرور  
کے ساتھ متصادم ہوتے ہیں۔ مشرک، کافر، منافق، دہریے اور دیگر باطل  
عقیدے والے اور بے دین لوگ دین حق کی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے  
ہیں اور انبیاء علیہم السلام اُن کے مقابلے میں اللہ کے سچے دین کو پیش  
کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ میں حق و باطل کے اسی تضاد کی طرف  
اشارہ ہے۔ چنانچہ سورۃ ہذا میں اس نظریہ کی جگہ جگہ تفسیر نظر آئیگی کہ اللہ  
کے نبیوں نے اور بالخصوص حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا  
میں کس طرح شرور و فتن کا مقابلہ کیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی اس ضمن میں آخری بات یہ فرماتے ہیں۔  
کہ حروف مقطعات کا یہ نظریہ ہونا چاہیے اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا رَدِّہ



بِذَلِكَ جَعَلَ اِنْ حُرُوفٍ كَمَا حَقِيقَتُهُ مَعْنَى اللّٰهِ تَعَالٰی جی جانتا ہے، لہٰذا  
 ہمارا عقیدہ یہ ہونا چاہیے اَمْتَابِلَہ یعنی ہم اس پر ایمان لائے۔  
 اللہ تعالیٰ کے لئے ایک اِنْ حُرُوفٍ کی جو بھی مراد ہے وہ بہ حق ہے  
 اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہی راستہ سلاستی والا ہے۔  
 اس معاملہ میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ  
 اِنْ الْفَاظِ کی تعبیر و تشریح حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ  
 کے اشارت میں بھی ملتی ہے مگر بعد کے زمانے میں لوگ شکوک و شبہات  
 میں مبتلا ہونے لگے تو مفسرین نے اِنْ حُرُوفٍ کے معانی کو انسانی  
 ذہنوں کے قریب تر لانے کے لیے بعض توحیات بھی کیں۔ مگر  
 حتمی طور پر یہ کچھ نہیں کہا جاسکتا، لہٰذا محتاط اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ  
 اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور یہ نظریہ رکھا جائے کہ اِنْ حُرُوفٍ  
 سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے، وہی بہ حق ہے اور اسی پر ہمارا ایمان  
 ہے۔ اللہ کے تمام رموز کو جاننا نہ ممکن ہے اور نہ ہی ہمارے لیے  
 ضروری ہے۔

قرآن پاک میں بعض چیزیں محکم ہیں اور بعض متشابہ۔ تشابہات پر  
 صرف ایمان لانا ضروری ہے جب کہ محکمات پر ایمان لانے کے علاوہ  
 اُن پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ پھر جہاں کہیں شک و شبہ پڑ جائے تو  
 ایسی باتوں کو محکمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر  
 محض تشابہات کے پیچھے ہی پڑے رہے اور اُن کو کمرید سننے کی  
 فضول کوشش کرتے رہے تو گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ بعض لوگ  
 تشابہات کو غلط معانی دینا کر رہے ہیں۔ قرآن پاک کی آیات  
 اور الفاظ کو غلط معانی دینے والے لوگ اپنے زمانے میں بھی موجود تھے

محکمات اور  
 تشابہات

اور ہمارے زمانے میں بھی پر دینہ می، چکڑا لومی اور قادیانی وغیرہ  
گمراہ فرقے موجود ہیں جو قرآن کی تاویل میں کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں  
ہدایت پانے کے بجائے گمراہی کی کھائیوں میں جا گرتے ہیں۔ ہماری عقلیں  
چونکہ ناقص ہیں لہذا ہمیں مشابہ آیات میں الٹی سیڑھی اویں کر نیکی بجائے  
ان سے محکم آیات کی روشنی میں راستہ تلاش کرنا چاہیئے۔ پھر بھی جو بات  
سمجھ میں نہ آئے تو اس پر محض ایمان لا کر اُسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر  
دینا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بات اللہ کے نبی  
سے قطعی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس پر عمل کرنا چاہیئے خواہ وہ  
چیز ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے، ہمارا فرض اُس پر ایمان لانا ہے۔

کتاب حکیم

ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ یہ حکمت الی  
کتاب کی آیتیں ہیں۔ قرآن پاک کی طوالت یعنی لمبی سورتوں والا حصہ پھلی سورۃ  
پر ختم ہو چکا ہے اور اب اس سورۃ مبارکہ سے دوسرا حصہ ثانی شروع  
ہو رہا ہے۔ یہ حصہ قرآن چودھویں پارے میں سورۃ نحل تک جائے گا  
اور اس کے بعد مبین سورۃ میں شروع ہو جائیں گی۔ بہر حال آیت مبارکہ  
میں لفظ آیات سے مراد اس سورۃ کی آیتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور  
قرآن پاک کی مطلق آیات بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ فرمایا یہ اُس کتاب  
کی آیتیں ہیں جو حکیم ہے۔ حکیم کا مطلب حکم بھی ہو سکتی ہیں یعنی وہ  
کتاب جو محکم مضبوط اور پکی ہے۔ سورۃ مینہ کے الفاظ كِتَابٌ قَيِّمٌ  
کا بھی یہی معنی ہے کہ یہ بہت مضبوط اور واقعہ کے مطابق کتاب ہے  
جس میں تغیر و تبدل کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے تمام واقعات،  
ادامہ و لواہی تحریف سے بالکل پاک ہیں۔ یہ عقل سلیم اور فطرت کے  
عین مطابق ہیں اور ان میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ یہ آیات انسان  
کی فلاح کے لیے بہترین پروگرام پیش کرتی ہیں، اس کے تمام احکامات





کو ملتی۔ ابوالحکم (ابو جہل) بڑا آدمی ہے، مغیرہ بڑا دولت مند ہے۔  
 لاکھوں اشرفیوں کی تجارت ہے، بڑے جانوروں کا مالک ہے اور  
 بڑے لونڈی غلام رکھتا ہے۔ نبوت کا حقدار تو وہ ہے۔ وہ یہ بھی کہتے  
 تھے کہ طائف کی بستی میں سردار مسعود، عبد یالیل اور حبیب جیسے باغوں  
 کے مالک بڑے بڑے سردار ہیں جن کی مالی حالت بڑی اچھی ہے،  
 نبوت تو ان کو ملنی چاہیے تھی، بھلا محمد جیسے غریب آدمی کو یہ شرف  
 کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ تو اس اعتراض کا جواب اللہ نے قرآن پاک  
 میں مختلف انداز سے دیا ہے اَللّٰهُ يَخْتَصِمُون رَحْمَةً رَبِّكَ  
 کیا تیرے رب کی رحمت کے تقسیم کنندہ یہ مشرک ہیں۔ فرمایا یہ لوگ  
 مال و دولت اور جاہ و اقتدار کو معیار رسالت قرار دے رہے ہیں،  
 حالانکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس منصب جلیلہ کا مستحق کون ہے؟ یہ  
 تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اُس نے فی الرض نبوت سے عہدہ برآ  
 ہونے کے لیے صلاحیت و استعداد کس شخصیت میں ودیعت  
 کر رکھی ہے، اخلاق کی بلندی، علم کا کمال اور باطنی کیفیات کا عروج  
 جو نبی کی ذات میں ہوتا ہے وہ کسی دوسری شخصیت میں نہیں ہوتا،  
 لہذا نبوت کے انتخاب میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی اعلیٰ وارفع ہوتا ہے  
 نبوت کے ساتھ رجل کا لفظ قرآن پاک میں کثرت سے آیا ہے  
 جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا تاج ہمیشہ مردوں  
 کے سر پر رکھا ہے، کسی عورت کو نبوت کا منصب عطا نہیں کیا گیا۔  
 اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ عورتوں کے ذمے ہمیشہ آسان  
 کام لگائے جلتے ہیں جب کہ کار نبوت بڑا مشقت طلب کام ہے۔  
 البتہ نبوت کے بعد دوسرا بڑا درجہ صدیقیت کا ہے جو بعض عورتوں کو  
 بھی نصیب ہوا ہے۔ عورت کی منصب نبوت سے محرومی کو اس کی

مردوں  
کا دائرہ کا

توہین پر محمول نہیں کرنا چاہیئے بلکہ یہ تقسیم کار مرد و زن کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے عین مطابق ہے۔ اللہ نے عورت میں مشقت برداشت کرنے کا مادہ مرد کی نسبت کم رکھا ہے، اسی لیے اُن کے فرائض نسبتاً کم محنت طلب ہیں، محنت مزدوری، کھیتی باڑی، جہاد وغیرہ مردوں کے ذمہ ہیں جب کہ عورتوں کو امور خانہ داری کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اسی طرح نماز باجماعت، نماز جمعہ، نمازِ سعیدین جیسے اجتماعی امور میں عورت کو استثناء حاصل ہے۔ سخاوت حکومت جیسا کھٹن کام بھی مردوں کے ذمہ ہے۔ نظام حکومت میں عورتوں کو گھسیٹ کر لے جانا انگریز کی سنت ہے یا دہریوں کا خاصہ ہے۔ جب کہ دین حق اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام بتاتا ہے وَقَدْ نَزَّلَ فِي بُيُوتِكُمْ مِمَّا تَحَرَّوْنَ فِيهَا مِنْ نَجَسٍ ذُرِّيَّةً لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ اس سے آراستہ کر سکتی ہیں۔

امامت المؤمنین نے مخلوق کے لیے تعلیم کا فریضہ نہایت احسن طریقے سے انجام دیا مگر کسی ام المؤمنین نے امور حکومت میں کبھی کوئی عمدہ قبول نہیں کیا۔ نہ ہی یہ مثال صحابیات ہیں کہیں ملتی ہے عورت کو ممبری، وزارت اور مارت تک سے جانا یورپ کی تعلیم کا اثر ہے۔

اس آیت میں آمدہ مَنَظَرٌ سے مراد مخاطبین قرآن کا خاندان اور اُن کی جنس یعنی النسائیت ہے، چونکہ اللہ کا بنی الناس کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے لہذا بنی کا اُن کی جنس میں سے ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ متوحش نہ ہوں اور انس سے باسانی استفادہ کر سکیں۔ اور بنی کے فرائض میں یہ چیز شامل فرمائی اِنَّ اَنْذِرَ النَّاسَ کہ وہ لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرائیں۔ انذار اور بشارت ساتھ ساتھ چلتی ہیں، جہاں ڈرانے کی بات ہے وہاں بشارت کی بات بھی کی ہے۔ اس مقام پر انذار کو مقدم رکھا ہے کہ

بنی کے  
فرائض  
نسبی

لوگوں کو کفر، شرک، انفاق اور ان کی غلط کاریوں سے ڈرایا جائے۔ اللہ نے  
انذار کا حکم اپنے نبی کو جب جگہ فرمایا ہے۔ سورۃ مدثر میں فرمایا قَسْمًا فَاذْكُرْ آبَ  
کھڑے ہو جائیں اور ان کو معصیت سے ڈرائیں۔

بُرَانِی سے ڈرانے کے بعد اہل ایمان کو بشارت دینے کا حکم بھی ساتھ  
ہی دیا وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا آبَ ایمان لانے والوں کو خوشخبری بھی سنا  
دیں کہ حقیقی کامیابی اپنی اور حاصل ہوگی چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں فلاح کے بڑے  
بڑے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام آب  
اہل ایمان کو خوشخبری دے دین انکے لَہُمْ قَدَمٌ صَدِيقٌ  
عِنْدَ رَبِّہُمْ کہ اُن کے لیے اُن کے رب کے ہاں  
سچائی کا پایہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما قَدَمٌ صَدِيقٌ کا ترجمہ  
دَرَجَةٌ رَفِیْعَةٌ کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے لیے اللہ کے ہاں بڑا  
اونچا درجہ ہے۔ اس میں کمال، خروج اور ترقی کی ساری حقیقتیں آجاتی ہیں جو  
اللہ نے ایمان والوں کے لیے مقرر کی ہیں۔

کفار کی  
الزام تراشی

فرمایا اللہ کا نبی تو انذار اور بشارت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ برے  
عقیدے، برے اخلاق اور برے اعمال والوں کو ڈرا رہا ہے اور اچھے  
عقیدے، اچھے اخلاق اور اچھے اعمال والوں کو جنت کی بشارت دے  
رہا ہے، مگر کافروں کی حالت یہ ہے قَالَ الْكَافِرُونَ اِنْ هٰذَا  
لَسِحْرٌ مَّبِیْنٌ وہ نبی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو و گرت (معاذ اللہ)  
قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے کہ اللہ کے نبی کو بھی شاعر کہا گیا اور کبھی کاہن۔  
حالانکہ اللہ کا نبی نہ کاہن ہے اور نہ شاعر۔ وہ تو وحی کے ذریعے موصول ہونے  
والا اللہ کا پیغام سنانا ہے۔ یہ اللہ کا وہی کلام ہے جو فطرت انسانی کے عین  
مقابل ہے اور اس میں ایسی عجیب اور مستحکم باتیں ہیں جو لوگوں پر اثر انداز ہوتی ہیں  
اور مشرکوں کے پاس اس کا کوئی تویہ نہیں۔ بہر حال کافروں اور شرکوں نے اللہ



کے کلام کہ جادو کہ کرٹانے کی کوشش کی جو کہ صریح جھوٹ ہے۔ نہ اللہ کا کلام  
 جادو ہے اور نہ اللہ کا نبی جادو گر ہے۔ آگے موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں  
 جادو گروں کا ذکر بھی آئے گا کہ ان کے اخلاق نہایت ہی پست ہوتے ہیں۔  
 وہ غرض کے بندے ہوتے ہیں جو جادو کے ذریعے کھائی کرتے ہیں مگر اللہ  
 کا نبی ان باتوں سے پاک ہے اور جو کتاب وہ پیش کرتا ہے وہ اللہ کی توحید  
 کا درس دیتی ہے۔ چنانچہ آگے توحید باری تعالیٰ کے متعلق ذکر ہوگا۔

---

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي  
 سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مَا  
 مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ  
 فَلَعَبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ③ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا  
 وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ  
 كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا  
 كَانُوا يَكْفُرُونَ ④

ترجمہ :- بیشک تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا ہے  
 آسمانوں اور زمین کو چھ دن کے وقفے میں ، پھر وہ مستوی ہوا عرش پر  
 تدبیر کرتا ہے معاملے کی ۔ نہیں ہے کوئی سفارشی مگر اُس کی اجازت  
 کے بعد ۔ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار ، پس یہی کی عبادت کرو ، کیا تم  
 نصیحت نہیں پکڑتے ③ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے  
 یہ وعدہ ہے اللہ کا سچا ۔ بیشک وہی ابتداء میں پیدا کرتا ہے مخلوق  
 کو ۔ پھر دوبارہ اُس کو لوٹائیگا ۔ تاکہ بدلے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور  
 جنہوں نے اچھے عمل کیے انصاف کے ساتھ ۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا  
 اُن کے لیے پینا ہوگا کھورتا ہوا پانی اور عذاب ہو گا دردناک اس وجہ  
 سے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے ④

اس سورۃ کی پہلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا۔ فرمایا یہ کتاب وحی لہی کے ذریعے نازل ہوئی اور یہ علم و حکمت کا خزانہ ہے۔ پھر دوسری آیت میں رسالت کے متعلق فرمایا کہ یہ نافرمان لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ ہم نے ایک مرد کی طرف وحی بھیجی ہے جس کا مقصد ایمان سے بے بہرہ لوگوں کو ڈرانا اور اہل ایمان کو خوش خبری سنانا ہے۔ مگر کافر لوگ جب اس دعوت کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو و گیس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس لغو اعتراض کا رد فرمایا اور نہایت لطیف پیرایہ میں معاوہہ ذکر بھی فرمایا کہ ایمان والوں کے لیے ان کے رب کے ہاں سچائی کا پایہ ہے اور وہ آخرت میں کامران و کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ کتنی غلط بات ہے کہ مشرکین رسالت کا انکار کر رہے ہیں حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں جو سمجھ میں نہ آتی ہو۔ یہ ان کا محض تعصب اور غنا ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کر رہے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بعثتِ انبیاء اس ذات کا کام ہے جس نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔

اب آج کی آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں اور پھر اس کی وحدانیت کا ذکر کر کے اس کی توحید کا مسئلہ سمجھایا ہے اور ساقط سائنہ اس کی عبادت کا حکم بھی دیا ہے۔ دراصل رسول جس بات کو بیان کرتا ہے وہ اللہ کی وحدانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عظیمہ کاموں میں سے ایک کام بعثتِ انبیاء بھی ہے جیسا کہ سورۃ کہف میں فرمایا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مَبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر اس لیے کہ وہ بشر و نذیر ہوں۔ گویا بعثتِ انبیاء اللہ کی صفت ہے اور جو اس صفت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔



صفت ربوبیت

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ  
بیشک تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا  
یہاں پر سب سے پہلے ربوبیت کی صفت بیان کی گئی ہے اور قرآن پاک  
میں اکثر مقامات پر ایسا ہے کہ ربوبیت کی صفت کا تذکرہ کمرے کے  
الوہیت کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک  
کی ابتدا بھی صفت ربوبیت سے ہوئی ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ  
رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور اس کی انتہا میں یہی صفت ہے قُلْ  
اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ربوبیت  
کا مطلب کسی چیز کو بندہ سچ درجہ کمال تک پہنچانا ہوتا ہے اور یہ صفت  
خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسری ذات میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لیے  
فرمایا کہ تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا  
کیا **فِ سِتَّةِ اَیَّامٍ** چھ دنوں کے وقفے میں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں پر چھ دن سے  
مراد اس دنیا کے چھ دن نہیں بلکہ یہاں پر دن سے مراد وہ دن ہے  
جو اللہ کے ہاں شمار ہوتا ہے۔ اس کو آخرت کا دن بھی کہہ سکتے ہیں  
اور اس دن کے متعلق سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے  
اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ  
تمہارے پروردگار کے ہاں ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے  
تو اس طرح گویا خدا تعالیٰ نے ارض و سما کو چھ ہزار سال کے وقفے میں  
پیدا کیا۔ اس کی قدرت تامہ اور حکمت تو ایسی ہے کہ وہ یکدم بھی ہر  
چیز کو پیدا کر سکتا ہے۔ مگر اس نے انسان کو سمجھانے کی مصلحت  
کے تحت تدریج اختیار کی اور اس کام کے لیے چھ دن کا وقفہ  
لیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے **اَلْمُؤَدَّةُ مِنَ الرَّحْمٰنِ**

وَالْعُجْلَةُ مِنْ الشَّيْءِ يَعْنِي آهستگی رحمان کی صفت ہے  
جب کہ بندہ بازی شیطانی فعل ہے۔ بہ حال پہلے اللہ کی صفت  
رہو بہت کا ذکر ہوا، اس کے بعد صفت خلق کا اور آگے صفت الوہیت  
کا ذکر ہوگا۔

آسمان وزمین کو چنبردن کے وقفہ میں پیدا کرنے کے بعد فرمایا  
ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ پھر اللہ تعالیٰ نے عرش پر استوی ہوا۔ استوی  
کا معنی قائم ہونا، قرار پکڑنا یا کسی دوسری چیز کے ساتھ برابر ہونا آتا ہے۔  
عربی میں کہتے ہیں اسْتَوَى عَلَى الدَّابَّةِ فلاں شخص سواری پر قائم ہو گیا۔  
قرار پکڑ لیا۔ استوی کا معنی ارادہ کرنا بھی آتا ہے جیسے ثُمَّ اسْتَوَى  
إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ (بقرہ) پھر اُس نے  
آسمانوں کی طرف ارادہ فرمایا اور انہیں سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا۔  
اسی طرح استوی کا معنی غالب آنا بھی ہے، جیسے شاعر کہتا ہے۔

اسْتَوَى بِشَرْ عَلَى الْعِرَاقِ

مِنْ غَيْرِ مَا دَمٍ مُتَهَرِّاقِ

(بشر عراق پر قابض ہو گیا، غالب آگیا بغیر خونریزی کے)

تو اس مقام پر بھی استوی علی العرش کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر  
مستوی یعنی غالب ہے۔ اور عرش ایسی چیز بہت جو ماری مخلوق میں بند  
ترین ہے۔ ساتوں آسمانوں کے بعد بہشت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

جس کا بند ترین درجہ بہشت الفردوس ہے جس کے اوپر عرش الہی کا سایہ  
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سب سے بلند ترین چیز عرش پر جب اللہ تعالیٰ  
کا قبضہ ہے تو باقی چیزیں تو بطریق اولیٰ اُس کے تسلط میں ہیں۔ استوی  
علی العرش سے یہی بات سمجھنا مقصود ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح کے مطابق عرش تمام

شاہ ولی  
کافیہ

استوی  
علی العرش

شخص اکبر کا قلب ہے، اور اس پرستوی ہونے کی کیفیت ایسی نہیں  
 ہے جیسے ہم تخت، چارپائی یا کرسی وغیرہ پر بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ  
 کے استوی کو بھی ہم اپنے اوپر محمول کر دیں تو پھر خدا تعالیٰ کی جہت لازم آئے گی  
 اور اس کا طول عرض بنے گا حالانکہ ذات خداوندی، جہت، زمان اور  
 مکان سے منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں مگر ہماری طرح نہیں بلکہ  
 جیسا اس کی شان کے لائق ہے، اس کی پندلی ہے مگر اپنی شان  
 کے مطابق، چہرہ ہے مگر مخلوق کی طرح نہیں بلکہ جس طرح اس کی شان کے  
 لائق ہے۔ اسی لیے امام ماکٹ، امام ترمذی، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ  
 عبداللہ بن مبارک، وغیرہم فرماتے ہیں کہ استوی علی العرش کے الفاظ  
 کو ظاہر پر رکھتے ہوئے اسکی کیفیت کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے کہ وہ  
 عرش عظیم پرستوی ہے جیسا کہ اسکی شان کے لائق ہے ایک شخص نے  
 امام ماکٹ سے استوی علی العرش کی کیفیت کے مطابق دریافت کیا تو  
 آپ نے فرمایا اَلَا مَسِيَتَوَاءَ مَعْلُومٌ وَ اَلْكَيفُ مَجْهُولٌ یعنی  
 استوی کا ظاہری معنی تو معلوم ہے کہ قائم ہونا یا غالب ہونا ہے مگر اس  
 کی کیفیت معلوم نہیں۔ ہمارے لیے صرف ایمان لانا ہی واجب ہے۔  
 کیفیت کے متعلق کریم کرنا درست نہیں بلکہ بدعت ہے۔ آپ  
 نے اس شخص سے فرمایا کہ میں تمہارے متعلق یہی خیال کرتا ہوں کہ تم بدعتی  
 آدمی ہو، لہذا میری مجلس سے اٹھ جاؤ۔ بہر حال نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 کے استوی کا معنی معلوم ہے مگر اس کی کیفیت کا علم نہیں۔ وہ اپنی  
 شان کے مطابق عرش پرستوی ہے، ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔  
 امام شاہ ولی اللہ اس بات کو آسان طریقے سے اس طرح فرماتے  
 ہیں کہ عرش پر خدا تعالیٰ کی تجلی عظیم پڑتی ہے جو سارے عرش کو رنگین کر دیتی ہے  
 پھر عرش سے نیچے کی چیزیں بھی اس تجلی سے متاثر ہوتی ہیں اور پھر تمام



کائنات اس کا اثر قبول کرتی ہے اور اس طرح تجلی غلظ کا اثر تمام کائنات پر پڑتا ہے۔

تدبیر

اللہ تعالیٰ کے استویٰ علی العرش کے ذکر کے بعد فرمایا  
يَذِيبُ الْأَمْرَ وہ مٹا دے گی تدبیر کو تاسے۔ سورۃ المؤمنین میں ہے  
يَذِيبُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وہ بندوں سے پستیوں  
تک ہر چیز کی تدبیر کو تاسے۔ ظاہر ہے کہ ہر شے کا تدبیر کنندہ صرف  
خدا تعالیٰ ہے۔ مگر مشرک لوگ اس مسئلہ میں بھی بہک جاتے ہیں اور مشرک کا  
ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود اور خالق ہونے  
میں تمام مشرک بھی متفق ہیں کہ واجب الوجود بھی وہی خدا ہے اور ہر چیز کا مالک  
بھی وہی ہے مگر جب تدبیر کی صفت آتی ہے تو پھر اس میں غیر اللہ کو  
بھی شریک کر لیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارے معبود بھی ہیں جو ہماری  
سزا دیں پوری کرتے ہیں اور ہماری سفارشیں کرتے ہیں۔ البتہ جو مخلص  
مومن ہیں وہ تدبیر کو اللہ کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں کہ فرستے فرست  
تک کی تدبیر صرف ذات باری تعالیٰ ہی کرتی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چار صفات درجہ بدرجہ  
کام کرتی ہیں۔ سب سے پہلے صفت ابداع کا اظہار ہوتا ہے جیسے  
فَرَمَا يَابِسَاتِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَوَاتِ مَاءً  
یعنی آسمانوں اور زمین کا بغیر آسے اور مادے کے پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ  
ہے۔ کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے استعمال کیے بغیر ایجاد کر دینا  
خاصہ خداوندی ہے۔ یہ صفت ابداع ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر صفت  
خلق آتی ہے۔ خلق کا معنی بھی پیدا کرنا ہے مگر کسی دوسرے مادے  
یا آسے کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کے مادے سے  
اور جنات کو آگ کے مادے سے پیدا فرمایا یہ اس کی صفت خلق کا ظہور

ہے۔ جب بعض چیزیں معرض وجود میں آجاتی ہیں تو پھر اُن میں توازن قائم کرنے کے لیے کسی کو ٹھکانے کے لیے اور کسی کو بڑھانے کے لیے کسی کو زندگی بخشنے کے لیے یا کسی پر موت طاری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت تدبیر کام کرتی ہے چنانچہ ہر ذرے ذرے کی تدبیر خدا تعالیٰ براہِ راست کرتا ہے۔ جو اس صفت میں کسی کو شریک کرتا ہے، وہ بھی شرک بن جاتا ہے اور پھر جو چھتی صفت تدبیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی انسان پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تجلی عظم کا عکس اُس کے قلب پر بھی پڑتا ہے۔ لیکن یہ کئی واسطوں کے ذریعے آتا ہے تجلی عظم کا اثر عرش الہی پر پڑتا ہے۔ نیچے امام نوع انسان ہوتا ہے، اُس کے قلب پر پڑتا ہے اور پھر اُس کے واسطے سے وہ اثر روح انسانی پر پڑتا ہے روح انسان میں بڑے بڑے مرکز ہوتے ہیں جن کے ذریعے تجلی عظم کا اثر ہر انسانی قلب پر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد انسانی ذہن بہت تیز ہو جاتا ہے۔ اگر اُس نے دنیا میں ایمان قبول نہیں کیا تو اس کو بڑا افسوس ہوگا کہ وہ ایمان سے کیوں محروم رہا۔ اُس کے قلب پر پڑنے والی تجلی اُسے ستائشی اور ملامت کرنے لگی کہ دنیا میں رہ کر تم نے کیا کیا؟ ابتداء ہی سے ہر انسان کے قلب میں خدا ہی کا بیج بویا ہوا ہے جو کہ تجلی عظم کے ذریعے سے آتا ہے۔ بہر حال فسرایا کہ اللہ تعالیٰ معاملے کی تدبیر کرتا ہے اور صفت تدبیر بھی اُسی کے ساتھ خاص ہے۔

مثلاً  
شفاعت

فَرَأَى مَا فِي الشَّيْءِ الْإِيمَانِ أَفَبِعَدْرٍ أَدِينَهُ كَوْنِي سَفَارِشِي نَبِيں  
ہے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے  
سفارشی بنا رکھے ہیں جن کے متعلق اُن کا عقیدہ ہے کہ خدا راضی ہو یا ناراض  
یہ سفارشی ہمارا کام ضرور کرا دیں گے۔ یہ باطل عقیدہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ



کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارشی نہیں کر سیکے گا مَن ذَا الَّذِي  
 يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ (البقرہ) میں بھی یہی بات ہے اللہ کے  
 بنی اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی سفارش کریں گے تو اللہ  
 کی اجازت سے۔ اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو سفارش کا حق نہیں  
 پہنچتا یہ جبری سفارش والا عقیدہ تو مشرکین کا ہے۔ اور صحیح سفارش بھی  
 اُن لوگوں کے حق میں ہوگی جن کے دل نورِ توحید سے روشن ہوں گے۔  
 اُن کے لیے انبیاء، شہداء اور نیک لوگ سفارش کریں گے۔ جو لوگ لہذا  
 سے غالی ہوں گے اُن کے لیے قطعاً سفارش نہیں ہو سکے گی۔ اسی لیے  
 فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔

فرمایا، یاد رکھو! ذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ہي ہے تمہارا رب،  
 جو خالق اور مدبّر ہے، وہ ذرّے ذرّے کا مالک ہے فَاعْبُدُوْهُ  
 لہذا عبادت بھی صرف اُمّی کی کرو۔ اللہ کا بنی بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ  
 وہ بت صرف ایک اللہ وحدہ لا شریک کی کرو، فرمایا اَفَاَنْتُمْ  
 تُشْرِكُوْنَ کیا تم دھیان نہیں کرتے؟ نصیحت نہیں بکھڑتے؟  
 سترہ بنی تمہیں واضح بتاتا ہے۔ اللہ کی کتاب تمہاری راہنمائی کرتی  
 ہے۔ نشاناتِ قدرت تمہیں پکار پکار کر توحید کی دعوت دے رہے  
 ہیں۔ اگر تم اول قول باتیں کر رہے ہو۔ کبھی اللہ کے سچے نبی کو نبی ماننے  
 سے مار کرتے ہو اور اُسے جادوگر کا لقب دیتے ہو اور کبھی کتاب  
 الہی کو مار کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے  
 نیز یہ کہ سے سفارشی ہماری مرادیں پوری کرنے والے ہیں ہم ان  
 کی پرکھ ضرور کریں گے یا یہ ہمیں ضرور ہی چھوڑالیں گے۔ بہر حال  
 فرمایا کہ وہ ہے جسکی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ خالق  
 اور مدبّر لہذا عبادت بھی اُمّی کی کرو۔ اللہ کا قانون یہی ہے۔



تو  
قیامت

آگے اللہ تعالیٰ نے معاد کا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن کی صداقت رسول  
کی رسالت اور وقیع قیامت آپس میں مربوط چیزیں ہیں کیونکہ اس دنیا میں کتب  
سماد یہ اور انبیائے کرام پر ایمان لانے یا نہ لانے — — کا بدلہ تو قیامت  
کو ہی ملے گا۔ تو فرمایا، لوگو! یاد رکھو! اس دنیا میں تم جو چاہو کر لو، غلط سلاحت  
وضع کر لو، اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ مگر اِیَّہِ صَرَّجُکُمْ جَمِیعًا  
بِالْآخِرِ تم سب کو اسی اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے وَعَدَ اللہُ حَقًّا  
یہ اللہ پاک کا سچا وعدہ ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔  
ہر شخص نے اپنے رب تعالیٰ کے سامنے جاننا ہے اور اپنے اعمال و  
معتمد کی جوابدہی کرنا ہے۔ فرمایا، ذرا اس بات پر غور کرو اِنَّ ذَیْنِدُ الْخَلْقِ  
بیشک ابتداء میں پیدا کرنے والا وہی ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کائنات کی  
تمام چیزیں وہ کس طرح پیدا کرتا ہے ثُمَّ یُعِیدُہ پھر وہ اس کو دوبارہ  
لوٹائے گا۔ مرنے کے بعد وہ پھر زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔  
اور اس سے پوری زندگی کا حساب لے گا۔

فرمایا دوبارہ لوٹانے کا مقصد یہ ہے لِيَجْزِيَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ تاکہ ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے  
والوں کو انصاف کے ساتھ پورا پورا بدلہ ملے۔ اچھے اور برے اعمال کی جزا  
یا سزا اس دنیا میں بھی حد تک ملتی ہے مگر مکمل طور پر نہیں، لہذا نیکی کی  
مکمل جزا اور برائی کی سزا تو آخرت میں ہی ملیگی جب ہر چیز مکمل کر سامنے  
آجائے گی اور کوئی شخص اپنے کسی کام کا انکار نہیں کر سکے گا۔ اس دنیا میں  
تو بعض چیزیں پیدا ہیں بھی رہ جاتی ہیں اور اس دنیا کی عدالتوں سے غلطی  
بھی سرزد ہو سکتی ہے مگر مالک الملک کی عدالت میں ہر چیز نکھر کر سامنے  
آجائے گی اور نہ کوئی دھوکا دے سکیگا، نہ کوئی چیز پوشیدہ رہ سکے گی  
اور نہ کوئی وکیل جھوٹ موٹ بلا کر کسی کو چھڑا سکے گا۔ وہاں ہر عمل کا پورا پورا

بدل کر رہے گا۔ فرمایا اسی وعدہ کی تکمیل کے لیے قیامت کا آنا بہر حق ہے اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔

کفار کا  
انجام

اس کے برخلاف کفار کے انجام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ لَوْغُوں نے کفر کیا، اللہ تعالیٰ کی ذات، اسی  
صفات، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور قیامت کے دن انکار  
کیا کہ مَنْ حَصْبُ يَسْ کے وقت ان کے  
یہ کہنا ہوا پانی ہوگا۔ جب کافر لوگ اس پانی کو حلق سے نیچے اتاریں  
گئے تو وہ ان کی آنکھوں کو کاٹ کر باہر پھینک دے گا، اتنا گرم ہوگا۔  
اس کے علاوہ فرمایا وَعَذَابُ الْيُسْ ان کے لیے دردناک عذاب  
ہوگا۔ انہیں نہایت تکلیف دو منراہٹ کی کیوں؟ سَبْحًا كَالْفَوْ  
يَكْفُرُونَ اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے، بلا وجہ کسی کو سزا  
نہیں دی جاتی۔ اللہ نے فرمایا کہ کافروں کو لٹوٹا ہوا پانی اور دردناک  
منراہٹ کے کفر کی وجہ سے دی جائیگی۔ ان کے پاس ہمارے رسول آئے  
کتابیں آئیں، ان کو توحید کی دعوت دی گئی، شرک سے منع کیا گیا، اچھے  
اعمال کی طرف راغب کیا گیا اور اس کے لیے انہیں خوشخبری سنائی  
گئی۔ ساتھ ساتھ بڑے افعال کے انجام سے ڈرایا گیا مگر ان لوگوں  
پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے اللہ کی وعدہ نیت اور انبیاء کی رسالت  
کا انکار کیا، قرآن پاک کی صداقت و حقیقت کو تسلیم نہ کیا، لہذا جب  
لوگ اُس ملک الملک کی طرف لوٹائے جائیں گے تو پھر سخت  
منراہٹ میں مبتلا ہوں گے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات خلق اور تدبیر کا ذکر کیا  
ہے، سنارش کا مسئلہ سمجھایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی وعدہ نیت کا درس دیا، اور  
آخر اہل ایمان اور کفار کی جزا اور سزا کا ذکر فرما کر انہیں انجام سے بھی آگاہ کر دیا

يعتذرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

درس سوئم ۳

آیت ۵ ۱۰۲

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ  
 مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ  
 اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ⑤  
 إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ⑥ إِنَّ الَّذِينَ  
 لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا  
 بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ⑦ أُولَٰئِكَ  
 مَا لَهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑧ إِنَّ الَّذِينَ  
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيُهُمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ  
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ⑨  
 دَعُوتُهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَحِيتُهُمْ فِيهَا  
 سَلَامٌ وَأُخِرْ دَعْوَاهُمْ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑩

پہلے

ترجمہ :- وہی (اللہ) ہے جس نے بنایا ہے سورج کو نور پانہ کو  
 روشنی اور مقرر کی ہیں اس کے لیے منزلیں تاکہ تم جان لو گنتی سال  
 کی اور حساب - نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو مگر حق کے  
 ساتھ۔ وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے آئیں ان لوگوں کے لیے  
 جو سمجھ رکھتے ہیں ⑤ بیشک رات اور دن کے اختلاف میں



اور جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے آسمانوں میں اور زمین میں، البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو نپکتے ہیں (۶) بیشک وہ لوگ جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی اور راضی ہو گئے ہیں وہ دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو گئے ہیں وہ اس کے ساتھ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں (۷) ہیں لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے (۸) بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے، پہنچانے لگا اُن کو اُن کا پڑا دکھار ان کے ایمان کی وجہ سے، جاری ہیں اُن کے سامنے نہی، نعمتوں کے باخوں میں (۹) اور دُعا اُن کی اُن باخوں کے اندر یہ ہوگی، پاک ہے تیری ذات سے اللہ! اور ملاقات اُن کی اُس کے اندر سلیم ہوگا، اور آخری دُعا اُن کی یہ ہوگی کہ سب تعالین اللہ ملے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے نا۔

ربطیات

اس سورۃ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت کو واضح کر دیا۔ نبوت پر اعتراض کرنے والوں کا رد فرمایا اور توحید کے دلائل بیان فرمائے زمین آسمان کی پیدائش، اللہ کی صفات ربوبیت، خالقیت، تدبیر اور اختیار اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ پھر قیامت کا ذکر فرمایا اور واضح کیا کہ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ پھر ایمان والوں کے انعامات اور کفر کے بُرے شرکاء مذکور کیا اور بتلایا کہ ارض و سما کی پیدائش و رسل توحید کی دلیل ہے کیونکہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ و نہ فلاشریک ہے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے لیے میں عمیق دلائل پیش کی۔ اگر ان اللہ تعالیٰ کے علیحدہ وہ جو ہر عقل کو صحیح طور پر استعمال کرے تو وہ اللہ تعالیٰ

سوچ اور چاند

کی وحدانیت پر آسانی سے ایمان لاسکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي  
جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے  
 سورج کو چمکدار بنایا وَالْقَمَرَ نُورًا اور چاند کو روشن بنایا۔ اس کائنات  
 میں نہ صرف انسان بلکہ ہر جاندار سورج اور چاند سے استفادہ ہو رہا ہے  
 چاند رات کے علاوہ نباتات، پودے، درخت اور کھیتوں کے لیے ایک  
 سورج کی ضیاء اور چاند کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ نظام شمسی  
 میں سب سے بڑا سیارہ سورج ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی روشنی  
 اور حرارت رکھ دی ہے جو پورے نظام کے لیے کافی ہے۔ اسی  
 طرح چاند کی دھیمی اور ٹھنڈی روشنی ایک طرف انسانوں کے لیے روشنی  
 دیا کرتی ہے تو دوسری طرف پہلوں میں مٹھاس پیدا کرنے کا سبب  
 بھی بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ یہ انسان  
 کی خدمت پر مامور ہیں۔ اللہ نے سورج کے لیے ضیاء کا لفظ استعمال  
 کیا ہے جس کی روشنی تیز اور گرم ہوتی ہے اور چاند کو نور و منیر  
 ہے کہ اس کی روشنی مدہم اور ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اس نظام شمسی میں اللہ  
 نے سورج کی روشنی کو مستقل حیثیت دی ہے جب کہ باقی سیاروں کی  
 روشنی سورج سے مستعار ہوتی ہے۔ چاند اور دیگر سیارے بذات خود  
 روشن نہیں ہیں بلکہ جب سورج کی روشنی ان پر پڑتی ہے تو وہ بھی روشن  
 ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے چاند کا مشاہدہ ہم ہر روز کرتے ہیں جب  
 سورج کی روشنی چاند پر پڑتی ہے تو پھر منعکس ہو کر اس کی شعاعیں زمین  
 تک بھی پہنچتی ہیں۔

اب سائنس نے اس حد تک ترقی کر لی ہے کہ سورج کی حرارت  
 (SOLAR ENERGY) کو انرجی (کو ایندھن کے طور پر استعمال  
 کیا جانے لگا ہے۔ جس طرح آجکل سوئی گیس عام گھروں میں ایندھن

کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح کچھ عرصہ بعد سورج کی حرارت بھی خاص  
آلات کے ذریعے استعمال ہونے لگے گی۔ سب گیس کے ذخائر ختم ہو  
جائیں گے تو اس کی جگہ شمسی توانائی سے لے گی اور پھر اس سے نہ صرف  
گھسروں میں چمکے جلے گے بلکہ بڑے بڑے کارخانے اور بھٹیاں بھی  
یہ توانائی استعمال کر سکیں گے۔ اللہ نے سورج میں جلنے کا جو مادہ رکھا  
ہوا ہے۔ یہ جب تک اللہ کو منظور ہے اسی طرح جتنا رہیگا اور نظام  
شمسی کی حدود میں روشنی اور حرارت پہنچاتا رہے گا۔

چاند بھی زمین کی طرح ایک ٹھوس کرہ ہے۔ چاند پر بھی بڑے  
بڑے صحرا، پہاڑ، پتھر اور گڑھے ہیں مگر زمین کے برخلاف اس پر کوئی  
ندی نالہ نہیں۔ سیارہ چاند بالکل خشک ہے اور اسی لیے وہاں پر  
زندگی کے کوئی آثار موجود نہیں۔ جو لوگ اب تک چاند پر پہنچے ہیں وہ  
پانی اور خوراک کا ذخیرہ زمین سے لے کر گئے ہیں۔ چاند کے بعد  
دوسرے سیارے مریخ کے متعلق بھی معلومات حاصل کی جا رہی ہیں۔  
وہاں پر پتھر کے آثار پائے جاتے ہیں جو وہاں پہنچنے کے لیے ہی بہت پر  
دیا ہوگا اب سائنسدانوں کی کھیر تھوڑی ہے۔ یہیں مریخ پہنچنے کے علاوہ باقی باقی  
زمین سے بہت دور ہیں جن کی مسافت کا اندازہ اس امر سے لگایا  
جاسکتا ہے کہ کوئی راکٹ اپنی تیز ترین رفتار سے آراں کرے تو بھی  
وہاں پہنچنے میں دو سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ بہر حال قدرت کے اس  
نظام کو انسان عقل کے ذریعے غور و فکر کر کے سمجھ سکتا ہے اور پھر  
اس سے فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے۔

فرمایا چاند کو روشنی بنایا وَقَدْ رَزَقْنَا رِزْلًا اور اس کے لیے  
منزلیں مقرر کر دیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں اور  
وہ ہر روز نئی منزل میں ہوتا ہے۔ پھر ایک یا دو دن غائب رہتا ہے

چاند اور  
سورج کے  
مدار



اور اس طرح پورے مہینہ میں اپنی منزلیں طے کر لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے سورج کے سیلے بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں۔ سورج اپنی حرکت بارہ برجوں میں جاری رکھتا ہے۔ سال بھر ان منزلوں پر چلنے کی وجہ سے موسمی تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے۔ کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ اگر سورج پورا سال ایک ہی راستہ پر چلے تو موسم تبدیل نہ ہوں بلکہ سارا سال ایک موسم ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت سورج کی منزلیں مقرر کر دی ہیں جن کی وجہ سے انسان مختلف موسموں میں مختلف ضروریات حاصل کر لیتا ہے۔

فرمایا، ہم نے اس کی منزلیں مقرر کی ہیں لَتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِّ وَالْحِسَابِ تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ رات اور دن کا نظام بھی اللہ نے ان سیاروں کی گردش کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے لہذا ایک دن اور ایک رات کی تکمیل پر چوبیس گھنٹے شمار ہوتے ہیں اور پھر ایک ایک دن کے مہینوں، سالوں اور صدیوں کی گنتی معلوم کر لی جاتی ہے۔ اگر دن اور رات کا تغیر و تبدل نہ ہو تو تقویم کا معلوم کرنا ممکن نہ ہو۔ تمام کاروبار اور عبادات کا نظام دن رات کے سلسلے سے منسلک ہے دن کے وقت کام کر کے آدمی تھکا جاتا ہے تو رات کو آرام کر کے اگلے دن کے کام کا جج کے لیے پھر تیار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس نظام میں بڑی مصالحت رکھی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ چاند اور سورج کو تمہارے تقویم اور حساب کا ذریعہ بنایا۔ ایک حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے کہ اللہ کے چھ بندے (خِیَارُ عِبَادِ اللہ) وہ ہیں جو سورج اور چاند کی نقل و حرکت سے اوقات معلوم کر کے اللہ کی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں۔ گویا عبادت کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے

فَرَمَا مِمَّا لَقِيَ اللَّهُ ذَاتَ لَدَا بِالْحَقِّ اللَّهُ تَعَالَى نے جو کچھ اس سے پیدا کیا ہے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے زمین اور فطریات کا سارا نظام اللہ تعالیٰ کی خاص کرم اور تدبیر کے ساتھ چل رہا ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ جو لوگ عقل و شعور سے کام لیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے، علیم کل ہونے، رب ہونے، معبود ہونے اور واجب الوجود ہونے کو معلوم کر کے اپہر یقین کر سیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کا ایک مربوط نظام قائم کر رکھا ہے کہ صرف اسی میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہو جاتا ہے۔ نشانیوں کو مفصل بیان کرنے کا یہی مطلب ہے

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ بَيِّنَاتٍ لِّاُولِي الْبَصَرِ اور دن کے اختلاف میں وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے لَا يَتَذَكَّرُ لِقَوْمٍ يُتَّقُونَ بیشک نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ کفر شرک اور معاصی سے بچ نکلنے والے خوب پہچانتے ہیں کہ ان پیروں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اور جو لوگ کفار اور مشرکین کی طرح عقل کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتے وہ بہرے اور گونگے ہیں۔ ان کے لیے یہ نشانیاں قدرتِ کچھ مفید نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے عقلی دلائل پیش کیے ہیں کہ صاحب عقل و عہد اللہ کی پیدا کردہ مخلوق اور اس کے نظام کائنات کو دیکھ کر ہی سمجھ سکتا ہے کہ اس کو قائم کرنے والا اور چلانے

نشان  
قدرت



والا وہی وحدہ لا شریک ہے۔

معاد پر  
ایمان

توحید کے بعد آگے معاد کا ذکر آ رہا ہے۔ معاد پر ایمان بھی اجزائے ایمان میں سے ہے۔ اس کے بغیر انسان ایماندار نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا بِشَکٍّ وَہے لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کریں گے، وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ آگے کون پوچھے گا ان کے دلوں میں شیطان نے ایسا سوڈال دیا ہے کہ نہ وہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ جزا اور سزا پر۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی دنیا میں کھاپی لو، آگے کچھ نہیں ہے۔ سورۃ المؤمنون میں اس طرح بیان کیا گیا ہے اِنَّ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوتُ وَحَیًا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ دنیا کی زندگی اتنی ہی ہے کہ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں مگر دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ دوسرے مقام پر اس طرح آتا ہے کہ جو لوگ آخرت کے عقیدے پر ایمان نہیں رکھتے وہی لوگ اکثر کفر اور شرک بھی کرتے ہیں اور برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اُن کا یہی عقیدہ اُن کی نیکی کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ پھر وہ نہ تو کوئی اچھا کام کرتے ہیں اور نہ کسی ظلم و زیادتی سے بچتے ہیں کیونکہ اُن کا محاسبے کے عمل پر یقین ہی نہیں ہوتا۔ اگر انہیں جواب دہی پر یقین ہوتا تو وہ برائیوں سے بچ جاتے۔ یہاں پر رجی کا لفظ آیا ہے جس کا معنی امید بھی ہوتا ہے اور خوف بھی۔ جیسے سورۃ نوح میں ہے مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے وقار سے خوف نہیں کھاتے۔ تاہم یہاں پر یَرْجُوْنَ کا معنی امید ہی زیادہ موزوں



ہے یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید ہی نہیں رکھتے۔  
فرمایا ایک تو وہ قیامت پر یقین نہیں رکھتے اور دوسری بات یہ ہے  
وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَدُنْيَاكَ زَمْدَكِي بِرَضِي هُوَ كُنْ هِيَ اُنْ  
کی ساری ٹمک و دو اسی دنیا کی زندگی کے لیے ہے۔ دوسری آیت  
میں فرمایا يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالرُّودِ وہ  
دنیا کے ظاہری حالات کو خوب جانتے ہیں وَهُمْ عَنِ  
الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ مگر آخرت کے بارے میں یکسر غافل  
ہیں۔ فرمایا جو لوگ ہماری ملاقات پر یقین نہیں رکھتے اُن کی تیسری صفت  
یہ ہے وَاطْمَأْنَنُوا بِهَا اور اس زندگی کے ساتھ ہی مطمئن ہو گئے  
ہیں۔ وہ اسی دنیا کو اپنا مقصود و مقصد بنائے بیٹھے ہیں۔ حدیث شریف  
میں حضور علیہ السلام کی دعا منقول ہے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا  
اَكْبَرَ هَمِّمَنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا  
اے اللہ! دنیا کو ہمارا بڑا مقصد نہ بنا اور نہ اسے ہمارے علم کی انتہائی  
پہنچ بنا اور نہ ہماری رغبت کی منتہا بنا کہ ہم آخرت سے غافل ہو کر رہ  
جائیں۔ اور چوتھی بات یہ فرمانی وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِيَتِنَا  
غٰفِلُونَ اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ ہماری نشانیوں  
کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اگر ذرا بھی دھیان دیں تو انہیں توحید  
کے بے شمار دلائل مل جائیں مگر وہ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں  
الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قیامت کے منکرین  
کی چار قباحتیں بیان فرمائی ہیں کہ ایک تو وہ ہماری ملاقات پر یقین  
نہیں رکھتے، دوسرا اس دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں۔ تیسرا اس  
دنیا کے ساتھ مطمئن ہو گئے اور کہتے ہیں رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْعَنَا  
قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص) اے ہمارے رب ہمیں قیامت سے پہلے بٹ

ہی جو کچھ دینا ہے دے دے۔ اور چوتھی قیامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیت سے غافل ہیں۔ اُن کے ارد گرد قدرت کے ہزاروں نشانات بکھرے پڑے ہیں مگر وہ ان سے بالکل غافل پڑے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ اُن کا ٹھکانا دوزخ میں ہے۔ اس وجہ سے کہ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ جو کماٹی انہوں نے کی۔ اس دنیا کی زندگی میں انہوں نے اپنے ذہنوں میں اعتقاد فاسد کو جمایا۔ کفر، شرک، اور معاصی کا ارتکاب کر کے خدا کے قانون کو توڑا، لہذا اُن کا ٹھکانا جہنم میں ہو گا۔ یہ معاد کا ذکر بھی ہو گیا۔

اہل ایمان  
کے لیے  
انعامات

اب منکرین کے مقابلے میں ایمان والوں کا ذکر ہوتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اللہ کی وحدانیت کو صحیح طریقے سے مانا اور کفر و شرک سے بیزاری کا اعلان کیا۔ نبی کی نبوت پر، خدا کی کتاب پر، ملائکہ پر اور تقدیر پر ایمان لائے۔ اللہ کے رسول کی مسلمہ باتوں پر یقین لائے، اور اس کے علاوہ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ نیک اعمال بھی انجام دیے۔ نماز اور روزہ کی پابندی کی، حج اور زکوٰۃ کو ادا کیا۔ صدقہ و خیرات کیا، انسانوں کے ساتھ نیکی کی، مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر ادا کیا۔ جہاد میں حصہ لیا۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمُ اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان کی وجہ سے اُن کی راہنمائی کرے گا۔ تمام اعمال کا دار و مدار ایمان پر ہے اگر ایمان کے ساتھ اعمال صحیحہ میں تو ان کا پروردگار راہنمائی کرے گا۔ فَ جَدَّتِ النَّعِيمُ نعمت کے باعثوں میں، اور وہ ایسے باغ ہوں گے تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی خوشخبری بھی سنا دی۔ فرمایا جب اہل ایمان راحت کے مقام میں پہنچیں گے تو دَعَا لَهُمْ

اہل جنت  
کی نصیحت



فِيهَا سَجَنَاتُ اللَّهِ تَوَدَّ أَنْ تُدْعَى بِهِيَ، لَيْسَ الشُّرْبُ بِشَيْءٍ  
ذَاتِ بَاقٍ سَبَّحَ الشُّرْبُ فِي تَبْيِيعِ غَيْرِ ارَادِي طَوْرٍ بِخَبَرِ بَنِي  
جَانِئِ كِي۔ حَبِطَ فِي كِسِي مَالِي بِدَنِي عِبَادَتِ كِي غَرُورَتِ نِيَسِ سَوَكِي بَكَّةُ سَرَفِ  
قَوَلِي عِبَادَتِ سَوَكِي جَوَكِ تَبْيِيعَاتِ كِي صَوْرَتِ مِيَسِ اُنْ كِي زَبَانُولِ سَتِ اَدَا سَو  
كِي۔ حَدِيثِ شَرِيعَتِ مِيَسِ اَتَا سَبَّحَ كِي تَبْيِيعِ اَهْلِ جَنَّتِ كُو اَلْمَامِ كِي جَانِئِي اَوْرُو  
سَرُورَتِ نِيَحَانِ الشُّرْبِ، اَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَغَيْرِهِ كَا وَرُو كَمُوتِ رَمِيَسِ كِي۔ جِسِ طَرَتِ  
سَانِسِ اَنَسَانِ كُو اَلْمَامِ كِيَا كِيَا سَبَّحَ اَوْرُو غَيْرِ ارَادِي طَوْرٍ سَرُورَتِ اَوْرُو سَرُورَتِ  
مِيَسِ سَانِسِ لِيَقَارِ مَنَاسِبِ۔ اَسِي طَرَتِ اَهْلِ جَنَّتِ اَللّٰهُ تَعَالٰی كِي تَبْيِيعِ وَتَبْيِيعِ  
كَمُوتِ رَمِيَسِ كِي۔ اَسَبَّحَ وَرُو كَمُوتِ اَتِيرِي ذَاتِ سَرُورَتِ نِيَقَضِ شَرِكَتِ  
كَمُورَتِي اَوْرُو تَبْيِيعِ سَبَّحَ سَبَّحَ

فرمایا جنتیوں کی ایک صفت یہ بھی ہوگی وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا  
سَلَامٌ وَاُولَٰئِكَ اُنْ كِي مَلَاَقَاتِ سَلَامِ سَبَّحَ سَبَّحَ۔ جَبِ جَنَّتِ وَاُولَٰئِكَ  
اَكْبَرِ سَبَّحَ كُو مِيَسِ كِي تَوَا اَكْبَرِ دُورَتِ كُو سَلَامِ كَرِيَسِ كِي۔ جَبِ  
قَرَشَتُو سَبَّحَ مَلَاَقَاتِ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ۔ اَوْرُو اَللّٰهُ تَعَالٰی فَرَمَا يَكُنَا  
سَلَامٌ عَلَيْكُمُ لَيْسَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ  
بُحِي اَتِيَسِ مِيَسِ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ  
سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ  
عَلَاوہ سَبَّحَ مِيَسِ اُنْ كِي اَخَرِي دُعا یہ ہوگی۔ وَالْاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اِنَّ  
الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ بِشَكِّ تَمَامِ تَعْرِيفِ اَسْ  
اَللّٰهُ كِي لِيَسِ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ  
سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ  
فَرَمَا سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ  
اُنْ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ سَبَّحَ

سَلَامَتِ  
کے



دلائل پیش کر دیے ہیں اور ساتھ ساتھ قیامت کا ذکر بھی کر دیا ہے۔  
 اس ضمن میں قیامت کے دن پر ایمان لانے والے اور اس کے منکرین  
 کا مال بھی علیحدہ علیحدہ بیان فرما دیا ہے۔

---

یعتذرون

سورة یونس

درس چہارم

آیت ۱۴

وَلَوْ يَعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ سِتَعَجَّالَهُمْ بِالْخَيْرِ تَقْضِي  
 إِلَيْهِمْ أَجْلَهُمْ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي  
 طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَا  
 لِحُتْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّكَانَ  
 لَمْ يَدْعُنَا إِلَى ضُرْمَتِهِ ۚ كَذَلِكَ رُبٌّ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا  
 يَعْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَمَمُوا  
 وَجَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ  
 كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَةً  
 فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ :- اور اگر اللہ تعالیٰ جلدی کرے لوگوں کے لیے بڑی کریم  
 کہ وہ جلدی طلب کرتے ہیں خیر کو، تو البتہ فساد کر دیں گے  
 ان کی طرف ان کی غموں کا، پس ہم چھوڑتے ہیں ان لوگوں کو جو  
 نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی وہ اپنی تمکیشوں کے بارے میں  
 سرگردان ہو رہے ہیں (۱۱) اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی  
 تکلیف تو وہ پکارتا ہے ہمیں اپنی کڑھ کے بل جی اور بیٹے  
 بھٹ بھی اور کہتے ہیں : پس جب ہم تمہوں نیتیں اس سے اُسکی حقیقت کو تو  
 وہ کہتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں پہچانیں کسی تکلیف کی طرف جو اسو پہنچی تھی کسی طرف نہ پہنچی

ہے مسرفوں کے لیے وہ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (۱۲) اور اللہ  
تحقیق ہم نے ہلاک کیا ہے کئی قوموں کو تم سے پہلے جب کہ  
انہوں نے ظلم کیا اور آئے ان کے پاس ان کے رسول کشمکش  
تثانیات سے کر اور نہیں تھے وہ لوگ کہ ایمان لائے۔ اسی طرح  
ہم بدلہ دیتے ہیں ان لوگوں کو جو مجرم ہوتے ہیں (۱۳) پھر  
ہم نے بنایا سب تم کو نائب زمین میں ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں  
کہ تم کیا عمل کرنے ہو (۱۴)

قرآن کریم کی حقانیت اور پھر رسالت کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید کے  
عقلی اور نقلی دلائل ذکر کئے۔ اس کے بعد قیامت کا مسئلہ بھی بیان فرمایا اور ایمان والوں  
کی اس کامیابی کا ذکر کیا جو انہیں اللہ کے ہاں حاصل ہونے والی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے  
منکرین قیامت کا ذکر کیا جو اسی دنیا پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور اسی کو اپنا نعمت مانے  
مقصود سمجھ رہے ہیں۔ اللہ نے ان کی ناکامی اور ان کو مٹنے والی نذر کا ذکر بھی کیا۔ اب  
آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کا شکوہ بیان کیا ہے کہ جب انہیں کوئی  
تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں، مگر جب اللہ اس  
تکلیف کو دور فرما دیتا ہے تو اللہ کا شکر یہ تک ادا نہیں کرتے بلکہ اس طرح گزر جاتے ہیں۔  
جیسے انہوں نے کسی تکلیف کے ازالے کے لیے کوئی دعا کی ہی نہ ہو۔

جلد بازی  
کا نتیجہ

ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ يُعِصِلُ اللَّهُ سَائِسَ الشُّرَا سَتَعَجَلَ لَهُمْ  
بِالْخَيْرِ اور اگر اللہ تعالیٰ جلدی کرے لوگوں کے لیے برائی کو بھیا کہ وہ خیر کو جلدی طلب  
کرتے ہیں تو ان کی خواہش ہوتی ہے کہ مطلوب چیز انہیں جلدی سے دیا ہو جسے اور اللہ تعالیٰ  
اکثر جلد بھی عطا کر دیتا ہے۔ پھر بعض اوقات انسان مالا مال سے بد دل ہو کر برائی کے  
لیے بھی ہاتھ اٹھا دیتے ہیں اور اس کے لیے بھی وہ جلدی کرتے ہیں، تو ایسے معاملات  
میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس طرح انہیں اچھی چیز جلدی مل جاتی ہے اسی طرح اگر بری



چیز بھی فوراً سے دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو لُقْضٰی اِلَیْہِمۡ اَجَلُہُم  
تو ان کی عمروں کا فوراً ہی خاتمہ ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔ اس طرح  
گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکری، کفرانِ نعمت اور جلد بازی کا ذکر فرمایا  
اپنے حق میں بدعا کرنے کا ذکر سورۃ الفال میں بھی ہو چکا ہے اللہ کا  
فرمان ہے کہ کفار و مشرکین پر مغیر اور قرآن پاک کی مخالفت میں اس  
حد تک دور نکل جاتے تھے کہ وہ ان الفاظ کے ساتھ اپنے حق میں بدعا  
کرتے تھے وَ اِذْ قَالُوا اللّٰہُ سَمَّ اِنْ كَانَ ہٰذَا ہُوَ الْحَقُّ  
مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطُرْ عَلٰیْنَا حِجَارًا مِّنَ السَّمَاءِ  
اَوْ اَنْزِلْ عَلٰیْنَا بَحْرًا مِّنْ یَّسۡۢمٍ کہ اے اللہ! اگر یہ مغیر  
اور قرآن حکیم برحق ہیں تو ہم پر پتھروں کی بارش یا یا ہم پر کوئی دردناک  
عذاب بھیج گئے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں یہ بھی موجود ہے اَوْ تَسْقِطُ  
السَّمَاۗءُ کَمَا زَعَمَتۡ عَلٰیْنَا کُفۡۢرًا بِمَا نَدۡعٰۤی  
کوئی طحطا گرا دے کیونکہ ہم محمد علی اللہ علیہ وسلم اور اس کے لئے ہونے  
دین کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ نبی علیہ السلام سے کہتے کہ اگر آپ  
دعویٰ نبوت و رسالت میں سچے ہیں، اگر واقعی قیامت آتی ہے  
تو پھر ہمارے سر پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے تاکہ تیری صداقت واضح ہو جائے  
اس آیت کریمہ میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا کہ انسان بے لانی کا تو یہ وقت  
طلبہ کار رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو۔  
بہر طرح کا آرام و راحت حاصل ہو مگر جب تک دل ہو کر کسی وقت سزا  
کی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلد بازی نہیں کرتا، وگرنہ وہ فوراً ہلاک ہو جائے۔  
دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہوں کے  
سبب ان کو فوراً پکڑ لے تو زمین پر پتا پتھر تا کوئی انسان اور جانور نظر نہ  
آئے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی کمال مہربانی اور لطافت و نرمی ہے کہ وہ فوراً عذبت

نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ اگر انسانوں کی طرح وہ بھی عہد بازی کئے  
تو سب کو ہلاک کر دے۔

بددعا کی  
مانعت

حدیث شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور عیٰ کو صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تنگ دل ہو کر اپنے خلاف، اپنی اولاد کے خلاف اور اپنے اموال کے خلاف بددعا نہ کیا کرو، کہیں یہ بددعا اس گھٹری کے موافق نہ ہو جائے جس میں دعا مستبول ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے بھی ہیں کہ انسان دعا کرتا ہے تو ضرور قبول ہو جاتی ہے اسی لیے فرمایا لَا تَدْعُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ وَلَا عَلَىٰ أَوْلَادِكُمْ وَلَا أَمْوَالِكُمْ لَا يُوَافِقُ سَاعَةً فَیُسْتَجَابُ (مسلم شریف) بہر حال حضور علیہ السلام نے بددعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر ایسی دعا مستبول ہو گئی تو نقصان ہو جائے گا۔

قانون  
امال و تدریج

آگے ارشاد ہوتا ہے فَتَذَرُ الَّذِينَ لَا یَرْجُونَ لِقَاءَنَا ہم چھوڑتے ہیں اور مہلت دیتے ہیں اُن لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔ ملاقات سے مراد مرنے کے بعد زندہ ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور پیشی ہے۔ فرمایا جو لوگ قیامت کے عمل کے منکر ہیں ہم اُن کو چھوڑتے ہیں اس حال میں فِی طَغْيَانِهِمُ کَعْمَهُونَ کہ وہ اپنی سرکشیوں میں ہی سرگردان ہو رہے ہیں۔ یہ مہلت دینے کی بات ہو رہی ہے جسے قانونِ امال و تدریج سے تعبیر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اکثر مہلت دیتا ہے کیونکہ وہ علیم اور بخور ہے۔ یہ اس کی مہربانی اور لطف کا نتیجہ ہے کہ اس دنیا میں مجرم بھی پھلتے پھولتے رہتے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ خاص وقت پر اُن کی گرفت کرتا ہے کیونکہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ (البن و ج) فرمایا تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ مولانا روم بھی لکھتے ہیں ہم

تو مشورہ ضرور بہ علم خدا  
دیر گیرد سخت گیرد کمر تنہا

اللہ تعالیٰ کی برود باری پر تمہیں مغفور نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ دیر سے  
پکڑتا ہے مگر سختی سے پکڑتا ہے۔ اللہ کے اس قانون اہمال و تدریج  
کو قرآن پاک میں کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ نافرمانوں  
کی مہلت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے اور نہ انہیں اللہ کا محبوب  
سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت ہے۔ بخاری شریف  
کی حدیث میں آتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص نافرمانی میں بڑھ رہا  
ہے اور خدا تعالیٰ اُسے انعام و اکرام سے نواز رہا ہے تو ہرگز دھوکا نہ کھنا کہ  
یہ تو استدراج ہے۔ کسی نہ کسی وقت یہ آدمی ضرور پکڑا جائے گا۔ اگر اس زندگی  
میں اس کی گرفت نہ بھی ہوئی تو مرنے کے بعد فوراً گرفت ہو جائے گی۔  
بہر حال نافرمانوں کے لیے مہلت اللہ تعالیٰ کی برود باری اور تحمل کی وجہ  
سے ہوتی ہے۔

شکر پر  
اصر

فرمایا دیکھو! انسان کا حال یہ ہے وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ  
الضَّرُّ جَبَّ أَسْنَانُهُ کہ کوئی تکلیف پہنچتی ہے دَعَانَا لِجَنَّةٍ  
قَاعِدًا آہ قاعداً تو پھر وہ ہمارے سامنے دعا کرتا ہے خواہ کدوٹ  
کے بل (لیٹا ہوا) ہو یا بیٹھا ہو یا کھڑا ہو۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب  
کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور ظاہری اسباب ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر  
اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ انسان اس پر  
قائم رہے اور مصیبت میں اللہ ہی کو پکارتے، اُس کو نافع اور ضار سمجھے  
کہ مشکل کشائی کی درخواست کرے۔ بِمَكْرِ أَفْسَوْسَ کہ انسان کی یہ حالت  
قائم نہیں رہتی فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ صُورَةَ جب ہم اس کی تکلیف  
کو رفع کر دیتے ہیں مَرَّكَانَ لَمْ يَذْكُرْنَا لَكَ صِرَ مَسَّةً



تو وہ ایسے گزر جاتا ہے کہ اُس نے ہمیں کسی تکلیف کے وقت پکار ہی نہیں۔ تکلیف کے دور ہو جانے پر وہ اس طرح بھول جاتا ہے کہ نہ اُسے کبھی تکلیف آئی اور نہ اُس نے خدا کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ یہ انسان کی خود غرضی اور لاپرواہی کی انتہا ہے۔ سورۃ نحل میں اس طرح آتا ہے۔

ثُمَّ اِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ وَاِذَا فَرِحْتُمْ بِمُنْكَرٍ مِنْهُمْ لَئِنْ كُنْتُمْ كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ

پھر جب تم سے تکلیف دور ہو جاتی ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شکر کرنے لگتا ہے جب مشکل پیش آتی ہے تو خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر تکلیف کو رفع کر دیتا ہے تو اس کا اعزاز غیر اللہ کو دیتے ہیں اور اُن کے نام کی نذر و نیاز دینے لگتے ہیں اور پھر وہی کفر یہ اور شرک یہ رسوم شروع کر دیتے ہیں۔ آپ کے سامنے مثالیں موجود ہیں۔ تکلیف رفع ہوئی تو فوراً دیکھ پکار دانا صاحب کے دربار پر حاضر ہو گئے مشکل اللہ نے حل فرمائی مگر شکر یہ دانا صاحب کا ادا کیا جا رہا ہے۔ سورۃ عنکبوت میں موجود ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو بحفاظت پار اترنے کے لیے خالص اللہ کو پکارتے ہیں فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ

پھر جب خشکی پہنچ جاتے ہیں تو اللہ کے شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ کبھی خواجہ اجیمیری کے نام کی نذر ہوتی ہے اور کبھی پیران پیر کو نیاز پیش کی جاتی ہے۔ یہ شرک پر اصرار نہیں تو اور کیا ہے اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔ تاہم بعض کامل الایمان لوگ بھی ہیں جو ہر خیر و شر کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تکلیف میں اسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں اور راحت میں اسی کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ

مومن کی حالت عجیب ہے کہ أَمْرُ الْمُؤْمِنِ كُلُّهُ خَيْرٌ

مومن کے لیے ہر حالت ہی بہتر ہوتی ہے اِذَا اَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ  
فَصَبَدْنِ حَب اُسے کوئی تکلیف پہنچے تو سب بردتا ہے وَاِذَا اَصَابَتْهُ مُسْرَاءٌ  
فَكَانَ خَيْرًا لَّہٗ اور جب اُسے کوئی راحت ملے تو سب تویر اُس کیلئے بہتر ہوتی ہے  
وہ دونوں صورتوں میں اپنا توازن قائم رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کو کسی وقت بھی نہیں عیب داتا۔

فَرَمَا كَذٰلِكَ زَيْنٌ لِّلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اسی طرح مزیں کیا گیا ہے مسرفوں کے لیے جو کچھ وہ کام کرتے ہیں کفر  
شرک، بدعت کا ارتکاب کرنے والوں کو شیطان ان کے کام مزیں کرنے کے  
دکھاتا ہے۔ یہ لوگ حد سے بڑھے ہوئے ہیں جو ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار  
کر رہے ہیں۔ شکر کی بجائے ناشکری کو اپنا سہارہ ہیں اور خدا تعالیٰ کو بالکل فراموش  
کر چکے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے بُرے اعمال کو ہی خوشنما سمجھ کر ان پر عمل کیے  
جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے یہ شکوہ کیا ہے۔

مُسْرِفِيْنَ  
سے شکوہ

فَرَمَا وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكَ اِمْسِي طَرْحِ ہِم

نے تم سے پہلی قوموں کو ہلاک کیا لَمَّا ظَلَمُوْا جس وقت انہوں نے  
ظلم کا ارتکاب کیا۔ قرون قرن کی جمع ہے جس کا معنی طبقہ، سنگت،  
قوم یا جماعت ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ہم نے بہت سی پہلی قوموں  
فرقوں یا پارٹیوں کو ان کے ظلم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ یاد رکھو! اگر تم بھی  
ظلم کا ارتکاب کر دو گے تو خدا کا قانون وہی ہے، وہ تمہیں بھی ہلاک کرے گا  
ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ مدت کے لیے مہلت دے  
دے مگر ظلم کا نتیجہ ہمیشہ بڑا ہی نکالے گا، کفر، شرک، بدعت اور معاصی کا  
نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکالے گا، فرمایا جنہوں نے ظلم کیا، ان کو ہم نے ہلاک  
کیا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ اُن کے پاس ہمارے رسول کی  
کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ ان کو واضح ہدایات اور معجزات پیش کیے۔  
انبیاء کرام نے اپنی تعاریف و مواضع میں بڑے واضح دلائل کے ساتھ خدا کی

سابقہ اقوام  
کی ہلاکت

وعدانیت کی طرف دعوت دی وَمَا كَانَ لِمَنْ يُؤْمِنُ مَكْرَهُهُ لَوْ كَرِهَ  
ایمان نہ لائے۔ انہوں نے خدا کے انبیاء، کتب، ملائکہ اور معاہدہ کا انکار  
ہی کیا۔ اپنی زبانوں سے کہتے تھے کہ جاؤ۔ ہم نہیں ملتے۔ جو قیامت  
یا عذاب ہم پر لانا ہے اے آؤ۔ فرمایا كَذَلِكَ يَجْزِي الْقَوْمَ  
الْمُجْرِمِينَ ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں جو لوگ بائی پر ڈٹ  
جاتے ہیں، ظلم کو اپنا شعار بنالیتے ہیں، شقاوت میں کچلتے ہو جاتے ہیں اور  
معاذت سے محروم ہو جاتے ہیں تو ان کو سزا بھی ایسی ہی ملتی ہے اچھالی  
کی توفیق سب ہو جانا بات خود بہت بڑی سزا ہے۔ اور پھر آگے چل کر  
خدا کے ہاں سخت ترین عذاب ہے جو مجرمین کے لیے تیار کیا گیا ہے  
سابقہ اقوام کا حال اللہ نے بیان فرمایا کہ نافرمانی کی بنا پر بعض لوگ  
ہلاک ہوئے اور بعض طبعی موت مر کر ختم ہو گئے اور اب ان میں سے  
کوئی باقی نہیں رہا۔ فرمایا اے موجودہ وقت کے لوگ! ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ  
خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ پھر ان کے بعد  
ہم نے تمہیں زمین میں نائب بنایا۔ اب تمہیں اللہ نے موقع دیا ہے ان  
سے سو سال پہلے جو لوگ تھے، وہ تو ختم ہو گئے۔ اب تم ان کے جانشین  
ہو، ان کی جگہ تمہیں لا کر اللہ تعالیٰ اب تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے کہ تم  
کیسے کام کرتے ہو۔ حکومتوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ پہلے حکمران ختم ہو  
گئے۔ ان کی جگہ حکومت کی باگ ڈور نئے لوگوں نے سنبھالی، اب یہ  
ان کا امتحان ہے۔ اللہ نے فرمایا، ہم نے زمین کی خلافت اب تمہیں  
دی ہے لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے  
ہو۔ کیا تم بھی پہلے لوگوں کا راستہ اختیار کر کے ہلاکت کی طرف جاتے ہو  
یا نیک اعمال کر کے خلافت کا صحیح حق ادا کرتے ہو لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ  
تاکہ ہم دیکھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے دیکھ رہا ہے اور اب تک ہر چیز

موجودہ قوم  
کی آزمائش





دنیا کی نصف آبادی اور ایک گاڑی کے دو مساوی پیسے ملتے ہیں اور پھر خود ہی ان کے نام نہاد حقوق کے پاس بان بن جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے بھائی! جو حقوق اللہ اور اس کے رسول نے عورت کو نہیں دیے وہ تم دلا دو اور پھر اس کا نتیجہ بھی تمہارے سامنے ہے کہ ہر طرف بے حیائی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دنیا اور عورتوں کے فتنے سے بچتے رہو۔

تمہارے سامنے انگریزوں اور یورپین اقوام کی مثالیں موجود ہیں۔ کیا وہ عورت کو حد درجہ آزادی دے کر کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں؟ اس میں بے شمار قباحتیں ہیں۔ ہمارے ہاں تو پھر بھی کسی حد تک سکون ہے، یہاں پر اللہ اور اس کے دین کے نام لیا موجود ہیں جو عورت کی بے راہ روی اور نام نہاد آزادی میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں مگر امریکہ اور یورپ بیٹے ترقی یافتہ ممالک میں اطمینان اور سکون قلب نام کی کوئی چیز نہیں۔ وہ محلات میں بستے ہوں یا بڑے بڑے ہوٹلوں کی زینت ہوں، جدید تمدن نے انہیں بہت ذلیل کیا ہے۔ ان کے اپنے فلاسفر اپنی تہذیب پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ وہاں نیکی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ بدکاری کی وجہ سے نسلیں خراب ہو چکی ہیں اور بد اخلاقی حد کو پہنچ چکی ہے۔

حکومت  
بطور امانت

بہر حال جس جماعت کو یا قوم کو حکومت مل جائے، وہ اس کے پاس بطور امانت ہوتی ہے جو حکومتی معاملات میں من مانی نہیں کر سکتی چاہے بلکہ اللہ کے دین کو نافذ کرنا چاہیے۔ اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم لوگوں کے حقوق کس حد تک ادا کرتے ہو اور حکومت کی ذمہ داری کیسے نبھاتے ہو؟ فرمایا تم دنیا کے نظام حکومت میں ممبر بن جاؤ، وزیر یا صدر بن جاؤ، کون کون سی غصہ کی قوم القیامت پھر یہ چیزیں قیامت کو تمہارے لیے حسرت کا باعث ہوں گی۔ تم انفس

کرو گے کہ یہ ذمہ داری نہ اٹھائی ہوتی۔ ہماری زندگی جمائے پاس امانت ہے  
 پہلوں نے اس امانت کے کا حق ادا نہیں کیا تو وہ ہلاک ہوئے۔ اب تم  
 اُن کے جانشین ہو۔ تمہارے اعمال کی بھی آزمائش ہوگی اور پھر تم  
 پر واضح کر دیا جائے گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے۔

---



يعتدرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

درس پنجم ۵

آیت ۱۵ تا ۱۷

وَإِذَا تَسَالَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيَّتُ الْقَالِ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ  
 لِقَاءَنَا أَتَيْتَ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدَّلَهُ قُلْ مَا يَكُونُ  
 لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي بِنَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ  
 إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابٌ يَوْمٌ عَظِيمٌ ①۵  
 قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَسُكُمْ بِهِ  
 فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ①۶  
 فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ  
 بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ①۷

ترجمہ ۱۔ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں واضح تو  
 کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی کہ بے آ  
 ہائے پاس قرآن کے علاوہ یا اس کو تبدیل کر دے۔ اے پیغمبر !  
 آپ کو دیں کہ نہیں ہے میرا کام کہ میں اس کو تبدیل کروں اپنی  
 طرف سے۔ نہیں پیروی کرنا میں سگر اس چیز کی جو وحی کی جاتی  
 ہے میری طرف۔ میں خوف کھاتا ہوں بڑے دن کے عذاب  
 سے اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی ①۵ اے پیغمبر ! آپ  
 کہ دیجئے کہ اللہ چاہتا تو میں نہ تلاوت کرتا اس کو تم پر اور نہ  
 وہ خبر دیتا تم کو اس کی۔ پس بیشک میں ٹھرا ہوں تمہارے

دو بیان غم کا ایک حمد اس سے چٹے کیا تم عقل نہیں رکھتے (۱۶)  
پس کون زیادہ ظالم ہے اُس سے جو افترا باندھتا ہے اللہ پر جھوٹا  
یا جھوٹے اُس کی آیتوں کو، بیشک نہیں فلاح پائیں گے جو

لوگ (۱۷)

رب آیات

سُورۃ یونس مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی۔ اس کا مرکزی مضمون قرآن کریم کی  
حقانیت اور صداقت ہے۔ سُورۃ کی ابتدائی آیت میں ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی  
حقانیت کا ذکر فرما دیا تھا۔ اس کے بعد دوسرے بیان ہوئے۔ ایک توحید کے عقلی دلائل  
کا اور دوسرا قیامت اور جزائے عمل کا۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی  
حقانیت بیان کی ہے اور اس کے ساتھ رسالت کی صداقت کو بھی عقلی دلیل سے  
ثابت کیا ہے۔

آیات  
بینات

چنانچہ قریش مکہ کے ساتھ مکالمے کا ذکر ہو رہا ہے وَإِذَا شِئْلَى عَلَيْهِمْ  
أَيُّنَا كَذِبْتُمْ جب اُن پر ہماری واضح واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ یہ اُس  
کتاب کی آیات کا ذکر ہے جس میں تمام بنیادی عقائد موجود ہیں اور جو اس زندگی سے  
متعلق تمام احکام، مسائل اور دلائل پر مشتمل ہے۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر بنیادی مسائل  
ہی کا ذکر ہے جن میں توحید کے دلائل، کتاب الہی پر ایمان، نزول وحی اور اس پر ایمان،  
ملائکہ اور تقدیر پر ایمان، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان اور حیات بعد الممات  
کی تفصیلات آتی ہیں۔ نذر فرمایا کہ جب ہماری واضح آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن میں  
قرآن پاک کی حقانیت اور توحید باری تعالیٰ کی بناؤں لاکھوں نشانیاں موجود ہیں۔ اُن کے  
گمراہ پیش میں بے شمار دلائل بکھرے پڑے ہیں، قرآن پاک اور اللہ کا پیغمبر اُن کی طرف  
توجہ دلاتا ہے کہ اگر ذرا بھی ان دلائل پر غور کرو تو معاملہ صاف ہو جائے گا اور تمہیں اللہ  
کی ذات و صفات پر ایمان لانے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ  
اللہ نے جتنے بھی انبیاء اس دنیا میں مبعوث فرمائے ہیں۔ سب نے اپنی اپنی قوم کے

سامنے ہمیشہ واضح بات ہی کی ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن پاک میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا، لوگو! میری بات کو اچھی طرح سمجھ لو، لَعَلَّكُمْ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً (یونس) اس بارے میں ہمیں کوئی اشتباہ نہیں رہنا چاہیے۔ میں بالکل صاف بات کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا ضروری ہے اور شرک نہایت ہی قبیح چیز ہے جس سے بچنا لازمی ہے۔ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں بہت زیادہ وضاحت کی ہے۔ مثلاً رسالت کو بھی بالوضاحت بیان کیا ہے اور پھر معاد کے ضمن میں تمام تفصیلات سے آگاہ کیا ہے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

معاد سے انکار

فرمایا جب اُن کے سامنے واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے۔  
 قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا تَوَجَّهْ لَكُمْ هَارِي مَلَقَاتِ كَا  
 یقین نہیں ہے یعنی وہ وقوع قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ حیات  
 بعد الممات کے قائل نہیں ہیں، اُن کا جواب یہ ہوتا ہے جو آگے آرہا  
 ہے قیامت پر ایمان لانا بنیادی اجزائے ایمان میں سے ہے۔ ظاہر ہے  
 کہ جس نے ایمان کے کسی ایک جزو کا بھی انکار کیا اُس نے مکمل طور پر  
 کفر کیا۔ جب لوگ دنیا میں قبیح اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں اور انہیں  
 اُن کے برے انجام سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ بجاٹے اس کے اپنی  
 اصلاح کر لیں۔ وہ وقوع قیامت، حساب کتاب اور جزا سزا کا بھی  
 انکار کر دیتے ہیں اور ڈرانے والوں کو کہتے ہیں کہ یہ سب تمہارے خود  
 ساختہ افسانے ہیں، کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی دوبارہ زندہ ہوگا  
 اور نہ کسی کا حساب کتاب ہوگا۔ اس بات کو قرآن پاک میں جگہ جگہ بیان  
 کیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا کہ جب ہم فنا ہو جائیں گے، ہماری ہڈیاں بکھر  
 جائیں گی، ہمارے جسم کے ذرات منتشر ہو جائیں گے تو پھر کون انہیں



اکٹھا کرے گا؟ کہتے تھے کہ آج تک تو کسی کو مرکز زندہ ہوتے نہیں دیکھ  
بہر حال یہاں ملاقات سے نا اُمید ہونے سے مراد قیامت کا انکار  
لیا گیا ہے۔

رَجَا کا معنی ایک تو اُمید ہے اور دوسرا خوف بھی ہے جیسے  
سورۃ نوح میں ت مَالِكُمْ لَا تَرَجُجُنَّ لِلَّهِ وَفَتْ ار  
تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وقار سے خوف ہی نہیں  
کھاتے۔ تو اس مقام پر خوف کا معنی بھی لیا جاسکتا ہے اور پورے جملہ  
کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگ جو اللہ کی ملاقات سے خوف نہیں کھاتے  
وہ اس طرح کہتے ہیں۔ ان کا بیان آیت کے اگلے حصے میں آ رہا ہے  
تاہم مفسرین کرام یہاں پر زیادہ تر رَجَا کو اُمید کے مضمون میں ہی لیتے ہیں  
کہ اُن لوگوں کو اللہ کے حضور پیش ہو کر جوابدہی کی اُمید ہی نہیں کہ کوئی ایسا  
وقت بھی آنے والا ہے۔

قرآن میں  
ترجمہ کی  
خواہش

فرمایا جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں اِنْتِ  
بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن پاک لے آؤ  
بِدَلٍّ یا اگر مکمل طور پر کوئی دوسرا قرآن نہیں لا سکتے تو اسی کو تھوڑا بہت  
تبدیل کر دو۔ مشرکین میں کا مقصد یہ تھا کہ اس قرآن کریم کی بعض باتیں تو ہم  
مان لیتے ہیں اور بعض کو تسلیم نہیں کرتے۔ لہذا اس میں جو چیزیں ہماری مہنی  
کے خلاف ہیں یا تو اُن کو تبدیل کر دو یا سکرے سے ہماری سرعنی کو قرآن  
لے آؤ تو ہم تسلیم کر لیں گے۔

باقی رہی یہ بات کہ اُن لوگوں کو قرآن حکیم کی کونسی باتوں پر اعتراض  
تھا جو وہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اخلاقیات کو تو وہ مانتے تھے کہ یہ  
بہت اچھی باتیں ہیں۔ قرآن پاک میں پند و نصائح ہیں مگر جب اُن  
کے عقیدے پر زو آتی تھی تو وہ انکار کر دیتے تھے کیونکہ وہ اپنے جاہلانہ

اور مشرکانہ عقائد کو چھوڑنے کے لیے قطعی تیار نہ تھے۔ سورۃ انبیاء میں حضرت  
 ابراہیم کے بت شکنی کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب آپ نے کفد کو ہر طرح  
 لا جواب کر دیا اور بتوں کی مذمت سے باز رہنے کی حامی نہ بھری تو کہنے لگے  
 "حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ اِلاَّ هُوَ" ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دو اور  
 اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو، ورنہ دلائل کے اعتبار سے یہ نوحوان  
 ہمارے بتوں کی پوجا چھڑا دینگا۔ کبلا ہم ان بتوں کو کیسے چھوڑیں جن کی پرستش  
 ہمارے باپ دادا کرنے چلے آئے ہیں مشرکین مکہ بھی یہی بات کہتے تھے  
 کہ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کرو، پھر ہم تمہاری بات سننے کے لیے  
 تیار ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ آؤ ہمارے ساتھ سمجھوتہ کر لو۔ کچھ تمہاری باتیں  
 ہم مان لیتے ہیں اور کچھ ہماری باتیں تم مان لو۔ سورۃ قلم میں اس بات کی  
 طرف اشارہ ہے "وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِسُوْنَ" یعنی مشرکین چاہتے  
 تھے کہ آپ مقوڑا سا نرم ہو جائیں۔ ہمارے معبودوں کے معاملہ میں سختی  
 نہ کریں تو ہم بھی آپ کی بعض باتیں تسلیم کر لیں گے۔ بہر حال ان کا مطالبہ  
 یہ تھا کہ یا تو سکرے پورا قرآن بدل دو یا اسی میں بعض تراہیم کر کے  
 ہماری منشاء کے مطابق کر دو۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے  
 فرمایا ہے "قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے مَا يَكُونُ لِيْ  
 اَنْ اُبَدِّلَ مِنْ تِلْكَ اَيُّ نَفْسِيْ" اس قرآن پاک کو بدلنا میرا کام نہیں ہے  
 یعنی اس میں تغیر و تبدل کا مجھے ہرگز اختیار نہیں بلکہ مخلوق میں سے کوئی بھی  
 ذات ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کر سکے۔ الیا کرنا تو خدا تعالیٰ  
 کے ساتھ بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔ اپنے کسی حکم کو تبدیل کرنا  
 یا اسے منسوخ کر دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ سورۃ بقرہ میں  
 اُس کا یہ قانون موجود ہے "مَا تَسْلُخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْشِئَهَا  
 نَاْتٍ بِخَيْرٍ مِنْهَا اَوْ مِثْلَهَا" جو ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں

یا بھٹلا دیتے ہیں تو ہم اُس سے بہتر یا۔۔۔ اُس چپی آیت اس کی جگہ لے لے تے ہیں۔ مقصد یہ کہ کسی آیت میں تغیر و تبدل یا منسوخ کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ سورۃ کہف میں ہے لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ اللہ تعالیٰ کے کلام کو کوئی بھی تبدیل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ کفر کی بات ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو فرمایا ہے کہ آپ ان لوگوں سے عاف عاف کہ دیں کہ مجھے کسی آیت کو تبدیل کرنے کا اختیار نہیں ہے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰی اِلَیَّ میں تو صرف اسی بات کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے دوسرے مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ حکم دیا ہے اِتَّبِعْ مَا اُوْحٰی اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (الانعام) کتاب میں جو بھی وحی آئے آپ اس کی اتباع کرتے رہیں۔ ہر آئہ حکم کی تعمیل کریں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیں۔

ہم قرآن پاک میں جگہ جگہ پڑھتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف کی اور اس کے مختلف احکام کو از خود تبدیل کر کے اپنی مرضی کے مطابق بنالیا۔ مثال کے طور پر سورۃ بقرہ میں ہی آتا ہے۔ ”قَبَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ جَوَابًا“ کو کہی گئی تھی، ظالموں نے اُس کو تبدیل کر دیا۔ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ نَزَّلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہم نے ان پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا۔ غرضیکہ بنی اسرائیل نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی تو وہ لعنتی اور مغضوب علیہ بنتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو بعض اوقات اس دُنیا میں مہلت بھی دے دیتا ہے مگر آخرت میں تو ایسے بد بخت کسی صورت بچ نہیں سکتے۔ مہلت کا یہ قانون گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔

فرمایا میں تو صرف وحی الہی کا اتباع کرتا ہوں اور اس میں تغیر و تبدل



کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اِنِّیْ اَخَافُ رَانَ عَصِیْتِ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کر دے گا۔ تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے، لہذا میں تو وہی قرآن پیش کر دنگا جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل ہوا ہے اور جس کی اشاعت کا مجھے حکم دیا گیا ہے مجھے تو اس کتاب میں پیش کردہ نظام کو قائم کرنے کا حکم ملا، حضور علیہ السلام نے دُعا میں سکھایا اَللّٰهُمَّ مِّنْ لَّکَ الْکِتَابُ یعنی اے کتاب کو نازل کرنے والے مولا کریم! ہم تو اسی کتاب میں نازل ہوئے پروگرام کو دنیا میں رائج کرنے کے پابند ہیں اور اسی کی خاطر تیرے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ ہمارا کوئی دنیاوی یا ذاتی مقصد نہیں ہے لہذا ہم دنیا میں تیرا ہی کلمہ بلند کرنا چاہتے ہیں، اس لیے مجھے قرآن پاک کی کسی آیت میں تغیر و تبدل کی مجال نہیں ہے۔

قرآنی قانون  
کا نفاذ

اب آپ قرآن پاک کی اس واضح آیت کو مد نظر رکھ کر ذرا موجودہ حکومتوں کے نظام کا جائزہ لیں کہ دنیا میں آج جتنے بھی حکمران موجود ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی کس حد تک پابندی کر رہے ہیں۔ غیر مسلم اقوام تو خارج از بحث ہیں، ہم دنیا کی پچاس کے قریب مسلمان ریاستوں پر بھی نظر ڈالتے ہیں تو اس معاملہ میں سخت مایوسی ہوتی ہے کہ کسی ایک ریاست میں بھی من و عن قرآن پاک کے قانون پر عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے۔ قرآنی پروگرام کے نفاذ کا خیال تو اسے آسکتا ہے جو قرآن پاک کی تلاوت کرے گا۔ اور پھر اس کو سمجھنے کی کوشش کرے گا اور جس نے قرآن کریم کو پڑھا ہی نہیں، وہ اس کے قوانین کو نافذ کیسے کرے گا؟ آج جسکے لوگ ہیں جو قرآن پاک کے مطالب و معانی کے عمق میں جانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ اس کو کما حقہ سمجھنے کے لیے سخت محنت اور بڑا وقت دینے کی ضرورت ہے۔ محض امتحان پاس کرنے کے لیے

چند سورتیں پڑھ لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے  
 آٹھ سال میں سورۃ بقرہ کی تفسیر مکمل کی تھی، اس کے مضامین، علوم، معانی  
 اور حقائق کو معلوم کیا تھا۔ قرآن پاک میں تمام اصول موجود ہیں عمل کے  
 لیے واضح لائحہ عمل موجود ہے۔ اس کے لیے پوری پوری عمر وقف کرنے  
 کی ضرورت ہے۔ تب جا کر ساری باتیں سمجھیں آیت کی مولانا علامہ  
 انور شاہ عثمانی فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ امت کے ذکی ترین لوگوں میں  
 سے ہیں۔ انہیں بہت سہولت میں تردد پیدا ہو گیا تو اس کو حل کرنے کے لیے  
 قرآن پاک کی تین سو مرتبہ تلاوت کی۔ ہر مرتبہ آیت پر غور و فکر کرتے اور  
 مسئلہ کا حل تلاش کرتے۔ آخر میں سو مرتبہ کی تلاوت کے بعد وہ ایک  
 آیت پر آکر رک گئے اور اپنا مقصود پایا۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقت  
 کو پانے کے لیے بڑی بڑی قربانی اور زیادہ سے زیادہ محنت بھی کرنی  
 پڑے۔ تردد کرنے سے گوہر مقصود حاصل ہو گا۔ آج ہمارے وقت مذہب  
 اسمبلیوں میں بیٹھ کر بحث کرتے ہیں کہ امریکہ اور برطانیہ کا سٹیٹ لارڈ  
 نظام بہتر ہے یا روس اور چین کا اشتراکی نظام؟ کونسا نظام زیادہ  
 ترقی یافتہ ہے اور کونسا کم تر ہے؟ ترکوں نے جرمن قانون سے لیا  
 تھا اور ہم دوسروں کی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ یہ سب لغتی نظام  
 ہیں۔ ہمارے لیے ان میں سے کوئی بھی مفید نہیں پھر قرآن پاک کو چھوڑ  
 کر کون سے نظام کو اپنائیں گے؟ سورۃ مہلت میں اسی بات کا  
 شکوہ کیا گیا ہے ”فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ“ قرآن پاک  
 کو چھوڑ کر دوسرے کون سے پروگرام پر ایمان لاؤ گے۔ جب تک  
 دنیا قائم ہے، قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا پروگرام نہیں آئیگا تو  
 اس کو چھوڑ کر کہہ جاؤ گے۔ اسی پروگرام کے متعلق قرآن کریم نے ابتدا  
 ہی میں فرمایا ”ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“ اللہ کی اس

آخری کتاب میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر اس پروگرام کو اپنانے والوں کے متعلق فرمایا اُولَئِكَ عَلَّمْنَا هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پرائیں اور یہی لوگ دائمی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ بہر حال قرآن کریم کے پروگرام کو سمجھنے اور اس کو نافذ کرنے کے لیے، بڑی محنت، انفرادی قوت اور وقت کی ضرورت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریز لوگ تو مختلف کمپنیاں بنا کر حدیث پر تحقیقات (RESEARCH ریسرچ) کر رہے ہیں اس پر کثیر رقم خرچ کر رہے ہیں مگر ہم زبانی ایمان لانے تک ہی محدود ہیں نہ اس ضمن میں کوئی محنت و کاوش ہوتی ہے اور نہ قرآنی پروگرام پر عملدرآمد کا موقع آتا ہے۔ ہماری ناکانی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم خود اپنے ذخیرہ علوم سے استفادہ ہونے کی بجائے دوسروں کا منہ تک سبے ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ کو آزمانے کے بعد اقتصادی نظام کے لیے چین کے نظام کی طرف آنکھیں اٹھتی ہیں اور کبھی روس اور جرمن کے نظاموں سے اُمید و اہستہ کی جاتی ہے۔ پچاس سال سے اشتراکی نظام کو بھی آزما جا رہا ہے مگر اس میں بھی اتحاد، بے دینی، استبداد اور دماغی خرابی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوا کر اگر میں بھی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف کر دوں گا تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

حیات پیغمبر  
بطور دلیل

ارشاد ہوتا ہے فَمَنْ أَعِزَّ إِلَيْنَا بِغَيْرِ آيَةٍ كَذَبَتْ كُفُّهُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ آیات قرآنی تم پر تلاوت نہ کرتا، مقصد یہ ہے کہ تم اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور اسے تبدیل کرنے کا مطالبہ کرتے ہو، اللہ بھی اگر ایسا ہی چاہتا تو میں تمہیں پڑھ کر نہ سنا تا مگر خدا تعالیٰ کی مشیت تو اسی پروگرام کو غالب کرنا ہے



لہذا اسی کی تلاوت کرنا میرا فرض ہے۔ اگر اللہ کو تمہاری بات منظور ہوتی و لا ادراسکم بہ تو وہ تمہیں اس ذرا پاک کی خبر ہی نہ دیتا۔ مگر اس کی مشیت تو اسی میں ہے کہ میں یہی کلام الہی تمہیں پڑھ کر سناؤں یہ کوئی میرا خود ساختہ پروگرام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اگر تمہیں اس بارے میں کوئی شک ہے کہ قرآن میں اپنی طرف سے بنا کر لے آیا ہوں تو ذرا اس دلیل پر غور کرو فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ میں نے تمہارے درمیان عمر کا ایک بڑا حصہ دچالیس سال گزارے ہیں۔ تم مجھے اور میرے خاندان کو جانتے ہو۔ میری شرافت، و نجابت سے واقف ہو، اخلاق و اطوار کو پہچانتے ہو۔ ابھی پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ حجر اسود کی تنصیب کے لیے قمر نے مجھ ہی پر اعتماد کیا تھا، تم مجھے صادق اور امین کہتے رہے ہو آج تک میرے کردار پر کسی کو انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی، میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی وعدہ خلافی نہیں کی، کسی پر بہتان نہیں لگایا، کسی کو تکلیف نہیں دی، کسی کا مال نہیں چھینا، کسی کی تذلیل و توہین نہیں کی بلکہ دوسروں کی خدمت کو شعار بنا رکھا ہے۔ ان تمام شواہد کے باوجود اَفْكَارًا لَعِقْلُونَ تم اتنی بھی عقل و شعور نہیں رکھتے اور یہ نہیں سوچ سکتے کہ جو شخص چالیس سال تک سچا اور ایسا نڈار رہا ہے وہ یکا یک جھوٹ پر کیسے اتر آئے گا اور خود قرآن بنا کر اسے اللہ کی طرف منسوب کرے گا۔ (العیاذ باللہ) یہ تو معمولی سوچ بوجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص اتنے اعلیٰ کردار کا حامل ہے، جس کی زندگی کا کوئی گوشہ تمہاری نظروں سے اوجھل نہیں رہے یکدم جھوٹ کیسے بولنے لگے گا۔ جو شخص اللہ کی مخلوق کے سامنے غلط بیانی نہیں کرتا، وہ اللہ پر کیسے افترا باندھے گا۔ فرمایا ذرا عقل کر برسے کار لاؤ تو تمہارے تمام شبہات دور ہو جائیں گے۔

ابو داؤد شریف کی روایت میں عبد اللہ ابن ابی النخدا کا واقعہ آتا ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کے ساتھ کوئی معاملہ کیا تو کہنے لگا آپ ہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ آپ وہیں کھڑے اُس کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ تین دن گزر گئے۔ جو نہی اُس شخص کو یاد آیا تو اُس جگہ پر پہنچا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام اس کا انتظار کرتے ہیں، معذرت کی کہ میں بھول گیا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، اے نوجوان! تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ مجھ سے وعدہ لے لیا جسکی میں خلافت و وزیری نہیں کر سکتی تھا غرضیکہ حضور علیہ السلام کی پوری زندگی توشیٹے کی طرح صاف ہے اور آپ سے کسی غلط بات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ تو اب یکدم حضور کی ذات سے غلط بیانی کو کیسے منسوب کر لیا۔ فرمایا یہ قرآن نہ تو میرا اپنا بنایا ہوا ہے اور نہ میں اس میں تبدیلی کرنے کا مجاز ہوں۔ میں اپنی زندگی کو تمہارے سامنے بطور دلیل پیش کر رہا ہوں، اب بھی تمہیں سمجھ نہیں آتی۔

فرمایا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء باندھے فرمایا اگر میں بھی دعوٰی باللہ غلط بات کروں گا تو اسی فرست میں آؤں گا۔ میرے لیے یہ بات ہرگز لائق نہیں کہ میں خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھوں

اَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ اور اس سے بڑا ظالم بھی کوئی نہیں جو خدا تعالیٰ کی آیتوں کو جھوٹا کرے۔ جھوٹا دعویٰ کرنے والا مفتری اور کذاب ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوتا۔ فرمایا نہ تو میں اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہوں کہ قرآن پاک کو غلط طور پر اس کی طرف منسوب کر رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا نازل کردہ ہے اور میں اُسی کی مشائخہ کے مطابق اس کی اشاعت کر رہا ہوں اور جو کچھ میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں، یہ من و عن دہی ہے جو اللہ نے نازل فرمایا

ہے۔ اور میں خدا تعالیٰ کی کسی آیت کو (العیاذ باللہ) جھٹلا کر ظالموں میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔ فرمایا اور رکھو! جو کوئی اللہ پر افسر و باندہ متنا ہے یا اس کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے وہ مجرم ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ کہ وہ مجرموں کو فلاح نصیب نہیں کرتا۔ میں نہ تو مفتری ہوں اور نہ مجرم۔ میں تو اللہ کی مشیت کے مطابق اس کے احکام کی تعمیل کر رہا ہوں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے والے قسم خورد ہو، لہذا امتیاز اپنے انجیم سے باخبر ہونا چاہیے۔ تم لوگ کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

---



وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ  
وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتُذَيِّبُونَ اللَّهَ  
بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ تُسَبِّحُ لَهُ  
وَتَعْلَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً  
وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ  
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِي مَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُونَ  
لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةً مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغِيبُ  
لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ

ترجمہ :- اور عبادت کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لئے کچھ نہ  
چیزوں کی جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ فائدہ دے سکتی  
ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ لوگ (کہ جن کی عبادت کرتے ہیں) یہ  
ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔ (اے پیغمبر) آپ کہ دیں، کیا تم  
بتواتے ہو اللہ کو وہ چیز جو وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور نہ  
زمین میں۔ پاک ہے اس کی ذات اور بلند ہے ان چیزوں سے  
جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ﴿۱۸﴾ اور نہیں تھے  
لوگ مگر ایک ہی امت پس اختلاف کیا انہوں نے اور اگر نہ  
ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی تھی تیرے۔ پودہ دگار کی طرف  
سے تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ان چیزوں میں جن میں

تفاوت کرتے ہیں (۱۵) اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کیوں نہیں آتے  
 کوئی اس پر کوئی ثنائی اس کے رب کی طرف سے، پس آپ  
 کو ایسے مستحق قرار دینا جیسے اللہ کے لیے ہے۔ پس  
 انصار کو تم میں بھی تمہارے ساتھ انصار کرنے والوں میں ہوں (۲۰)

ایضاً

اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور سہ وقت کا بیان تھا۔ مگر  
 لوگ اس قرآن کو ماننے کے لیے اس سے تیار نہ تھے کہ اس میں ان کے عقائد کی تردید تھی  
 کہتے تھے اس میں ہم سے مجبور ہوں کی توہین کی کئی سہت لہذا آپ کوئی دوسرا قرآن سے  
 کہیں یا اسی میں ہماری مرضی کو مطابق کر دیں تو ہم ہٹنے کے لیے تیار ہیں اس کے جواب  
 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلویا کہ کتاب اللہ میں تغیر و تبدل کرنا میرے  
 اختیار میں نہیں ہے۔ میں تو صرف وحی الہی کی پیروی کرتا ہوں۔ اگر میں اس میں تبدیلی کی  
 کوشش کروں تو بڑے دن کے عذاب میں پھنس جاؤں گا۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ بخود کسی  
 حکم کو اٹھا سکے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا حکم جاری کر دے تو یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ کسی  
 رسالت کی نفاذ ایسا کر سکے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کی صداقت کو بیان  
 فرمایا اور آپ علیہ السلام سے یہ اعلان کر دیا کہ اس سے بڑا خدا کون ہے جو نہ اپنے جبر  
 بوتا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ جو خدا کے پسے ہوئے اور اس کی پٹی کتاب کو نہیں ملتے ان  
 سے بڑھ کر بھی کوئی خدا لہ نہیں۔ فرمایا کہ کتاب اللہ کی کتاب میں تحریف کی تو وہ  
 لعنتی اور غضیب علیہ لعنہ ہے۔ ان پر اللہ نے عذاب نازل فرمایا۔ رسالت کی حقانیت  
 کے بعد اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پھر توحید کا مسئلہ سمجھایا ہے اور شرک کی تردید  
 فرمائی ہے۔ یہ سنائیں اس سورۃ میں یکے بعد دیگرے آیت ہیں کہیں قرآن کی صداقت  
 ہے تو کہیں توحید اور شرک کا بیان ہے اور کہیں قیامت کو ذکر کر رہے ہیں یہ سارے  
 مسلمان آپ میں مل جاتے ہیں اور سورۃ کے آخر تک پہنچ گئے ہیں۔

توحید اور شرک

اس سے پہلے توحید کے متعلق دلائل کے طور پر ارض و سما کی تخلیق، چاند اور سورج

کی گردش اور رات دن کے اختلاف کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ  
 نے براہ راست مشرکین کا ذکر کیا ہے اور ان کے افعال تبیحہ کو بیان فرمایا  
 ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ  
 اور مشرک لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ کے دے ان چیزوں کی جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکتی  
 ہیں اور نہ فائدہ دے سکتی ہیں مِنْ دُونِ اللَّهِ کا معنی اللہ کے سوا بھی ہوتا ہے اور  
 اللہ کے دے بھی۔ شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ، قرآن کا سب سے پہلا بہترین اردو ترجمہ  
 ہے جس میں آپ نے دُونِ کا معنی نیچے یا دسے کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑا  
 معبود تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں مگر اس کے نیچے چھوٹے معبود بھی بنا رکھے  
 ہیں جن کے متعلق ان کا دعویٰ تھا کہ یہ بھی اللہ ہی کے مقرر کردہ ہیں۔  
 جب دُونِ کا معنی سوا کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ مشرک اللہ  
 کے علاوہ اُس کا مقابل مان کر کسی دوسرے خدا کی پوجا کرتے ہیں جیسا کہ  
 مجوسی اور منوی فرقے والے دو خدا مانتے ہیں۔ ایک نیچی کا خدا ہے اور دوسرا  
 برائی کا۔ ایک روشنی کا خدا ہے اور دوسرا تاریکی کا ہے۔ ایک کو برے وال  
 کا نام دیتے ہیں اور دوسرے کو اہرمن کا۔ مگر مشرکوں کا عقیدہ مختلف ہے  
 وہ واجب الوجود اور خالق تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ اُس  
 نے اپنے اختیارات دوسروں کو بھی دے رکھے ہیں اور وہ بھی لوگوں کی  
 حاجتیں پوری کرتے ہیں اور بگڑی بناتے ہیں۔ یہی مشرک ہے۔  
 اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اُس نے فرشتوں کو انسانوں کی  
 پیدائش سے کروڑوں بلکہ اربوں سال پہلے پیدا کیا۔ پھر جنات پیدا کئے اور  
 اس کے بعد انسان اور ہر جسم یا وجود رکھنے والی چیز تخلیق کی، اسی لیے قرآن پاک  
 نے فرمایا اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر) ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہی  
 ہے۔ چنانچہ ستر دس چھ دہریوں کو چھوڑ کر تمام کافر اور مشرک بھی خالق خدا تعالیٰ  
 ہی کو مانتے ہیں۔ مشرک عرب کے ہوں یا ہندوستان کے وہ یہی کہیں گے کہ



پیدا کرنے والا مہنگواں یا ایشور سب۔ فارسی میں خدا کہتے ہیں اور یہ لفظ اللہ کا ترجمہ ہے یعنی ایسی ذات جس کا وجود ذاتی ہے کسی کا دیا ہوا نہیں۔ اللہ کے علاوہ ہر چیز کا وجود عطا کی ہے، ذاتی نہیں۔ مقصد یہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات کو تو سائے ہی مانتے ہیں مگر توحید اور شریعت کا انکار کر کے کافر اور مشرک بن جاتے ہیں۔ گویا جو لوگ اللہ کو مانتے ہوئے کسی دوسرے کو بھی کسی حیثیت میں اس کے ساتھ شریک مٹھاتے ہیں۔ وہی مشرک ہیں۔

شُرک زیادہ تر عبادت میں ہوتا ہے جس طرح اللہ کی عبادت کی جاتی ہے اسی طرح دوسروں کی بھی کی جاتی ہے۔ اہم بیضاوری عبادت کی تشریح اقصیٰ غایت تعظیم کرتے ہیں یعنی کسی کی عذرت تعظیم کرنا عبادت کہلاتا ہے جب کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی انتہائی تعظیم اس اعتماد کے ساتھ کرتا ہے کہ یہ شخص نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ جانتا ہے اور بکھڑی بنانے پر قادر ہے۔ تو ایسا شخص مشرک بن جائے گا۔ کیونکہ واجب الوجود حقائق علیم کل اور مختار کل اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ ہیں۔ ذرے ذرے کو جاننے والا صرف اللہ ہے۔ نہ جبرائیل جانتا ہے نہ کوئی رسول اور نہ ہی ان صفات میں جو بھی کسی مخلوق کو شریک کرے یا اس کے مشرک بننے میں شائبہ نہیں رہتا۔

تعظیم کسی زبان سے ہوتی ہے۔ کبھی جسم سے اور کبھی مال سے جسم کی تعظیم رکوع، سجود یا دست بستہ کھڑا ہونا ہے۔ زبان کی تعظیم یہ ہے کہ کسی کی حمد و ثناء کے ترانے گائے جائیں۔ مال کی تعظیم یہ ہے کہ کسی کے نام کی نذر و نیاز دی جائے۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" عقیدہ کا فرض ہے پھر یہ تعظیم اس نظریہ کے ساتھ کی جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں فائدہ ہو گا اور اگر نہ کی تو نقصان ہو جائے گا۔ یہ نظریہ بھی ہوتا ہے کہ فلاں ہستی کی تعظیم کی جائے گی تو وہ اللہ کے برابر

انتہائی تعظیم  
مشرک ہے

ہماری سفارش کر دے گا یا ہمیں تقرب دلا دے گا یا ہماری مشکل حل کر دے گا، یہ تمام نظریات باطل ہیں اور شرک میں داخل ہیں، یہ سارے معاملات صرف اللہ کی ذات کے ساتھ ہی روا ہیں۔

قبروں کی  
تعظیم

ہمارے ہاں بعض قبروں کی خاص تعظیم کی جاتی ہے۔ چھٹی صدی کے مفسر قرآن امام رازیؒ عظیم آدمی ہوئے ہیں۔ تفسیر کے علاوہ انہوں نے علم اخلاق پر کتابیں بھی ہیں منطق میں ماہر تھے آپ فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ کتروں، ٹھاکروں، درختوں اور ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں مگر ہمارے زمانے کے بعض مسلمان قبروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ صاحب قبر اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر دے گا۔ داتا صاحب کی قبر پر نذر و نیاز اور چادر پوشی تعظیم کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسے مزار ہیں جن کے سامنے مسجد بنے ہوئے ہیں، لوگ دست و پاء کھڑے ہو کر ان سے حاجات طلب کرتے ہیں یا حاجت برائی کے لئے سفارش چاہتے ہیں۔ اس انتہائی تعظیم کی خاطر عرق گلاب سے قبر کو غسل دیا جاتا ہے، پھول ڈالے جاتے ہیں، ہزاروں چادریں نذر ہوتی ہیں اور قبروں پر نذر و نیاز کا لامتناہی سلسلہ تو ہمیشہ جاری رہتا ہے اگر یہ سب کچھ صاحب قبر کو نفع اور ضرر سمجھ کر کیا جائے تو واضح شرک ہے اور اگر اسے نفع اور ضرر نہ سمجھا جائے تو اس کو شرک تو نہیں کہہ سکتے مگر اس عمل کے بدعت، مکروہ اور حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی وہ تعظیم مراد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، تو قبر کے سامنے مسجد بننا، کھڑے نہیں ہو کر مگر شریعت مطہرہ میں حرام ضرور ہے کیونکہ مسجد عبادت کا ہوا تعظیمی، یہ صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص

ہے۔ پہلی امتوں میں غیر اللہ کے لیے سجدہ تفسی روا تھا مگر سجدہ عبادت کسی امت میں بھی جائز نہیں رہا۔ تاہم ہماری امت کے لیے ہر قسم کا سجدہ حرام ہے، خواہ وہ عبادت کا ہو یا تعظیم کے لیے۔ بلکہ سجدہ کے لیے نذر واضح یہ ہے کہ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَلَا تَسْجُدُوا لِلَّذِي خَلَقَهُنَّ (حکم سجدہ) سورہ بچاند یا کسی مخلوق کے سامنے سجدہ نہ کرو۔ بلکہ سجدہ صرف اس ذات کے لیے جو ان سب کا خالق ہے۔

غیر اللہ کی نذر و نیاز سے کہ بھی شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے سورہ انعام میں پانے مشرکوں کا ذکر آتا ہے جو اپنی پیداوار میں سے ایک حصہ اپنے معبودوں کے نام کا نکالتے تھے۔ ہمارے ہاں گیارہویں کا عقیقہ بھی ایسا ہی ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے لے گیا معبود سے دیتا ہے کہ اس کے بغیر گھر سے خیر و برکت اٹھ جائیگی تو یہ فعلی شرک ہے۔ جو شخص کوئی چیز نبی، ولی یا قبر سے لے کے نام پر نامزد کرے اور پھر اس کی قبر پر چڑھائے تو یہ نیاز میں شرک ہے۔ اور اگر اللہ کے نام پر کسی فوت شدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی چیز دیتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ گیارہویں شریعت کے بعض ولداوہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم تو ایصالِ ثواب کے لیے دیتے ہیں۔ بھئی! اگر ایسا ہے تو پھر گیارہویں کا نام کیوں دیتے ہو؟ پھر گیارہ تاریخ کیوں مقرر کرتے ہو؟ کتاب و سنت میں ایصالِ ثواب کے لیے تاریخ کے تقرر کا کوئی حکم ہے؟ کسی جمہور است۔ تیسرے، ساتویں یا چالیسویں کی کوئی اہمیت ہے؟ شریعت نے ایسی چیزوں کا کہاں حکم دیا ہے؟ اسی چیز کو تو بدعت کہا جاتا ہے۔ اگر ثواب ہی پہنچانا مقصود ہے تو جب چاہو عند قہ خیر است کرو، کون روکتا ہے؟

اس میں ایک اور قباحت بھی ہے۔ ختم گیارہویں کا ہو یا تیسرے کا

غیر اللہ  
کی نذر و  
نیاز



یا چالیسویں کا، سب لوگ کھاتے ہیں حالانکہ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہے تو پھر یہ غریب اور مساکین کا حق ہے۔ مالدار اور برادری والے کھائے گئے تو ثواب کیسے ہوگا؟ یتیموں اور مسکینوں کو کھلا کر اس کا ثواب پہنچاؤ تو کچھ بات بھی ہے۔ اگر گیارہویں سے شیخ عبد القادر جیلانی کا تقرب مقصود ہے تو اس کا شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح اگر داتا دربار پر سجدہ اس مقصد کے لیے دیا گیا کہ داتا صاحب ہماری سفارش کر دیں گے، ہماری مزد پوری کر دیں گے یا کر دیں گے یا خدا تعالیٰ کا قرب دلا دیں گے تو ہر صورت میں شرک کا ارتکاب ہے۔ یہی غایتِ درجہ کی تعظیم ہے، یہی عبادت ہے۔

قبر پرستی ہمارے ہاں وسیع پیمانے پر قبر پرستی ہو رہی ہے۔ قبر کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کے سامنے رکوع یا سجدہ کرنا، اس قبر والے سے دعا مانگنا یا کرنا، قبر کو چومنا یا ہاتھ لگانا سب ایسی چیزیں ہیں جو قبروں کی حدِ درجہ تعظیم میں آتی ہیں۔ قبر کو اس نیت سے ہاتھ لگانا یا ہاتھ لگا کر منہ پر ملنا کہ صاحبِ قبر خوش ہو کر ہماری بگڑی بنا دیگا۔ واضح شرک ہے۔ یہ کام تو پیغمبرؐ کی قبر کے ساتھ بھی روا نہیں۔ ذرا فاصلے پر ادب سے کھڑے ہو کر، نظریں نیچی کر کے خاموشی کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھو حضور علیہ السلام کی قبر کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ کرو جو خود آپ کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ آپ نے تو آخری وقت میں یہ دعا کی تھی اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ اِنَّ السُّمْرِیِّ قَبْرٌ کَرِیْمٌ بَنَانٌ کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔ یہودیوں نصاریٰ نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا جس کا ذکر حضور علیہ السلام نے مرضِ الموت میں کیا لَعَنَ اللّٰهُ عَلٰی الْیَهُودِ وَالنَّصَارَیِ اَتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاۡیَہُمْ مَّسَاجِدَ یُودُوْنَ اور انصاریوں پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ

بنایا۔ قبروں پر گنبد کھڑے کئے، ان پر چادریں چڑھائیں اور پھر ان کی تعظیم کے لیے لوگوں کو خاص تاریخ پر جمع کیا۔ یہ چیز حرام، ناجائز اور اسراف میں داخل ہے۔ تمام بزرگان دین اس سے منع کرتے آئے ہیں۔

کسی قبر والے سے سوال کرنا تو انتہائی درجے کی گراوٹ ہے اور اللہ کے ساتھ شریک ہے۔ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا تو صرف اللہ کے ساتھ نہیں ہے اور تمام مخلوق اللہ ہی کی محتاج ہے۔ سورۃ الرحمن میں موجود ہے۔  
 يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ آسَانَ دُزِينَ كِى سَارِى مَخْلُوقِ  
 اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہے۔ کوئی اپنی زبان سے مانگ رہا ہے اور کوئی چیز اپنی حالت سے طلب کر رہی ہے۔ مانگنے والے سارے ہیں اور دینے والی صرف ایک ذات خداوندی ہے۔ وہی سب کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ باقی تمام ملائکہ، انبیاء اور عام انسان و حیوان اسی کے محتاج ہیں بوستان سعدی صاحب کی بڑی نصیحت آموز کتاب ہے۔ آپ اس میں فرماتے ہیں :-

دل اندھمہ باید اے دوست بہت

کہ عاجز تر اند از عنم برکہ ہست

دل کو سمد کے اندر ہی لگانا چاہیے۔ دوست! کیونکہ باقی سب چیز تو بہت سے بھی عاجز ہے۔ نفع نقصان کا اختیار مخلوق میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ فرمایا شرک لوگ ایک تو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری بات یہ کہتے ہیں وَكَيْفَ لَوْ هُوَ لَاءِ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشچی ہیں۔ ہم جن کی عبادت کرتے ہیں، اندرون نیاز دیتے ہیں اور ان کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں یہ ہمیں خدا کے ہاں چھڑالیں گے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سفارش دو قسم کی ہے، ایک سفارش دوسرے جو اللہ کی اجازت سے فرشتے، انبیاء، شہداء اور کامل الایمان

عبادت  
مسلک شفا

صلی، لوگ کہیں گے۔ اور یہ سفارش اس شخص کے حق میں قبول ہوگی۔ جس کا عقیدہ درست ہوگا اور جس کے حق میں خدا تعالیٰ راضی ہوگا۔ سفارش کی دوسری قسم جبری سفارش ہے جس کے مشرکین قائل ہیں۔ امام رازیؒ اس کو جبری اور قہری سفارش سے موسوم کرتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ خدا تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے ایسی سفارشات کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض اوقات کسی جابر جابر بادشاہ کو بھی اپنے کسی وزیر یا مقرب کی سفارشات ماننا پڑتی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی تو اس کے اقتدار کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اسی طرح مشرک لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے معبود خدا کی مرضی کے خلاف بھی سفارش کر کے ہمیں چھڑالیں گے۔ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ بن کر انہیں چھڑالیں گے۔ یہودی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام روزِ رخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے اور کسی ختنہ شدہ اسرائیلی کو جہنم میں نہیں گرنے دیں گے۔ یہی جبری سفارش ہے۔ جو اس سفارش کا قائل ہے، وہ شرک کا مرتکب ہے۔ آج کا مسلمان بھی یہی کہتا ہے کہ ہمیں کچھ پروا نہیں، ہمیں ہمارے پیر صاحب پر صورت میں بچالیں گے۔ اللہ نے ایسی سفارش کی تردید کی ہے اور ان لوگوں کا رد فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں اور ہم کچھ بھی کرتے پھریں۔ یہ ہمیں بچالیں گے۔

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہ دیجئے اَتَكْتُمُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ كَمَا تُمِ اللّٰهَ كَوَالِیْسِیْ چیر بتلاتے ہو جس کو وہ آسمان و زمین میں نہیں جانتا۔ اگر اس کا کوئی سفارشی ہوتا تو وہ ضرور اللہ کے علم میں ہوتا، مطلب یہ ہے کہ درحقیقت ایسا کوئی سفارشی تو موجود نہیں ہے مگر تم اسے خدا کے علم میں لائے ہو کہ فلاں فلاں ہمارا



سفارشی موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا کوئی سفارشی کائنات میں موجود نہیں جو کوئی بات اللہ تعالیٰ سے جبراً منوالے ہو۔ بلکہ سُبْحَنَكَ اَس کی ذات تو پاک ہے وَتَعَالٰی اور بلند ہے عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ایسی چیزوں سے جن کو یہ خدا کے ساتھ شریک مٹھاتے ہیں۔

فرمایا، یاد رکھو! وَمَا كَانَ النَّاسُ رِجَالًا اُمَّةً وَّاحِدَةً

شرک کی ابتداء

سارے کے سارے لوگ ایک ہی امت پر تھے۔ سب لوگ عقیدہ توحید اور قیامت کے برحق ہونے پر متفق تھے۔ فَاخْتَلَفُوْا پھر بعد میں انہوں نے اختلاف کیا۔ مفسرین کرامہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے تک لوگ عقیدہ توحید پر قائم تھے اس دوران نصرتِ ثبوت علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام بھی گزرتے ہیں لیکن لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ پھر نوح علیہ السلام کے زمانے میں شرک کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر ان مشرکین کو سزا بھی ملی اور وہ سب کے سب طوفان میں غرق ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دارون کا نظریہ ارتقاء باطل ہے۔ اس نظریے کے مطابق پہلے سب لوگ بندہ تھے جو ترقی کرتے کرتے انسان بن گئے۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق پہلے لوگ افریقہ اور شرک پر تھے۔ آثار کو پوجتے جب عقل میں پختگی آئی بشعور پیدا ہوا۔ تمدن نے ترقی کی تو عقیدہ توحید پیدا ہو گیا۔ یہ بالکل باطل اور کفریہ عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ پہلے سب لوگ عقیدہ حق پر متفق تھے۔ پھر بعد میں اختلافات پیدا ہوئے اور وہ شرک کی طرف مائل ہو گئے۔ اس دنیا پر اولین انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آپ بالاتفاق خدا کے نبی ہیں آپ بلاشبہ عقیدہ توحید پر تھے۔ لہذا یہ کہنا کہ پہلے لوگ مشرک تھے پھر بعد میں موحّد ہو گئے، قطعاً غلط ہے۔ شرک کی ابتداء نصرتِ نوح علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے

ہوئی۔ یہی بات درست ہے۔

فرمایا، پھر لوگوں نے اختلاف کیا وَلَوْ لَا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو تیرے رب کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے لَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں یعنی ان کو فوراً سزا دے دی جاتی، مگر یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون اعمال و تدبیر کے مطابق سرکشوں کو بعض اوقات مہلت دینا رہتا ہے اگر وہ اس دنیا میں سچ بھی جائیں تو اس کا مسلمہ قانون ہی ہے کہ قیامت کے دن ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جائے گا اور پھر وہ اپنے اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا ہے مگر جو لوگ حق کو چھوڑ کر گمراہی میں پھنس گئے ہیں۔ ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوئے ہیں، ان کا قطعی فیصلہ قیامت کے دن لازماً ہو جائے گا۔

معجزات  
کفران

فرمایا وَيَقُولُونَ اور یہ لوگ کہتے ہیں وَلَوْ لَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةً مِنْ رَبِّهِ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے کوئی نشانی یا معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا؟ مشرک کہتے تھے پہلے پیغمبر عیسا، ید مبینا، احيائے مړتې اور پھر سے اومنی نکلنے والے معجزات سے کھائے مگر آخری پیغمبر پر ایسی کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَقُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ غَيْب کی بات تو اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ تو اسی کے علم میں ہے کہ کون سی نشانی کب ظاہر ہوگی۔ کسی نبی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کوئی معجزہ اپنی مرضی سے پیش کر سکے کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ اہل قانون

ہے "وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ" (الرعد)  
 کوئی رسول اپنی مرضی سے کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا مگر حبیب اللہ ہے  
 گویا نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ یہ چیز کسی بندہ  
 کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اُسے صرف اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ معجزہ  
 طلب کرنا غنادی لوگوں کا کام ہے، وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ جتنے  
 معجزات منور علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے ہیں، اتنے کسی دوسرے  
 نبی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے۔  
 یہ ایسی بے مثال کتاب ہے جس کا مقابلہ کرنے سے ساری انسانیت  
 عاجز ہے۔ یہ ایک دائمی معجزہ ہے۔ ایمان لانے والے لوگ معجزے سے  
 طلب نہیں کرتے بلکہ وہ عداقت اور حقانیت کو فوراً پہچان جاتے ہیں  
 ایسے مطالبات تو غنادی لوگ کرتے ہیں۔ مکے کے مشرکین مطالب  
 کرتے تھے کہ مکے کی پہاڑیاں سونے کی بن جائیں، یہاں دریا بہنے  
 لگیں اور کھیتی باڑی ہونے لگے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ آپ بیڑی نہ  
 کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ہمارے سامنے کتاب سے  
 کر آئیں تو پھر ہم ایمان لائیں گے کبھی کہتے اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر  
 آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے یا جس قیامت سے ہمیں ڈراتا ہے اُس  
 کو برپا کر دے۔ مگر ہر فرمائش کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے  
 خلاف ہے وہ جب چاہتا ہے اپنی مصلحت کے مطابق کوئی  
 نشانی ظاہر کر دیتا ہے۔ مکے والوں نے چاند کا معجزہ طلب کر دیا تو اللہ  
 کے حکم سے حضور علیہ السلام نے چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے  
 ہو کر ایک ٹکڑا پہاڑ کی اس طرف نظر آیا اور دوسرا دوسری طرف  
 تھا۔ ابوبہل چونکہ غنادی تھا، وہ اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا  
 کہ لَکَا نَبِيْحًا مُّسْتَمِرًّا (القلم) یہ تو چلتا ہوا جارہا ہے۔ پہلے لوگ بھی



جادو کرتے تھے، آج محمد نے بھی جادو کر دیا (العیاذ باللہ)۔  
 فرمایا اگر تم نشانیاں دیکھنے پر ہی بصد ہو فَاَنْتُمْ ظُرُوءٌ اَوْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَوْ  
 اِنِّیْ مَعَكُمْ مِنْ اَلْمُنْتَظَرِینَ میں بھی تمہارے ساتھ  
 انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ دیکھیں کب نشانی آتی ہے اور تمہارا  
 کفر اور شرک کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ پھر جان لینا کہ کس کے حصے میں ہدایت  
 ہے اور کون گمراہی پر سرتپ ہے؟ کس کو ترقی ملتی ہے اور کون تنزل میں  
 جاتا ہے؟ تم بھی انتظار کرو میں بھی خدا کے حکم کا انتظار کرتا ہوں۔

---

يعتدرون

سورة يونس

رسول بفرم

آیت ۲۱ : ۲۲

وَإِذْ ذُقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَّسَتْهُمْ  
 إِذْ لَّهُمْ مَكْرُفِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ  
 رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۚ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ  
 فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِّ وَجَرْتُمْ  
 بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَ تَهَارِيحٌ عَاصِفٌ  
 وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ حُمِ  
 بِهِمْ دَعَا لِلَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَجَبْنَا مِنْ  
 هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢١﴾ فَلَمَّا أَجَبَهُمْ إِذْ هُمْ  
 يَبْتَغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَأْتِيهَا النَّاسُ انْسَ  
 بَغْيَكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ  
 إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ :- در ہر وقت پچھائیں ہم لوگوں کو نہ اپنی تکلیف کے  
 بعد جو ان کو پہنچی ہو تو ہپاک ان لوگوں کے لیے تید ہوتا ہے  
 ہماری آیتوں کو ماننے کے باعث میں اسے پھیرا آپ کو دیکھا  
 اللہ تعالیٰ بہت جلدی تدبیر کرنے والا ہے ۔ بیشک ہمارے  
 فرشتے کہتے ہیں ان چیزوں کو جو جیسے کرتے ہیں ﴿۲۱﴾ اللہ تعالیٰ  
 کی وہی ذات ہے ترجمہ : سب تم کو خشکی اور دریا میں ۔ یہاں تک

کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اللہ وہ کشتیاں ان لوگوں کو لے کر چلتی ہیں خوشگوار ہوا کے ساتھ اللہ یہ خوش ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ تو اپناک آجاتی ہے ان کے پاس تنہ ہوا اور آجاتی ہے ان کے پاس موج ہر طرف سے اور پھر وہ عثمان کہتے ہیں کہ اب وہ گھیر لیتے گئے تو اُس وقت پکارتے ہیں اللہ کو۔ غاص کرنے والے ہوتے ہیں اُس کے لیے اطاعت کو اور کہتے ہیں کہ اگر تو ہمیں نجات دے دیگا تو ضرور ہو جائیں گے ہم شکریہ ادا کرنے والے (۲۲)

پھر جب وہ ان کو نجات دیتا ہے تو اپناک وہ بغاوت کرتے ہیں زمین میں ناحق۔ اے لوگو! بیشک تمہاری بغاوت تمہارے نفسوں پر ہے۔ یہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا، پھر ہماری طرف ہی تم سب کا لوٹ کر آنا ہے۔ پس ہم بتا دیں گے تم کو جو کچھ تم کا کام کیا کرتے تھے (۲۳)

پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حمایت اور صداقت کو بیان کیا پھر توحید کے عقلی اور نقلی دلائل کا ذکر کیا اور سابقہ اقوام کی نافرمانیوں کا اشارۃً حال بیان کیا۔ پھر قرآن کے اہل، دائمی، ناقابلِ تحریف و ترمیم ہونے کا ذکر کیا۔ رسالت کی صداقت کے ضمن میں حضور علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کو بطور دلیل پیش کیا۔ پھر معجزات طلب کرنے والے منکرین کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ محض ضد اور عناد کی وجہ سے نشانیاں طلب کرتے ہیں وگرنہ نشانیاں تو اللہ نے سبے شمار ظاہر فرمادی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام سے کہلویا کہ کوئی نشانی پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق جب اللہ چاہتا ہے کوئی نشانی ظاہر کر دیتا ہے۔ فرمایا میرے اور تمہارے درمیان حتیٰ فیصلہ کے لیے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی اللہ کے حکم کا منتظر ہوں۔

پھر اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی تردید فرمائی کہ یہ لوگ اللہ کے



دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ اُن کو نافع اور ضار سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ سے اور اس کے سوا کوئی نافع اور ضار نہیں ہے فرمایا اُن کی عبادت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں جو اللہ کے ہاں سفارش کر کے ہمیں بچالیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ کائنات میں کوئی ایسی مستی نہیں جو جبری سفارش کر کے اللہ سے کوئی بات منوائے۔ یہی تو شرک ہے جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اُن چیزوں سے پاک ہے جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

دیروزہ درس کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی دونوں یعنی تطیف اور راحت کا ذکر کیا ہے اور انسان کی ایک عام روش کا تذکرہ کیا ہے کہ انسان دونوں حالتوں میں اپنی صحیح حیثیت کو برقرار نہیں رکھ سکے بلکہ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ البتہ بہت خاص لوگ ہوتے ہیں جو اپنی اصلیت پر قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شکوے کے طور پر فرمایا ہے وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا بعد ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت اور مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں بعد اس کے کہ اُن کو تکلیف پہنچی۔ اللہ نے بعض لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ کبھی وہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں، قحط پڑ گیا، بیماری پھیل گئی، مال و جان کا نقصان ہو گیا، زلزلہ یا طوفان آگیا یا کوئی دیگر حادثہ پیش آگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور تکلیف کو رفع کر دیا۔ بیماری کی جگہ صحت آگئی، قحط دور ہو کر خوشحالی کا دور دورہ آگیا۔ تجارت میں نفع ہو گیا۔ باعزت مکان مل گیا، باعزت عمدہ حاصل ہو گیا۔ تنگی کی جگہ فراوانی آگئی، مال و دولت میں اضافہ ہو گیا، جانوروں کے لیے چارہ اور پانی عام ہو گیا۔ یہ ساری چیزیں اللہ کی رحمت میں شامل ہیں تو فرمایا کہ جب تک تکلیف کے بعد راحت آجاتی ہے، اللہ مہربانی فرماتا ہے إِذَا الْكَلْبُ

تکلیف کے  
بعد راحت

مَسْكُوفٍ اَيْتَنَ تو اچانک وہ لوگ ہماری آیتوں کے احکام کو ماننے کے لیے جیلے بنانے بنانے شروع کر دیتے ہیں۔

مشترکین کی  
حیلہ سازی

گزشتہ درس میں مشرکین کی حیلہ سازی کا ذکر ہو چکا ہے کہ جب انہیں حضور علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لانے کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں  
لَوْ لَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةً فَذَرَيْنَاكُمْ رَبِّدْہَا آپ پر ہماری مرضی کی کوئی نشانی  
کیوں نہیں نازل ہوتی، حالانکہ تکوینی طور پر انسان کے گرد و پیش ہزاروں  
نشانیوں بکھری پڑی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی کھلی دلیل ہیں۔  
خود قرآن پاک سے بڑی نشانی کوہِ سینا سے ہو سکتی ہے؛ پھر پیغمبر علیہ السلام کی  
ذاتِ مبارک بہت بڑی نشانی ہے، آپ کا چہرہ اقدس نشانی ہے حتیٰ کہ  
آواز پیغمبر معجز است یعنی حضور علیہ السلام کی آواز مبارک بھی ایک معجزہ ہے  
اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتِ مبارک میں بیشمار معجزات ظاہر فرمائے۔  
صحیح احادیث میں ایسے معجزات کی تعداد تین ہزار آتی ہے مگر آپ  
علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ میرے سے بڑا معجزہ وحی الہی  
یعنی قرآن پاک ہے جو اللہ نے مجھے عطا کیا۔ تو فرمایا کہ معجزات کی فرمائش  
یہ لوگ محض احکام کو ٹانے کے لیے حیلے کے طور پر کرتے ہیں، یہ لوگ  
ہدایت کو مستبول ہی نہیں کرنا چاہتے، نہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا  
چاہتے ہیں اور نبی آخر الزماں کی رسالت کو ماننا چاہتے ہیں۔ خاص طور  
پر قرآن کریم کے پروگرام سے تو یہ لوگ بدکتے ہیں، لہذا ہماری آیتوں  
کو ٹلنے کے لیے حیلہ سازی کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قتل (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے اللہ اَسْرَعَ مَكْرًا اللہ تو بہت ہی جلدی تدبیر کرنے والا ہے عربی زبان میں مکر کا لفظی معنی انھنی تدبیر ہوتا ہے۔ اس لفظ کو اردو اور پنجابی کے مکر پر محمول نہیں کرنا چاہیے جس کا معنی اُدھو کا اور فریب



ہو تب ہے۔ یہ لفظ قرآن پاک میں پوشیدہ تدبیر کے معنوں میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے، جیسے ”وَمَكْرُوهٌ أَمْكُرُ اللَّهُ“ انہوں نے بھی مخفی تدبیر کی اور اللہ نے بھی پوشیدہ چال چلی، یہودیوں نے چاہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے محروم کر دیں مگر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب ہوئی ”وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرِينِ“ اور اللہ تعالیٰ بہترین مخفی تدبیر کرنے والا ہے۔

تو فرمایا کہ اگر یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو ٹالنے کے لیے مخفی تدبیر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو بہت جلد مخفی تدبیر کرنے والا ہے۔ اللہ نے مزید واضح کیا کہ ہمارا نظام یہ ہے کہ إِنْ رَمَقْنَا كُتُبًا مَاتُمْ كُتُوبًا جو کچھ یہ لوگ جیلہ سازی کرتے ہیں ہمارے فرشتے اس کو لکھ لیتے ہیں اور وہ فرشتوں کے دفتر میں محفوظ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ تو بذاتِ خود علیمِ کل ہے۔ وہ ہر چیز کو ذاتی طور پر جانتا ہے اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، تاہم فرشتوں کے ذریعے لکھ رکھنے کا اُس نے ایک نظام قائم کر رکھا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کے سامنے پیش کر دیا جائے جس کو دیکھ کر وہ انکار نہ کر سکے۔ اس طرح تو یا اللہ نے انسان کی ناشکر گزاری کا ذکر فرمایا کہ تنگی کے بعد جب انہیں راحت پہنچتی ہے تو پھر وہ شکر گزاری کرنے کی بجائے ہماری آیات کو ٹالنے کے لیے حیلے بہانے شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی ایک زندہ مثال مشرکینِ مکہ کی ہے۔ جب ان کے علاقے میں قحط پڑ گیا تو ان کے ایک وفد نے مدینہ طیبہ پہنچ کر حضور علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ان کے لیے خوشحالی کی دعا کریں۔ آپ نے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے قحط کو دور کر دیا مگر وہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے اُس کی آیات سے انکار کے



یہ جلد بنانے لگے۔ اللہ نے ایسے ہی لوگوں کا شکوہ بیان کیا ہے۔

بحر و بر  
کاسفر

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بحر و بر کے سفر کے تناظر میں لوگوں کے تشریح ذہن کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اللہ تعالیٰ کی وہی ذات ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔ اب تو سائنسی دور ہے جس میں وسائل نقل و حمل بہت ترقی کر چکے ہیں ہر ملک میں ریلوں اور ٹرکوں کے جال ہیں جن پر ریل گاڑیاں اور بسیں اور کاریں چوبیس گھنٹے روال دوال نظر آتی ہیں۔ ان کے علاوہ فضائی سفر کی بہترین اور تیز ترین سہولتیں میسر ہیں مگر پرانے زمانے میں دور دراز علاقوں کا سفر ایک کمٹن کام تھا۔ خاص طور پر جنگلوں اور صحراؤں کا سفر تو خطرات سے بھرپور ہوتا تھا۔ اور ان سب سے بڑھ کر سمندری سفر تھا جس کا زیادہ تر انحصار ہواؤں کے رخ پر ہوتا تھا۔ ناسازگار موسم اور مخالف ہوا میں سمندری طوفان کا سبب بن جاتیں اور اس طرح بحری سفر خطرناک ترین سفر کی صورت اختیار کر جاتا۔ آج سے آٹھ سو سال پہلے ابن بطوطہ کا سفر نامہ پڑھیں۔ اس شخص نے متواتر ستائیس برس سفر میں گزارے۔ اندلس کا اپنے والہا آغاز شباب میں دنیا کا سفر شروع کیا اور بڑھاپے میں واپس اپنے وطن پہنچا۔ یہ دنیا کا طویل ترین سفر تھا جس کے متعلق اس نے بڑے بڑے واقعات اور سفر کی صعوبتوں کا ذکر کیا ہے۔ خراسان، حجاز، دمشق وغیرہ گیا، تمام جزائر پھرے اور بارہ سال تک اس برصغیر میں بھی پھرتا رہا۔ مقصد یہ ہے کہ پرانے زمانے میں بحر و بر کا سفر بہت مشکل کام تھا۔

سمندری سفر  
اور طوفان

بیان پر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر سمندری سفر کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ فرمایا جب تم کشتی یا بحری جہاز میں سوار ہوتے ہو وَجَزَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَلِيدَةٍ اور وہ کشتیاں یا جہاز خوشگوار ہوا کے ساتھ چلتی ہیں وَفَزَحُوا فِيهَا اور وہ اس سے خوش



ہو جاتے ہیں۔ پھر اپنا مک کیا ہوا ہے جَاءَ تَهَارِجُ عَاصِفٌ تَدْبِ  
مُخَالَفٌ ہوا چلتی ہے اور جہاز اور کشتیاں ہچکچاتے کھانے لگتے ہیں۔ وَ  
جَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اور ہر طرف سے  
پانی کی موجیں آکر گھیر لیتی ہیں۔ وَظَنُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ  
اور مسافروں کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب وہ گھیر لیے گئے ہیں، اور  
ان کے جہاز کے بچ بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ تو ایسی حالت  
میں کیا کرتے ہیں دَعَا اللَّهُ تَحْلِصًا لَّهُ الدِّينَ گڑبڑا کر اللہ  
ہی کو پکارتے ہیں اور اپنی اطاعت کو اس کے سامنے کرتے ہیں صرف اسی ایک کے نام کی ہالی  
دیتے ہوئے اقرار کرتے ہیں لَئِنْ أَجَبْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَكُنَّا عَسَاكِرًا  
مِنْ الْغَالِبِينَ۔ ہماری کشتی کو پار لگا کر ہمیں مصیبت سے بچائے لَنَكُونَنَّ  
مِنَ الْغَالِبِينَ تو ہم تیرا شکر ادا کرنے والے بن جائیں گے۔

سمندری طوفانوں اور جہازوں کی غرقابی کے لیے کئی واقعات مشاہدے  
میں آتے رہتے ہیں۔ پندرہ سولہ سال پہلے بحری جہاز دارا کو حادثہ پیش آیا تھا۔  
اس جہاز میں بارہ سو آدمی سوار تھے۔ جہاز اپنے سفر پر رواں دواں تھا۔ جہاز میں  
عیش و عشرت کے سارے سامان مہیا تھے، شراب کا دُورِ چل رہا تھا، ڈانس  
ہو رہا تھا، کھانے پینے کی فراوانی تھی۔ اپنا مک رات کے تین بجے جہاز کا  
انجن دھماکے سے پھٹ گیا۔ موسم بھی خراب تھا، باہر بارش ہو رہی تھی  
ان حالات میں جہاز پر جو قیامت پکڑی ہوئی، اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا  
بارہ سو کی نفری میں سے صرف ڈیڑھ دو سو مسافر بچائے جاکے باقی جہاز  
سمیت سمندر میں ڈوب گئے۔ بچ بچنے والے لوگ جس طرح اس حالت  
کو بیان کرتے تھے اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دو سال پہلے فیصل آباد کے ایک آدمی نے اپنے ساتھ پیش آمدہ  
واقعہ سنایا۔ وہ شخص اٹلی سے امریکہ جانے والے مال بردار جہاز پر بطور مزدور



سفر کر رہا تھا۔ اس جہاز پر کچھ پتر ہزار ٹن لوہا لدا ہوا تھا۔ اچانک جہاز طوفان میں گھبر گیا۔ انگریز عملہ نے سوچا کہ اب بچنا مشکل ہے۔ انہوں نے شراب پی کر خود ہی سمندر میں چھلانگ لگا دی، ہم دس مسلمانوں کے علاوہ کچھ دوسرے غیر مسلم بھی تھے۔ ہم کسی طرح جہاز سے کشتی اتار کر اُس میں بیٹھنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر اللہ نے مہربانی فرمائی اور ہمیں اس طوفان زدہ علاقے سے نکال باہر کیا۔ جہاز گڑبڑ گیا اور ہم کشتی میں سوار سمندری لہروں کے ہچکولے کھاتے ہوئے کہیں دُور نکل گئے۔ اتنے میں امدادی بمیں پہنچیں اور انہوں نے ہمیں زندہ نکال لیا۔

ہمیں سین کے ساحل پر جا پھینکا۔ ہم پر بیوشی طاری تھی، کبھی ہفتے تک ہسپتال میں رہنے کے بعد ہمارے حواس درست ہوئے غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر سمندری سفر کا ذکر کر کے اس سفر کی مشکلات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اہم ابن تیمیہ اور بعض مصنفین نے عکرمہ ابن ابوجہل کے اسلام لانے کا واقعہ نقل کیا ہے جس کا تعلق بھی بحری سفر کے ساتھ ہے۔ شہر میں جب مکہ فتح ہوا تو عکرمہ وہاں سے بھاگ گیا۔ آگے چل کر کشتی میں سوار ہو گیا یہ کشتی کوئی تیس میل کے قریب گئی ہوگی کہ طوفان میں گھبر گئی۔ کشتی کے مسافر لات اور عزنی نامی بتوں کی دہائی سینے لگے، مگر ملاحوں نے بتایا کہ اس مشکل موقع پر لات، عزنی وغیرہ کام نہیں آئیں گے بلکہ یہ صرف خدا تعالیٰ کو پکارنے کا موقع ہے، اگر اس کی مشیت میں ہوگا تو وہ بچائے گا۔ یہ سنی کر عکرمہ شے کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ دل میں سوچا کہ اسی خدا کو نہ مان کر تو ہم بھاگے ہیں اور اب اُسی کو پکاریں۔ اس کی کایا پلٹ گئی اور اُسے سمجھ آ گئی کہ جس خدا کو سمندری طوفان میں پکارنا ہے اُس کو خشتی پر کیوں نہ پکاریں۔ چنانچہ اُس نے دل میں عہد کیا کہ اگر اس طوفان سے بچ گیا تو واپس



جا کر محمد کے ہاتھ میں ہاتھ سے دوں گا۔

اڑھ عکرمہ کی بیوی ام حکیم پہلے ہی اسلام قبول کر چکی تھی جب عکرمہ بھاگ گیا، تو ام حکیم نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کا خاوند تو بھاگ گیا ہے۔ اگر اب بھی وہ آکر تائب ہو جائے تو کیا اُسے معافی مل سکتی ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں معافی مل سکتی ہے۔ ام حکیم نے نشانی طلب کی تو حضور علیہ السلام نے اپنی دستار مبارک عطا کر دی۔ چنانچہ ام حکیم نے وہ نشانی لے کر عکرمہ کی تلاش میں سمندر کی طرف جا پہنچی جب عکرمہ طوفان سے بچ کر ساحل پر پہنچا تو اس کی بیوی وہاں موجود تھی۔ اس نے کہا، تم کہاں ٹھہری کھا رہے ہو؟ پلو! حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ اور دین حق قبول کر لو۔ چنانچہ جب حضور نے عکرمہ کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا مَرَجَا بِالرَّايِكِ الْمُتَهَاجِرِ سَوَارِهُ کہ آنے والے ہاجر کو خوش آمدید گویا آنے کے عکرمہ شگے بھاگنے اور واپس آنے کو ہجرت سے تعبیر فرمایا۔ اس طرح عکرمہ ایمان لے آیا۔ جس کا سبب سمندری طوفان بنا۔

نجات  
کے بعد  
بغاوت

تو فرمایا النَّانُ کا حال یہ ہے کہ جب عیسیت میں پھنس جاتا ہے تو خلوص کے ساتھ دعا کرتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ اگر خدا نے مصیبت کو دور کر دیا تو اس کا شکر یہ ادا کروں گا۔ فَلَمَّا أَجْلَبَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتا ہے کہ جب ہم انہیں نجات دے دیتے ہیں اس مصیبت سے إِذَا هُمْ يَبْغَوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ تو ایسا کہ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ تکلیف رفع ہو گئی تو پھر وہی شرک، وہی نذر غیر اللہ، وہی بدعات اور وہی نافرمانیاں شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سب ناشکری کی باتیں ہیں۔ انسانوں کا فرض تھا کہ وہ تکلیف میں خدا تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑاتے، اُسی سے مشکل کشائی کے طالب



ہوتے اور پھر جب مصیبت راحت میں بدل جاتی تو مالک الملک کا شکر بجالاتے اور اس کے سامنے سجدہ رہتے ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہی شکوہ بیان کیا ہے کہ جب ہم مصیبت سے نجات دے دیتے ہیں تو یہ پھر سرکشی اختیار کر لیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغَيْتُمْ  
عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہارے اپنے نفسوں کے خلاف پڑتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے الْبَغْيُ وَالْحِدَاةُ  
وَنَقْضُ الْعَهْدِ عَلَىٰ صَاحِبِهِ یعنی سرکشی، دھوکا اور نقض عہد اُسی کے خلاف واقع ہوتا ہے جو اس کا از کتاب کرتا ہے نیز یہ بھی آتا ہے  
وَلَا يَحْقِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ یعنی بُری تدبیر خود کرنے والے کا احاطہ کرتی ہے اور اُسی کو گھیر لیتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے مَنْ حَفَرَ بَيْتًا لِأَخِيهِ وَقَعَ فِيهِ جو کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، وہ خود ہی اُس میں گرتا ہے۔ فارسی والے بھی کہتے ہیں ”چاہ کن رچاہ در پیش“ ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔ الْمَكْرُ  
وَالْحَدِيعَةُ وَالْخِيَانَةُ فِي النَّارِ یعنی چال بازی، دھوکا اور خیانت جہنم میں لے جانے کا باعث ہوگی۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ اے لوگو! تمہاری سرکشی اور شرارت تمہارے اپنے نفسوں کے خلاف ہے۔ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یہ دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا فائدہ ہے اٹھالو، تھوڑا عرصہ عیش و راحت میں گزار لو ثُمَّ  
إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ پھر تم سب کا ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔  
فَذَبُّكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ پھر ہم تمہیں جلا دیں گے جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ہر چیز تمہارے سامنے رکھ دی جائے گی اور تم اپنی کارکردگی خود ملاحظہ کر سکو گے۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تم نے آگے

سرکشی کا  
دوبال

کیا بھیجا تھا اور پھر تمہیں اس کا بھگتان بھی کرنا پڑے گا۔  
 بہر حال اللہ نے انسان کی ناشکر گزاری کا کلمہ کیا ہے کہ دیکھو! جب  
 تکلیف آتی ہے تو عاجزی کرتا ہے اور جب راحت آتی ہے تو یکدم  
 سرکشی اور بغاوت پر اتر آتا ہے، کفر، شرک اور نافرمانی کا مرکب ہوتا  
 ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ سب کچھ خود تمہارے ہی خلاف جائے گا۔  
 جب تم خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے اور پھر اس کا بدلہ چکانا ہوگا۔

---



إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ  
 فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ  
 وَالْأَنْعَامُ حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازِيدَتْ  
 وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُونَ عَلَيْهَا أَنهَاءَ أَمْرُنَا لَيْلًا  
 أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبِ بِالْأَمْسِ  
 كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾ وَاللَّهُ يَدْعُو  
 إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ  
 مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٤﴾ الَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ  
 وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
 الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ كَسَبُوا  
 السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ يَمْشِلُهَا وَيُرهَقُهُمْ ذِلَّةٌ  
 مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ  
 وُجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُولَٰئِكَ  
 أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: بیشک مثال دنیا کی زندگی کی ایسی ہے جیسے پانی، آتا ہے  
 ہم نے آسمان سے۔ پھر مل گئیں اس (پانی کی وجہ) سے زمین کی ہنر

جس کو کھاتے ہیں لوگ اور مویشی، یہاں تک کہ جب پکڑ لیتی ہے زمین اپنی رونق اور مزین ہو جاتی ہے اور گھمان کرتے ہیں اس (زمین) کے رہنے والے کہ وہ قادر ہیں اس پر تو اپنا تک آنا سب اُن کے پاس ہمارا حکم رات کے وقت یا دن کے وقت، پس کہ میتے ہیں ہم اُس کو کئے ہوئے کیفیت کی طرح گویا کہ کل (گذشتہ دن) وہ آباد ہی نہ تھی۔ اس طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں نشانیاں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (۲۴) اور اللہ تعالیٰ جو ہے ساری کے گھر کی طرف اور وہ دکھاتا ہے جس کو چاہے ساری مستقیم کی طرف (۲۵) وہ لوگ جنہوں نے نیکی کی، اُن کے لیے ہو گی اور زیادہ بھی۔ اور نہ پھڑسے گی اُن کے چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت۔ یہی لوگ ہیں جنت میں داخل ہونے والے۔ وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (۲۶) اور وہ لوگ جنہوں نے کمانی ہیں برائیاں بدل بڑائی کا اُس جیسا ہی ہو گا۔ اور پھڑسے گی اُن پر ذلت۔ نہیں ہو گا اُن کے لیے اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا۔ گویا کہ اڑھا دیے گئے ہیں ان کے چہروں پر ٹھوٹے تملیک رات کے۔ یہی لوگ ہیں دوزخ میں جانے والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (۲۷)

پہلے اللہ نے معاد کا ذکر کیا۔ پھر انسانوں کی غفلت، ناشکری، کفر، شرک، بغاوت اور شرارت کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا انسانوں کی بغاوت انہی کے نفسوں پر پڑے گی، اس محمودی سی زندگی سے فائدہ اٹھا لو، بالآخر تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے جو تمہارے اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے انسانی غفلت ہی کے سلسلے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے اور نیکی اور بدی کرنے والوں کے انجام کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے: انصام مثل الحیو

انسانی زندگی  
کی مثال



الدُّنْيَا بَشَبَ دُنْيَاكَ زَنْدِغِي كِي مِثَالِ اِیسی بَنے۔ كَعَاوِ اَنْزَلْنَاهُ  
 مِنَ السَّمَاءِ جِیسے پانی ہو جھے ہم نے آسمان سے اَتَارَا فَالْحُتْلُطُ  
 بِهٖ نَبَاتٌ اَلْاَرْضِ مِثْلِ اِیسی کی وجہ سے سبزہ زمین کا جب  
 اللہ نے بارش نازل فرمائی تو سبزیوں، پھلوں، کھیتوں اور درختوں میں  
 روئیدگی آئی۔ انسانوں نے نئے نئے پتے اور نئی نئی شاخیں نکالیں اور  
 اس طرح اس پانی کے سبب نباتات آپس میں مل گئے۔ پانی کی عدم  
 موجودگی میں کھیتیاں گنجان نہیں تھیں بلکہ پورے علیحدہ علیحدہ نظر آتے تھے اللہ  
 نے پانی کے سبب اُن کو گنجان کر دیا اور اس طرح وہ آپس میں مل گئے زمین  
 کے پورے اور درخت آپس میں مل گئے اور درختوں کے پتے اور شاخیں  
 آپس میں مل گئیں اور وہ گھنے نظر آنے لگے۔ نبات الارض کے آپس میں  
 خلط مط ہونے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ زمین میں روئیدگی کے جو مواد  
 پائے جاتے تھے وہ پانی کے ساتھ مل گئے اور سبزیوں، گھاس، اناج  
 اور پھل پیدا ہوئے مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ جسے آدمی اور  
 جانور کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اناج پیدا ہوتا ہے تو اس کے دانے  
 تو انسان کھا لیتے ہیں اور عصبہ یا، چھلکا وغیرہ مویشیوں کی خوراک بن جاتا،  
 گندم، مکی، چاول، باجرہ، جو وغیرہ سب کا یہی حال ہے کہ یہ تمام اناج  
 بیک وقت انسانوں اور جانوروں کے کام آتا ہے۔

فَرَمَا حَتَّىٰ اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا حَتَّىٰ كَہ جب  
 زمین اپنی پوری رونق پکڑ لیتی ہے وَازْكَيْنَتْ اور مزین ہو جاتی ہے  
 دل کو بھلی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کھیتی، سبزی، پھل  
 وغیرہ پکنے کے قریب ہوتے ہیں تو زمین اپنے پھل کی وجہ سے خوب  
 پر رونق ہوتی ہے رنگ برنگے پھولوں اور پھلوں سے زمین مزین ہو جاتی  
 ہے، باغات کی ہریا دل اور بھینی بھینی خوشبو اس کے حسن میں اضافہ کر دیتی



۷۔ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُونَ عَلَيْهَا اور اس کے مالک  
گمان کرتے ہیں کہ اب وہ اس کے پھیل، پھول اور مانج سے مکمل استناد  
مائل کرنے پر قادر ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہماری فصل کپ چکی ہے اور  
اب ہم پر خوشحالی آنے والی ہے تو پھر کیا ہوتا ہے اِنَّهَا اَمْسِنَا لِيَدَ  
اَوَّلَئِكَ اِذَا كُنَّا فِي الْاُخْرٰى اَن كُنَّا فِي الْاُخْرٰى اَن كُنَّا فِي الْاُخْرٰى اَن كُنَّا فِي الْاُخْرٰى  
یادوں کے وقت فَعَلْنَهَا حَصِيْدًا اِيسے کٹی ہوئی فصل کی طرح  
کھیتے ہیں۔ وہ کچی پکانی فصل اس طرح ہوجاتی ہے کَاَنَّ لَّكُمْ  
لَعْنًا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ اِلٰهِيْنَ تَعْبُدُوْنَ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ اِلٰهِيْنَ تَعْبُدُوْنَ  
پودا بچتا ہے، نہ پھل اور نہ پھول، پوری کی پوری فصل تباہ و برباد ہوجاتی  
ہے، طوفانِ باد و باران ہو یا سیلاب، بجلی ہو یا آگ، نباتات کو  
اس طرح ویران کھیتے ہیں جیسے مدت ہوئی فصل کٹ چکی ہے اور اب  
زمین بالکل خالی ٹہی ہے۔

اس مثال کو اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی پر منطبق کر کے فرمایا ہے کہ دیکھو! انسان پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے تمام قویٰ اپنے پورے غریب پر ہوتے ہیں تو اچانک موت وارد ہو کر اس کا کام تمام کر دیتی ہے اور وہ شخص اپنے قویٰ سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے اس مثال کی نہایت لطیف پیرائے میں انسانی زندگی کے ساتھ مطابقت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس طرح بادلوں سے پانی نازل ہو کر زمین پر چشے، دریا، نہریں، کنوئیں اور سمندر وجود میں آتے ہیں اسی طرح روح انسانی بھی عالم بالا سے آتی ہے اور خاکی جسم کے ساتھ مل کر قوت پکڑتی ہے، روح اور جسم کے ملاپ کے انسان معرض وجود میں آتا ہے اور پھر یہ انسان بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے۔ آدمی تعلیم مکمل کر لیتا ہے، نہر میں پختہ ہو جاتا ہے، کاروبار اور صنعت و حرفت

میں مہارت حاصل کر لیتا ہے۔ سائنس دان اور انجینئرس بن جاتا ہے، اعلیٰ عہدے پر فائز ہو جاتا ہے تو پھر وہ اور اس کے متعلقین اس کی استعداد پر ہر دما گھمنے لگتے ہیں کہ اب ہم کامیابی کے قریب پہنچ گئے اور ہمارے دن پھر نئے واسے ہیں، خوشحالی آنے والی ہے جس کے نتیجے میں عیش و آرام کی زندگی ملنے والی ہے تو اچانک اس شخص کو موت آجاتی ہے اور سارا بنانا کھیل یکدم ختم ہو جاتا ہے۔

دنیا میں قدرتی آفات مہلکہ قحط، طوفان، ٹڈی دل، زلزلے وغیرہ مشابہ  
 میں آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے فصلیں اور انسانی جانیں تباہ ہو جاتی ہیں۔  
 سورۃ القلم میں باغ والوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ان کی فصل پک چکی تھی  
 اور وہ غربا اور مساکین کو ملنے کی خاطر علی الصبح فصل کاٹ لینا چاہتے تھے۔  
 مگر جب وہ منہ اندھیرے پہنچے تو باغ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پہلے  
 تو سمجھے کہ راستہ بھول گئے ہیں مگر بالآخر وہ جان گئے ”بَلْ نَحْنُ مُحْسِرُونَ“  
 کہ وہ باغ اور اس کے پھل سے محروم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے راتوں  
 رات اس کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں زلزلے بھی  
 آتے رہتے ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام نے اسے قیامت کی نشانیوں میں سے  
 فرمایا ہے۔ ترکی کا زلزلہ بڑا مشہور ہے۔ چند سال قبل ہمارے ملک کے  
 بالائی علاقوں میں زلزلے نے تباہی مچادی تھی۔ جاپان میں ۱۹۲۲ء میں  
 زبردست زلزلہ آیا تھا جس میں تین لاکھ جانیں ضائع ہو گئیں۔ زمین میں ایک  
 ایک ہزار میل لمبی دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ ۱۹۳۵ء کا کوئٹہ کا زلزلہ ہماری زندگی  
 میں آیا جس میں پچیس ہزار آدمی موقع بر ہی ہلاک ہو گئے اور مجموعی طور پر اس  
 زلزلہ سے ڈیڑھ لاکھ افراد متاثر ہوئے۔ زلزلے اللہ کی طرف سے  
 تنبیہ کے طور پر آتے ہیں کہ اے لوگو! اب بھی نیکی کی طرف آ جاؤ، ورنہ  
 خدا تعالیٰ کو تمہیں ان واحد میں ملیا میٹ کر لے پر قادر ہے جنہوں نے اللہ  
 نے فرمایا کہ جب اس قسم کی افادہ پڑ جائے، سورج یا چاند کو گم ہن لگ



جانے تو توبہ استغفار کیا کرو، نماز پڑھو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ مگر اللہ تعالیٰ سے غفلت کا یہ حال ہے کہ گریہ من کے وقت گڑگڑانے کی بجائے اس کی تصویریں اٹاریں جاتی ہیں اور انہیں مشتمل کیا جاتا ہے۔

تباہی رات کے وقت بھی آسکتی ہے اور دن کے وقت بھی کوڑے در بدر کے زلزلے رات کے وقت ہی آتے تھے۔ بدرتہ کی بارہ ہزار کی آبادی میں سے ایک فرد بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ یہ تو ابھی بیسٹ سال پرانی بات ہے جب یہ ساحلی شہر پڑے کا پورا اٹلیا میٹ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے اور ہمیں اپنی گرفت سے بچائے ورنہ ہمارے اعمال تو زلزلوں کے قابل ہی ہیں۔ اللہ نے رات اور دن کا ذکر کیمس کے انسانوں کی غفلت کی طرف اشارہ کیا ہے ہو سکتا ہے کہ لوگ دن کے وقت کاروبار میں مصروف ہوں تو اچانک افتاد آن پڑے یا رات کو آرام کر رہے ہوں تو اٹھنا نصیب نہ ہو فرمایا کَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ جو اللہ کی نشانیاں دیکھ کر سمجھ جائیں گے، توبہ کریں گے اور مستقبل کی تیاری کریں گے، اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کریں گے وہ نجات پائیں گے۔

فرمایا، يَا دُرُّ كُھُوا! وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ بِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی

سلامتی کے گھر یعنی جنت کی طرف بلاتا ہے۔ وَيَهْدِيْ مَكْنَ

بَشَاوِرِ الْخَلْقِ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے ایک اثر میں اس طرح آتا ہے کہ طلوع شمس کے وقت اس کے دونوں کناروں پر اللہ کے فرشتے آواز دیتے ہیں کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں دارالسلام کی طرف بلاتا ہے۔ اس طرف جانے کی کوشش کرو۔ فرماتے ہیں کہ اس آواز کو انسانوں اور جنات

دارالسلام  
کی طرف  
دعوت



کے سوا ساری مخلوق سستی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان پردہ ڈال رکھا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جنت کی دعوت دیتا ہے کہ میری توجہ پر ایمان لا کر اعمال صالحہ بجالاؤ تو تمہیں دارالسلام حاصل ہو جائے گا جہاں ہر قسم کا امن و امان حاصل ہوگا۔ باقی رہی ہدایت کی بات تو یہ اُس شخص کو حاصل ہوگی جو اس کا خواہشمند ہوگا۔ اعراض کرنے والے کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔

صحابہ کرام

فرمایا: يَا رُكُوعَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کو بھلائی کا بدلہ بھلائی ہی ملے گا اور کچھ زیادہ بھی۔ زیادتی کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب جنت میں چلے جائیں گے، انہیں تمام نعمتیں میسر آجائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے جنتیو! کیا میں تمہیں کچھ مزید دوں؟ وہ حیران ہو کر عرض کریں گے۔ پورے دُعا کرنے والے مہربانی فرمائی، ہمیں جنت میں پہنچا دیا۔ ہمارے چہرے روشن کیے اور تمام نعمتوں سے نوازا، اب مزید کیا ہو سکتا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ اپنا حجاب اٹھا کر اپنی تجلیات سے دیا نصیب فرمائیں گے۔ یہی یادتی ہے جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا جنت والے لوگ ایسے ہوں گے وَلَا يَرَهُنَّ وَأَوْتَاهُمْ قَبْرَةً وَلَهُمْ فِيهَا أَنْفُسُهُمْ نہ یہاں گریں اور نہ ذاتِ قبریٰ ہوں گے اور اپنے رب کی تسکین کرنے والے ہوں گے فرمایا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ یہی اہل جنت لوگ ہیں جو دارالسلام میں پہنچیں گے۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ گریاں بھی دے لوگوں کے لیے یہ دائمی نعمتیں ہوں گی۔ ان کو وہاں سے نکلنے کا یا نعمتوں کے ضائع ہونے یا ختم ہو جانے کا کوئی خوف و خطر نہیں ہوگا۔

صحابہ کرام

اب تصویر کا دوسرا رخ ہے وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ

اور جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا جَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِّمِّثِلُهَا تَوْبَ رَأْسِي  
 کا بدلہ بھی برائی میں ہو گا۔ برائی کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگوں کی حالت  
 کے متعلق فرمایا وَ تَرَاهُمْ ذَلِكُمْ اَنْ كَسَبُوهُنَّ بِذُنُوبٍ كَثِيْرَةٍ  
 ہوئی ہوگی۔ اُن کی سخت سزا ہوگی۔ سورۃ عبس میں آتا ہے وَ تَرَاهُمْ  
 يَوْمَ مَآئِدَةٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُس دن کتنے مومنوں  
 پر گرے دُشہار پڑی ہوگی اور کتنے چہروں پر سیاہی چڑھی ہوگی۔ ایسے لوگوں کے  
 متعلق فرمایا مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ خذَا كَذِبًا  
 اُن کو بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ اُن کے چہروں کی سیاہی کا یہ حال ہو گا۔  
 کَانَ مَا اَغْشَيْتُمْ وُجُوْهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا  
 جیسے کہ انہیں تاریک رات کے ٹکڑے پنپا دیے گئے ہوں جس طرح  
 انتہائی تاریک رات میں کچھ سمجھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح ان لوگوں کے  
 چہرے سخت سیاہ ہوں گے اور یہ اس وجہ سے ہو گا کہ انہوں نے ایمان  
 قبول نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہ لائے۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ  
 اَصْحَابُ النَّارِ هِيَ لَكُمْ رُجُومٌ اُنہیں جہنم میں بھیجا جائے گا۔  
 اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر نہ  
 ہو گی۔

نماہرست کہ سیاہی گنہگار اور معاصی کے نتیجے میں آتی ہے  
 جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ لیتا ہے، اُس کی وحدانیت کو  
 مان لیتا ہے۔ اُس کو ایمان کی روشنی نصیب ہوگی اور اس پر کبھی تاریکی  
 نہیں چھلے گی۔ امام رازی اور حضرت شبلیؒ اللہ تعالیٰ کی معرفت  
 کو اس طرح سمجھاتے ہیں۔

معرفت  
اللہ

كُلُّ بَيْتٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ  
 غَيْرُ مُتَحَاجٍّ اِلَيْكَ الشَّرْحُ

یعنی جس گھر میں تو رہتا ہے، اس میں چراغ کی ضرورت نہیں ہے جس دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نور ہوگا۔ سیاہی اس کے نزدیک نہیں آسکتی وہ ہمیشہ روشن رہیگا۔ مالک ابن دینار بھی فرماتے ہیں کہ دنیا کے اکثر لوگ اس دنیا سے چلے گئے ہیں مگر انہوں نے لذت چیز کا منہ نہیں چکھا، پوچھا گیا، حضرت! وہ لذت چیز کون سی ہے؟ فرمایا وہ اللہ کی پہچان ہے جس کو معرفت الہی حاصل ہوگئی۔ اس کی وحدانیت کا عقیدہ دل میں راسخ ہو گیا۔ وہاں تاریکی نہیں چھائیگی۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ لوگ اپنے اپنے دلائل لائیں گے مگر

وَوَجَّهَكَ الْمَأْمُولُ حُجَّتَنَا  
يَوْمَ يَأْتِي النَّاسُ بِالْحُجَجِ

ہمارے نزدیک تو تیرا ہی امید چہرہ ہی دلیل ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جس دل میں خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت ہوگی، نور ایدان ہوگا، وہ چہرے سیاہ نہیں ہوں گے، بلکہ وہ کامیاب و کامران ہوں گے، البتہ سیاہ چہرے والے نامراد ہوں گے اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهَا وَجَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس ذلت سے محفوظ رکھے۔



يَعْتَذِرُونَ

سورة يونس

درسم ۹

آیت ۲۸ و ۲۹

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ  
 أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ  
 وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ ۖ (۲۸) فَكَفَى  
 بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ  
 لَغْفِيلِينَ ۖ (۲۹) هُنَالِكَ تَبْلَوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ  
 وَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَآ  
 كَانُوا يَفْتَرُونَ ۖ (۳۰)

النص

ترجمہ :- اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ان سب کو ۔ پھر ہم  
 کہیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا کہ تم اپنی جگہ پر  
 ٹھہرے رہو تم اور تمہارے شریک بھی ۔ پھر ہم جہان بھر میں گے  
 ان کے درمیان اور کہیں گے ان کے شریک کہ تم نہیں تھے  
 ہماری عبادت کرتے (۲۸) پس ہم نے سب اللہ تعالیٰ کو اور ہمارے  
 درمیان اور تمہارے درمیان ۔ بیشک ہم تمہاری عبادت سے بہرہ  
 ناپسند تھے (۲۹) اُس وقت کہنے لگے ہر نفس جو اُس نے  
 اپنے بیجا اور فحش باتیں کئے وہ بت کی طرف جو اُن  
 سچا تھا سب اور کہ ہو جائیں گی اُن سے وہ چیزیں جن کو وہ  
 فتنہ کیا کرتے تھے (۳۰)

ان آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرکوں کی ایک دوسری طریقہ

مذکورہ

پر تردید فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ معجزہ کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے۔ قیامت  
 پر یقین رکھنا بھی اہم اجزاء ایمان میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
 قرآن پاک میں قیامت اور حشر نشر کے واقعات کو بڑی تفصیل کے  
 ساتھ بیان فرمایا ہے اس سورۃ میں پتے شرک کی تردید اور نیکی اور بدی  
 کے انجام کا تذکرہ ہو چکا ہے اور اب حشر نشر کے متعلق ارشاد ہوتا  
 ہے **وَلَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا** اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں  
 گے۔ حشر کا معنی اکٹھا کرنا ہوتا ہے دوسری جگہ فرمایا **أَحْشُرُوا الَّذِينَ**  
**ظَلَمُوا وَأَنْوَاجَهُمْ** (الصفۃ) اکٹھا کرو ان کو جنہوں نے  
 ظلم یعنی کفر اور شرک کیا ہے مع ان کی بیویوں کے جو ان کے ساتھ شریک  
 ہیں۔ بہر حال اکٹھا کرنے والی بات اللہ نے قرآن میں مختلف جگہوں  
 پر تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اور جو واقعات حشر کے دن پیش  
 آنے والے ہیں ان کی مختلف کیفیتوں کا ذکر فرمایا ہے اور بہت سی  
 باتیں ایسی ہیں جو صرف اللہ کے علم میں ہیں، کوئی مخلوق ان کو نہیں  
 جانتی۔ اور بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جن سے اللہ نے آگاہ کر دیا ہے  
 اس میں جمیعاً کا لفظ ذکر فرمایا ہے۔ یعنی ہم سب کو اکٹھا  
 کریں گے۔ سورۃ واقعوں میں فرمایا **إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ**  
**لَمَجْمُوعُونَ** ہم سب کو اکٹھا کر لیں گے، نیک  
 اور بد، چھوٹے اور بڑے، بالغ اور متوج سب کے سب **إِلَىٰ مِيقَاتٍ**  
**يَوْمَ مَعْلُومٍ** ایک مقررہ وقت پر اکٹھے کیے جائیں گے۔ حشر کا معنی  
 ہی یہ ہے کہ تمام انس و جن جگہ جائیروں کو بھی اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر ان  
 سے باز پرس ہوگی اور سب کو اپنے اعمال کا جگہان کرنا ہوگا۔ پھر ہر ایک  
 کو اس کے اعمال کی جزایا سزا دیے گی۔ موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی  
 بحق ہے اور پھر سب کا ایک جگہ پر اکٹھا کیا جانا اور محاسبہ کا عمل

پیش نہ بھی شک و شبہ سے خالی ہے۔

جب سب لوگ ایک جگہ پر اکٹھے ہو جائیں گے تو فرمایا لَهُمْ  
لِلَّذِينَ آمَنُوا يَوْمَئِذٍ پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے مَكَانَكُمْ اپنی جگہ  
 پر۔ پھر سے رہو۔ یہاں یہاں کوئی موجود ہوگا، اسی جگہ پر پابند کر دیا جائے گا۔  
الْوُفُؤُا مَكَانَكُمْ یعنی اپنی جگہ کو لازم پکڑو، یہاں سے ادھر ادھر  
 ہونے کی اجازت نہیں۔ اور یہ پابندی کن کے لیے ہوگی۔ أَنْتُمْ  
وَمَنْ كَانَتْ تم بھی اور تمہارے جو دان باطلہ بھی جن کو تم نے نہ  
 کا شریک بنا رکھا تھا۔ جن کی تم پرستش کرتے تھے، کسی کو خدا کا بیٹا اور  
 کسی کو بیٹی بنا لیا۔ کسی نے ابن اللہ کہا اور کسی نے عین اللہ کہہ دیا۔ کسی نے  
 ملائکہ کی عبادت کی اور کسی نے اہبار اور رہبان کی کسی نے شجر و حجر کو تہجد  
 بنالیا اور کسی نے قبر پرستی شروع کر دی۔ کسی نے انسانوں کی پوجا کی اور  
 کسی نے جنات کو نافع و ضار سمجھ لیا۔ غرضیکہ تمام مشرک اور ان کے معبود  
 اکٹھے کر کے ایک مقام پر پابند کر دیے جائیں گے۔

فرمایا ہم عابدوں اور معبودوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیں گے فَنُفِثَ  
بَيْنَهُمْ پھر ہم ان کے درمیان تفریق ڈال دیں گے یعنی عابد اور معبود  
 ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں گے۔ انبیاء، ملائکہ یا صالحین کی  
 پرستش کرنے والے تو خود اپنے فعل کی وجہ سے مجرم ہیں، اس میں انبیاء،  
 ملائکہ یا صالحین کا کوئی قصور نہیں ہے۔ انہوں نے کب کہا تھا کہ تم ہماری  
 پوجا شروع کر دو۔ انہوں نے تو ہمیشہ حق کی دعوت دی مگر یہ لوگ ہی تھے  
 جنہوں نے شیطان کے ہاتھ لگ کر اللہ کے مقتدرین کو معبود بنالیا  
وَقَالَ شَرَّكُمْ مَا كُنْتُمْ آيَانَا تَعْبُدُونَ اور وہ مشرک  
 کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح معنوں میں تم  
 شیطان کی عبادت کرتے تھے جس نے تمہیں ورغلا کر خیر اللہ کی پرستش

مشرکین  
کے لیے  
پابندی

عابد اور  
معبود میں  
تفریق



پر آمادہ کیا۔ حالانکہ سورۃ یس میں بالکل واضح کیا گیا ہے ”اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ  
 لَئِنْ اَدْرَاكَ اَنْ لَا تُعْبُدُوْا الشَّيْطٰنَ“ اے آدم کے بیٹے! کیا میں  
 نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن  
 ہے۔ بعض دوسرے مقامات پر فرشتوں کے متعلق بھی آتا ہے کہ جب  
 اللہ ان سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ تو  
 فرشتے جواب دیں گے ”سُبْحٰنَكَ“ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے  
 ہم نے تو تیرے سوا کسی کو ولی نہیں بنایا۔ ہم تو تیری ہی آقا فی کے قائل  
 ہیں اور تیری ہی عبادت کرنے والے ہیں ہم ان کو اپنی عبادت کے  
 لیے کیسے کہہ سکتے تھے۔ یہ تو اپنے زعم باطل کے مطابق شیطان کے  
 پیچھے لگنے والے لوگ ہیں۔ یہی جواب انبیاء اور صلحا کا ہو گا کہ انہوں نے  
 کبھی کسی کو خدا کے علاوہ اپنی عبادت کرنے کی دعوت نہیں دی۔

سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ تفصیل کے  
 ساتھ ذکر ہوا جو کہ قیامت کے دن ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اے  
 عیسیٰ علیہ السلام ”اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اِخْذُوْنِيْ وَاَحْبَبَ  
 الْهٰنِیْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ“ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ  
 مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالینا۔ عیسیٰ علیہ السلام نہایت  
 عاجزی کے ساتھ عرض کریں گے ”قَالَ سُبْحٰنَكَ“ اے مولا کریم!  
 تیری ذات پاک ہے۔ ”مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ  
 لِيْ بِحَقِّ“ میرے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی بات کرتا جس کا  
 مجھے حق نہیں پہنچتا۔ میں نے تو ان سے وہی باتیں کہیں جن کا تو نے  
 مجھے حکم دیا اور وہ بات یہی ہے ”اِنْ اَعْْبُدُوْا اللّٰهَ كَحُبِّ  
 رَبِّكُمْ“ کہ عبادت صرف اللہ کی کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب  
 ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک، نہ مشکل کشا، نہ حیات دہ

نہ تعلیم حاصل اور نہ مختار مطلق۔ لہذا عبادت بھی صرف اُنہی کی کرنی چاہیے۔  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی جی کہیں گے رَبَّنَا اسْتَخْلِفْ  
 لَنَا مِمَّا خَلَفَىٰ وَ مِمَّا تَعَلَّىٰ لَنَا يَوْمَ تُرْثُ اَرْضُنَا بِرَحْمَتِكَ  
 اور ظاہر باتوں کو تو خوب جانتا ہے۔ مالم الغیب تیری ذات ہے اگر  
 ہمارے دل کے کسی گوشے میں کوئی شرک والی بات ہوتی تو وہ لازماً تیرے  
 علم میں ہوتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے اَلَمْ نَقُلْ لَّكَ يٰ اِبْرٰهٖمُ  
 صَلِّ قَهْطُہٗ اَنْ تَاوَدَّ وَہ سے کہ جس میں سچوں کو اُن کی مچھائی کام  
 دیگی۔ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو پتے ہیں اور یہ عیسائی جھوٹے ہیں  
 جو ان کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہیں غرضیکہ جن جن کو مشرکین  
 نے معبود بنا رکھا تھا وہ سارے انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو انہیں  
 نہیں کہا تھا کہ تم ہماری عبادت کیا کرنا۔

وہ اپنی بات کی صداقت کی دلیل کے طور پر کہیں گے۔ فَخَلَفَ  
 بِاللّٰہِ شَہِیْدًا اٰیٰتِنَا وَاٰیٰتِکُمْ ہمارے اور تمہارے درمیان  
 اللہ گواہ ہے، ہمیں کیا علم کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے۔ اَلِیْسَ جَانِ  
 حِیْرٌ حَقِیْقٌ وَغَیْرُہ کی عبادت کرتے تھے تو ظاہر ہے کہ انہیں کیا علم ہو سکتا  
 ہے کہ کو ان کی عبادت کو رہا ہے۔ اور اگر کسی جاندار کی عبادت  
 کرتے تھے تو اُن کو بھی جب تک اللہ نہ بتائے، پتہ نہیں چل سکتا۔  
 لَمْ نَشْرَکْ بِکَ اَصَافٌ کہہ دیں گے اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ  
 ہم تو تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں، ہم نے  
 کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ غرضیکہ متبوعین صاف انہیں  
 کر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مشرکین کی کتنی تذلیل ہوگی۔  
 دوسری روایت میں آتا ہے کہ حکم ہو گا کہ ہر عابد اپنے معبود کے  
 پیچھے آئے۔ عابد کی باطل عبادت معبود کی شکل میں قتل ہو کر سانس

آجائے گی سورج پرست سورج کے پیچھے چلیں گے، چاند پرست اس کے پیچھے جائیں گے، چتھروں اور اینٹوں کے سجدہ کی ان کے پیچھے چلتے جائیں گے حتیٰ کہ جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ البتہ نیک لوگوں کی ہدایت کرنے والوں کا تانوں الگ ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ جَنِّكَ عَنْ جَنِّكَ مِثْلَ طَرَفٍ مِّنْ نَّازِلٍ مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطٍ اُولٰٓئِكَ فِيْ عِلِّيُّنَ وہ ہمارے علم میں ہیں اور وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔ (الانبیاء)

ہر نفس کا  
محاسبہ

فرمایا هٰذَا لَكُمْ تَبٰلُغُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اسْلَفَتْ اُس وقت جانچ لے گا ہر نفس جو اُس نے آگے بھیجا۔ ہر شخص کی کارکردگی اُس کے سامنے ہوگی اور وہ خود اُسے دیکھ لے گا اور آزمائے گا۔ تَبٰلُغُوا کی بجائے تَتَلَوْا بھی پڑھا گیا ہے یعنی اُس وقت پڑھ لے گا جو اُس نے آگے بھیجا۔ اور اگر تَتَلَوْا تلو سے ہو تو اس کا معنی پیچھے لگنا ہوتا ہے یعنی ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے پیچھے لگے گا۔ اچھے اعمال والا اپنے اعمال کے پیچھے لگ کر جنت تک پہنچ جائیگا اور بُرے اعمال والا چلتے چلتے دوزخ میں جا کر رہے گا۔ اس لفظ کو تَبٰلُغُوا بھی پڑھا گیا ہے اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم آزمائیں گے، ہر نیک و بد کو امتا ز کر دیں گے بہر حال فرمایا کہ ہر شخص جانچ لے گا جو اُس نے آگے بھیجا، اور اللہ فرماے گا۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ يَدٰثِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظٰلِمٍ لِلْعَبِيْدِ یہ تیرے ہاتھوں کی کمائی ہے جو تیرے آگے بھیجی۔ خدا تعالیٰ تو کسی سے ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں اس طرح آتا ہے۔ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ تُحْصِيْهَا عَلَيْكُمْ يَوْمَ تَمَازِجُ اَعْمَالُكُمْ ہیں جن میں ہم نے شمار کر رکھا ہے۔ فرمایا وَرَدَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وہ سب کے سب اللہ کی طرف



لوٹائے جائیں گے **مَوْلَاهُمْ الْحَقُّ** جو ان کا آقا ہے۔ یہی وہ معبود حقیقی  
 جسے عبادت سے دنیا میں انعام ملتا ہے اور شرک کے نتیجے میں پست ہے اللہ نے مومنین کی  
 عبادت کرتے ہوئے کسی نے بچا لیا کسی نے جہنم میں کسی نے نار و نیا ز پشیمانی  
 اور کسی نے سلام کیا۔ بغیر اللہ کو مشکل کٹا اور نافع اور خسار سمجھتے ہے۔ یہ ساری وہ  
 باتیں ختم ہو گئیں کیونکہ ان معبودوں کو تو کوئی اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے تو اپنی  
 عبادت کے لیے کہا ہی نہیں تھا، وہ تو ان کے دشمن ہو جائیں گے اور انہی  
 کے خلاف گواہی دیں گے کہ اے پروردگار! انہوں نے خود غلط کام کیا۔  
 ہم ان سے بیزار ہیں حتیٰ کہ شیطان بھی بیزاری کا اعلان کر دے گا۔ اگلی  
 سورۃ ابراہیم میں آئے گا کہ میں نے ان پر کوئی جبر تو نہیں کیا تھا۔ میں تو  
 انہیں کفر، شرک اور معاصی کی محض ترغیب دیتا تھا۔ انہوں نے میری بات  
 پر تو یقین کر لیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد  
 مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر یقین نہ کیا۔ لہذا یہ اپنے آپ کو ہی ملامت  
 کریں۔ قصور خود اپنی کاس ہے۔

بہر حال فرمایا کہ یہ اپنے برحق آقا کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ **لَا  
 إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِينُ** اور میں ایسا ہی آتا ہے  
 یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی سچا مالک ہے۔ فرمایا یہ لوگ  
 اپنے کیے دھرمے کو جانچ لیں گے کہ انہی کا عمل ہے۔ اور پھر کیا ہو گا؟  
**وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُفْتَرُونَ** اور گم ہو جائیں گی ان  
 سے وہ باتیں جن کو وہ افتر کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے جو شرکیہ اور  
 کفریہ باتیں اپنے عقائد میں جما رکھی تھیں، اور جو اعمال وہ انجام دیتے رہے  
 وہ سانس کے سانسے گم ہو جائیں گے۔ کوئی چیز ان کے لیے مفید ثابت  
 نہیں ہوگی بلکہ سب کچھ ان کے خلاف جائیگا اور ضرر ثابت ہوگا۔ وہاں  
 نہ کوئی دستگیری کہ نہ والا ہوگا اور نہ خدا کے غضب سے بچانے والا ہوگا

مشرکین  
 کی ہر

سب کے سب وہاں عاجز ہو کر رہ جائیں گے اور پھر اس کا نتیجہ خطرناک  
 منہ کی صورت میں نکلیگا اس کا تذکرہ پچھلی آیت میں بھی ہو چکا ہے اللہ  
 نے مشرکوں کی قباحت اور برائی حشر کے عنوان سے بیان فرمائی ہے۔

---

يَعْتَذِرُونَ ۱

سورة يونس

درس دوم ۱۰

آیت ۳۱ تا ۳۲

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ  
يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ  
الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ  
الْأُمُورَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ③۱  
فَذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ إِلَّا  
لُضْلَالٌ فَآتَى تُصْرَفُونَ ③۲ كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ  
رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ③۳

ترجمہ :- آپ کہہ دیجئے کون ہے جو رزق دیتا ہے  
تمہیں آسمان سے اور زمین سے ۔ یا کون ہے وہ جو ملک ہے  
کانوں کو اور آنکھوں کو ۔ اور کون ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مردہ  
سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے ۔ اور کون ہے وہ جو  
تجیر کرتا ہے تمام معاملے کی ۔ یقیناً کہیں کے یہ لوگ نہ آتے ہیں  
تو آپ کہہ دیجئے یہ کیوں نہیں تم ٹھکتے ③۱ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار  
سچا ۔ پس کیا ہے حق کے بعد سوائے گمراہی کے تم کہہ پھرے  
جاسے جو ③۲ اسی طریقے سے ثابت ہو چکی ہے بات یہ  
پروردگار کی اُن لوگوں پر جنہوں نے فسق کیا ۔ یہی وہ یمن  
نہیں لگتے ③۳

بطایات گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حشر کے عنوان سے توحید کا مندرجہ بیان



فرمایا تھا یعنی حشر کے میدان میں مشرکین کا شدید محاسبہ ہوگا اور ان کی سخت  
تذلیل ہوگی۔ اس طرح گویا اللہ نے شرک اور مشرکین کا رد فرمایا۔ اب آج کے  
درس کا مضمون بھی توحید کے حق میں اور شرک کی تردید میں ہے۔ اس کے  
بعد پھر اس سورۃ کے مرکزی مضمون قرآن کریم کی حقانیت اور عداقت کا  
ذکر آئے گا۔ آج کی آیات میں توحید کے عقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں  
اور ان کا انداز یہ ہے کہ اس سوال کا جواب طلب کیا گیا ہے کہ تمہیں عقلی  
نعمتیں عطا کرنے والی کونسی ذات ہے انسان ذرا بھی غور و فکر کرے گا۔  
تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ تمام نعمتیں مہیا کرنے والا فقط خدا تعالیٰ ہے  
جب یہ بات ہے تو پھر مشرکین سے اگلا سوال ہے کہ پھر خدا کے ساتھ  
دوسروں کو شریک کیوں بناتے ہو، اُن سے کیوں ڈرتے ہو اور اُن کی  
عبادت کیوں کرتے ہو؟

روزِ ریل  
ذات

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے دریافت  
کریں مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ تم کو کون روزی پہنچاتا  
ہے آسمان سے اور زمین سے۔ جاندار مخلوق کی روزی کا تعلق آسمان سے  
بھی ہے اور زمین سے بھی۔ آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے اور زمین  
میں روئیدگی کا مادہ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں مل کر اجناس اور پھل کی پیدائش  
کا سبب بنتی ہیں۔ سورۃ الذاریات میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا  
ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ تمہاری روزی  
اور تم سے وعدہ شدہ چیز کا تعلق آسمان سے ہے۔ ان چیزوں کا حکم  
عالم باللہ سے آتا ہے۔ رزق کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت  
تامرہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ بندوں سے تجارت کو اٹھاتا ہے،  
پھر وہ بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں جن میں بڑی مقدار میں پانی ہوتا ہے  
پھر ہوائیں ان بادلوں کو لے کر چلتی ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی مصلحت کے

مطابق جہاں چاہتا ہے اور جتنی مقدار میں چاہتا ہے اتنی بارش برساتی ہے  
 اُدھر زمین کو بھی حکم ہوتا ہے "وَالْأَرْضِ ذَاتِ الْمُصْدِرِ" (الطائف)  
 زمین پھٹ جاتی ہے اور اس کے اندر سے اللہ تعالیٰ انسانوں اور جانوروں  
 کے لیے رزق کو نکالتا ہے۔ گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ جانوروں  
 کا کھانا بھی مقرر ہو جاتا ہے۔ سورۃ اعلیٰ میں موجود ہے: "وَالَّذِي أَخْرَجَ  
 الْمَرْعَىٰ لِلنَّهْلِ مِنْ زَمِينٍ سَعٍ" چارو پیدا کرتا ہے جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے  
 اور پھر یہی جانور اللہ کے حکم سے انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ ان کی بوزی  
 کا سامان بھی خدا تعالیٰ نے ہی مقرر فرمایا ہے۔

سعیت  
اور  
بینائی

رزق کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد آگے اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم  
 کے دو نہایت ہی اہم اعضاء کا ذکر فرمایا ہے اور مشرکین سے پوچھا ہے  
 کہ مصلحت یہ کہ ان اعضاء کا مالک کون ہے؟ ارشاد ہوتا ہے: اے نبی کریم!  
 آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں اَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ  
 کہ کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ انسانی جسم کے یہ اہم ترین اعضاء  
 کس نے پیدا کئے ہیں؟ سَمْعَ کا مطلب ظاہری کان بھی ہو سکتے ہیں اور  
 اس سے قوتِ سامعہ بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ اسی طرح آنکھوں سے  
 ظاہری آنکھوں کے علاوہ قوتِ بینائی بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ مطلب  
 بہر حال یہی ہے کہ کانوں اور آنکھوں یا قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ کا مالک  
 کون ہے؟ انسانی جسم کی یہ دو چیزیں اللہ نے بطور نشانی بیان فرمائی ہیں۔  
 جس طرح آسمان اور زمین اللہ کی عظیم نشانیاں ہیں۔ اسی طرح کان اور آنکھ  
 بھی اللہ کی عظیم نعمتیں اور اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ فرمایا: ان کا مالک  
 کون ہے؟ ان کا صانع کون ہے اور ان میں سماعت اور بصارت  
 کی قوت پیدا کرنے والی کون ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سے اعضاء عطا فرمائے ہیں۔ ان میں

اعضا  
انسانی  
کی نعمت

سے بعض ایک ایک ہیں اور بعض دو دو۔ انسانی جسم کے لیے جن اعضا سے زیادہ کام لینا مقصود ہے ان کو دو کی تعداد میں پیدا کیا گیا ہے اور جن اعضاء سے نسبتاً کم کام مطلوب ہے، ان کی تعداد ایک ایک ہے مثلاً لہجہ اور پاؤں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اس لیے یہ دو دو ہیں۔ کان اور آنکھیں بھی انسان کیلئے نسبتاً زیادہ خدمت پر مامور ہیں، لہذا ان کی تعداد بھی دو دو ہے برخلاف اس کے اللہ نے انسان کو زبان صرف ایک عطا کی ہے جس سے یہ اشارت ملتا ہے کہ انسان کو سننے اور دیکھنے کی نسبت بولنا کم چاہیے۔ زیادہ بولنا اکثر باعث وبال ہوتا ہے ہمیشہ غصہ مری بات کرے مگر اچھی کہے، کوئی ایسی لغو بات نہ کرے جو قابلِ مواخذہ ہو۔ بہر حال دریافت یہ کیا گیا ہے کہ کان اور آنکھ جیسی عظیم نعمتیں کس نے پیدا کی ہیں؟ کیا یہ کسی ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان یا ماہر صنائع کی تیار کردہ ہیں؟ اور پھر ان میں قوتِ سماعت اور قوتِ بصارت کس نے پیدا کی ہے؟ ظاہر ہے یہ قوتیں بھی اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں وہ جب چاہتا ہے ان میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے یا یہ قوتیں بالکل ہی چھین لیتا ہے اور پھر انسان ٹھوکر میں کھلتے پھرتے ہیں اور انسانی سوسائٹی میں اپنا موثر کردار ادا نہیں کر سکتے۔ ان دونوں نشانیوں پر ہی غور کرے تو انسان اللہ کی معرفت کو پاسکتا ہے۔

کان کی  
ساخت

کان کی ظاہری ساخت بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب بنائی ہے یہ ٹیڑھی وضع قطع، اندر گڑھے اور ابھار پھر ان میں سوراخ انسانی ضرورت کے عین مطابق ہیں۔ آواز بردار ہوا کان کے ابھاروں سے ٹکرا کر نالیوں میں سے ہوتی ہوئی کان کے سوراخ میں چلی جاتی ہے۔ سوراخ اس ہوا کو آگے نہایت ہی نازک چمڑے کے پردے تک پہنچاتا ہے جو آگے سے بند ہے۔ پردے کے آگے حوض ہے جس میں رطوبت بھری ہوئی ہے جب ہوا پردے سے ٹکراتی ہے تو کان کے حوض میں بالکل اسی طرح



لہریں پیدا ہوتی ہیں جس طرح کسی جوبڑ میں پتھر ٹٹنے سے۔ حوتی کی دوسری جانب  
جہاں لہریں ختم ہوتی ہیں وہاں ہر ایک کان میں تین تین ہزار اعصاب ہیں جو  
ٹیلیفون کا کام دیتے ہیں۔ ہر قسم کی آواز سننے کے لیے ایک ہی ٹیلیفون میں  
ایک ہر قسم کی آوازوں کی سماعت کے لیے علیحدہ علیحدہ ٹیلیفون میں علافاً سننے

کیلئے اور ٹیلیفون سے اور رونے کی آواز کے لیے دوسرا نرم آواز ایک  
ٹیلیفون سنتا ہے تو کڑخت آواز کو دوسرا بہر حال یہ ٹیلیفون آواز کو سن کر  
اس کی اطلاع مرکز سماعت کو دیتے ہیں۔ اور پھر قوت عقلیہ اور دماغیہ فیصلہ  
کرتی ہے کہ یہ کس چیز کی اور کس قسم کی آواز ہے۔ بہر حال اللہ نے سماعت  
کے لیے کانوں میں حیرت انگیز نظام قائم کر رکھا ہے

آنکھوں کی ساخت کان سے بھی زیادہ اچھید ہے۔ اس پر بقراط  
کے زمانے سے تحقیق ہو رہی ہے جو کہ مسلسل جاری ہے۔ آنکھوں میں اللہ  
نے سات طبقے اور تین قسم کی رطوبتیں رکھی ہیں۔ آنکھ کے درمیان میں جو  
موائع نظر آتا ہے اس میں نہایت ہی شفاف قسم کی رطوبت ہوتی ہے۔  
جب یہ رطوبت گدلی ہو جاتی ہے تو موتیا بند بن جاتا ہے آدھی اندھا ہو جاتا  
ہے اور پھر آپریشن کے ذریعے اس کثافت کو دور کر کے آنکھ کو دیکھنے  
کے قابل بنایا جاتا ہے۔ بقراط کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آنکھ  
کے سامنے ملے حصے میں نہایت ہی باریک اور شفاف چالیسہ پڑے  
رکھے ہیں جو کہ دیکھنے میں ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس شے کے گرد  
ایک غلاف بنا رکھا ہے جس کے ذریعے کسی حادثے یا دیگر ضرورت  
کے وقت آنکھ کو بند کر لیا جاتا ہے۔ یہ قدرت خداوندی کی کمال صنعی کا  
نمونہ ہے کہ اس نے چہرے پر بلیوں میں گڑھے بنا کر آنکھوں کو ان کے  
مذموظ کر دیا ہے تاکہ حادثہ کی صورت میں بڑی اس آنکھ کا دفاع کر سکے  
جب کہ کوئی چیز آنکھ کے سامنے آتی ہے تو اس کا عکس مضبوط

آنکھوں  
کی ساخت

کی وسالت سے آنکھ کے پچھلے حصے میں چلا جاتا ہے۔ جہاں طوبت ختم ہوئی ہے، وہاں پر اعصاب کا جان بچھا ہوا ہے۔ جب باہر سے آنے والا عکس ان جالیوں پر پڑتا ہے تو یہ اسے مجمع نور تک پہنچاتی ہیں۔ مجمع نور اس عکس کو جس مشترک تک وہ اسے مرکزی قوت بصارت پہنچا دیتی ہے۔ اس قوت کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے چنانچہ آخر میں مرکزی قوت فیصلہ کرتی ہے کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ فلاں رنگ یا فلاں قسم کی شکل ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے آنکھ میں بھی عجیب و غریب اور نہایت ہی نرم و نازک نظام پیدا کر کے بنائی جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔

السانی کان اور آنکھ میں سے کون سا عضو افضل ہے، اس کے متعلق مختلف حکماء کی مختلف آراء ہیں جو محققین کان کے حق میں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کی بنیائی زائل ہو جائے تو عقل کام کرتی رہتی ہے جب کہ سماعت کے ضیاع سے عقل بھی کام نہیں کرتی۔ لہذا کان افضل ہیں۔ اس آیت کریمہ میں کان کا ذکر پہلے ہوا ہے اور آنکھ کا بعد میں، اور یہ چیز بھی کان کی فضیلت کی دلیل ہے۔ کان کے حق میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ اللہ کے انبیاء میں سے بعض نابینا تو ہوئے ہیں جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام مگر کسی نبی کی قوت سماعت کا ابطال ثابت نہیں چونکہ سماعت سے محرومی تبلیغ دین کے حق میں رکاوٹ بن سکتی ہے اس لیے اللہ نے اپنے کسی نبی کو اس سے محروم نہیں کیا۔ لہذا یہ بھی کان کی فضیلت کے حق میں جاتا ہے۔ غرضیکہ بعض لوگ ان دلائل کی بناء پر کان کو آنکھ کی نسبت افضل مانتے ہیں۔

کان اور آنکھ  
بجائے فضیلت

بعض متفکر آنکھ کو افضل تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ابصار و آراء العیانی بیان جو چیز مشاہدے میں آجاتی ہے وہ آخری ہو جاتی ہے۔ انسان جب کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے تو پھر اس کے وجود پر مزید کسی

دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ فارسی کا مقولہ بھی یہی ہے ”نہاں را چہ بیان“ جو چیز نظر آجائے اس پر مزید دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ہزاروں نشانات بکھیر دیے ہیں جنہیں آنکھ کے ذریعے دیکھ کر ان ان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی سب سے کہ آنکھ آسمان کی طرف دھڑک کی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے جب کہ کان کی شنوائی زیادہ دھڑک نہیں ہوتی۔ یہ بھی آنکھ کی افضلیت پر دلیل ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اللہ کا کلام اس دنیا میں سنا مگر ان کو رویت نصیب نہیں ہوئی کیونکہ یہ زیادہ افضل چیز ہے اور دوسرے جہاں میں ہی ہوگی اور وہ اس کے نیک بندوں کو باطل پرست و ماں بھی رویت الہی سے محروم ہی رہیں گے۔ صرف خاتم الانبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زندگی میں رویت الہی نصیب ہوئی ہے مگر وہ بھی اس دنیا میں نہیں بلکہ معراج کے موقع پر عالم بالا میں جا کر یہ چیز بھی آنکھ کی فضیلت کے حق میں جاتی ہے۔

ایک اور بات بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے کان ضائع ہو جائیں تو وہ بظاہر انا عیب دار معلوم نہیں ہوتا جتنا وہ شخص ہوتا ہے جس کی آنکھیں ضائع ہو جائیں۔ پھر اُسے چلنے پھرنے اور کام کاج میں مشکلات پیش آتی ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ سَلَّكَ كَرِيمَتِي فَصَبَدَ فَلَنْ أَرْضَىٰ لَهُ دُونَ الْجَنَّةِ جس شخص کی میں نے دو بزرگی والی آنکھیں سب کر لیں اور پھر اُس نے عبرت لیا، تو پھر میں اسے جنت میں پہنچائے بغیر کسی چیز پر راضی نہیں ہوں گا۔ بہر حال انسانی اعضاء کا انکھ کے تعلق یہ بحث امام ہاشمیؑ نے اپنی تفسیر میں کی ہے: مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ دونوں نعمتیں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہیں اور اس کی قدرت کا عظیم شاہکار، ان کے بغیر



خود انسان ان خصائل سے محروم ہوتا جو اللہ نے ان کے ذریعے اس میں پیدا فرمائے ہیں۔

زندہ اور  
مردہ کا  
خالق

بات کی ابتداء اس طرح ہوئی تھی کہ اے پیغمبر! آپ ذرا ان کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ آسمان و زمین سے روزی کون بھیجا کرتا ہے اور کان اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اسی سلسلہ سوال کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ اور زندہ کو مردہ سے کون نکالتا ہے۔ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور مردہ کو زندہ سے کون پیدا کرتا ہے؟ ان دونوں چیزوں کے مشابہات ہم روزمرہ زندگی میں کرتے ہیں۔ ایک حقیر اور بے جان قطرہ آب سے اللہ تعالیٰ اپنی افضل ترین مخلوق انسان کو پیدا کرتا ہے انڈا ایک بے جان چیز ہے مگر اس سے جیتا جاگتا زندہ چوزا نکل آتا ہے۔ اب مرغی ایک جاندار پندہ ہے اور اس سے پیدا ہونے والا انڈا مردہ ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون پیدا کرتا ہے؟ عالم سے جاہل اور جاہل آدمی سے عالم کو کون پیدا کرتا ہے اسی طرح نیک آدمی سے بد اور بُرے آدمی سے نیک کو پیدا کرنا کس ذات کا کام ہے۔

پھر آگے فرمایا وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ اور معاملے کی تدبیر کون کرتا ہے؟ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں تک تمام امور کی تدبیر کون کرتا ہے؟ ہر ہر کام کا عروج و زوال

ترقی و تنزل، امیری و غریبی، صحت اور مرض، حوادث و اتفاقات، یہ سب چیزیں کون مہیا کرتا ہے؟ ان چیزوں کو اپنے اپنے وقت اور اللہ کی حکمت اور صلاحیت کے مطابق کون لاتا ہے؟ تکلیفیں کون بھیجتا ہے اور راحت کے سامان کون مہیا کرتا ہے؟ زندگی کون عطا کرتا

سہے اور موت کون طاری کرتا ہے؟ غرضیکہ پوچھا گیا ہے کہ تمام معاملات کی تدبیر کون کرتا ہے

ان تمام سوالوں کا جواب اللہ نے فرمایا فَسَيَقُولُونَ الْمَلَأَ  
يَقِينًا مشرکین یہی جواب دیں گے کہ ان تمام امور کا انجام دینے والا  
 خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اس بات کو وہ بھی مانتے ہیں کہ کفار سازی کرنے  
 والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ فرمایا اگر ان کا یہی جواب ہے۔ فَقُلْ  
لَرَأَيْتُمْ أَن سَمِعْتُمْ کہ میں آفاقت تقویٰ پھر تم درستے کیوں نہیں؟  
 جب تمام کام اللہ ہی کرتا ہے تو پھر تم اس کی عبادت اور صفات  
 میں غیروں کو کیوں شریک کرتے ہو؟ ان کو نذرانے کیوں پیش کرتے  
 ہو؟ ان کی دہائی کیوں نیت ہو؟ ان کی قبروں پر چڑھائے کیوں چڑھاتے ہو؟  
 اور ان سے مرادیں اور حاجتیں کیوں طلب کرتے ہو؟ فرمایا حقیقت یہ ہے  
فَذَالِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ تمہارا رب وہی وحدہ لا شریک ہے  
 جو یہ حق ہے۔

فرمایا، اگر یہ بات ہے فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ تو پھر  
 حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے۔ کفر اور شرک  
 تو سرسری گمراہی ہے۔ اگر اللہ کی وحدانیت کو پس پشت ڈال دو گے تو باقی صرف  
 گمراہی رہ جائیگی۔ جب ربوبیت کا اقرار کرتے ہو تو پھر اللہ ہیست کا انکار کیوں  
 کرتے ہو؟ پھر اسی وحدہ لا شریک کی عبادت پر اکتفا کیوں نہیں کرتے؟  
 اغیار کے پیچھے کیوں بھاگتے ہو؟ فرمایا جب حق واضح ہو گیا فَالْخَسَفُ

نَصْرٌ فوہ پھر تم کہہ پھر سے جانتے ہو؟ اور شیطان نے تمہیں کسرتے  
 پر ڈال دیا ہے؟

فسق ذریعہ  
محرمی

اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات بھی اشارۃً فرمادی ہے كَذَلِكَ  
حَقَّقْتُ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا اسی طرح  
 تیسرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے ان لوگوں پر جو فاسق ہیں۔ یاد رکھو  
 یہ فسق اور نافرمانی ہی انسان کی محرمی کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں  
 شخص نافرمانی پر ڈٹ جانے والا ہے، لہذا اسے ہدایت نصیب  
 نہیں ہوتی۔ ایسا شخص ایمان سے محروم ہی رہتا ہے۔ یہاں پر فسق کا لفظ  
 استعمال کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ ظلم کا ذکر بھی آتا ہے یعنی ظالموں پر اللہ  
 کی بات ثابت ہو چکی ہے اور وہ محروم رہیں گے اور انہیں ہدایت نصیب  
 نہیں ہوگی۔ جب تک فسق اور ظلم کو ترک نہیں کریں گے نیکی سے محروم ہی  
 رہیں گے۔ فرمایا یہ بات نافرمانوں پر ثابت ہو چکی ہے أَلَمْ تَرَ لَا يُؤْمِنُونَ  
وَهُمْ أِنْسَانٌ نہیں لائیں گے۔ برائی پر اصرار ایسی خصلت ہے جو انسان  
 کو ہر خیر سے محروم کر دیتی ہے اور انسان ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔



يعتذرون ۱۱

سورة يونس

درس دوم ۱۱

آیت ۳۴ تا ۳۶

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدُوَ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ  
 قُلِ اللَّهُ يَبْدُوَ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَإِنَّ تَوَفَّكُونَ<sup>(۳۴)</sup>  
 قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ  
 قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ  
 أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَهْدِي فَمَا لَكُمْ  
 كَيْفَ تَحْكُمُونَ<sup>(۳۵)</sup> وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا  
 إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ  
 بِمَا يَفْعَلُونَ<sup>(۳۶)</sup>

ترجمہ :- (۳۴) پیغمبر! آپ کہہ دیں (کے شرک کرنے والوں) کیا  
 ہے تمہارے شریکوں میں سے کوئی جو اولاً مخلوق کو پیدا کرتا ہو اور  
 پھر اسے دوبارہ لوٹائے؟ آپ کہہ دیجئے، اللہ تعالیٰ ہی ہے جو  
 مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، پھر اُس کو لوٹائے گا، پس تم  
 کہہ مٹائے باتے ہو (۳۵) (۳۶) پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، کس  
 تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو ایمانی کلمہ حق کی طرف  
 آپ کو رہنمائی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ایمانی کرتا ہے حق کی طرف، بعد  
 وہ ہستی جو ایمانی کرتی ہے حق کی طرف زیادہ حقدار ہے کہ اُس  
 کی اتباع کی جائے یا وہ جو نہیں راہ پاتا مگر یہ کہ اُس کو راہ  
 دکھائی جائے، پس کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم کیا فیصلہ کرتے

ہو؟ (۳۵) اور نہیں پیروی کرتے اکثر ان میں سے مگر محض گمان کی اور بیشک گمان نہیں کام دینا حق کے سامنے کچھ بھی بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے اُن تمام باتوں کو جو یہ کہتے ہیں (۳۶)

آج کا درس بھی پہلی آیات کے ساتھ مربوط ہے۔ اس میں بھی توحید کے اثبات شرک کی تردید اور مشرکین کی ذہنی پستی کا ذکر ہے۔ گذشتہ درس میں اللہ نے توحید کے دلائل اس انداز میں بیان فرمائے کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ آسمان و زمین سے روزی کون نازل کرتا ہے؟ کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے کون پیدا کرتا ہے؟ اور تمام معاملات کی تدبیر کون کرتا ہے؟ اس کا جواب خود ہی بیان فرمایا کہ سب لوگ یہی کہیں گے کہ مذکورہ تمام امور انجام دینے والا فقط اللہ ہی ہے پھر خود ہی فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر اُس اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ یہی اللہ ہر چیز کی پرورش کرنے والا ہے، یہی ہر ایک کے لیے سامانِ زیست دیا کرتا ہے۔ اب حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ فرمایا جو لوگ نافرمان ہیں اور اس پر ڈٹے ہوئے ہیں، وہ ایمان نہیں لاتے۔

گذشتہ درس کی طرح یہ درس بھی دلائل توحید پر ہی مشتمل ہے آج مخلوق کی ابتدائی تخلیق اور پھر دوبارہ لوٹانے جانے کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے پیغمبر! قُلْ اَپَرِہْدِیْ هَلْ مِنْ شَرِكَا بِكُمْ مَّنْ یَّبْدُوْا الْخَلْقَ کوئی ایسا ہے جس نے ابتدائی طور پر کوئی انسان، جن یا کسی اور چیز کو پیدا کیا ہو؟ ظاہر ہے کہ ہر جاندار اور غیر جاندار کو پیدا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی مضمون کو اللہ نے دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ہے "فَارَوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُونِہِ" (لَقَمَن) مجھے دکھاؤ تو سہی جو انہوں نے اللہ کے سوا پیدا کیا ہے۔ کوئی درخت، کوئی جانور، چرند پرند، انسان، جن، ملائکہ، کوئی خطہ ارضی، کوئی کہانی

ابتدائی تخلیق  
اور اعادہ

کہہ۔ کوئی ہے جس نے ان میں سے کوئی چیز پیدا کی ہو۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ جن شرکاء کو تم بھیجے، بادستیں اور کبھی صفتیں شرکیہ بناتے ہو، کبھی ان کی نذر و نیاز دیتے ہو اور کبھی ان کو پکارتے ہو اور ان کے نام کی دہائی دیتے ہو، کبھی انتہائی تعظیم اور کبھی سجدہ کرتے ہو، بھلا بتلاؤ تو سہی کہ کسی نے کسی مخلوق کو ابتدائی طور پر پیدا کیا ہو **ثُمَّ لَعَيْدُهُ** اور پھر اس کو لوٹا، ہو یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا ہو۔

فرمایا، اے پیغمبر **قُلِ اللّٰهُ يَبْدُؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ لَعَيْدُهُ** آپ کہہ دیں کہ وہ تو اللہ کی ذات ہی ہے جس نے مخلوق کو ابتداً پیدا کیا ہے، پھر وہی اس کو لوٹانے کا یہ بات تو اللہ نے بتکار بیان کی ہے کہ **اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (النحل)** یعنی ہر چیز کا خالق اللہ سب پہلی دفعہ بھی الزمان کو وہی پیدا کرتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ بھی ہی لوٹنے کا۔ سورۃ بقرہ میں بھی موجود ہے کہ **قُلِ اللّٰهُ تَعَالٰی** کا انکار کیسے کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا **ثُمَّ لَعَيْدُكُمْ** پھر وہ تمہیں موت دے گا **ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ** پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ **ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** پھر تم سب اُنہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر محاسبے کی منزل آئیگی جس کے نتیجہ میں یا تو اللہ کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے اور یا پھر سزا پائیں گے۔ غرضیکہ اولاً پیدا کرنا اور پھر اس کا عادیہ کرنا صرف اللہ کا کام ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا یہ کام نہیں کر سکتا فرمایا اگر حقیقت یہی ہے **فَاَنّٰی تَوْفِیْکُمْ** تو تم کہہ رہے جاتے ہو، کیا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ جب ابتداء اور انتہاء کا مالک اللہ ہے تو درمیان کی تمام چیزوں کا مالک بھی وہی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام لوازمات اُن کے قبضہ قدرت اور اسی کے تصرف میں ہیں، تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو شرکیہ ٹھہرانے کی کیا تمک رہ جاتی ہے۔



خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ تامہ کی یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کے لیے ذکر کی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی دوسری دلیل ہدایت اور راہنمائی کے اعتبار سے بیان فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ لے یغیر اقل آب ان سے دریافت کریں کہ کس کا پس کھدیجی الی الحق کیا تمہارے شرکیوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہو؟ لفظ حق اپنے اندر بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ حق اس چیز کو کہتے ہیں جو ثابت، محسوس، اصل اور صحیح ہو اور اس کی طرف راہنمائی سے مراد یہ ہے کہ صحیح قانون اور صحیح راستے پر چلنے کی تلقین ہو۔ تو فرمایا، کیا تمہارے معبودانِ باطلہ میں سے کوئی ایسا ہے جو حق بات کی دعوت دے؟ پھر اللہ نے اس سوال کا جواب بھی خود ہی اپنے نبی کی زبان سے دلویا قل اللہ یھدی للحق آپ کہیں کہ وہ اللہ ہی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ حق کی طرف راہنمائی کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ آگے پھر دوسرا سوال پیش کیا افمن یھدی الی الحق الحق ان یبغ کیا حق کی طرف راہنمائی کرنے والا اتباع کا زیادہ حقدار ہے امّن لا یھدی الا ان یھدی یا وہ زیادہ حقدار ہے۔ جو نہیں راہ دیتا بلکہ خود اُسے راہ دکھائی جائے۔ جواب بڑا واضح ہے کہ اتباع کے لائق تو وہی ذات ہوگی جو خود حق پر ہو اور حق ہی کی طرف دعوت دے، نہ وہ جو خود ہدایت کا محتاج ہو۔ حق کی طرف راہنمائی کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے لہذا وہ قابلِ اتباع ہے اور معبودانِ باطلہ تو خود ہدایت کے محتاج ہیں، لہذا ان کا اتباع کیسے ہو سکتا ہے؟ معبودانِ باطلہ میں سے بعض تو مٹی، پتھر یا لکڑی کے بے جان بُت ہیں جو اپنی جگہ سے ہلنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ اور اگر وہ جاندار بھی

ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور دستگیری کے محتاج ہیں۔  
انبیاء ہوں یا ملائکہ، اولیاد ہوں یا شہداء، نساکین ہوں یا مقتدین سارے کے  
ساتھ ہر لحظہ ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ کے محتاج ہیں۔ اب تم خود  
ہی فیصلہ کرو کہ اتباع سے لائق کون سے کیا اس کی اتباع ہونی چاہیے  
جو راہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے یا وہ جو خود رہنمائی کا طالب ہے۔

رہنمائی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ طالب کو منزل مقصود تک  
پہنچا دیا جائے اور دوسری یہ کہ درست راستے کی نشاندہی کر دی جائے  
ظاہر ہے کہ یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان امور میں  
اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس مقام پر ہدایت کا ذکر ہے جب کہ دوسری  
جگہ سُبُلَنَا کا لفظ آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ضروریات  
کے تمام شعبوں میں راہ حق کی طرف رہنمائی کی ضرورت ہے مثلاً سب  
سے پہلے فکیر اور عقیدے کی طہارت کی ضرورت ہے عقائد کی درستگی  
کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی طرف وحی بھیجتا ہے۔ جو آپ اپنی اپنی  
امت کو وہ اصول بتاتے ہیں جن کے ذریعے فکیر پاک کیا جاتا ہے۔ گویا  
انسان کی سب سے پہلی ضرورت اس کے ذہن، دماغ، فکیر اور روح کی  
طہارت ہے۔ اس کے بعد انسان کی دوسری ضرورت یہ ہے کہ وہ  
عبادت کے طریقے سمجھے اور برائیوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کرے۔  
امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اللہ سے  
انبیاء کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کے طریقے سکھائیں  
اور یہ کام بھی اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس عہد  
میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عباد اور قربانی وغیرہ کی جزئیات معلوم کرنے  
کی ضرورت ہے۔ پھر معاملات میں رہنمائی کی ضرورت ہے کہ  
خرید و فروخت میں کون سے اصول پیش نظر ہونے چاہئیں دین

رہنمائی کی  
ضرورت

کا طریقہ کیا ہو۔ پھر اخلاقیات میں بھی راہنمائی کی ضرورت ہے کہ کونسا اخلاق اپنانا چاہیے اور کس سے بچنا چاہیے۔ سیاسیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کی ضرورت ہے اگرچہ آجکل اسے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری سیاست کا رخ بھی صحیح نہیں ہے جس کی وجہ سے ہم منزل مقصود پر پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اس معاملہ میں بھی صحیح راہنمائی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی زبان سے ملتی ہے۔ اگر ہم ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلیں گے تو سیاست میں کامیابی ہوگی ورنہ اندھیرے میں ٹکریں مارتے رہیں گے، خود بھی تباہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی برباد کریں گے معاشرتی معاملات میں بھی حقیقی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ ہماری شریعت اور دین نے آپس میں میل جول اور معاملات کے لیے پاکیزہ اصول بیان کیے ہیں۔ تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں انہی اصولوں کی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح تعلیم اور تبلیغ کے شعبے ہیں کہ ان کو کس طرح انجام دینا ہے۔ ان چیزوں کے لیے بھی ہم صحیح راہنمائی کے محتاج ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حاصل ہو سکتی ہے۔

سیرۃ فاتحہ نہایت ہی اہم سورۃ ہے جسے ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ اس کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی زبان سے کہلایا ہے کہ اے مولا کریم! اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یعنی سیدھے راستے کی طرف ہماری راہنمائی فرما۔ گویا ہم ہر بات میں اس کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ اس دُعا اور درخواست کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ جس راہنمائی کی تجھے ضرورت ہے "ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" وہ اس کتاب قرآن پاک میں ہے جو شک و شبہ سے بالکل پاک ہے۔ قرآن پاک کی یہ صفت اگلی آیات میں بھی آرہی ہے۔ ہر حال اللہ کی کتاب تمام معاملات میں اصول و ضوابط مہیا کرتی ہے جب کہ نبی



کی زبان اس کی شرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی یہ ڈیوٹی لگا دی ہے **لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ** جو چیز نبی اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے آپ لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کر دیں۔ گویا نبی کی زبان قرآن کی ضمانت یا بیان (STATEMENT) ٹیٹمنٹ ہے۔ سورۃ نحل میں موجود ہے **وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ** ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف ایسے نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی خوب وضاحت کر دیں۔ قرآن پاک صرف عبادات کی تعلیم تک محدود نہیں بلکہ انسانی زندگی کے تمام معاملات کے لیے اس میں راہنمائی موجود ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ نے اپنے نبی کو بھی یہی حکم دیا ہے **اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ** (الانعام) آپ بھی اُس چیز کی پیروی کریں جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی گئی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کی زبان سے بھی کہلویا **اسْمَا آتَبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ** (الاعراف) میں تو اسی راہ کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔ تمکے رب کو ہر قسم غرضیکہ فرمایا کہ جو ہستی حق کی طرف راہنمائی کرتی ہے اس کی بات ماننی چاہیے یا اس کی جس کا کچھ اختیار ہی نہیں ہے یہ تم خود فیصلہ کر لو۔

اس آیت میں **يَهْدِي** کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اصل میں **يُتَدَفِّئُ** ہے اس میں تا کو ذال بنایا گیا ہے اور اس ال کو اکھلی وال میں غم کر کے ذال پر نشہ اور پھر اس کو کسرہ سے کر **يَهْدِي** بنا دیا گیا ہے۔ اور جملے کا مطلب یہ ہے کہ کیا اتباع کا وہ زیادہ حقدار ہے **أَمْ لَا يَهْدِي** جو نہیں راہ دیتا، مگر یہ کہ اس کو راہ دکھائی جائے۔ فرمایا **فَمَا تَكْفُرُ** پس تمہیں کیا ہو گیا ہے **كَيْفَ تَحْكُمُونَ** تم کیا فیصلہ کرتے ہو۔ دیکھو! یہ کتنی نا انصافی کی بات ہے کہ تم ان کو خدا کا شریک بنا رہے ہو، ان کی پوجا کر رہے ہو

جن کا اختیار ہی کچھ نہیں اور جو ذات اتباع کے قابل ہے اس کی بات ہی نہیں ملتے۔

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ایک قباحت بیان فرمائی ہے وَمَا يَنْبَغُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظُلْمًا اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض گمان کی۔ تمام مشرک اور رسومات کے پیروکار محض گمان کے پیچھے ہی چلتے ہیں۔ تمام بدعات گمان کی بدادہ میں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کسی سے پوچھا جائے کہ یہ کام کیوں کر ہے ہو۔ تو جواب ملتا ہے کہ اس میں کیا غرابی ہے، ہمارے فلاں بزرگ اور فلاں خاندان والے ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ آخر یہ کوئی اچھا کام ہی ہے تو اتنے لوگ انجام دے رہے ہیں۔ عید میلاد کے ایک جلے میں کسی وزیر نے بھی کہا تھا کہ جہاں اتنے لوگ جمع ہو جائیں بھلا وہ کام باطل ہو سکتا ہے۔ مقصد یہ کہ دلیل کوئی نہیں۔ محض اٹکل بچو باتیں ہیں جن کے پیچھے بلا سوچے سمجھے چلے جاتے ہیں۔ ہر بدعت کی ابتداء میں کہا جاتا ہے کہ اگر یہ کتاب و سنت سے ثابت نہیں تو اس میں حرج بھی کیا ہے۔ پھر جب وہ بدعت رائج ہو جاتی ہے کہ سب لوگ کر رہے ہیں آخر ہم کیوں نہ کریں۔ اس کا معنی تو یہ ہے کہ اگر کسی کام کے لیے بہت سے گدھے بھی اکٹھے ہو جائیں تو یہ اس کام کے حق میں دلیل بن جاتی ہے۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ ان کے اکثر لوگ بلا دلیل محض گمان کی پیروی کرتے ہیں۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ گمان دو طرح کا ہے امام بخاریؒ مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ فروعات اور اعمال میں گمان پر چلنا جائز ہے جیسے مجتہدین اور فقہائے کرام ظنی باتوں کے ذریعے ہی مسائل کا حل نکالتے ہیں۔ آپ اس پر عمل کر سکتے ہیں مگر عقیدے کے معاملے میں ظن پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں قرآن و سنت سے نفس کی ضرورت ہے جب

ایک بچی دلیل موجود نہ ہو، محض سنی سنائی اور قیاسی باتوں سے دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔ لہذا عقیدے کے متعلق ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ حق بات کو تلاش کرے اور پھر اس کے مطابق عمل کرے۔ جب حق معلوم ہو جائے تو پھر اس کے مقابلے میں ظن فائدہ نہیں دے سکتا۔ عقیدے کے معاملے میں کوئی شکل و پو بات کام نہیں دے گی۔

اچھا گمان

بعض اچھے گمان بھی ہوتے ہیں جیسے فرمایا ظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا ایک مومن کو دوسرے مومن کے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہیے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی نہ کہے مگر اس حالت میں کہ اللہ کے بسے میں اچھا گمان رکھتا ہو کہ وہ غفور اور رحیم ہے اور ضرور مہربانی فرمائے گا۔ کسی شخص کو مایوسی کی حالت میں اللہ کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ اچھے گمان کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک چھوٹا بچہ کوئی ہدیہ لے کر آپ کے پاس آتا ہے کہ اس کے والد نے آپ کے لیے بھیجا ہے ظاہر ہے کہ اس کے متعلق آپ کو یقین تو نہیں ہے کہ یہ تحفہ واقعی فلاں شخص نے بھیجا ہے مگر آپ اس گمان پر چلتے ہوئے اس تحفہ کو قبول کر لیتے ہیں۔ اسی کو اچھا گمان کہا گیا ہے۔ ایسی باتوں میں گمان پر چلنا درست ہے مگر خدا کی ذات۔ اس کی صفات، توحید، نبوت، قیامت، کتب سماویہ، ملائکہ اور تقدیر وغیرہ کے معاملہ میں ظن کچھ فائدہ نہیں دے گا بلکہ ان چیزوں کے لیے طبعی دلیل کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح حلال حرام بھی محض گمان سے ثابت نہیں ہوتا۔ حلال وہی ہے جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور اس کے رسول نے حلال بتلایا ہے۔ محض سنی سنائی باتوں سے کسی چیز پر حلت و عمرت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ فرمایا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي عَنْ الْحَقِّ شَيْئًا بیشک گمان حق کے مقابلے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔



اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۭ بِمَا يَفْعَلُوْنَ بِشَاۡءِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِن کے تمام  
 افعال کو جانتا ہے۔ اس کے علم میں ہے کہ کون حق پر ہے اور کون محض  
 گمان کی پیروی کر رہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون مخلص ہے۔ اور  
 کون عند اور غنا دیرپا ہوتا ہوا ہے۔ سب کے محاسبہ کا وقت آنے والا  
 ہے جب ان کو اپنے کئے کا جہنم کرنا ہوگا۔

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
 وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ  
 لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٧﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ  
 قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ  
 دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ  
 يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَّبَ كَذَّابٌ  
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ  
 الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ  
 مَّنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾

ترجمہ :- اور نہیں ہے یہ قرآن کھڑا ہوا اللہ کے سوا۔ یہ  
 یہ تصدیق ہے اُس کی جو اس کے سامنے ہے، اور یہ تفصیل ہے  
 کتاب کی، نہیں شک اس میں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے  
 ہے ﴿۳۷﴾ کیا کہتے ہیں یہ لوگ کہ اس قرآن کو گھڑ لیا ہے یہ اپنے پیغمبر  
 آپ کہہ دیجئے پس لاؤ ایسا سورۃ اس جیسی اور بلاؤ جس کو  
 بھی طاقت رکھتے ہو تم اللہ کے سوا، اگر تم چاہو ﴿۳۸﴾ بلکہ  
 انہوں نے جھٹلایا اس چیز کو کہ جس کے علم کا احاطہ نہیں کب  
 انہوں نے اور ابھی تک نہیں آئی ان کے پاس اس کی حقیقت

اسی طرح بٹھلایا اُن لوگوں نے جو ان سے پہلے گزے ہیں  
پس دیکھو کیا ہوا انجام ظلم کرنے والوں کا (۳۹) اور بعض ان  
میں سے وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس (قرآن) پر ، اور  
بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے اس پر ، اور  
تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اُن لوگوں کو جو فاد کرنا چاہتے ہیں (۴۰)

گزشتہ درس میں شرک اور مشرکین کی تردید ہو چکی ہے اور آج کے درس میں  
قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہے اور اس کے ساتھ رسالت کا ذکر  
ہے۔ دعوت الی القرآن اس سورۃ کا خاص موضوع ہے۔ اس کے علاوہ توحید کا  
اثبات اور شرک کا ابطال بھی خاص طور پر بیان ہوا ہے۔ ساتھ ساتھ قیامت کا وقوع  
اور اس کے متعلقات زیر بحث آئے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں قرآن کریم  
کی صداقت کے متعلق بیان ہو چکا ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ بڑی  
حکمت والی کتاب ہے اور پھر آگے چل کر آتا ہے وَإِذَا نُنشِئُ عَلَيْهِمُ  
آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا انْتِزَاعُ  
غَيْرِ هَذَا أَوْ يَدَّبْطَحُ جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو خدا کی  
علامات سے ناامید لوگ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن ہے آؤ یا اس میں  
تبدیلی پیدا کر دو جو ہم سے خدا کے مطابق ہو اور ہمارے معبودوں کا رد نہ ہو تو پھر ہم  
جسے تسلیم کر لیں گے۔ اس کا جواب اللہ نے ارشاد فرمادیا تھا۔

آج کی آیات میں بھی قرآن پاک کی صداقت اور حقانیت ہی کا بیان ہے۔ ارشاد  
ہوتا ہے وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَى مِنْ دُونِ اللَّهِ یہ قرآن  
ایسا نہیں ہے کہ گھڑا گیا ہو اللہ کے سوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے  
کے بغیر اس قرآن پاک کو کسی نے نہیں بنایا۔ مشرکین کا یہ اعتراض غلط اور محض بہتان  
ہے کہ قرآن پاک کسی کی خود ساختہ کتاب ہے۔ گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اکثر

قرآن کی  
حقانیت



مشرکین محض ظن اور تخمین کی بات کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی بھی بات سیر ہوئی۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک ظلمات سے نکال کر یجمع راستہ کی طرف راہنمائی کرنے والی کتاب ہے۔ یہ کتاب حقائق پر مبنی ہے اور علوم، معارف، احکام، قوانین اور معجزات کا مجموعہ ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت بے مثال ہے، لہذا اس کو من گھڑت کتاب کہنا بڑی زیادتی اور بد نصیبی کی بات ہے۔ فرمایا وَلَٰكِنْ تَصْدِقُ الَّذِي بَسَيْنَا بِكَ يَٰرَبُّكَ يَهِيَ الْقُرْآنُ تُرْسًا کتب سماویہ کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے۔ پہلی کتابیں اپنے اپنے وقت پر اپنے اپنے انبیاء پر نازل ہو کر ہدایت کا سایہ فراہم کرتی رہیں مگر ان کے مخاطبین اپنی مالا لقی، بددیانتی اور خیانت کی وجہ سے ان سے مستفید نہ ہو سکے، بلکہ انہوں نے ان کتابوں میں تحریف کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دی، غرضیکہ یہ قرآن پاک زبور، تورات، انجیل اور دیگر صحائف کا صدق ہے۔

تفصیل  
احکام

فرمایا ایک تریہ پہلی کتابوں کی صدق کتاب ہے اور دوسرا وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ کتاب کی تفصیل بھی ہے۔ کتاب کا تفصیلی معنی لکھی ہوئی چیز ہوتا ہے اور اس سے مراد تمام احکام کی تفصیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے نازل فرمائے ہیں۔ اور یہ تفصیل اس نوعیت کی ہے کہ اس میں تمام کتب سماویہ اور صحائف سابقہ کا خلاصہ آگیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن کتب کا خلاصہ اس آخری کتاب میں موجود ہے، اگر وہ ساری کتابیں اور صحائف منجانب اللہ اور برحق ہیں تو پھر یہ قرآن بھی برحق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کا تعلق عقیدے سے ہے یا عمل سے جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ عقائد میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی معرفت اور

اس کی توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے وقت اس کا کوئی گوشہ نشہ نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان اور ایمان اور عبادت سے متعلق ہزاروں مسائل بیان ہوئے ہیں۔ توحید کا مسئلہ نہایت واضح طریقے سے بیان کر کے شرک کا رد فرمایا گیا ہے۔ کفر و شرک کرنے والوں کے عقائد باطلہ کا پورا پورا مباحثہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ملائکہ اور کتب سماویہ پر ایمان، قیامت پر ایمان اور خیر و شر میں جانب اللہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا بھی خصوصی تذکرہ ہے۔ ان تمام چیزوں کا تعلق ایمانیات سے ہے۔

جہاں تک اعمال کی بات ہے، ان کا تعلق یا تو انسان کے ظاہر سے ہے یا باطن سے۔ ظاہر سے متعلق احکام کی تشریح و تفسیر حضور کے ارشاد میں ہے جن کی مزید وضاحت فقہائے کرام اور مجتہدین نے کی ہے۔ علم فقہ دراصل ان احکام کی توضیح ہے جن کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے یعنی ان اعمال و افعال کی تشریح ہے جو انسان کو انجام دینے چاہئیں یا جن سے انسان کو بچنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی یہی تعریف بیان کی ہے مَعْرِفَةُ الْمُفْسِرِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا النَّاسِي ذِمَّةَ دَارِيں كِتَابِي كَيْ يَكْمِلَ كَيْلَ مَفِيدٍ اور مفسر چیزوں کی پہچان کا نام فقہ ہے

انسان کے باطن سے تعلق رکھنے والی چیزوں میں اصلاحِ نیت اور اصلاحِ اخلاق سرفہرست ہیں۔ باطنی قوی، نیاتِ نفسانیہ اور ملکات کی درستگی بھی اسی ضمن میں آتی ہے۔ ان چیزوں کی تفصیل آئمہ مجتہدین اور بزرگانِ دین نے پیش کی ہے۔ انہوں نے انسان کی باطنی اصلاح کے لیے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے ملفوظات، شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی بلند پایہ تصنیفات اور خواجہ شہاب الدین

سہروردی کی کتاب عوارف المعارف، خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء نے یہ کتاب اپنے استاد سے سبقاً سبقاً اور حرفاً حرفاً پڑھی۔ سابقہ بزرگوں کی تالیفات میں سے رسالہ کثاویہ اور کتاب اللہ بلند پایہ کتب ہیں۔ متقدمین میں حضرت علی ہجویری کی کشف المحجوب ہے جس کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم کا دعویٰ ہے کہ جب کسی کو مرشد کامل کی سرپرستی حاصل نہ ہو۔ اُس کو یہ کتاب فائدہ دیتی ہے گی۔ اس کتاب میں خالق، معارف، الوہیہ اور انسانی اصلاح کے جملہ نظائر بیان کئے گئے ہیں۔ اصلاح باطن کی یہ تمام چیزیں بھی اللہ کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ بعض کا ذکر صراحتاً آگیا ہے اور بعض ضمناً مذکور ہیں۔ بعض کی تشریح اللہ کے نبی کی زبان سے ہوئی ہے اور بعض کو فقہاء اور مجتہدین نے اجتہاد و استنباط سے واضح کیا ہے چنانچہ یہ قول امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے۔

جَمِيعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لِيَكُنْ  
لِقَاصِرٍ عَنْهُ أَفْهَامُ الرِّجَالِ

قرآن پاک میں تمام علوم موجود ہیں مگر لوگوں کے فہم ان تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ بہر حال تفصیل کتاب کا مطلب یہی ہے کہ قرآن پاک میں تمام مطلوبہ احکام کی تفصیل موجود ہے۔

فرمایا یہ تفصیل کتاب ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اس کو آپ سورۃ بقرہ کی پہلی آیت سے جوڑ لیں۔ وہاں بھی یہی ہے "الَّذِي لَهُ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" یہ پوری کتاب شک و شبہ سے پاک ہے۔ شک کرنے والوں کے اپنے دماغ ٹیڑھے ہیں، ان کی عقلیں ناقص ہیں۔ ورنہ وہ اللہ کی کتاب میں شک نہ کرے اور اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں مِنْ رِبِّ الْعَالَمِينَ کہ یہ تمام جہسالموں کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے غرضیکہ یہ قرآن حکیم

شک سے  
پاک کلام



کی حقانیت کا ذکر ہو گیا۔ لوگ اعتراض کہتے تھے کہ یہ من گھڑت ہے مگر اللہ نے واضح کر دیا کہ یہ رب العالمین کی نازل کردہ ہے جو اس نے اپنے اکمل ترین بندے پر جبریل کی معرفت بھیجی۔ یہ نوح انسان کی اصلاح اور فلاح کا عظیم پروگرام ہے۔

اب آگے قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت کے متعلق مشرکین کے ساتھ بحث ہے ارشاد ہوتا ہے۔ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ کیا مشرکین یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ کا نبی اس کتاب کو خود گھڑ کر لایا ہے۔ اگر بعض اعمال ایسی بات ہے تو اے پیغمبر! قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ آپ ان سے کہ دیں کہ اس قرآن جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ۔ اور یہ چیلنج صرف تم تک محدود نہیں بلکہ وَأَذْعُوهُمْ اس قطعتم مِّنْ دُونِ اللَّهِ حسب استطاعت اللہ کے سوا جسے چاہتے ہو اپنی مدد کے لیے بلاؤ۔ تم سارے کے سارے مل کر ہی اس جیسی ایک سورۃ بنا لاؤ۔ اگر اس کو ان فی کلام سمجھتے ہو تو پھر تم بھی تو انسان ہو ایسا کلام بنا کر دکھاؤ۔ تمہارے حکماء، فصحاء، بلغاء اور دانش ور پیدا کر دو لگائیں تمہارے شاعر اپنے فن کو مکمل طور پر بروئے کار لے آئیں مگر وہ اس خدائی کلام کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ یہاں ایک سورۃ کی بات کی گئی ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِّثْلِهِ (ہود) اس جیسی دس سورتیں لے آؤ۔ اور یہاں آخری بات فرمائی کہ صرف ایک سورۃ ہی لے آؤ۔ فرمایا تم سارے کے سارے مل کر ایک سورۃ ہی لے آؤ اور پھر اس کا قرآن کے ساتھ مقابلہ کر لو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ قرآن پاک کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ رحمان کا نازل کردہ ہے۔

امام ابو بکر حبشہ فرماتے ہیں کہ یہ بہت قرآن حکیم کا معجزہ ہے چودہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر اس چیلنج کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ جن لوگوں

مثال لائے  
کا چیلنج

نے اس کی مثال پیش کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے منہ کی کھانی میں کھانا  
 نے کچھ کلام پیش کیا تو لوگوں نے اس کے منہ پر محسوس کیا اور کہا کہ تمہارا کلام غرض  
 اور بکواس محض ہے۔ جب کہ محمد کا پیش کردہ کلام علوم و معارف، دقائق  
 و حقائق اور فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ لہذا قرآن کا مقابلہ کہاں  
 کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو ہر لحاظ سے معجز ہے۔ فرمایا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ  
 اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس چیلنج کو قبول کرو اور اس کی قین آیتوں  
 والی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کی مثال ہی لا کر دکھاؤ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی  
 چیلنج موجود ہے کہ اگر سائے انسان اور سارے جن مل کر بھی قرآن کی مثال  
 لانا چاہیں لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ تو اس کی مثال نہیں لاسکتے۔ مقصد یہ ہے  
 کہ انسانی کلام کا مقابلہ تو دوسرے انسانی کلام کے ساتھ ہو سکتا ہے۔  
 کون بڑا شاعر اور ادیب ہو، مفکر اور دانشور ہو، اس کے کلام کو جانچا جا  
 سکتا ہے اور منصفین مختلف تخلیقات کی درجہ بندی کر سکتے ہیں مگر وہاں  
 مقابلہ اللہ کے کلام اور مخلوق کے کلام کے درمیان نہ ہو۔ وہاں کون فیصلہ  
 کرے گا؟ اللہ کا کلام تو تمام انسانی علوم سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

فرمایا، حقیقت یہ ہے بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِطُوا  
 بِعِلْمِهِ کہ مشرکین نے ایسی چیز کو جھٹلایا ہے جس کے علم کا انہیں احاطہ  
 ہی نہیں۔ حق بات یہ ہے کہ کسی بات میں خامی اور کمزوری کی نشاندہی ہو  
 کر سکتا ہے جس کو اس پر مکمل عبور حاصل ہو۔ مگر اللہ کے کلام پر تو کسی کا  
 احاطہ ہی نہیں۔ لہذا بغیر مکمل اور اک حاصل کیے کون اسکی تکذیب کر سکتا  
 ہے۔ لہذا اس کلام کو جھٹلانا تو نہایت ہی بے عقلی کی بات ہے۔

فرمایا ایک تو انہوں نے اس کلام کا مکمل احاطہ نہیں کیا اور دوسری  
 بات یہ ہے وَلَكَمَا يَأْتِيهِمْ تَأْوِيلُهُ کہ ابھی تک اس کی حقیقت  
 مال اور انجام بھی ان کے سامنے نہیں آیا۔ تاویل سے مراد وہ حقائق ہیں

بلا وجہ  
 تکذیب

جن کو اللہ نے قرآن میں بیان کیا اور جن کا ٹاپر ہونا ابھی باقی ہے۔ مثلاً فرشتوں اور جنات کا وجود، وقوع قیامت، حساب کتاب کی منزل، اور پھر جزا اور سزا کا فیصلہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کا دعویٰ تو قرآن نے کیا ہے مگر ان کا ظہور مستقبل میں ہونے والا ہے۔ فرمایا جب ان چیزوں کی آزمائش کا ابھی وقت ہی نہیں تو انہوں نے پہلے ہی ان کو کیسے جھٹلانا شروع کر دیا ہے، یہ تو قبل از مرگ داویطے والی بات ہے۔

فرمایا اے پیغمبر آخر الزمان! مکذبین کی یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں ہے کَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اِنْ سِئِلَ لُوْگوں نے بھی اللہ کے احکام کو اسی طرح جھٹلایا۔ سابقہ کافر و مشرک بھی واضح حقیقتوں کا انکار کرتے تھے مگر دیکھ لو کہ کیا وہ کامیاب ہو گئے فرعون، ثمود، غرود، قوم عاد و ثمود، قوم لوط اور دیگر بڑی بڑی تہذیب والوں نے اس بات کو جھٹلایا تو ان کا کیا حشر ہوا۔ دنیا میں بھی ذلیل ہوئے اور آخرت کی ابدی ذلت تو بہر حال ان کے مقدر میں ہے۔ سورۃ شعراء میں اللہ نے تمام کذب قوموں کا نقشہ کھینچا ہے اور پھر آخر میں فرمایا ہے فَاذْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِيْنَ دیکھو! ظلم کرنے والوں کا کیا بُرا انجام ہوا۔

ایماندار  
اور کافر

اب یہ ہے کہ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهِ ان میں سے بعض ایمان لاتے ہیں۔ جن کی استعداد اور صلاحیت اچھی ہوتی ہے وہ ایمان لاکر فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیمات سے مستفید ہوتے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَا يُّؤْمِنُ بِهِ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن پاک پر ایمان نہیں لاتے۔ وہ اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس پر اعتراض کہ یہ کہ لوگوں کو شک و شبہ میں ڈالتے ہیں۔ یہ ان کی سویرا استعداد اور ہڈ کنٹی ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ یہ



فسادی لوگ ہیں وَرَبُّكَ أَتٰكُم بِالْمُفْسِدِیْنَ اور آپ کا پروردگار ان  
 فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے جو لوگ قرآن پاک کو من گھڑت بتاتے  
 ہیں، وہ فسادی ہیں، وہ شریع اللہ میں خلل ڈالتے ہیں وہ من مری کو بچاتے  
 ہیں۔ فرمایا، اللہ ایسے شرارتی لوگوں کا خوب واقف ہے اور وہ انہیں ان  
 کے مال (انجام) تک پہنچائے گا۔

---

یعتدرون ۱۱

سورة یونس ۱۰

درس سیزدهم ۱۳

آیت ۴۱ تا ۴۵

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلٍ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ  
 بَرِّئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴۱﴾  
 وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ  
 وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ  
 أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْى وَلَوْ كَانُوا لَا يَبْصُرُونَ ﴿۴۳﴾  
 إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ  
 يَظْلِمُونَ ﴿۴۴﴾ وَلَيَوْمَ يحْشُرُهُمْ كَانٌ لَّمْ يَلْبَثُوا  
 إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ  
 خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ :- اور (اے پیغمبر) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں ، پس آپ  
 کہہ دیجئے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل  
 ہے ۔ تم بڑی ہو اُس چیز سے جو میں کرتا ہوں ، اور میں بری ہوں  
 اُس چیز سے جو تم کرتے ہو ﴿۴۱﴾ اور بعض ان میں سے وہ  
 ہیں جو کان رکھتے ہیں آپ کی طرف ۔ تو کیا آپ سنائیں گے  
 بہروں کو اگرچہ وہ نہ عقل رکھتے ہوں ﴿۴۲﴾ اور بعض ان میں  
 سے وہ ہیں جو نگاہ رکھتے ہیں آپ کی طرف ۔ پس کیا آپ  
 رہنمائی کریں گے اندھوں کی اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں ﴿۴۳﴾ بیشک

اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ بھی، لیکن لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں (۴۴) اور جس دن اللہ تعالیٰ اُن کو اکٹھا کرے گا تو ان کو ایسا معلوم ہو گا گویا کہ وہ نہیں بٹھریں مگر ایک گھڑی بھر دن میں۔ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ تحقیق نقصان میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو اور نہیں تھے وہ راہِ راست پر (۴۵)

ربط آیات

ابتداء میں قرآن کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا، پھر درمیان میں توحید کا مسئلہ بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل دیے اور شرک کا رد فرمایا۔ اس کے بعد پھر قرآن کی حقانیت کا تذکرہ آیا، اس کا منزل من اللہ ہونا اور غلطی سے مبرا ہونا بیان کیا گیا۔ پھر تکذیب کرنے والوں کی مذمت ہوئی۔ اب آج کے درس میں اور اگلی آیات میں مسئلہ رسالت اور قیامت کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مکی سورتوں میں بنیادی عقائد، ایمانیات اور اخلاقیات ہی کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ان سورتوں میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت، اُس کی ذات و صفات اور ایمان کی جملہ جزئیات کا ذکر آتا ہے۔ عقائد باطلہ اور رسومات باطلہ کی جگہ جگہ تردید آتی کفار و مشرکین انبیاء کی نبوت و رسالت سے متعلق طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے تھے اور رسالت کی تکذیب کرتے تھے۔ تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مکہ بن کے متعلق فرمایا وَإِنْ كَذَّبُوا اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ اس سے گھبراہٹیں نہیں کیونکہ تکذیب کا سلسلہ شروع سے آرہا ہے۔ کفار و مشرکین نے ہمیشہ توحید، رسالت، وحی الہی اور وقوع قیامت کو جھٹلایا۔ تکذیب رسالت کے ضمن میں مشرک کہتے تھے کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو، ہم تجھے نبی کیسے مان لیں؟ تمہاری ظاہری حالت بھی اچھی کوئی نہیں ہے۔ مالی پوزیشن بھی بہتر نہیں، تمہارے پاس مال و دولت نہیں، نوکر چاکر نہیں، کوئی کوٹھی، بنگلہ اور باغات نہیں۔ آخر کس بات پر تمہیں رسول مان لیں۔ دراصل

تکذیب رسالت



مشرکین ہمیشہ اس باطل زعم میں مبتلا رہے ہیں کہ کہ نبی اور رسول وہ شخص ہوکتا ہے جو اچھا خاصا کھانا پیتا، صاحب جائیداد، امیر کبیر، اعلیٰ حیثیت اور بڑے غنا و ان سے تعلق رکھتا ہو۔ کہتے تھے کہ اگر نبی ہوتا تو مکے اور طائف جیسی دو عظیم بستیوں میں سے کوئی بڑا سردار ہوتا۔ کیا اللہ کے پاس نبوت کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ اسی بنا پر وہ لوگ حضور خاتم النبیین کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔

فرمایا، اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو اے پیغمبر! فَقُلْ اَنْتُمْ سَاءَ كَارِهِيں كُنْتُمْ عَمَلِيْ مِيرے لیے میرا عمل ہے یعنی میں اپنے عمل کا ذمہ دار ہوں۔ میرے عمل کے بارے میں تم سے باز پرس نہیں ہوگی۔ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے۔ فرمایا، یاد رکھو! اَنْتُمْ بَرِيْئُونَ مِمَّا اَعْمَلْتُمْ تم ان کاموں سے بیزار ہو۔ جو میں انجام دیتا ہوں۔ وَاَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ اور میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم انجام دیتے ہو۔ ہر ایک کو اپنے اپنے عمل کی ذمہ داری اٹھانا ہوگی۔ میں اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوں۔ اگر میں نے کوئی غلطی کی یا افتراء باندھا تو اس کی جواب دہی میں کروں گا اور تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو گے لیکن یاد رکھو! اگر تم نے حق و صداقت کی تکذیب کی تو حیدر رسالت کو جھٹلایا، معاد کا انکار کیا، تو اس کا جھگڑنا تم کو کرنا ہوگا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب حق ظاہر ہو جاتا ہے تو اس کے مخالفین اس پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے ہیں اور اس کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں یہ بات ہمیشہ سے چلی آرہی ہے، لہذا طعن و تشنیع کرنے والوں سے زیادہ الجھنا نہیں چاہیے۔ تکذیب کرنا باطل پرستوں کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے اسی لیے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو اور میں اپنے عمل کا سب سے پہلے اپنے اعمال کا جلد ہی حساب چکانا پڑے گا۔



فِ الصُّدُورِ۔ یاد رکھو! اکثر ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینوں میں پڑی ہوئی دل کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کے دل میں اچھی بات جتنی ہی نہیں۔ جو شخص بصیرت سے محروم ہو، وہ کسی اچھی چیز سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ خالی سنا اور خالی دیکھنا مفید نہیں جب تک انسان کے قلب کے کان اور آنکھیں کھلی نہ ہوں۔ جب تک کسی نیکی کی طلب اور شوق نہ ہو، اچھی سے اچھی بات بھی اثر نہیں رکھتی اسی لیے فرمایا کہ ظاہری سنا اور دیکھنا اُس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک دل متوجہ نہ ہو۔

مستشرقین  
کی رائے دہندہ

اس زمانہ کے مستشرقین پر یہ بات بالکل صادق آتی ہے۔ یہودی، عیسائی اور ہندو اہل قلم سیرت پاک پر قلم اٹھاتے ہیں بڑی بڑی اسلامی کتابوں کے دیباچے لکھتے اور ثابوت کمرے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ تعصب نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے بھی اسلامی اصولوں کے معترف ہیں۔ مگر یہ ان کی محض چالاکی ہے۔ ان کے کان بھرے اور دل کی آنکھیں اندھی ہیں، لہذا وہ حق کو دل سے قبول نہیں کرتے بلکہ اسلام کی حماقت کی آڑ میں اس پر شب خون مارتے ہیں۔ بظاہر کسی تصنیف کا دیباچہ پڑھیں تو یہ لوگ بڑے منصف مزاج نظر آئیں گے مگر اس کتاب کے اندر اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام پر کیک چلے پائیں گے۔ روسیوں کا حال بھی یہی ہے۔ بظاہر وہ قرآن پاک کی عزت کرتے ہیں مگر اسلام کو رجعت پسندانہ مذہب قرار دیتے ہیں اور پیغمبر اسلام کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ اُس زمانے کے نبی تھے ان کی تعلیمات اس زمانے کی ضروریات پوری نہیں کر سکتیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے۔ ظاہر میں وہ سنتے اور دیکھتے بھی ہیں، مگر اندر تعصب اور خباثت بھری ہوئی ہے۔

خود فہمی

مشرکوں کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ وہ بھی دل کے بھرے اور اندھے



ہیں اور اسی لیے حقیقت سے محروم ہیں۔ ان کے دل کے کان اور دل کی آنکھیں بند ہیں، اس لیے ان کو کوئی چیز فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ فرمایا إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا يَشْكُ اللَّهُ تَعَالَى تُولُوْا كُوفٍ بِرُؤُوسِهِمْ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، وَلٰكِنْ النَّاسُ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ بکہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ خود ایسے اسباب مہیا کرتے ہیں جن کی بنا پر جہنم کے مستحق بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ يَدَيْكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَدْرٍ (الحج) یہ تو تیری اپنی کمائی ہے جو تیرے ہاتھوں نے کی مگر نہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر کبھی زیادتی نہیں کرتا، وہ تو نہایت ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ مگر یہ خود انسان ہیں جو اپنی کارکردگی کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنتے ہیں جو فکر اور عقیدہ تم نے اپنایا اور جو اعمال فاسدہ انجام دیے، یہ اپنی کاثر ہے۔ اے مجھ کو۔ فرمایا فَأَصْبِرُوا أَوَّلًا قَصَبًا فَإِنْ سَوَّاهُ عَلَىٰ كُوفٍ (الطور) تم صبر کرو یا نہ کرو۔ اب تمہارے لیے برابر ہے۔ تمہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ تم نے قرآن اور پیغمبر اسلام کی تکذیب کی آج کے دن کو جھٹلایا، مٹا لیا، الہ کا انکار کیا، خدائی قانون کی پروا نہ کی، اب یہ تمام چیزیں جمع ہو کر تمہارے لیے عذاب کا مہنی بنیں گی۔

فرمایا آج تو تم دندلتے پھرتے ہو، قرآن اور رسالت کی تکذیب کرتے ہو اور اسی زندگی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہو، مگر یاد رکھو! وَيَوْمَ يُجْشَرُ لَهُمْ جِسْمُ رَبِّهِمْ جس دن ہم ان کو اکٹھا کریں گے۔ دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے حاضر کریں گے۔ اس دن انہیں احساس ہوگا۔ كَأَنَّمَا لَكُمْ يَلِكُم مِّنَ النَّهَارِ کہ ہم تو دنیا میں ایک گھنٹری بھر کھڑے۔ ہماری دنیاوی زندگی تو نہایت ہی قلیل تھی۔ دنیا کی پوری پچاس۔ ساٹھ یا سو سالہ زندگی ایسی محسوس ہوگی جیسے کوئی شخص گھنٹہ

عمر  
زندگی

دو گھنٹے خوش گپیوں میں گزار دیتا ہے۔ دوسری جگہ غنی کا لفظ آتا ہے یعنی دنیا کی زندگی کی طوالت اس قدر معلوم ہوگی جیسے کوئی شخص دوپہر کے وقت معذور آسا آرام کر لیتا ہے یا جیسے پچھلے پہر کا معذور آسا وقت ہوتا ہے اس کی وجہ تب ہے کہ آخرت کے دردناک عذاب کے پیش نظر زندگی بھر کا عیش و آرام نہایت حقیر نظر آئے گا۔

خدا کے حضور  
بے بسی

پھر دوسری بات اللہ نے یہ فرمائی يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ مَكْذِبِينَ ایک دوسرے کو پہچانیں گے لیکن کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ (الزخرف) وہ سب ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے البتہ متقی لوگ کسی کے کام آسکیں گے۔ وہ خدا کی بارگاہ میں سفارش کریں گے حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن اپنے بھائیوں کو جہنم سے چھڑانے کے لیے خدا کی بارگاہ میں التماس کریں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کے یہودیوں کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے کہ جب وہ خدا کے حکم کے مطابق ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے باز نہ آئے تو اللہ نے ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں تشکل کر دیا۔ اگرچہ ان کی شکلیں تبدیل ہو چکی تھیں، وہ بول نہیں سکتے تھے مگر اپنے عزیز و اقارب کو پہچانتے تھے اور حرکات و سکنات سے مدد کے لیے پکارتے تھے، مگر کوئی ان کی مدد نہ کر سکا۔ قیامت کا حال بھی ایسا ہے۔ مجرمین اپنے عزیزوں کو پہچانیں گے، ان سے تعارف ہوگا مگر جو تک وہ دنیا میں کفر و شرک کا ارتکاب کرتے رہے، ظلم و زیادتی کو اپنے رکھا، براخلاقی اور بدکرداری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ لہذا یہ تعارف کچھ مفید نہیں ہو گا۔ اور انہیں اپنے کیے کی سزا مل کر رہے گی۔

انکاء معاد

فَرَأَى قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ بَشِكْ خَارِ سَے  
میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا۔ گویا تکذیب و ریا

کے ساتھ تکذیب معاد کا ذکر بھی آگیا۔ انہوں نے قیامت کو برحق تسلیم نہ کیا  
 اور محاسبے کے عمل پر یقین نہ کیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ محاسبے  
 کے وقت ہر آدمی خود جواب دیگا اور درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔  
 ”يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ حُجَّادًا عَنْ نَفْسِهَا“ (النحل) ہر  
 نفس سزا پنا جواب خود دینا ہوگا، وہاں پر کوئی وکیل میسر نہیں آئے گا جو کسی  
 مجرم کی طرف سے جواب دعویٰ داخل کر دے۔ اس وقت ہر شخص کے  
 دائیں بائیں اور آگے پیچھے وہی کچھ ہوگا جو اس نے اس دنیا میں کیا یا فرمایا  
 وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ یہ لوگ ہدایت یافتہ نہیں تھے۔ اس دنیا میں  
 وہ گمراہی میں پڑے رہے، کج روی اختیار کی، آیات الہی کی تکذیب کی،  
 معاد کا انکار کیا، تو آج محنت خسارے میں ہوں گے اور ابدی عذاب میں مبتلا  
 ہو جائیں گے۔

---



يعتذرون ۱۱

دیس چار دہم ۱۴

سورة یونس ۱۰

آیت ۴۶ ۴۷ ۴۸

وَأَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ  
فَالْيُنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾  
وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ  
بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا  
الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي  
ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ  
إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا  
يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَآثًا  
أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَلَمْ  
إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ أَلَمْ تَكُنْتُمْ بِهِ  
تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا  
عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ  
تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَبْشِرُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قُلْ إِيَّا  
وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقُّهُ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾

موقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
موقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
موقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: اور اگر ہم دیکھا دیں آپ کو وہ چیزیں جن کا ہم  
ان سے وعدہ کرتے ہیں یا پھر ہم آپ کو وفات دے دیں،  
پس ہماری طرف ہی ان کا لوٹ کر آنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ گواہ

ہے اُن کاموں پر جو یہ کرتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور ہر ایک امت کے لیے رسول ہوتا ہے۔ پس جب آئے اُن کا رسول تو فیصلہ کیا جاتا ہے اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر زیادتی نہیں کی جاتی ﴿۴۷﴾ اور کہتے ہیں یہ لوگ کب آئیں گے وعدہ اگر تم سچے ہو ﴿۴۸﴾ (لے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، نہیں ملک میں اپنے نفس کے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا، مگر جو اللہ چاہے۔ ہر ایک امت کے لیے وقت مقرر ہے۔ پس جب آجائے مقررہ وقت ان کا، پس نہیں بیچے ہوتے گھڑی بھر اور نہ آگے ﴿۴۹﴾ آپ کہہ دیجئے، بلاؤ اگر آجائے تمہارے پاس اس کا عذاب رات کے وقت یا دن کے وقت، مجرم لوگ اس سے کیا جلدی کرتے ہیں ﴿۵۰﴾ پھر کیا جس وقت وہ واقع ہو گیا تو اس پر ایمان لاؤ گے۔ (تو کہا جائے گا) اب، اور تحقیق تم تھے اس کے ساتھ جلدی کرنے والے ﴿۵۱﴾ پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا، پکھو ہمیشہ کا عذاب۔ نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اُن باتوں کا جو تم کہاتے تھے ﴿۵۲﴾ اور آپ سے خبر پوچھتے ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟ آپ کہہ دیجئے، ہاں، اور مجھے میرے رب کی قسم یہ تو حق ہے۔ اور نہیں تم عاجز کر سکتے والے ﴿۵۳﴾

درجہ آیات توحید کے بیان کے بعد قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے نبوت و رسالت کے کذبین کا رد کیا، اُن کے شکوک و شبہات کو دور کیا اور ساتھ قیامت کا ذکر بھی کیا، فرمایا، آج یہ لوگ بڑے اعتراض کرتے ہیں مگر جب قیامت کے دن اکٹھے کیے جائیں گے تو خیال کریں گے کہ دنیا میں گھڑی بھر ٹھہرے

پھر آئے عذاب کا لامحہ دو سلسلہ نظر آئے گا تو اس کے مقابلے میں اس دنیا اور  
برزخ کی زندگی کو نہایت مختصر عرصہ سمجھیں گے۔ وہاں ایک دوسرے کو  
پہچانیں گے۔ فرمایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات یعنی قیامت کے دن کی  
تکذیب کی وہ ابدی عذاب میں مبتلا ہو کر بڑے خسارے میں رہیں گے۔ اب  
آج کے درس میں بھی قیامت اور عذابِ آخرت کا ذکر مختلف انداز سے  
کیا گیا ہے۔

بعض موعیہ  
کا اظہار

ارشاد ہوتا ہے وَمَا تَرْيَاكَ لَبِئْسَ الَّذِي نَعِدُهُمْ  
اور جب ہم دکھادیں گے آپ کو وہ چیزیں جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے  
ہیں یعنی نافرمانوں کی گرفت اور عذاب سے متعلق بعض حصوں کا اظہار  
ہوگا۔ جو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض حقائق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات  
مبارکہ میں ہی ظاہر ہو جائیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ اور عرب کے دوسرے سرغنوں  
کا غرور و تکبر اللہ نے آپ کی زندگی میں بدر کے مقام پر ٹوڑ کر رکھ دیا۔ فرمایا  
تم کس شان و شوکت کے ساتھ مسیحی بھرمناؤں کو صفو ہستی سے ناپید کرنے کے  
لیے آئے تھے مگر اللہ نے تمہیں ایسی ذلت ناک شکست سے دوچار کیا جو  
تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ فرمایا ایک صورت یہ بھی ہے۔

أَوْ تَتَوَفَّيْتُمَا يَا هُم آپ کو اس دنیا سے اٹھالیں اور اس کے بعد اللہ کے  
وہ وعدے پورے ہوں جن سے ان مکہ بین کو ڈرایا جاتا ہے چنانچہ شاہ عبدالقادر  
فرماتے ہیں کہ اللہ نے اکثر باتوں کو حضور کے بعد خلفائے راشدین کے دور  
میں پورا کیا۔ قیصر و کسریٰ کی شکست اور دنیا کی باقی طاقتوں پر اسلام کا اجتماعی غلبہ  
خلفائے راشدین کے زمانے میں ہی مکمل ہوا۔ یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے  
اللہ نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجرمین کی سزا ہم آپ  
کو آپ کی حیات مبارکہ میں دکھادیں یا آپ کے بعد ظاہر کریں ہر صورت  
میں فَالْيُسْنَا مِّنْ جِجْهْمُ اُن سب کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر

خدا کے  
ہاں مہزی



آئیں۔ آخری بات یہی ہے کہ دنیا کے معاملات کوئی بھی ڈھنگ اختیار کریں، بالآخر ہر اچھے برے کو ہماری ہی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اگر اس دنیا میں کوئی چیز ظاہر نہ ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ منکرین اور مکذبین ہماری سزا سے بچ جائیں گے بلکہ انہیں ہماری پستی سے مفر نہیں ہوگا ثُمَّ اللّٰهُ شَهِدَ عَلٰی مَا يَفْعَلُونَ پھر اللہ تعالیٰ اس چیز پر گواہ ہوگا۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی ہر حرکت کو جانتا ہے اور وہ ملاقات کے وقت سب کچھ ظاہر کر دے گا۔ بہر حال اس حملے میں مجرمین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ یہ نہ خیال کریں کہ وہ اپنی قبیح حرکات کی سزا سے بچ جائیں گے، بلکہ انہیں لازماً اپنے کیے کا بدلہ چکھنا ہوگا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے منکرین پر ایک اور انداز سے زجر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ہر امت قوم اور گروہ کے لیے رسول مبعوث کیا جاتا ہے۔ اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ نے آخری امت کے لیے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ فرمایا۔ فَإِذَا جَاءَهُمْ رُسُلُهُمْ جب کسی قوم کے پاس رسول آ جاتا ہے تو وہ اپنی قوم کو اپنی زبان میں حق و باطل سے آگاہ کرنا ہے یہی اور بدی کی تمیز سکھانا ہے۔ حلال و حرام کے احکام بتانا ہے اور پھر جب قوم اپنے رسول کی باتوں کو ٹھکرا دیتی ہے فَقَضٰی بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ تو ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جاتا ہے وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی بلکہ ان کو ان کے کردہ اعمال ہی کی سزا دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں اتمام حجت کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ (ابراہیم) ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو اچھی طرح سمجھائے اور پھر ان کے لیے کوئی عذر

ہر امت  
کے لیے  
رسول

باقی نہ ہے اگر نبی کسی غیر زبان میں آتا تو قوم اعتراض کر سکتی تھی کہ وہ نبی کی بات پوری طرح سمجھ نہیں سکے تھے اس لیے اس کے اتباع سے محروم ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کو پہلے ہی رفع فرما دیا، اور ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں کہہ کر مبعوث فرمایا۔ پھر دوسرا اصول اللہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا رَبُّنَا اسرائیل ہم کسی قوم کو سزا میں مبتلا نہیں کرتے جب تک وہاں رسول نہ بھیج دیں، جو قوم کے لیے انذار و تبشیر کا فریضہ انجام دیتا ہے اس کے بعد بھی اگر قوم تکذیب کی مرتکب ہوتی ہے تو پھر وہ عذاب کی حقدار بن جاتی ہے۔

اللہ کا عذاب مختلف طریقوں سے آتا ہے۔ کبھی اللہ اس دنیا میں خود مومنوں کے ہاتھوں سے مجرموں کو سزا دے دیتا ہے جیسا کہ سورۃ توبہ میں گزر چکا ہے کہ خدا تعالیٰ تو اس بات پر قادر ہے کہ مجرمین کو خارجی طور پر سزا دے یا يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ بِأَيِّ ذَنبٍ كُفُّوا یا خود مومنوں کے ہاتھوں سے انہیں سزا میں مبتلا کر دے، وہ اپنی حکمت کے مطابق ہر بات کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو فرمایا جب کسی قوم کے پاس رسول آجاتا ہے اور وہ فریضہ تبلیغ ادا کر دیتا ہے تو پھر ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جاتا ہے۔ نہ کسی کے اجر میں کمی کی جاتی ہے اور نہ کسی کے ناکردہ گناہوں کا بوجھ اس پر ڈالا جاتا ہے۔ بلکہ اللہ کی عدالت میں عدل و انصاف کی بالادستی ہوتی ہے۔

عذاب کی  
فرمانش

مشرکین کی بنیسی دیکھو کہ جب انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے فَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ کہ عذاب آجائے گا وعدہ کب پورا ہو گا۔ کہتے تھے ہم تمہاری دھمکیوں کی پروا نہیں کرتے لہذا جس عذاب سے ڈراتے ہو اس کو لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دو

ظہریوں سے دیا ہے۔ پہلی بات یہ فرمائی قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا  
 وَلَا نَفْعًا لِّمُغِيرٍ! آپ ان کے سوال کا جواب یہ دیں کہ میں اپنے نفس  
 کے لیے کسی نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔ تم اپنے لیے عذاب کا  
 مطالبہ کر رہے ہو مگر عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ  
 تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کے مطابق اپنے وقت پر آتا ہے میں تو اپنی  
 ذات کو فائدہ پہنچانے یا نقصان کو دور کرنے پر بھی قادر نہیں ہوں چہ جائیکہ  
 تم پر عذاب سے آؤں إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ بجز اللہ کے حکم کے۔  
 اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم یا فرد کو سزا دینا چاہے تو وہ مختارِ کل ہے  
 اپنی مشیت کے طور الیا کہہ نے پر قادر ہے۔ وہ جب اور جس طرح چاہے  
 سزائے۔ انسانوں کو تو اس کی سزا کی نوعیت کا بھی علم نہیں ہوتا۔ یہ تمہاری  
 ہمت و دھرمی ہے جو سزا کا مطالبہ کرتے ہو۔

ایک مقرر  
 وقت

عذاب لانے کے سلسلے میں اللہ نے دوسری بات یہ فرمائی  
 لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ہر قوم کی سزا کے لیے ایک وقت معین ہے  
 إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ  
 جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھنٹی بھر بھی نہ وہ پیچھے ہوتے  
 ہیں اور نہ آگے۔ عین وقت پر ان کا کام ہو جاتا ہے۔ نافرمانوں کی گرفت  
 سیلاب اور طوفان کی طرح اچانک آتی۔ سے اور وہ پکڑے جاتے ہیں انان  
 کی انفرادی موت اور قیامت کی مجموعی موت بھی اچانک ہی آجی۔ سورۃ اعراف  
 میں ہے لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً یہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے  
 گی کسی کو معلوم نہیں کہ موت کس وقت آجائے۔ لہذا ہر صاحب عقل و شعور کو  
 خبردار کر دیا گیا ہے کہ وہ اس اچانک موت کے لیے ابھی سے تیار کرے  
 بہر حال مشرکین کے جواب میں پہلی بات یہ فرمائی کہ میرا اختیار نہیں ہے۔  
 عذاب لانا اللہ کے اختیار میں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہر چیز کیلئے



ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو آگے پیچھے نہیں ہوتا بلکہ عین وقت پر وہ بات ہو جاتی ہے۔

عذاب کی  
پانچ باتیں

اللہ نے یہ بھی فرمایا: لَيْسَ بِغَيْرِ قَوْلٍ اَوْ يُسْمِعُ اَنْ اَسْكُمُ عَذَابُهُ بَيِّنًا اَوْ يُهَارَا اَبْ كَمْ دِيں اگر آجائے اللہ کا عذاب رات کو یا دن کے وقت مَاذَا اَيَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ تو مجرم لوگ اس عذاب میں سے کس چیز کے بارے میں جلدی کرتے ہیں کیا عذاب کوئی اچھی چیز سے جسے طلب کرتے ہیں۔ عذاب تو بہر حال عذاب ہے یہ جس وقت بھی آئے گا پھر چھوڑے گا نہیں۔

اس آیت کریمہ میں رات کے لیے لیل کی بجائے بیات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بیات کے دو معنی آتے ہیں یعنی رات گزارنا اور دشمن پر شب خون مارنا۔ جس طرح دشمن کو سزا دینے کے لیے رات کے آخری حصے میں شب خون مارا جاتا ہے، اسی طرح یہ آیت بھی دہمکی آمیز ہے کہ رات کے وقت ان پر پانچ عذاب آجائے تو وہ اس میں سے کیا چیز پسند کرتے ہیں؟

فرمایا اَشْعَرًا اِذَا مَا وَقَعَ اَمْنَتُمْ بِهِ کیا تم اس وقت ایمان لاؤ گے جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا۔ اگر تمہارا ارادہ یہی ہے کہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لاؤ گے تو اس وقت ایمان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور کہا جائیگا: اَلَنْ كُنَّا اَبْ اِيْمَانٍ لَّاسْتُمْ بِوَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ حالانکہ اس وقت تو کہتے تھے کہ عذاب جلدی کیوں نہیں آتا۔ جب عذاب نازل ہونا شروع ہو گیا تو بعض کو اس پر یقین آگیا اور وہ ایمان لے آئے مگر اس وقت کا ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوتا۔ اسی سورۃ میں آگے فرعون کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو کہنے لگا کہ اب میں ایمان لا رہا ہوں مگر اللہ کا حکم ہوا اَلَنْ وَقَدْ عَصَيْتَ

قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ فرمایا اب کلمہ پڑھ سبے ہو، تمہاری ساری عمر تو غنڈہ گردی میں گزری، اس وقت کا ایمان لانا مقبول نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے تَوْبَةُ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُعْزِغْ نَبْذَہُ کی توبہ اس وقت تک مقبول ہوتی ہے جب تک غرغره طاری نہ ہو جائے جب اللہ کے فرشتے آجاتے ہیں، جان نکلنے لگتی ہے اور غیب کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔

فرمایا ثَقَّ قَتِيلٌ لِلدِّينِ ظَلَمُوا پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ اب ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ تم کفر، شرک اور تکبر کر رہے تھے اور جب تک عذاب ظاہر نہ ہوا تم نے ایمان قبول نہ کیا، لہذا اب تمہیں ہمیشہ کے لیے عذاب کا مزہ اچکھنا ہے، یہ قتل نہیں سکتا۔ اور یاد رکھو اَهْلُ تَجْوُونَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ تم کو نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر اس چیز کا جو تم کما تے تھے یہ عذاب تمہارے اپنے ہاتھوں کی کھالی کا نتیجہ ہے۔ حدیث شریف میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ تُحْصِيهَا عَلَيْكُمْ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں نے شمار کر رکھا ہے۔ آج تمہیں ان کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا۔

ٹھیک  
ٹھیک بدلہ

آگے اللہ نے مجرمین کے تسمیر آمیز لہجے کا ذکر فرمایا، اے پیغمبر! وَيَسْتَبِشُّوْكَ اَحَقُّ هُوَ يَهْدِي لَوْ كُنْتَ اَبْرًا سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب کا آنا واقعی برحق ہے۔ اللہ نے جواب میں فرمایا، اے پیغمبر! قُلْ اِنِّي وَرَیْتُ اِنَّهُ لَحَقٌّ اَبْرًا میں نے دیکھا کہ حق ہے، ہاں! میرے رب کی قسم یہ عذاب برحق ہے اور واقع ہو کر رہے گا۔ مجرموں کو ضرور سزا ملے گی، قیامت برپا ہوگی اور وہ بچ نہیں سکیں گے۔ سن رہا، یہ نہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی کسی حکیم کو ناکام بنا کر بچ جائیں گے۔ وَمَا اَنْتُمْ بِ

بِمُعْجِزَاتِنَا قَمِ الشُّرُوعَ الَّتِي كَوْنًا جَزَّيْنِ بِنَا سَكْتِ يَعْنِي اس كِي تَدْبِير كُونَا هَام  
 نَبِيَس بِنَا سَكْتِ، تَمْدِيَس تَوْحِيد، رَسَالَت اور مَعَاد كِي انكَار كِي سُرْأَصْر دَرِیْطِ كِي

---



یعتذرون ۱۱

سورة یونس ۱۰

درس پانزدہم ۱۵

آیت ۵۴ تا ۵۶

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ  
 بِهِ، وَاسْتَرَوْا النَّدَامَةَ لَكُمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ وَقُضِيَ بَيْنَهُمُ  
 بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾ إِلَّا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ إِلَّا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ  
 وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ  
 وَلِلَّهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ :- اور اگر ہر نفس کے لیے جس نے ظلم کیا  
 ہے جو کچھ زمین میں ہے اور پھر وہ فرد جسے اس کے ساتھ  
 (تو پھر بھی بچاؤ کا کوئی سامان نہیں ہو گا) اور چھپائیں گے وہ  
 شرمندگی کو جب کہ دیکھیں گے عذاب کو اور فیصلہ کیا جائے گا  
 ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا ﴿۵۴﴾  
 سنو! بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور  
 جو کچھ زمین میں ہے۔ سنو! بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے لیکن  
 اکثر ان میں سے نہیں جانتے ﴿۵۵﴾ وہی زندہ کرتا ہے، اور  
 موت طاری کرتا ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹنے  
 جاؤ گے ﴿۵۶﴾

رہط آیات پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک کرنے والوں کی تردید فرمائی۔ پھر رسالت کے منکرین  
 اور قیامت کے محاسبے کا ذکر کیا، عذاب کو جلد ہی طلب کرنے والے کفار و مشرکین

کے متعلق فرمایا کہ جب سزا آجائے تو اس وقت ان کا ایمان لانا قابل قبول نہ ہوگا اور وہ سزا سے بچ نہیں سکیں گے بعض شرکین پوچھتے تھے کہ کیا قیامت واقعی برحق ہے اور سزا و جزا کامرمانے والا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ تاکید کے ساتھ کہہ دیں ہاں قیامت برپا ہونے والی ہے اور تم اللہ کی کسی تدبیر کو عاجز نہیں کر سکتے۔ سورۃ سبا میں آتا ہے کہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی مگر اللہ نے فرمایا قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَآتِیْتُکُمْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں۔ میرے رب کی قسم قیامت ضرور آئے گی۔ سورۃ تغابن میں فرمایا زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا کافر لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے جواب میں فرمایا قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَیُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبِّیْنَ بِمَا عَمِلْتُمْ وَاٰذِلْکَ عَلٰی اللّٰهِ یَسِیْرٌ آپ کہہ دیں، کیوں نہیں۔ میرے رب کی قسم تم مرنے کے بعد ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ تمہیں تمہارے تمام اعمال سے اکاؤنٹ کر دیا جائیگا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ وہ لوگوں کو دوبارہ زندہ بھی کرے گا اور ان سے حساب بھی لے گا۔

ظلم کا  
فدیہ

اللہ نے فرمایا کہ اب تو لوگ اکٹرو کھاتے ہیں، غرور و تکبر کا اظہار کرتے ہیں، توحید، رسالت اور معاد کا انکار کرتے ہیں مگر جب قیامت برپا ہوگی تو ایسے لوگوں کے لیے کوئی جائے امان نہیں ہوگی اور یہ اپنی جان کے بد سے بڑے سے بڑا معاوضہ دے کر بھی گلو خلاصی نہیں کر سکیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ اَنَّ لِکُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ اَکْرَهَ ظَالِمٍ نَّفْسٍ کے لیے وہ سب کچھ ہو مافی الارض جو کہ زمین میں اس وقت موجود ہے اور وہ یہ سب کچھ ادا کر کے بھی جان بچانا چاہیں گے تو فرمایا لَا فَتْدَتْ بِہٖ تُو اس سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا: دوسرے

مقام پر آتا ہے "مَا تَقْبَلُ مِنْهُ" یعنی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا  
 ظلم بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ سب سے بڑا ظلم نو کفر اور شرک ہے  
 سورۃ بقرہ میں ہے "وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ" کفر کرنے  
 والے لوگ بڑے ظالم ہیں۔ شرک کے متعلق سورۃ لقمان میں "إِنَّ  
 الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" یاد رکھو! شرک بہت عظیم ظلم ہے۔  
 امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ کفر اور شرک بہت بڑے ظلم ہیں اس کے  
 بعد اعمال میں ظلم ہوتا ہے۔ کسی کے ساتھ زیادتی کرنا، کسی کی جان و مال  
 پر دھکم پور کرنا، بے آبرو کرنا، فرائض کو ترک کرنا، مار پیٹ غرضیہ چھوٹی  
 سے چھوٹی لغزش اور بڑے سے بڑے گناہ پر ظلم کا اطلاق ہوتا ہے  
 تاہم اس مقام پر ظلم سے مراد کفر اور شرک کا ارتکاب ہے۔ جو لوگ اللہ  
 کی توحید، رسول کی رسالت، معاد اور حشر نشر کا انکار کرتے ہیں۔ وہ  
 ظالموں کی فہرست میں آتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا جس کسی نے بھی ظلم کیا ہو  
 وہ اگر زمین بھر کی چیزیں بھی فدیہ میں دے کر اپنی جان عذاب الہی سے  
 چھڑانا چاہے گا تو ایسا نہیں کر سکے گا۔ اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ پوری زمین  
 کا مال و دولت، اس کے رفیعے اور خزانے کسی ایک شخص کی ملکیت  
 میں آجائیں۔ اور اگر بغرض محال اگر ایسا ہو بھی جائے اور وہ شخص یہ سب  
 کچھ اپنی جان کے بدلے قربان کرنا چاہے تو اس سے ہرگز قبول نہیں  
 کیا جائے گا۔ مطلب یہ کہ ہر شخص کو اس دنیا میں کرمہ اعمال کا خمیازہ بہر حال  
 بھگتنا ہوگا، اور اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ سورۃ مائدہ  
 میں ہے "لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَتَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ  
 مَعَهُ لَعَنِ زَمِينَ بِحَرِّ دُحُلِ مَالٍ بَعِيٍّ أَلَّا يَكْفُرُوا" اس کے پاس ہو "مَا تَقْبَلُ  
 مِنْهُ" پھر بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ دنیا میں کسی جرم سے بچ  
 نکلنے کے کوئی راستے ہیں۔ کہیں سفارش ہے۔ کہیں رشوت ہے۔ کہیں



طاقت کے بل پر جلیں توڑ دی جاتی ہیں مگر خدا تعالیٰ کی عدالت میں ایسا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوگا۔ ظلم کرنے والے ضرور پکڑے جائیں گے اور مبتلائے عذاب ہوں گے۔ اگر لوگ اس دائمی عذاب سے بچنا چاہتے ہیں، تو انہیں چاہیے کہ اسی دنیا میں ایمان سے آئیں۔ ظلم و تعدی سے توبہ کر لیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد پر کار بند ہو جائیں، اس طرح وہ آخرت کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔

بعد از وقت  
ندامت

فرمایا اللہ کے دربار میں ظلم کرنے والوں کی حالت یہ ہوگی وَ اَسَىٰ سَوَاءَ التَّدَامَةِ لَمَّا رَاُوا الْعَذَابَ جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو پھر اپنی ندامت کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ اس دنیا میں تو بڑے طعناں سے بہتے تھے اور ظلم و زیادتی کرتے وقت کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے مگر حشر کے میدان میں جب مجرموں کے کھڑے میں کھڑے ہوں گے تو پھر اپنے نوکر چاکر و ملازموں، ماتحتوں و واقفان اور گھمراہوں سے شرمسار ہوں گے کہ وہاں تو ہم ان پر حکومت کرتے تھے مگر آج اپنی کے سامنے ذلیل ہو رہے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے دل میں تادم ہوں گے اور اس ندامت کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ مگر مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا عذاب شروع ہو جاتا ہے تو پھر ندامت کو چھپانے کا موقع بھی نہیں ملتا، سب کچھ ظاہر ہو جاتا ہے اس وقت پھر لوگ چیخ و پکار بھی کریں گے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں اَسَىٰ کا لفظ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کا معنی چھپانا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی۔ تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب مجرم لوگوں کے سامنے فرد جرم رکھ دی جائے گی تو اس وقت بڑا دوا دلا کریں گے۔ اپنے کے پرچہ میں گے اور اپنی ندامت کا کھلے عام اظہار کریں گے کہ ہم نے دنیا میں بد

بڑا کیا ہوگا۔ وہاں چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ غرضیکہ ندامت کو چھپانا یا ظاہر کرنا ان کے کسی کام نہ آئے گا۔ اگر اس دنیا میں توبہ کر لیتے تو معافی مل جاتی، مستقبل روشن ہو جاتا مگر قیامت کے دن صدق دل سے معافی بھی کارآمد نہیں ہوگی۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے التَّوْبَةُ الْاَكْبَرُ نَدَامَةُ تَوْبَةٍ هِيَ سَبْعٌ — مگر توبہ کا تعلق اس دنیا سے ہے۔ وہاں اخلاص کے ساتھ کی ہوئی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی، کیونکہ توبہ کا وقت گزر چکا ہوگا۔

فرمایا جب عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے یا ظاہر کریں گے وَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائیگی۔ ہر ایک کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ ضرور ملے گا۔ نہ کسی کا عمل دوسرے پر ڈالا جائیگا اور نہ کسی کو ناکردہ گناہ میں پکڑا جائے گا، اللہ کی بارگاہ میں بالکل حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔

فرمایا اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سُبْحٰنَہُ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کا سب اللہ کا ہے۔ ہر چیز اس کی پیدا کردہ ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔ تاہم اُس نے اپنی رحمت سے بعض چیزوں کو عارضی طور پر بندوں کی ملکیت میں دیدیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کے استعمال کیلئے اپنا حق ملکیت استعمال کر سکیں۔ انہیں حلال حرام اور جائز ناجائز سے مطلع کر دیا گیا ہے اور خبردار کر دیا گیا کہ تم ان چیزوں کے حقیقی مالک نہیں ہو بلکہ حقیقی مالک خداوند تعالیٰ ہے جس کے احکام کے مطابق تم نے تصرف کرنا ہے۔ جیسا کہ غلاموں کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تمہارے خادم ہیں۔ اللہ نے کسی وجہ سے انہیں تمہارے سپرد کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ان کے حقیقی مالک

حق کا  
فیصلہ

عارضی اور  
حقیقی  
ملکیت

ہر اور ان کے معبود بن گئے ہو۔ غرضیکہ دنیا کی ہر چیز کا خالق اور مالک تو اللہ رب  
 العزت ہی ہے مگر اس نے انسانوں کو عارضی مالک بنایا ہے۔ اگر بندے اللہ  
 کے وضع کردہ اصول و ضوابط کے مطابق کام کریں گے تو ٹھیک رہیں گے ورنہ  
 اللہ کے باغی بن جائیں گے اور پھر آخرت میں انہیں اپنے اعمال کی سخت  
 جزا دی جائے گی۔ جب ہر چیز خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے تو عقل کا تقاضا بھی یہی  
 ہے کہ اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا نہ  
 فرمایا الا ان وعد اللہ حق خوب سن لو، اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالکل برحق  
 ہے۔ قیامت ضرور برپا ہوگی اور انسانوں سے باز پرس بھی لازمی ہوگی۔ اور پھر  
 ہر ایک کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ بھی دیا جائے گا۔ لہذا لوگوں کا غرض  
 ہے کہ وہ بُرائی سے بچیں وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ مگر لوگوں  
 کی اکثریت بے سمجھ ہے۔ انہیں اس بات کا شعور ہی نہیں کہ جب مالک  
 الملک خدا تعالیٰ ہے تو پھر غیروں کی پستش کیسی؟ ان سے حاجت روائی اور  
 مشکل کشائی کا کیا معنی؟ مگر لوگ شیطان کے بہکاوے میں آکر کفر، شرک اور مباحی  
 کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

فرمایا در کھو! کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے هُوَ يُمِيتُ وَيُحْيِي <sup>زندگی</sup>  
 زندگی بھی وہی عطا کرتا ہے، کوئی حکیم، ڈاکٹر یا سائنس دان کسی کو زندگی عطا نہیں کر  
 سکتا وہ الحی یعنی حیات کا مالک ہے جس کو جتنی چاہے زندگی عطا کر دے اور  
 موت بھی اسی کے اختیار میں ہے جب چاہتا ہے کسی کو موت سے ہم کند  
 کر دیتا ہے۔ یہ بات تمام انسان تسلیم کرتے ہیں کہ موت کے اسباب اللہ تعالیٰ  
 ہی پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے  
 کہ دراصل موت بھی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور زندگی بھی وہی  
 دیتا ہے۔

بعض لوگ موت اور زندگی کو دو مختلف ذاتوں کی طرف منسوب



کہتے ہیں۔ ہندو مشرکین کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کے عقیدے کے مطابق برہما ہی پیدا کرتے ہیں اور دشنوہی موت دیتے ہیں۔ یونانی اور بعض دوسرے مشرک بھی اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پیدا کرنے والا، قحط منے والا اور مارنے والا مختلف معبود ہیں، حالانکہ اللہ نے فرمایا ”هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ“ (البقرہ) زندگی عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔ مارنے والا

بھی وہی ہے اور ہر چیز کو قائم کرنے والا بھی وہی ہے۔  
فرمایا وَالَّذِينَ يَدْعُونَ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ سب اسی خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گئے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جواب دہی کر گئے۔ اگر یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے تو پھر کفر اور شرک کی بجائے اللہ تعالیٰ کی خالص توحید آجائے گی۔ تمہارا عقیدہ درست ہو جائے گا اور پھر تم قیامت کے دن مسخر ہو جاؤ گے۔

---

يعتذرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

درس شانزدهم ۱۶

آیت ۵۷ آ ۵۸

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ  
 وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ  
 لِلْمُؤْمِنِينَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ  
 فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۝۵۸

ترجمہ: اے لوگو! تحقیق آپکی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے  
 پھر دوا کی طرف سے اور شفا اُس کے لیے جو سینوں میں (دوا)  
 ہے۔ اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے ۝۵۷ (اے پیغمبر!)  
 آپ کہہ دیں، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ، پس  
 اس کے ساتھ پابستے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ بہتر ہے ان چیزوں  
 سے جن کو وہ اکٹھا کرتے ہیں ۝۵۸

اس سے پہلے توحید و رسالت کا ذکر اور قرآن پاک کی حقانیت و صداقت  
 کا بیان ہو چکا ہے۔ دراصل اس سورۃ کا مرکزی مضمون دعوت الی القرآن ہے۔ اس  
 بات کا ذکر سورۃ کی ابتدائی آیت میں ہوا۔ پھر دوسری بار قرآن حکیم کا تذکرہ مشرکین کے اُس  
 مطالبے کے جواب میں ہوا جس میں وہ قرآن کو تبدیل کر دینے کی فرمائش کرتے تھے۔ اس کا  
 جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے یہ دلوایا کہ قرآن پاک کو تبدیل کرنے  
 یا اس میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کا اختیار میرے پاس نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا اختیار  
 ہے جو اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق جب چاہے کسی حکم کو تبدیل کرے یا منسوخ  
 کرے۔ اب آج کے درس میں قرآن کریم کا ذکر تیسری مرتبہ آرہا ہے جس میں اس کی  
 چار صفات بیان کی گئی ہیں یعنی موعظت (نصیحت) بیمار دلوں کیلئے شفا، ہدایت اور رحمت۔

۱۱. موعظت

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ  
مِّن رَّبِّكُمْ اے لوگو! تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے  
 نصیحت آچکی ہے موعظت و وعظ اور نصیحت کو کہا جاتا ہے، گویا قرآن کریم  
 اول تا آخر نصیحت پر مشتمل ہے اور جو شخص اس نصیحت پر عمل پیرا ہوگا، وہ برائی  
 سے بچ جائے گا۔ اس طرح قرآن پاک، ناشائستہ باتوں کو چھڑا دیتا ہے۔ امام  
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وعظ و نصیحت کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

قَهْرُ الْمَذَارِئِ الظَّلْمَانِيَّةِ

يَا نُورَ الْمُعَارِفِ الْقُدْسِيَّةِ

وعظ انسان کے دل و دماغ سے تاریکی والے تمام مادوں کو دور کر کے اُسے  
 پاکیزہ انوار کے ساتھ منور کر دیتا ہے۔ غرضیکہ قرآن کریم کی پہلی صفت  
 یہ فرمائی کہ یہ موعظت ہے۔ تبلیغ دین کے لیے بھی فرمایا ادْعُ إِلَى سَبِيلِ  
رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اللہ کی طرف حکمت اور اچھی موعظت  
 کے ساتھ دعوت دو۔

۱۲. شفا

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی دوسری صفت کے متعلق فرمایا وَشِفَاءٌ  
لِّمَا فِي الصُّدُورِ یہ دلوں کی بیماریوں کے لیے بمنزلہ شفا کے ہے  
 پہلی صفت موعظت کا تعلق انسان کے ظاہر سے تھا کہ وہ انسان کے  
 ناجائز افعال کو جائز میں بدل دیتی ہے اور اب اس دوسری صفت  
 شفا کا تعلق باطن سے ہے۔ انسان کو باطنی بیماریوں سے پاک کرنا قرآن  
 کا خاص موضوع ہے۔ چنانچہ اللہ کی یہ مقدس کتاب کفر، شرک، نفاق، حسد،  
 کینہ، تکبر اور بد عقیدگی جیسی روحانی بیماریوں کو شفا بخشتی ہے۔ انسان کو روحانی  
 بیماریوں سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ جسمانی بیماریوں سے کہیں زیادہ  
 خطرناک ہوتی ہیں۔ ان بیماریوں کا علاج قرآن پاک میں ہے۔ جو شخص قرآن  
 پاک کے فرمودات پر عمل کرے گا وہ اعتقادی اور اخلاقی بیماریوں سے محفوظ ہو

لَهُ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ مَلِكٌ



بائے گما، اسی لیے فرمایا کہ یہ اُن بیماریوں کے لیے شفا ہے جو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہیں۔

یہاں پر ظاہری بیماریوں کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ بالطبع ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر بھونک مار دی جائے تو اللہ تعالیٰ ظاہری بیماری سے بھی شفا عطا کر دیتا ہے، مگر یہ قرآن کا موضوع نہیں ہے بلکہ ایک زائد چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی برکت سے ظاہر بیماریوں کو بھی دور کر دیتا ہے۔ ابن ماجہ شریعت کی روایت میں آتا ہے علیکم بالشفائین یعنی اپنے اوپر دو شفاؤں کو لازم پکڑو یعنی دو چیزیں شفا ہیں العسل والقوان ایک شہد اور دوسری قرآن۔ مکھی کے پیٹ سے نکلنے والی شہد کے متعلق سورۃ نحل میں ہے فِيهِ شِفَاؤٌ لِلنَّاسِ اس میں لوگوں کے لیے اللہ نے شفا دے رکھی ہے قرآن پاک کے لیے شفا کا لفظ اس آیت میں بھی آیا ہے اور اس کے علاوہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ خمر سجدہ میں بھی آتا ہے۔

اہم رازیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کی سعادت اس بات میں ہے کہ اس کا عقیدہ پاک ہو اور اس کا کمال اس میں ہے کہ اُسے اعمالِ صالحہ حاصل ہوں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّنْمَا عَمِلُوا رَاحَةً تمام درجات اعمال کی بدولت ہی نصیب ہوتے ہیں۔ اگر انسان کا عقیدہ پاک نہیں ہوگا تو نہ کوئی عمل مقبول ہوگا اور نہ اسے درجات نصیب ہوں گے۔ ایسا شخص شقی ہوگا، سعادت مند نہیں ہو سکتا۔ تو گویا قرآن انسان کو ناشائستہ افعال سے روکتا ہے اور پاکیزہ عقائد کی تلقین کرتا ہے۔ فاسد اعتقادات کو دل سے نکال دو، یہ روحانی بیماری ہے جس کے لیے قرآن پاک بمنزلہ شفا ہے۔

اللہ نے قرآن کی تیسری صفت وَهْدًی یعنی ہدایت کا ذکر کیا ہے

باطنی بیماریوں کو دور کر کے اُن کی جگہ سچے اعتقادات اور پاکیزہ اخلاق کو جگہ دینا ہدایت میں شامل ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین تخیل اور تجلی کا درس دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے دل و دماغ سے گندی چیزوں کو نکال دے اور پاکیزہ چیزوں کو جمع کر لے۔ پاکیزہ عقائد میں اللہ تعالیٰ کی توحید، ایمان، اخلاص، اللہ کی کتاب، ملائکہ، عباد، جنت، دوزخ اور اس کی صفات پر کامل یقین شامل ہیں اور یہی چیز ہدایت کے نام سے موسوم ہے۔ اسی ہدایت کے حصول کے لیے لوگ دعا کرتے ہیں "إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" اے اللہ! ہمارے لیے ہدایت کے راستے تمھوں سے اور پھر اللہ تعالیٰ بھی جواب میں اپنی پاک کتاب کو پیش کر کے فرماتے ہیں "هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ" یہ ہدایت پر ہمیز گاروں کے لیے ہے زندگی کے کسی موڑ پر بھی ہدایت کی ضرورت ہو، قرآن پاک راہنمائی کرے گا۔ قرآن پاک میں تمام بڑے بڑے اصول بیان کر دیے گئے ہیں جن کی روشنی میں پوری انسانی زندگی کے تمام مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔

چوتھی صفت وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ کا ذکر کیا گیا ہے جب انسان اپنے باطن کو تمام رذائل سے پاک کر لیتا ہے اور گندے عقیدوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ کفر، شرک اور نفاق کو چھوڑ کر اپنے اندر اعلیٰ اخلاق کو جمع کر لیتا ہے۔ اسی طرح اپنے ظاہر کو تمام ناشائستہ افعال سے بچا لیتا ہے اور اعمال حسنہ کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ ہدایت کے راستے پر چل نکلتا ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے شامل حال ہو جاتی ہے گویا موعظت، تنفہا اور ہدایت کا نتیجہ رحمت کی صورت میں نکلتا ہے جب تک ان تین چیزوں پر گامزن نہیں ہوتا وہ رحمتِ خداوندی تک نہیں پہنچ سکتا۔

اہم راز می اور بعض دیگر مفسرین کہہ ایم اس آیت میں آمدہ چاروں

صفات قرآنی کی تعبیر اس طرح بھی کرتے ہیں کہ موعظت سے مراد شریعت ہے۔ تنفا کو طریقت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، ہدایت کو حقیقت کے معانی میں لیا گیا ہے اور رحمت کو نبوت اور خلافت کا عنوان دیا گیا ہے اس کے بعد بزرگان دین کے چار طریقے نقشبندی، سہروردی، قادری اور چشتی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ چار طریقے ایسے ہی ہیں جیسے ائمہ اربعہ کے چار مسلک۔ ان چاروں مسلوں میں محض اہست اختلاف بھی ہے مگر مقصد سب کا ایک ہی ہے، یہ چاروں بہ حق ہیں اور فروعات میں کلام کرتے ہیں۔ ان کے متوازی بزرگان دین کے یہ چار سلسلے انسان کے باطنی تزکیہ پر کلام کرتے ہیں۔ اگر خود مذہب وائے یا مسلک وائے کسی چیز کو بگاڑ دیں تو اس سے مذہب کی حقانیت پر تو کوئی حرج نہیں آتا۔ وہ تو بہر حال طریق کار ہے جو اس پر عمل کرے گا۔ کامیاب ہوگا۔ بہر حال مقصد یہی ہے کہ انسان سے رذیل خصال ختم ہو کر پاکیزہ اعمال و اخلاق پیدا ہو جائیں۔

الغرض! قرآن پاک ایک بہت بڑی حقیقت ہے، اسی سلسلے ارشاد ہوا ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت آچکی ہے۔ یہ بیمار دلوں کے لیے شفا ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے لیے ہدایت ہے اور اہل ایمان کے لیے باعثِ رحمت ہے۔

فضل و رحمت  
خداوندی

پھر فرمایا ہے پھر: قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ آتٰكُمْ  
دیکھئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت کے ساتھ قیڈ لکھتے ہیں۔  
پس اس کے ساتھ چاہیے کہ وہ خوش ہو جائیں۔ قرآن کریم اور ہدایت اللہ  
تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور اچھا انسان وہی ہے جو فضل  
الہی کا طلب گار ہو۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے دعا سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ  
اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ اِنَّ اللّٰهَ مِنْ تَرَفِّعِ



فضل اور تیری رحمت کا طالب ہوں۔ یہ چیزیں قرآن پاک کی معرفت  
 حاصل ہوتی ہیں اور جسے حاصل ہو جائیں اسے خوش ہونا چاہیے۔ فرمایا  
 هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جنہیں انسان  
 زندگی بھر اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ نادان لوگ دنیا کے حقیر مال و دولت  
 پر دذنا تے پھرتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں چند دن کے بعد ختم ہو جانے  
 والی ہیں اور اس کے بعد طالبان دنیا سخت تکلیف میں مبتلا ہوں گے۔  
 مگر قرآن پاک اور ہدایت کی بدولت انسان کو ابدی راحت حاصل ہو  
 جائے گی۔ واللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ انسان کو خوش  
 ہو جانا چاہیے، قرآن کریم کے ساتھ خوش ہو جانا چاہیے اور پھر اس کی  
 تعلیم حاصل کر کے نصیحت، شفا، ہدایت اور رحمت کا مصداق بننا چاہیے  
 ہمارا نظریہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم قرآن پاک سے محبت کریں۔ اس کی نصیحت  
 پر عمل پیرا ہو کر اس کے تیلے ہوئے طریقے سے تخلیق اور تجلیہ حاصل کریں  
 ہمارے باطن سے تمام بیماریاں دور ہو جائیں اور ہم میں شائستگی آ جائے  
 اسی لیے فرمایا کہ یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ دنیا میں اکٹھا  
 کرتے ہیں۔

يعتذرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

درس ہند ہم ۱۰

آیت ۵۹ ۲ ۶۰

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ  
مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى  
اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى  
اللَّهِ الْكُذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى  
النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے (اے لوگو!) بتلاؤ جو اللہ  
نے نازل کیا ہے تمہارے لیے رزق۔ پس ٹھہرایا ہے تم نے  
اس میں سے (کچھ حرام) حرام اور (کچھ حلال) حلال۔ آپ کہہ دیجئے  
کیا اللہ نے حکم دیا ہے تم کو یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے  
ہو ﴿۵۹﴾ اور کیا گمان ہے اُن لوگوں کا جو افتراء کہتے ہیں  
اللہ پر جھوٹ قیامت کے دن۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضل کرنے  
والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر ان میں سے شکر ادا نہیں کرتے ﴿۶۰﴾

رابطہ آیت

گزشتہ درس میں قرآن کی چار صفات بیان ہوئیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ اُس کی  
طرف سے نصیحت ہے، دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ انسانوں کے  
لیے ذریعہ ہدایت اور اس ہدایت پر عمل کرنے والوں کے لیے رحمت ہے۔ اب  
آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد فرمایا ہے اور وہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے  
قرآن کریم کو منبع رشد و ہدایت بنایا ہے تو پھر لوگوں کا فرض ہے کہ وہ علمت و حرمت

کے مسائل میں قرآن ہی کو نہ پکڑیں اور اس سلسلے میں کسی دوسری طرف رجوع نہ کریں اور نہ ہی اپنی ذہنی اختراع کے مطابق کسی چیز پر حلال و حرام ہونے کا فتویٰ لگائیں، مشرکوں کا اپنی مرضی سے کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانا اصل اللہ تعالیٰ کے اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے اور یہی شرک ہے جسکی اللہ نے تردید فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **فَلْأَنَّهُ يُخْفَرُ مَا أُنْزِلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ** اے پیغمبر! مجھے بتاؤ جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے روزی نازل کی ہے۔ یہاں پر روزی کے لیے **أُنْزِلَ** کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ روزی نازل نہیں ہوتی بلکہ زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ تاہم اس پر اتارنے کا لفظ اس لیے آیا ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی تمام چیزوں کا تعلق پانی سے ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ گذشتہ آیات میں **مُزَرَّجًا** چکا ہے **كَمَا أُنْزِلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ** جس کے اللہ نے آسمانوں سے پانی نازل فرمایا۔ پھر اس کے ساتھ زمین کے نباتات مل گئے تو زمین سے روئیدگی پیدا ہوئی جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنی۔ تو اس لحاظ سے روزی کو آسمانوں سے نازل کہنے پر محمول کیا گیا ہے۔ سورۃ النہر میں جانوروں کے لیے بھی **أُنْزِلَ** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ **وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ مِنْ الْأَنْفَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ** اللہ نے تمہارے لیے آٹھ قسم کے جوڑے نازل کیے ہیں یعنی پیدا فرمائے ہیں۔ ان میں اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری ہر دو زراور مادہ لوگوں کی غذا کے کام آتے ہیں اور ان کا دودھ بھی استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح رزق کے متعلق بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم نے اُسے تمہارے لیے نازل کیا۔

سورة الذاریات میں آتا ہے وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا



تَوَعَّدُونَ آسمان میں تمہاری روزی اور وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ زندگی اور موت کا حکم بھی آسمانوں ہی سے نازل ہوتا ہے۔ اور اس کے مطابق تمام جانداروں کو روزی میسر آتی ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ جب عبد مومن فوت ہو جاتا ہے تو آسمان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جہاں سے اس کی روزی کا حکم نازل ہوتا تھا اور وہ دروازے بند ہو جاتے ہیں جن سے نیک آدمی کے اعمال صاف عالم بالا کی طرف جاتے تھے۔ مومن پر زمین بھی روتی ہے اور آسمان بھی کہ جس شخص کے لیے خیر کے حکم جاری ہوتے تھے وہ چل بسا۔ غرضیکہ روزی اتارنے میں یہ حقیقت بھی پائی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ روزی کا اطلاق صرف خوراک پر نہیں ہوتا بلکہ عربی زبان میں رزق کا لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً رِزْقٌ أَوْلَادُ فُلَانٍ آدمی کو اولاد دی گئی، رِزْقٌ مَالٌ فُلَانٍ کو مال دیا گیا یا رِزْقٌ طَعَامٌ یعنی فلوں کو کھانا دیا گیا۔ غرضیکہ رزق میں کھانے پینے کے علاوہ لباس، مکان سواری اور تمام ضروریات زندگی شامل ہے۔ تاہم عام طور پر اس کا اطلاق کھانے پینے کی اشیاء پر ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے مشرکین کو کھلوا دیا ہے کہ ذرا تباؤ تو سہی، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو رزق نازل کیا ہے، تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

خود رخت  
حلت  
وجہت

فرمایا، اللہ نے تو تمہارے لیے روزی نازل فرمائی فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا پھر تم نے اپنی مرضی سے اس میں سے کچھ حرام ٹھہرا لیا اور کچھ کو حلال کر لیا، فرمایا اللہ نے تو پاکیزہ روزی عطا کی تھی مگر تم نے از خود کیوں بعض چیزوں کو حرام کر لیا۔ سورۃ النعام میں تفصیل موجود ہے کہ مشرک لوگ حلال چیزوں کو کس طرح حرام کر لیتے تھے۔ بعض مادہ جانور جب عالم ہو جاتے تو مشرک کہتے کہ پیدا ہونے والا کچھ ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے جب کہ عورتوں کے لیے حرام ہے، کہتے تھے مَا فِي بُطُونِ

هَذِهِ الْأَنْعَامُ خَالِصَةٌ لِّذِكْوَرِكَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى أَزْوَاجِكَا  
 اور اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا ہے تو اس میں مرد و زن سب  
 شامل ہو کر کھاتے۔ اسی طرح کھیت کی پیداوار کا کچھ حصہ بتوں کے نام پر  
 نامزد کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ مشترک لوگ بکیرہ  
 سائبہ نامی بعض جانوروں کو بھی بعض معبودوں کے نام پر کھٹلا چھوڑ دیتے اور  
 کہتے کہ نہ تو اس پر سواری کی جا سکتی ہے اور نہ اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے  
 وہ اس کا درد دھ بھی حرام کر لیتے تھے تو فرمایا اللہ نے تمہارے لیے پاک  
 روزی کا بندوبست کیا مگر تم نے از خود کچھ حصے کو حرام اور کچھ کو حلال ٹھہرایا  
 حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی مالک ابن نضرؓ حضور علیہ السلام  
 کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا لباس بالکل پٹا پڑا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام نے دریافت کیا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ عرض کیا ہر قسم کا  
 مال موجود ہے جن میں اونٹ، بھیڑ بکریاں، گھوڑے، اور غلام شامل ہیں  
 آپ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنی نعمت عطا کی ہے تو اس  
 کا اثر تمہاری ذات پر دکھائی دینا چاہیے۔ کم از کم لباس تو صاف بھتر اپنا  
 کرو۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔ اور امام ابن کثیرؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے  
 بہر حال حضور علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں مال دیا ہے  
 تو اسے اپنے آپ پر بھی خرچ کرو اور اس کے باقی حقوق بھی ادا کرو، اللہ تعالیٰ  
 نے بخل کو سخت ناپسند لیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دیکھو  
 اللہ تعالیٰ تمہارے لیے صحیح سلامت جانور پیدا کرتا ہے، پھر تم اسے  
 کراؤ اس کا مقوڑا سا کان کاٹ ڈالتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بکیرہ بن گیا ہے اور  
 اب یہ فلاں معبود کی نیاز ہے، لہذا اب اس پر سواری نہیں کی جا سکتی۔  
 اسی طرح کسی جانور کی کھال کو مقوڑا سا چیر دیا تو اسے سواری کے لیے حرام  
 قرار دے دیا۔ حضور نے فرمایا، یاد رکھو! اللہ کا بازو تم سے زیادہ طاقتور

نعمت کی  
 ناشکری

ہے اور اس کا اُسترا تبارے اُسترے سے زیادہ قوی ہے۔ وہ تم سے  
پوچھے گا کہ تمہارے فائدے کے لیے جانور تو میں نے پیدا کیے ہیں مگر  
تم نے انہیں معبودانِ باطلہ کی نیاز بنا کر خود اپنے اوپر کیوں حرام کر لیا ہے۔  
مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق، مالک، مرنی اور مختار ہے اس نے

حلت و  
عمرت  
کیا اختیار

انسانوں کی روزی کے لیے سب چیزیں پیدا کی ہیں مگر تمہیں حلال و حرام  
قرار دینے کا اختیار کیسے مل گیا؟ سورۃ نحل میں فرمایا قَوْلًا لِّكَمَا  
لَصِفَتْ أَلْسِنَتُكُمُ الْكُذْبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ  
محض مشرکانہ نظریات کے مطابق اپنی زبانوں سے کسی چیز کو حلال یا حرام  
مت بناؤ۔ کسی چیز پر حلت و عمرت کا حکم لگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔  
اس کام کی اتھارٹی اُسے حاصل ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے  
الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ حَلَالٌ وَهُوَ جَعَلَ اللَّهُ حَلَالٌ قَرَار  
وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ حَرَامٌ وَهُوَ جَعَلَ اللَّهُ حَرَامٌ  
اور اس کا بیان خدا تعالیٰ کی شریعت میں ہے۔ کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی  
چیز کو حلال یا حرام نہیں بنا سکتا۔ جو ایسا کرے گا وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ کیونکہ  
حلت و عمرت کی صفت ذاتِ خداوندی کے ساتھ مختص ہے۔

عدنی بن حاتم طائی کا واقعہ حدیث میں آتا ہے۔ حاتم خود تو عیسائی مذہب  
پر ہی مگر اس کا بیٹا عدی اور ایک بیٹی ایمان لائے۔ جب عدی حضور کی میت  
میں حاضر ہوئے تو سورۃ توبہ کی آیت اِخْتَذُواْ اَحْبَادَهُمْ وَرُحْبَانَهُمْ  
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا ذکر ہوا۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے علماء  
اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے اس پر عدی کہنے لگے کہ ہم تو اپنے  
پیروں اور مولویوں کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا  
کیا تم پادریوں کی حلال کردہ چیز کو حلال اور حرام کردہ چیز کو حرام تسلیم نہیں کرتے  
کہنے لگا، ایسا تو ہم سمجھتے ہیں تو حضور نے فرمایا فَذٰلِكَ اَرْبَابًا مِّنْ



دُونِ اللّٰہِ پس ہی اللہ کے سوا رب بنانے والی بات ہے۔ یہاں سجدہ، رکوع وغیرہ مراد نہیں بلکہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو علت و حرمت کا اختیار دینا اس کے ساتھ شریک بنانے کے مترادف ہے۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ تحریم ایک تکوین نافذ کا نام ہے عالم بالا سے حکم نافذ ہوتا ہے کہ فلاں کام کرو گے تو مواخذہ ہوگا اور فلاں کام کرنا باز پرس نہیں ہوگی۔ تکوین نافذ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جسے کوئی دوسری ذات استعمال نہیں کر سکتی۔ لہذا علت و حرمت کا حکم لگانا بھی صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جو کوئی اس میں مداخلت کرے گا، وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ ہاں جب علت و حرمت کو نبی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو یہ اس بات کی قطعی علامت ہوتی ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام قرار دی ہے۔ یہی بات جب کسی مجتہد کے نام پر منسوب کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجتہد نے فلاں دلیل یا قرینے سے اُسے شریعت سے معلوم کر کے بتایا ہے، وگرنہ وہ خود علت و حرمت کا حکم لگانے کے مجاز نہیں ہوتے، یہ صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ وہی والوں نے بی بی کی صحنک بنا رکھی ہے، یہ حضرت فاطمہؓ کی نیاز مشوہ ہے جسے صرف عورتیں کھا سکتی ہیں۔ مردوں کے لیے حرام قرار دے دیدی گئی ہے عورتوں میں سے دو خیمہ عورت بھی یہ نیاز کھانے کی مجاز نہیں سمجھی جاتی۔ اسی طرح امام جعفر صادقؑ کے نام کے کوڑے بھرے جاتے ہیں۔ اس نیاز کا علوہ مٹھلی جگہ پر کھانا منع ہے بلکہ صرف چھت کے نیچے ہی کھایا جاتا ہے۔ لوگوں نے اپنی طرف سے شریعت بنا رکھی ہے۔ یہی تو تحلیل و تحریم میں شرک ہے۔ بھائی! جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو منبع علم، نصیحت اور ہدایت لینے والی کتاب بنا کر بھیجا ہے تو علت و حرمت کا قانون بھی اسی کتاب سے دریافت کرو۔ خود اپنی مرضی سے روزی کے بعض حصے

حلال اور بعض حرام نہ بناؤ۔

الشہر  
افتراء

فرمایا، اے پیغمبر! قُلْ اَيُّكُمْ يَكْفُرُ بِاللّٰهِ اِذْ قَالَ لَكُمْ كَيْفَ  
تمہیں اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اَمْرٌ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ  
یا تم اللہ پر افتراء باندھتے ہو۔ خدا تعالیٰ نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا کہ فلاں  
چیز صرف چھت تلے ہی کھائی جاسکتی ہے یا فلاں چیز کو صرف عورتیں  
ہی کھائیں۔ جو کوئی ایسا کرے گا وہ خدا پر جھوٹ باندھے گا کیونکہ خدا  
نے تو ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ شرک کی ہر بات افتراء علی اللہ ہے اور پیچھے  
گزر چکا ہے سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ اللہ تعالیٰ تمام شرکیہ  
باتوں سے پاک ہے۔ جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی، وہ اس کی طرف  
منسوب کرنا اس پر افتراء باندھنا ہے۔ ایسے کام کے لیے مشرکین کے  
پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ وہ محض اپنے ملک، علاقے یا گاؤں کے  
رسم و رواج کے پیچھے چلتے ہوئے ایسا کرتے ہیں۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں  
قیامت والے دن۔ یعنی قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟  
کیا یہ اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے؟ مشرکین اور ملت و حرمت  
کا حکم لگانے والے اللہ کی پکڑ سے کبھی نہیں بچ سکتے۔ قیامت کے دن  
یہ لوگ مجرموں کے کھڑے میں کھڑے ہوں گے اور سزا کے مستحق ٹھہریں  
گے۔ فرمایا، یاد رکھو! اِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ اللہ تعالیٰ  
تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے۔ اس نے پیدا کیا، عقل و شعور سے نوازا  
انبیاء بھیجے، کتب نازل فرمائیں تو بہ کا دروازہ کھلا رکھا مگر وَلَیٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ  
لَا یَشْكُرُوْنَ مگر اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے ان کا کیا خیال ہے  
کہ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾ أَلَا إِنَّ أَوْلِيََاءَ اللَّهِ لَأَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَلَهُمْ أَلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ ۱۔ اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہیں پڑتے

آپ اس حال میں قرآن، اور نہیں عمل کرتے آپ کوئی عمل کر رہے

آپ ہی آپ ۱۔ جب کہ آپ سمجھتے ہیں اس کام



میں۔ اور نہیں غائب تیرے رب سے مقدار ایک ذرے کے زمین میں  
 اور نہ آسمان میں، نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی مگر وہ  
 کتاب مبین میں ہے (۶۱) آگاہ رہو! بیشک اللہ تعالیٰ کے دست،  
 نہیں غوث ہو گا اُن پر اور نہ وہ غلگین ہوں گے (۶۲) وہ جو  
 ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرتے ہے (۶۳) اُن کے لیے  
 بشارت ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ نہیں ہے تبدیلی  
 اللہ کے کلمات میں یہ بڑی کامیابی ہے (۶۴) اور نہ غم میں ٹٹارے  
 آپ کو اُن کی بات۔ بیشک عزت اللہ کے لیے ہے سب  
 اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے (۶۵) آگاہ رہو! بیشک اللہ تعالیٰ  
 کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور جو پیروی  
 کرتے ہیں اُن لوگوں کی جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا دوسرے  
 شریکوں کو، نہیں پیروی کرتے وہ مگر گمان کی، اور نہیں وہ مگر  
 اٹکل دوڑاتے (۶۶)

یہ بھی دراصل توحید کے اثبات اور مشرکین کے رد کا بیان ہے۔ اس سے  
 پہلے اللہ نے قرآن کریم کے اوصاف بیان کیے قرآن پاک کے پروگرام کے علاوہ  
 اپنے گمان محض اور ناقص عقل سے علت و حرمت کے حکم لگانے کی مذمت بیان فرمائی۔  
 ایسے لوگوں کی سزا کے متعلق اللہ نے اشارۃً فرمایا کہ یہ لوگ کیا خیال کرتے ہیں کہ قیامت والے  
 دن ان کے ساتھ کیا سوکھا جائے گا؟ اب آج کے درس میں اللہ نے اپنے اوصاف  
 بیان فرمائے ہیں اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کی تعریف بیان کی ہے۔ آپ کے پیروکاروں  
 کا بھی ضمناً ذکر کیا گیا ہے۔

نکذہ اندہی ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ اور نہیں ہوتے آپ کسی  
 مال میں وَمَا تَشْكُرُونَ مِنْ قُرْآنٍ اور آپ نہیں پڑھتے اس مال میں قرآن

پاک وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اور نہیں انجام دیتے کوئی عمل إِلَّا كُنَّا  
 عَلَيْكُمْ شَهِودًا اِذَا تُفِضُونَ فِيهِ مگر یہ کہ ہم آپ کے پاس  
 موجود ہوتے ہیں جب آپ کسی کام میں مصروف ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ  
 نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف میں فرمایا ہے کہ آپ جس حالت  
 میں بھی ہوں، قرآن پاک کی تلاوت کر کے لوگوں کو اس کی طرف دعوت  
 دے رہے ہوں یا کوئی دوسرا نیکی کا کام کر رہے ہوں نماز پڑھ رہے ہوں یا  
 غریب و مساکین کی اعانت کر رہے ہوں، ہم ہر حالت میں حاضر ہوتے  
 ہیں اور آپ کے کاموں کو دیکھتے ہیں۔ تبلیغ دین کے ذریعے لوگوں کی  
 رہنمائی کر رہے ہوں یا خود اپنی وفاداری اور عجز و انکاری اللہ رب العزت  
 کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہوں، ہم کسی حالت میں بھی آپ سے جدا  
 نہیں ہوتے بلکہ آپ کا ہر کام ہماری نگاہ میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تو  
 حاضر و ناظر ہے اور وہ ہر شخص کے اعمال کو دیکھ رہا ہے کہ کوئی شخص  
 کس قسم کا کام، کس نیت اور ارادے سے کر رہا ہے۔ اچھا کام کر  
 رہا ہے یا برائی کی طرف راغب ہے، خلوص کے ساتھ انجام دے رہا  
 ہے یا اس پر ریاکاری کا غلبہ ہے۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ لوگ توحید پر  
 کار بند ہیں یا شرک میں ملوث ہو چکے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو  
 قبول کر رہے ہیں یا ان کی اور ان کی لائی ہوئی کتابوں کی تکذیب کر رہے  
 ہیں۔ شرائع الہی پر عمل پیرا ہیں یا حیلے بہانے سے اس کے احکام کو  
 طامال کر رہے ہیں۔ فرمایا جب یہ سب کچھ واضح ہے تو پھر انسان کے لیے  
 کسی طور پر مناسب نہیں کہ وہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے  
 اپنی حاجات پیش کرے اور مشکل کشائی کے لیے اختیار کے سامنے  
 دست سوال دراز کرے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ آیت کی ابتدا میں صیغہ واحد مخاطب

استعمال ہوا ہے (تَكُونُ) جب کہ آگے تَعْمَلُونَ میں صیغہ جمع مخاطب آیا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ دونوں صیغوں میں حضور کی ذات مبارک ہی مراد ہے تاہم بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جمع مخاطب کا صیغہ استعمال کر کے حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کی امت کے لوگوں کو بھی شامل کر لیا ہے کہ تم سب لوگ جو کبھی کام کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہوتے ہیں۔

علم  
خداوندی

آگے اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا انداز میں اس طرح بیان فرمایا وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ اور نہیں غائب ہوتی آپ کے پروردگار سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز زمین میں ہو یا آسمان میں۔ ذرہ چونی کو بھی کہا جاتا ہے، اور ان باریک حباب کو بھی جو روشن دان سے آبیروالی دھوپ میں نظر آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی رب العزت سے مخفی نہیں ہے بلکہ سب کچھ اس کے علم میں آیاں پر زمین کا ذکر آسمان سے پہلے کیا گیا ہے حالانکہ اکثر مقامات پر آسمان کا ذکر پہلے آتا ہے زمین کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے کہ اللہ نے پہلے ارضی حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ بہر حال آسمان کو زمین پر فوقیت حاصل ہے۔ تو فرمایا کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ یہ اس کی صفت کمال ہے۔ توحید کو جھٹلانے والے، قیامت کا انکار کرنے والے، نبوت و رسالت میں شک کرنے والے سب اللہ کی نگاہ میں ہیں۔ اللہ ان سب کے حال کو جانتا ہے، پھر وہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ زمین و آسمان کی چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَلَا أَصْخَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر وہ کتاب مبین میں موجود ہے پہلے فرمایا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور کوئی چیز اس سے



غائب نہیں۔ اب فرمایا کہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا اندراج کتاب مہین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس کا نمونہ لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ بہر حال پوری آیت کو یہ کالمب لبا ب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور بندوں کا کوئی کردار اس کی نظروں سے اوجھل نہیں اور وہ اسی علم کے مطابق سزا اور جزا کا فیصلہ کرے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت کو ماننے والوں کی توحید بیان فرمائی ہے۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ بیشک اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر خوف ہوگا۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی بنا پر ہوتا ہے جب کہ غم کا تعلق ماضی کے واقعات سے ہوتا ہے۔ قیامت کے دن ساری مخلوق شدت کی تمنیٰ میں مبتلا ہوگی۔ انہیں حساب کتاب اور اس کے نتیجے میں آخری فیصلے پر سخت تشویش اور خوف ہوگا کہ پتہ نہیں اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ مگر جو اللہ کے دوست ہیں اُن پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور وہ اپنے مستقبل کے متعلق پُر امید ہوں گے۔ اللہ کے ایسے بندوں نے اس زندگی کے لمحات بھی خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام کی تعمیل میں گزارے ہوں گے، اس لیے سابقہ زندگی پر بھی انہیں کوئی حسرت یا غم نہیں ہوگا۔ ایسے لوگوں کو قیامت کے سخت ترین دن میں بھی امن حاصل ہوگا جو اُن کی کامیابی کی دلیل ہوگا۔

آگے وضاحت فرمائی کہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وہ جو ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، ملائکہ، انبیاء قیامت کو برحق جانا وَكَانُوا يَسْتَفْهِمُوْنَ اور انہیں نے اس دنیا

اور اللہ  
کے مناجات

میں تقویٰ کی راہ اختیار کی، برائی سے بچتے رہے اور نیکی کو اختیار کرتے رہے۔ اللہ کے دوست ایسے ہی لوگ ہیں۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا: "اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا" اہل ایمان کا ولی، کارساز اور دوست اللہ ہی ہے چنانچہ اس تعریف کے مطابق ہر صاحب ایمان آدمی اللہ کا ولی ہے تاہم اصطلاحاً ولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس میں اعلیٰ درجے کی صفات پائی جائیں۔ یعنی وہ نہ صرف ایماندار ہو بلکہ اعلیٰ اخلاق و کردار کا حامل بھی ہو۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ سو پچاس روپے کا مالک بھی مالدار ہی ہوتا ہے مگر اس کو عام طور پر مالدار نہیں سمجھا جاتا بلکہ اصطلاح میں مالدار وہ شخص ہوتا ہے جو لاکھ دو لاکھ روپے کا مالک ہو۔ اسی طرح اہل ایمان اللہ کا ولی ہے مگر اصطلاحاً ولی وہ ہے جس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

ایک حدیث میں اس طرح آتا ہے: لَيْسَ عَلَى أَهْلِ لَدَى اللَّهِ إِلَّا اللَّهُ وَحُشَّةٌ یعنی کلہ طیبہ پر ایمان رکھنے والوں پر قیامت کے دن وحشت طاری نہیں ہوگی، وہ قبروں سے مٹی جھٹکتے ہوئے اٹھیں گے۔ قیامت کی شدید ترین تلخیوں میں بھی کسی نہ کسی درجے میں سکون حاصل ہوگا۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ کے ولی وہ ہیں جو ایمان کی تمام جزئیات پر قائم رہیں اور تقویٰ کی راہ اختیار کی یعنی حدود شرع کا احترام کرتے ہوئے کفر، شرک، لفاق، تمام معاصی سے بچتے رہیں۔

ولایت کا  
غلط تصور

عام لوگوں کے ہاں ولی کا غلط تصور پایا جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ولی وہ ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ پر کرامات ظاہر ہوں حالانکہ شیخ شباب الدین سرور دہلی کتاب المریدین میں لکھتے ہیں کہ اللہ کے ولی کا معیار کرامت نہیں بلکہ ایمان اور اتباع سنت ہے۔ اگر کوئی آدمی ہو میں اڑتا ہوا نظر آئے لیکن سنت کے خلاف کرتا ہو تو سمجھ لینا چاہیے

کہ اللہ کا ولی نہیں بلکہ شیطان کا ساتھی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہر نانگا، بنگ پیٹنے والا، سوٹے لگانے والا ہے نماز اور طہارت سے بے نیاز ولی ہوتا ہے یا کرامت دکھانے والا ولی اللہ ہوتا ہے بھائی ایسی بات نہیں ہے۔ بزرگان دین تو کہتے ہیں کہ جو شخص کرامت دکھانے کی کوشش کرے، سمجھو کہ اس کو حیض آگیا ہے یعنی ناپاک ہو گیا۔ ہے۔ اس میں غرور و تکبر کا مادہ سرایت کر گیا ہے جس کی وجہ سے وہ کرامت ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور غرور ایسی چیز ہے جو انسان کی فکر کو ناپاک بنا دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کرامت ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، وہ جب چاہتا ہے کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس میں ولی کا کچھ اختیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی خواہش ہوتی ہے۔ ولی کا کام تو ایمان لانا اور نیکی کرنا ہوتا ہے۔ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کا متبع ہوتا ہے۔ ولایت کی یہی نشانی ہے۔ مرنے کے بعد قبر کا بڑی یا پختہ ہونا، اس پر گنبد بنانا اور نقش و نگار بنانا، اس پر عرس منانا، ڈھول بجانا یا روشنی کرنا ولایت کی علامت ہرگز نہیں، اللہ کا ولی وہ ہوگا جو روحانی بیماریوں سے پاک ہوگا، اللہ کی اطاعت اور مخلوق کی خدمت کرے والا ہوگا۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ ولایت کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُسے اچھے لوگوں کی مجلس نصیب ہو۔ ایسی مجلس سے اللہ کی محبت، عقیدے کی پاکیزگی، دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں، کہ ان کے استاد مکرم کی مجلس میں اگر کوئی شخص ہزار مرتبہ بھی آتا تھا تو ہر مرتبہ اپنے آپ کو حقیر تر ہی سمجھتا تھا۔ یہ اس مجلس کا اثر ہوتا تھا کہ ہر وقت اپنی کوتاہیوں پر نظر ہوتی تھی، اس لیے وہ اپنے آپ کو مخلوق کا حقیر ترین

ولی کی  
پہچان



انسان سمجھتا تھا۔ حضرت پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ ولایت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کے ولی کون ہیں تو آپؐ نے فرمایا اِذَا رَأَوْهُ، ذَكَرَ اللّٰهَ کہ اللہ کے ولی وہ ہیں کہ انہیں دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو دیکھ کر دنیا کا مال و دولت جلتے نکلے، کارخانے، جاہ و اقتدار اور ٹھاسٹ باٹ یاد آئے وہ اللہ کے ولی نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے ولی تو وہ ہیں جو غرور تکبر سے پاک ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے لَا تَلَي نَفْسًا خَيْرًا مِنْ أَحَدٍ اِنْهَآءُ آپ کو کسی سے اچھا نہ سمجھے۔ اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص عارف یا کامل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آپ کو انگریز، کافر سے بھی کم تر نہ سمجھے۔ شیخ سعدیؒ کے زمانے سے لے کر حالات پر پھر لیں، انگریز بڑے سنگم ل واقع ہوئے ہیں۔ انگریز برطانوی ہوں یا امریکی، یورپی ہوں یا روسی یہ انسانیت کے دشمن ہیں۔ ان کے ہاتھ میں پراپیگنڈہ کی مشین ہے وہ غلط طور پر استعمال کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ لوگوں پر بے انتہا مظالم ڈھاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنی انکاری کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

زمن دارد سب نسرانی عار

کہ او است بے گناہ و من گنہگار

مجھ سے تو عیسائیوں کا کتا بھی شرم رکھتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے اور میں گنہگار ہوں۔ حضرت مولانا امداد اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں انسان سے جب تک ختم ہو جاتا ہے تو ولایت آجاتی ہے، نیکی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب غرور نہ ہو کیونکہ غرور کی وجہ سے لوگ حکم خداوندی کے سامنے اکر پڑتے ہیں

اور سنت کے اتباع سے اعراض کرتے ہیں۔ سلف صالحین کا اسوہ بہار  
 سامنے ہے انہوں نے عجز و انکاری کی بدولت ہی اعلیٰ مراتب پاسے۔  
 فرمایا اللہ کے ولی وہ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کی راہ  
 اختیار کی۔ لَهُمْ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ  
 ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اس  
 دنیا میں جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اللہ کے فرشتے  
 ان کو بشارت سناتے ہیں اور ان پر استقامت نازل ہوتی ہے۔ معاملہ  
 تو استقامت سے بنتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں أَطْلُبُوا  
الِاسْتِقَامَةَ فَإِنَّ الِاسْتِقَامَةَ فَوْقَ الْكِرَامَةِ دِينَ پر استقامت  
 طلب کرو کیونکہ استقامت کرامت سے بھی اعلیٰ چیز ہے جب  
 انسان میں استقامت آتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی دستگیری فرماتا ہے  
 اور نیکی کی مزید توفیق عطا کرتا ہے۔ تو فرمایا ان کو دنیا اور آخرت میں بشارت  
 ہوگی، اللہ کے وعدے سچے ہیں لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ اللہ  
 کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، وہ ضرور پورے ہو کر رہتے ہیں۔  
 فرمایا جسے استقامت حاصل ہوگئی اسے دنیا اور آخرت کی بشارت مل گئی  
ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ ایسا شخص  
 اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ گیا۔ اولیاء اللہ کا یہی مقام ہے۔

اولیاء اللہ  
 کے لیے  
 بشارت

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور دیگر اہل ایمان کو تسلی دی ہے  
وَلَا يَحْزَنُونَ قَوْلُهُمْ ان کافروں، مشرکوں اور منافقوں کی بات  
 آپ کو غم میں نہ ڈالے کیونکہ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا عزت تو ساری  
 کی ساری اللہ کے لیے ہے۔ آپ بد دل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ضرور آپ  
 کا مشن غالب بنائے گا اور آپ کو عزت دے گا۔ کافروں اور مشرکوں  
 کا مشن بالآخر مغلوب ہو کر رہے گا۔ وہ ذلیل و خوار ہوں گے اور آپ کامیاب

پیغمبر اسلام  
 کے لیے  
 تسلی

و کامران، لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس مال و دولت، جاہ و اقتدار آجائے  
تو وہ عزت و اہم بن جائیں گے۔ نہیں بلکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ  
کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اور جب چاہے عطا کر دے، یہ  
تو اس کے اختیار میں ہے، لہذا آپ پریشان نہ ہو هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ  
اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے اور وہ اپنی  
حکمت کے مطابق ہر چیز کا فیصلہ کرے گا۔

گمان کی  
پیری

فرمایا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ  
سنو! بیشک اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے  
لہذا اُسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اسی کی وحدانیت کو تسلیم کرنا چاہیے  
اُسی سے ہدایت طلب کرنی چاہیے۔ اُسی کی کتاب سے پڑھ کر امر اخذ  
کر کے اُسر عمل کرنا چاہیے اور اُسی کے نبی کا بسر و چشم اتباع کرنا چاہیے۔  
جب آسمان و زمین کی ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے اور ہر چیز اُسی  
کے تصرف میں ہے تو فرمایا وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ  
اللَّهِ شُرَكَاءَ جَوْ لَوْ لَوْ لَوْ لَوْ لَوْ لَوْ لَوْ لَوْ لَوْ  
ان کو پکارتے ہیں۔ ان سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کی اُمید رکھتے ہیں  
سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ لوگوں کی مشکلات  
دور کریں تو فرمایا کہ جو لوگ پکارتے ہیں اللہ کے سوا دوسروں کو شریک  
إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَهُمْ لَا يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ  
تو خدا تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہے مگر انہوں نے اپنے گمان سے خدا  
کے شریک بنا رکھے ہیں۔ ان لوگوں کو شیطان نے بہکا دیا ہے، اور  
انہوں نے اپنے معبود بنا رکھے ہیں۔ کوئی قبروں سے مدد مانگ رہا ہے اور  
کوئی شمس و قمر سے۔ کوئی ملائکہ کو پکار رہا ہے تو کوئی جنات سے حاجت  
طلب کر رہا ہے۔ کوئی زمیوں سے حاجت براری کر رہا ہے اور



کوئی مردوں سے۔ یہ سب شیطان کا بہرکاوا اور محض گمان کی پیروی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خالق، مالک، متصرف فی الامور، مرئی، نافع، ضار، علیم کل اور قادر مطلق تو خدا تعالیٰ ہے۔ زندگی اور موت، عروج و زوال اور بیماری اور تندرستی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر یہ دوسروں کو کیوں شرک بنائے بیٹھے ہیں۔ انہیں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہی خدا ہونا چاہیئے۔ شرک و بدعت کے تمام طریقے گمان کی پیروی ہے، اور پہلے اسی سورۃ میں گزر چکا ہے اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ الْحَقُّ شَيْئًا حق کے مقابلے میں گمان کچھ مفید نہیں ہو سکتا، عقیدہ اٹل ہونا چاہیئے، اور اس میں وہم و گمان کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ مشرک لوگ محض گمان کے پیچھے چلتے ہیں، اُن کے عقیدے کی بنیاد سنی سنائی باتیں اور رسم و رواج ہونے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ فلاں نے قبر پر چڑھاوا چڑھایا تو اس کی فلاں شکل حل ہو گئی، لہذا ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْتَرُ صَوْنٌ نہیں ہیں یہ لوگ مگر اُنکل دوڑاتے محض اُنکل بچو باتیں کرتے ہیں وگرنہ حقیقت کچھ نہیں۔ یہ شرک کرنے والوں کا رد ہو گیا۔ بنی آخر الزمان کی صفات بیان ہوئیں۔ اولیاء اللہ کے فضائل ذکر کئے گئے اور شرک کی برائی بیان کر کے اس کی تردید فرمائی گئی۔

يعتذرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

درس نوزدهم ۱۹

آیت ۶۷ تا ۷۰

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ  
 مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾  
 قَالُوا اخُذْ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي  
 السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ  
 بِهٰذَا ۖ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ اللَّهِ مَالًا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّا  
 الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾  
 مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ  
 نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے بنائی تمہارے واسطے  
 رات تاکہ تم اس میں آرام پکڑو اور دن کو روشن - بیشک اس میں  
 نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو (کان رکھ کر) سنتے ہیں ﴿۶۷﴾ کہا  
 ان لوگوں نے کہ بتا یا ہے اللہ تعالیٰ لے بیٹا - پاک ہے اس کی  
 ذات ، وہ بے نیاز ہے اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے  
 اور جو کچھ زمین میں - نہیں ہے تمہارے پاس کوئی سند اس بات  
 کی کیا کہتے ہو تم اللہ پر وہ بات جو تم نہیں جانتے ﴿۶۸﴾ (لے پھیرا)  
 آپ کہہ دیجئے کہ بیشک وہ لوگ جو افرا بازتے ہیں اللہ پر جھوٹ  
 وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿۶۹﴾ سمجھو! ما فائدہ ہے دنیا کی زندگی میں

پھر ہماری طرف ہی ان سب کو لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم چکائیں گے اُن کو سخت عذاب اس وجہ سے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے ⑤

رہنما آیات

پہلے قرآن کریم کا ذکر تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا کہ آپ جس حالت میں بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، اور جو بھی کام کرتے ہیں، ہم ہر حالت میں حاضر ہوتے ہیں اور ہر کام کو دیکھتے ہیں۔ فرمایا خدا تعالیٰ سے ایک ذرہ بھر چیز بھی غائب نہیں ہے خواہ وہ آسمان کی بلندیوں میں ہو یا زمین کی گہرائیوں میں ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ پھر فرمایا یاد رکھو! اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ولی اللہ وہ ہوتے ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔ ان کے لیے دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کے وعدے برحق ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ فرمایا آپ مٹھکوں کی باتوں سے غمگین نہ ہوں، کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے اور جو لوگ معبودانِ باطلہ کو پکارتے ہیں، یہ محض گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور اٹکل دھڑکتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں بھی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہی بیان کیے جاتے ہیں

رات اور دن  
بظہر دلیل

ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس میں دیکھ سکو اور کام کر سکو۔ واصل یہ انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقلی دلیل بیان کی ہے کہ اگر تم رات اور دن کے تغیر و تبدل میں غور کرو تو تمہیں اللہ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ رات اور دن خود بخود آگے پیچھے نہیں آتے بلکہ یہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ نظام کا ایک حصہ ہیں اور اسی نظام کے مطابق آتے جاتے ہیں۔ سورۃ فرقان میں ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ



وَاللَّيْلُ خَلْفَةُ اللَّهِ تَعَالَى کی وہی ذات ہے جو رات اور دن کو آگے پیچھے لاتی ہے۔ رات اور دن اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ رات کی نشانی دیکھی ہے اور دن کی روشن ہے۔ ان دونوں کے ساتھ انسان کے مفادات وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے آرام اور سکون کو رات کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔

رات کے  
قائد

میں عام طور پر رات کے وقت آتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے انسانوں کو سکون حاصل ہوتا ہے سورۃ نبا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ مَسْكَنًا" ہم نے نیند کو تمہارے لیے آرام کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات کی ساخت ہی ایسی رکھی ہے کہ اس میں ہر چیز صامت ہو جاتی ہے۔ انسان جانور، پرندے، کیڑے مکوڑے وغیرہ حتیٰ کہ درختوں پر بھی ایک قسم کا سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ کچھ وقت تک کام کرنے کے بعد ہونا آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر فرمایا خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْدِيرٍ" (النبأ) ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ ابتداء سے لے کر انتہا تک ہر لمحہ اس کو تکلیف کوئی انسان مشقت سے خالی نہیں۔ یہ مشقت معاش کے لیے بھی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بھی یہ مشقت کمال حاصل کرنے کے لیے بھی کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بھی۔ ہر حال انسان جو بھی کام کرتا ہے اس کی وجہ سے اس کی جسمانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں، انسان فہمی یا جسمانی طور پر تھک جاتا ہے۔ اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے اور قویٰ انسانی کمال کرنے کے لیے نیند کو پیدا فرمایا ہے تاکہ لوگ کام کاج کے

بعد کچھ دیر کے لیے سو کر آرام کر لیں اور پھر صبح تازہ دم اٹھ کر اگلے دن کے کام اور عبادت میں مصروف ہو جائیں۔ گویا رات کی آمد اور پھر اس میں نیند کا آنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر و ابن عباسؓ کے متعلق حضور علیہ السلام نے سنا کہ وہ ساری رات عبادت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو کیونکہ ایسا کرنے سے تم کمزور ہو جاؤ گے، تمہاری آنکھیں اندر دھنس جائیں گی اور پھر فرائض سے بھی رہ جاؤ گے۔ ہمیشہ اتنا عمل کرو جسے برداشت کر سکو اور جس سے تمہارے قوی بجا رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک عورت تھی جو لادینت کو بیت حضور علیہ السلام کے درمیت کرنے پر آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ فلاں خاندان کی عورت ہے اور ساری رات عبادت میں گزار دیتی ہے۔ آپؐ ناراض ہو گئے اور فرمایا اَكْلِفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تَسْتَطِيعُونَ اتنے اعمال انجام دو جتنی طاقت ہو۔ طاقت سے زیادہ کام کرنا جسم کی حق تلفی ہے۔ جس طرح تمہارے بیوی بچوں کا تم پر حق ہے اسی طرح تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ اور حق کی ادائیگی کے متعلق حکم ہے وَآتِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو۔ تب جا کر بات بنے گی۔ ایک طرف یہ جانا خلافت فطرت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ کمال قدرت ہے کہ اُس نے رات کو بنایا تاکہ نیند کے ذریعے سکون پکڑو۔ سورۃ روم میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کو بھی سکون کا ذریعہ قرار دیا ہے، فرمایا یہ اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں میں سے تمہارے لیے جوڑا پیدا فرمایا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا تاکہ تم اُس کی طرف سکون پکڑو بہر حال نیند انسان کا بنیادی حق ہے جو اسے وقفے وقفے سے میسر آتی چاہیئے۔ اگر نیند میں خلل واقع ہو جائے تو خشکی طاری ہو کر بیماریاں لاحق

سکون  
کی ضرورت

ہو جاتی ہیں۔ اگر دو چار دن نیند نہ آئے تو انسان کا دماغ فیل ہو جاتا ہے  
 اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کو انسانی زندگی میں توازن کا ذریعہ  
 بنایا ہے کہ دن کو کام کرو اور رات کو آرام کرو۔ جو لوگ اس فطرت کی خلاف  
 کام کرتے ہیں انہیں سکون حاصل نہیں ہوتا، اگر رات بھر کھیل تماشے میں  
 مصروف رہ، سینما دیکھا یا ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھا رہے تو اس کے جسمانی  
 قوی کمزور پڑ جائیں گے اور وہ اپنے معمول کے کام انجام نہیں دے سکیگا  
 لہذا اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہتری کے لیے دن اور رات کا یہ نظام  
 قائم کیا ہے۔

آج کل کے شہنی دور میں بعض کام بعض لوگوں کو رات کے  
 وقت بھی انجام دینے پڑتے ہیں مثلاً ریل گاڑی، ہوائی جہاز، بحری جہاز،  
 پابلیک ٹرانسپورٹ کی سروس ہے جو چوبیس گھنٹے کام کرتی ہے اب  
 بعض کارخانے بھی تین تین ٹیموں میں کام کرتے ہیں۔ ایسے میں جو لوگ  
 رات کی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ انہیں دن کے وقت آرام کی ضرورت  
 ہوتی ہے، لہذا یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حسب ضرورت  
 دن کے وقت بھی آرام کیا جاسکتا ہے۔ تاہم عام طور پر فرمایا کہ رات کو  
 آرام کے لیے بنایا گیا ہے اور دن کو کام کاج کے لیے۔ تعلیم و تربیت  
 کا کام ہو، معاش کا یا عبادت کا، اللہ نے نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا ہے  
 اور دن کو معاش کا۔ سورۃ نبا میں موجود ہے "وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا  
 وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا" یہاں پر دن کے متعلق فرمایا کہ ہم نے دن  
 کو روشن بنایا جس میں دیکھ کر کام کاج کیا جاتا ہے۔ "مُبْصِرًا مُّضِيًّا"  
 کے الفاظ بھی آتے ہیں۔

فرمایا اِنَّ فِيْ خَلْقِكَ لَاٰيَاتٍ لِّتَقُوْا حُرْمَةَ اَسْمٰئِ  
 ہیں ان لوگوں کے لیے جو کان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اندھیرے اور بجائے

نشانی  
 قدرت



کا سلسلہ قائم کیا۔ اسی طریقہ سے خیر و شر کا سلسلہ بنایا۔ ایمان و کفر کو پیدا فرما کر یہ بات سمجھا دی ہے کہ حقیقی چیزوں کو اختیار کرو۔ شرک، کفر اور شرک و کفر کا سبب اندھیرے ہیں، اللہ نے ان سب کا پودہ چاک کیا ہے اور قرآن پاک کو روشن آفتاب فرمایا ہے کہ اس کی روشنی میں زندگی کے تمام امور انجام دو۔

فرمایا، دن اور رات کا تغیر و تبدل ان لوگوں کے لیے نشانات قدرت ہیں جو سنتے ہیں اور پھر ان چیزوں پر غور کرتے ہیں۔ کسی چیز کی پہلی منزل سننا ہی ہے۔ جو سنتے گانہیں۔ وہ غور کیا کریگا اور اس کو کیسے سمجھنے لگا؟ لہذا ایسا شخص دوسری منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ تیسری منزل کسی چیز کو یاد کرنا ہوتا ہے اور چوتھی منزل اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اس کے بعد آخری منزل یہ ہے کہ جو کچھ خود اخذ کر کے اس پر عمل کیا ہے اُسے دوسروں تک بھی پہنچائے تو یہاں پر کیشم معون کے لفظ سے پہلی منزل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سارا معاملہ اسی سے آگے چلے گا۔

فرمایا، ان ظالم لوگوں کا حال دیکھو قالوا اتخذ الله ولداً کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے۔ پر انے مشرکین بھی اسی طرح ولادت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہ واضح شرک ہے۔ بیٹا و درجہ سے ہو سکتا ہے یعنی کھیتی اور متبنی۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات میں کوئی جنس نہیں اور اس کی کوئی بیوی نہیں ہے لہذا خدا کا حقیقی بیٹا ہونا تو محال ہے باقی رہا متبنی یعنی منہ بولا بیٹا، تو اس کے متعلق بعض لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار سے کسی کو بیٹا بنالیا ہے اور یہ عقیدہ بھی خلاف فطرت الہی اور بدترین ہے۔

انسان کو اولاد کی خواہش کسی اعتبار سے ہوتی ہے چونکہ انسان فانی

عقیدہ  
ابن اللہ

ہے اس سے اس کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اس  
 کا کوئی قائم مقام اور جانشین ہو اور وہ بیٹا ہی ہوتا ہے۔ یا بیٹے کی خواہش  
 اس سے ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد وہ جائیداد کا وارث ہو گا۔ بعض اوقات  
 انسان یہ خیال کرتا ہے کہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو بیٹا میرے کام کاج  
 میں مدد دے گا یا بڑھاپے میں میری خدمت کرے گا۔ یہ ساری باتیں  
 ذاتِ خداوندی پر محال ہیں لہذا فرمایا سُبْحَنَ اللہ تعالیٰ ان تمام ضرورتوں  
سے پاک ہے۔ اس کو نہ بڑھاپا ہے اور نہ فنا۔ لہذا نہ اُسے کسی کی خدمت  
کی ضرورت ہے اور نہ اُسے کسی جانشین کی ضرورت ہے۔ لہذا اُسے  
بیٹے کی ضرورت بھی نہیں ہے وہ ہر قسم کی کمزوری، عیب اور نقص سے  
پاک ہے۔ اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں بلکہ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک  
ہے اسی لیے فرمایا هُوَ الْغَنِيُّ وہ بے نیاز ہے لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي  
الْاَرْضِ آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ہے اور اسی کے تصرف میں ہے  
 لہذا اُس کو بیٹا بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ سورۃ مریم میں آتا ہے کہ ابنِ آدم  
 کا عقیدہ اتنا گنہگار ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے،  
 اس بات سے اُن دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وہ رحمان کے لیے اولاد  
 کا عقیدہ ثابت کریں۔ فرمایا اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِمَا نَا  
 کیا تمہارے پاس اس بات کی کوئی سند یا دلیل ہے کہ اللہ نے مسیح علیہ السلام  
 یا عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے یا جیسا کہ عرب کے مشرکین کہتے تھے کہ  
خدا نے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے؟ فرمایا اَلْقُوْا عَلٰی اللہِ مَا لَا  
تَعْلَمُوْنَ تم نہ تعالیٰ پر ایسی چیز بولتے ہو جس کو خود نہیں جانتے۔  
 خدا تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا۔ یہ تمہارا محض تجسوس اور اللہ پر افتراء  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ کسی کو اختیار دیا ہے۔  
 وہ قادرِ مطلق اور علیمِ کل ہے۔ فرمایا اے پیغمبر! قُلْ اَپ کہ دیں۔ اِنْ





کے لیے بیٹے کا عقیدہ وضع کیا یا خدا تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو  
 شریک بنایا۔ نبی کی رسالت کا انکار کیا، وحی الہی کو برحق نہ جانا یا جزائے  
 عمل کی تکذیب کی فرمایا وہ سب سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔ اسی  
 لیے فرمایا کہ یہ چند دین مزے اڑالو، تم عنقریب اپنے انجام کو پہنچنے والے  
 ہو۔ کفر و شرک اللہ تعالیٰ کی صریح بغاوت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں  
 اور منافقوں کو سخت سزا میں مبتلا کرے گا۔

يعتدرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

درس ہتم ۲۰

آیت ۱ تا ۴۲

وَإِثْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأُ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِ إِنْ  
 كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذِكْرِي بآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى  
 اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ  
 أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ﴿٤١﴾  
 فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَبَرْتُ  
 إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾  
 فَكَذَّبُوهُ فَتَجَبَّنَا وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِّ وَجَعَلْنَاهُمْ  
 خَلْفَةً وَاعْرِفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ  
 عَاقِبَةُ الْمُتَذَرِّينَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا  
 إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا  
 بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى  
 قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ :- اور (اے پیغمبر!) آپ پڑھ کر سنائیں ان کو نوح علیہ السلام  
 کی خبر جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے اے میری قوم کے لوگو!  
 میں نے تم پر میرا کھڑا ہونا اور نصیحت کرنا اللہ کی آیاتوں  
 کے ساتھ تو میں اللہ پر توکل رکھتا ہوں، پس تم جمع کر لو اپنے  
 معاملے کو اور اپنے شریکوں کو۔ پھر نہ ہو تمہارے معاملے میں تم

پہ کوئی اشتباہ۔ پھر فیصلہ کرد میری طرف (جو کچھ تم کہہ سکتے ہو) اور مہلت بھی نہ دو (۴۱) پس اگر تم نے روگردانی کی تو میں نہیں مانگتا تم سے کوئی بدلہ، میرا بدلہ تو اللہ کے فٹے ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو جاذب میں فرمانبرداری کرنے والوں میں (۴۲) پس جھٹلایا ان لوگوں نے نوح علیہ السلام کو، پس ہم نے نجات دی اس کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے کشتی میں اور بنایا ہم نے اُن کو نائب اور فرق کیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ پس دیکھو کیا ہوا انجام ڈراٹے بوئے لوگوں کا (۴۳) پھر بھیجے ہم نے ان کے بعد بہت سے رسول اُن کی قوموں کی طرف۔ پس آئے دو ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر پس نہیں تھے وہ لوگ جو ایمان لاتے اس چیز پر جس کو پہلے ہی انہوں نے جھٹلایا تھا۔ اسی طرح ہم مہر کر دیتے ہیں ان لوگوں کے دلوں پر جو تعدی کرنے والے ہیں (۴۴)

گزشتہ آیات میں قرآن پاک کی حقانیت اور دعوت الی القرآن کا کافی تذکرہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل اور شرک کا رد فرمایا ہے۔ رسالت کے منکرین کی بھی تردید ہو چکی ہے۔ اب یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا مقور اس واقعہ تمثیل کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد نامیلے بغیر دوسرے رسولوں کا ذکر بھی کیا ہے اور آگے چل کر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا تفصیل کے ساتھ بیان آئیگا۔ ان دو انبیاء کے واقعات بیان کر کے مشرکین مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے۔ حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام کی اقوام کے لوگ بھی غرور و تکبر میں مبتلا تھے اور اسی طرح حضور علیہ السلام کے مخاطبین مشرکین بھی بڑی اکثر دکھائے تھے اور آپ کی بہ بات کو جھٹلاتے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ضرور اقوام کا انجام دیکھ لو۔ اگر تم بھی اکثر دکھاؤ گے



تو متارا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

عام طور پر دو چیزیں مال اور جاہ ضلالت کا سبب بنتی ہیں اپنی کی وجہ سے لوگ غرور میں مبتلا ہو کر حق بات کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کے واقعہ میں مال کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ البتہ حضرت نوح علیہ السلام کے تفصیلی حالات اگلی سورۃ میں آئیں گے۔ وہاں پر پوسے دور کو ع میں یہ واقعات بیان کیے گئے ہیں، یہاں پر صرف تنبیہ کے لیے اس تاریخی واقعہ کے کچھ حقائق سمجھائے گئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر! وَاَنْتَ عَلَيْهِمْ نَبَا نُوْحٍ اَب  
 اِنْ نُّوْحٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا حال پڑھ کر سنائیں۔ نبا کا لفظی معنی خبر یا حال ہوتا ہے، تاہم یہاں پر نوح علیہ السلام کے وعظ و نصیحت اور ان کے توکل علی اللہ کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ جِب نُوْحٍ عَلَیْہِ  
 نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا یَقُوْمُ اِنْ كَانَ کَبُرَ عَلَیْکُمْ مَّقَامِی  
 اے میری قوم! اگر تمہیں میرا کھڑا ہونا گراں گزرتا ہے۔ کھڑا ہونے کا  
 مطلب وعظ کرنا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر واعظ و نصیحتین کھڑے ہو کر ہی  
 وعظ و نصیحت کا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق  
 آتا ہے کہ لوگ اُن کے سامنے بیٹھتے ہوئے تھے اور وہ کھڑے ہو کر اُن  
 کو خطاب کیا کرتے تھے۔ بہت سی احادیث سے بھی یہی مترشح ہوتا  
 ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی بجا اوقات کھڑے ہو کر  
 ہی وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جیسے احادیث میں آتا ہے قَامَ فِیْنَا  
 رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی حضور علیہ السلام بجا  
 رہے یہاں کھڑے ہوئے اور یہ یہ نصیحت فرمائی۔ اسی لیے خطبہ کھڑے  
 ہو کر دینا ہی سنت ہے۔ اس بات کا اشارہ سورۃ مومہ میں بھی ملتا ہے  
 وَلَقَدْ رَاَوْاْ تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا فَقَضَوْاْ اِلَیْہَا وَلَمْ یَلٰمْزُوْاْ فَاِیْمًا

حضرت  
 نوح علیہ السلام  
 کا وعظ

اور جب یہ لوگ تجارت یا کسب و کسب دیکھتے ہیں تو آپ کو کھڑا چھوڑ کر اُدھر چلے جاتے ہیں۔ آپ کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ آگیا اور سب لوگ اُدھر متوجہ ہو گئے جی اللہ نے مذمت بیان فرمائی ہے۔ فرمایا نبی کو کھڑا چھوڑ کر بھاگ جانا، تمہارے لیے مناسب نہیں تھا کیونکہ **وَاللّٰهُ خَلَقَ الرِّزْقَ لَكُمْ** رزق میں تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بہر حال کھڑے ہو کر دُعا و نصیحت کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

نوح علیہ السلام نے بھی قوم سے یہ فرمایا کہ اگر میرا کھڑا ہونا وقتِ کثیریٰ **بَآيَتِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ دُعا و نصیحت کرنا تمہاری طابَع پر ناگزیر گزرتا ہے**، تو ہوا کرے، میں تو اس سے باز نہیں آؤں گا تمہاری ناگواری مجھے فرض منصبی سے ہٹا نہیں سکتی۔ **فَعَلَى اللّٰہِ تَوَكَّلْتُ** میں تو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ یعنی تمہاری ہر قسم کی مخالفت کے جواب میں میں اپنا کام اللہ کے بھروسے پر جاری رکھوں گا، وہی مجھے کامیابی عطا کرے گا۔ دوسرے مقام پر حضور علیہ السلام کے متعلق بھی آتا ہے کہ مجرمین کی نافرمانی، اکثر اور غرور کی وجہ سے ہم دُعا و نصیحت کو ترک نہیں کر سکتے بلکہ اللہ کا نبی بہر حال میں اپنا فرض ادا کرتا رہیگا۔ سورہ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو خطاب ہے۔ **فَذَكَرْنَا اِنْ نَفَعْتَ الذِّكْرٰی اَبِیْہِمْ** نصیحت کرتے ہیں خواہ یہ فائدہ دے یا نہ دے، آپ کے لیے تو یہ بہر حال مفید ہی ہے اور آپ کو اس کام کا اجر ملتا رہیگا، حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا **عَلٰی اللّٰہِ تَوَكَّلْنَا (الاعراف)** ہم تو اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ سورہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں بھی توکل علی اللہ کی مثالیں موجود ہیں۔ سورہ ابراہیم میں اللہ نے مختلف انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد ان کا یہی قول نقل فرمایا ہے **وَمَا**

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا لِيَا وَجِبَہ  
 کہ ہم اللہ کی ذات پر بھروسہ نہ کریں جب کہ اس نے تو ہمیں راستہ دکھایا  
 ہے۔ اسی لیے فرمایا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ  
 تمام اہل ایمان کو خدا کی ذات پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے اور اپنا کام جاری  
 رکھنا چاہیے۔ اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ مال و دولت یا جاہ و اقتدار  
 پر بھروسہ نہ رکھیں بلکہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرتے رہیں  
 کیونکہ نتیجہ مرتب کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جب اس پر اعتماد کر کے  
 کوئی کام انجام دے گا تو وہ بہتر نتیجہ ظاہر کرے گا۔

کفار کو  
 چیلنج

آگے کفار و مشرکین کو چیلنج کیا گیا ہے فَاجْمَعُوا أَمْرَكُمْ  
 وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ تَمِمْ أَمْرَكُمْ لَوْ أَنَّكُمْ تَعْلَمُونَ  
 باطلہ کو بھی ساتھ ملا لو۔ جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہو، جن کے  
 نام کی نذر و نیاز دیتے ہو اور جن کی پرستش کرتے ہو ان سب کو اکٹھا کر لو  
 ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً پھر تمہیں اپنے معاملہ  
 میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ غمہ کا معنی تاریکی ہوتا ہے۔ اہم ہینا  
 اس کا معنی مستورا یعنی چھپا ہوا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کرنا  
 چاہتے ہو، کھلے عام کر لو، کوئی چیز پوشیدہ یا مشتبہ نہیں رہنی چاہیے  
 دین میں اشتباہ والی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے تمام اصول دین تم پر واضح  
 کر دیے ہیں اور تمہیں اچھے طریقے سے سمجھا دیے ہیں، اب جو تمہیں تمہیں کرنا  
 ہو وہ بھی علی الاعلان کر لو ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ پھر میرے لیے جو فیصلہ کرنا  
 ہے کر لو وَلَا تَنْظُرُوا وَاذْكُرُوا اللہ اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ مجھے خدا کی ذات  
 پر توکل ہے جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ وہی میری  
 دشگیری کرے نہ والا ہے، میں تم سے خون نہیں کھاتا، مجھے ہر حالت  
 میں خدا کا پناہ ہے۔ ہاں تم میرے خلاف ہو چکے ہو تاہم میرے



اس کی کچھ پروا نہیں۔

فَرَايَافِيَانَّ كَوَيْتَكُمْ اَلْاَمْرُ مِمَّا رَدَّوْنِ كَرُوْا مِيْرَے دُخْلُوْا نَصِيْحَتِ مِمَّا  
کچھ اثر متبول نہ کرو اور اپنی من مانی کرتے رہو۔ تو مجھے کچھ پروا نہیں کیونکہ  
فَتَمَّا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ اَحْبَرٍ مِّنْ قَمَرٍ مِّنْ كَسِيٍّ اَجْرٌ مِّنْ دَوْرِيٍّ يٰ مَعَاوِشَ  
کا طلبگار نہیں ہوں۔ ہر نبی نے اپنے آپ کو ناصح اَمْرٌ مِّنْ كَسِيٍّ کہا ہے  
یعنی میں تو غیر خواہی کرنے والا اور امانتدار ہوں اِنْ اَحْبَرِيْ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ

بے لوث  
خدمت

میرا معاوضہ تو پروردگار عالم کے پاس  
ہے۔ ہر نبی نے یہی بات کہی کہ میں تو تمہاری غیر خواہی کی بات کرتا ہوں۔  
میری سب لوث کا رکش تمہارے ہی فائدے کے لیے ہے۔ اس  
میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا، اگر میں تم سے کوئی  
معاوضہ طلب کروں تو اسے اپنے پاس ہی رکھ لو مجھے ہرگز نہ دو۔ فرمایا  
وَأَمْرٌ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے  
کہ میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہو جاؤں۔ اللہ کی اطاعت اور  
اس کے دین کی دعوت کو اپنا شعار بنا لوں۔ میں تو صرف اللہ کے حکم کی  
تعمیل کرتا ہوں اور یہی میرا مشن ہے۔ اس طرح گویا نوح علیہ السلام نے  
اپنی قوم کو وعظ فرمایا۔

کذبین کی  
عسرتابی

افسوس کہ قوم پر اس نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا فَكَذَّبُوْا لَمَّا اَنْزَلُ  
نے نوح علیہ السلام کو جھٹلادیا۔ اُن کی ایک نہ مانی، کفر پر اصرار کیا جس کا نتیجہ  
یہ ہوا فَجَبَّيْنَاهُ اِلَیْہِ اللّٰہُ نے فرمایا، ہم نے نوح علیہ السلام کو تو بچا لیا۔ وَ  
مَنْ مَّعَهُ فِ الْفُلْکِ اور آپ کے ساتھیوں کو بھی بچا لیا  
جو آپ کے ساتھ کشتی پر سوار تھے اور جن کی جملہ تعداد اسی کے قریب  
تھی وَجَعَلْنَاهُمْ حُلُفًا اَنْہیں پہلوں کا جانشین بنایا۔ اسی کو زمین  
میں بسایا اور اسی سے آگے نسل انسانی چلائی وَاعْرِضْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا

بِالْبَيِّنَاتِ اور ہماری آیات کو جھٹلانے والوں کو غرقِ قاف کر دیا۔ گویا انفراروں کی جڑ بنیاد ہی سے کاٹ ڈالی۔ کشتی میں سوار نفوس کے علاوہ بستیوں کا ایک فرد بھی زندہ نہ چھوڑا، سب کو ہلاک کر دیا فرمایا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكِبِرِينَ پس دیکھ لو، ڈرائے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ جن لوگوں کو اللہ کا نبی بار بار ڈرا رہا تھا اور ان کے برے انجام سے خبردار کر رہا تھا، اللہ نے دنیا میں ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ یہ واقعہ بیان کر کے مشرکین مکہ اور مشرکین عرب کو تنبیہ کی گئی ہے۔ کہ اگر تم بھی انکار کرتے رہو گے، اللہ کے نبی کی تکذیب کر دے گے تو تمہارا حشر بھی قومِ نوح کی طرح ہی ہو سکتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء اور ان کی قوموں کا اجمالاً تذکرہ کیا ہے ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ پھر نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے ان کی اقوام کی طرف رسول بھیجے۔ ان میں سے بعض رسولوں کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے جیسے ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام، اور بعض کا ذکر اللہ نے نہیں فرمایا۔ سورۃ الناز میں ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ اے پیغمبر! ہم نے اس سے پہلے بعض پیغمبروں کا ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔ غرضیکہ فرمایا کہ جو انبیاء ہم نے مختلف اقوام کی طرف بھیجے تھے وہ وہ بِالْبَيِّنَاتِ وہ ان کے پاس واضح دلائل، نشانیاں، معجزات اور احکام سے کر گئے۔ مینات میں یہ ساری چیزیں شامل ہیں۔ انہوں نے ہر چیز کو واضح طور پر بیان کر دیا اور کوئی ایسی بات نہ چھوڑی جو سمجھ میں نہ آ سکے مگر

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ جس چیز کو اس سے پہلے ہی جھٹلا چکے تھے، اس کو آخر تک تسلیم نہ کیا بلکہ مسلسل

مسل  
تکذیب

تکذیب ہی کرتے ہے۔ :-

فرمایا کَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ہم اسی طرح  
تعدی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون  
ہے کہ انصاف اور ہدایت کے طالب کا دل توحید اور ایمان کیلئے  
کھول دیا جاتا ہے مگر سجاوہ کرنے والے کے دل پر ٹیپہ لگا کر ہمیشہ کے  
لیے بند کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کے دل میں ایمان نہیں اتر سکتا اور وہ  
اسی طرح دنیا سے نامراد چلا جاتا ہے۔ سورۃ مطففین میں فرمایا  
ہے "كَلَّا بَلْ عَصَاكَ اَن عَلٰی قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ"  
ان کی بڑی کھائی کی وجہ سے ان کے دلوں میں رنگ چڑھ جاتا ہے ان  
میں ہدایت داخل نہیں ہو سکتی اور یہ لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
"قَوْلِهِمْ مَا تَوَلٰی وَنُصِّلَ لَهُ جَهَنَّمَ" (النساء) جس طرف وہ جانا چاہتے  
ہیں ہم اُدھر ہی جانے کی توفیق دے دیتے ہیں اور بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم  
ہوتا ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں بھی آتا ہے "خَسِمَ اللّٰهُ عَلٰی  
قُلُوبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ" اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں  
پر ٹیپہ لگا دیا ہے۔ اب نہ تو اچھی بات ان کے دلوں میں داخل ہو سکتی  
ہے اور نہ وہ سن سکتے ہیں۔ سورۃ نساء میں ہے "بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ  
عَلٰیہُمْ بِكُفْرِهِمْ" ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ  
جاتی ہے۔ اور ایسا پہلے دن نہیں ہو جاتا بلکہ افراتواری کی مسلسل تکذیب،  
ہٹ دھرمی، بغض اور عداوت کی وجہ سے ان کے لیے ہدایت کا دروازہ  
مستقل طور پر بند کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال اس مقام پر بھی فرمایا کہ اسی طرح  
ہم تعدی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگاتے ہیں۔



ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَهَارُونَ الْخَافِرَيْنِ وَمَلَأْنَاهُ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكَبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٦﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّامِرُونَ ﴿٧﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَلْفِتَنَّا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمُ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ أَتُؤْتُونِي بِكُلِّ سَجِيرٍ عَلَيْهِ ﴿٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُّلقُونَ ﴿١٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السَّحَرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١١﴾ وَيُحَقِّقُ اللَّهُ الْحَقَّ

﴿١٢﴾ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٣﴾

ترجمہ :- پھر بھیجا ہم نے ان (گنہگاروں) کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر پس ان لوگوں نے تکبر کیا اور تھے وہ مجرم ﴿۵﴾ پس جب آیا ان کے

پاس حق ہماری طرف سے تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے (۷۶) کہا  
 موسیٰ علیہ السلام نے، کیا تم کہتے ہو حق کو جب کہ تمہارے پاس آ  
 گیا ہے، کیا یہ سحر ہے؟ حالانکہ نہیں فلاح پاتے ساحر لوگ (۷۷)  
 کہنے لگے کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ تو ہمیں پھیر دے ان چیزوں  
 سے جن پر ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادوں کو، اور ہو جائے  
 تم دونوں کے لیے بڑائی زمین میں اور نہیں ہیں ہم تم دونوں کی  
 بات پر یقین کرنے والے (۷۸) اور کہا فرعون نے لاؤ میرے پاس  
 ہر علم دار جادوگر کو (۷۹) پس جب آئے جادوگر تو کہا موسیٰ علیہ السلام  
 نے اُن کے لیے کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو (۸۰) پس جب  
 ڈال انہوں نے تو کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے کہ تم جو چیز لائے ہو یہ  
 تو جادو ہے بیشک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو باطل کر دیگا۔ بیشک  
 اللہ تعالیٰ نہیں درست کرتا فادیوں کے کام (۸۱) اور ثابت کرتا  
 ہے اللہ تعالیٰ حق کو اپنے کلمات سے اگرچہ مجرم ناپسند کریں (۸۲)

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ اور مشرکین عرب کو سبھانے کے لیے اور بعد میں آنے  
 والے مشرکوں اور نافرمانوں کی عبرت کے لیے پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم  
 کی مثالی بیان فرمائی، درمیان میں اجمالی طور پر دیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ  
 دیکھ لو ڈالے ہو نے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ ان تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی  
 معرفت بڑے انجام سے ڈرایا تھا مگر وہ لوگ غرور و تکبر میں مبتلا ہوئے اور انبیاء علیہم السلام  
 کو برداشت نہ کیا مگر اللہ کے پیروں نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے  
 تبلیغی مشن کو جاری رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مختلف قسم کی سزاؤں  
 میں مبتلا کر کے صفحہ ہستی سے ناپسند کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام  
 کی بعثت

پہلے انبیاء میں سے حضرت صالح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، شعیب علیہ السلام

ابراہیم علیہ السلام اور بعض دیگر اولوالعزم انبیاء کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ نَبَعَثْنَا مِنْهُمُ مُوسٰی وَ هَارُونَ پھر بھیجا ہم نے ان سابقہ انبیاء کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو۔ یہ دونوں اللہ کے جلیل القدر نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ عمر میں چھوٹے تھے مگر زیادہ شان والے تھے۔ ہارون علیہ السلام آپ کے بڑے بھائی تھے، اللہ نے ان کو بھی نبوت عطا فرمائی اور آپ کی دغا سے انہیں موسیٰ علیہ السلام کا معاون بنایا۔ پھر اللہ نے ان دونوں کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا فرمایا پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَائِکَہٖٗ بِالْبَیِّنٰتِ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر۔ دونوں انبیاء کی یہ بعثت بنی اسرائیل اور قبطیوں پر مشتمل پوری امت کی طرف تھی۔ آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل کے لوگ تو آپ کو نبی تسلیم کر چکے تھے، یہ بعثت خاص طور پر فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف تھی۔ یہ لوگ بڑے سرکش، مستبد، جابر اور مکذب تھے اس بات کو اللہ نے سورۃ طہ میں یوں فرمایا ہے اِذْ هَبْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اٰتٰنَا طٰغٰی تم دونوں بھائی ہماری نشانیاں دے کر فرعون کی طرف جاؤ۔ کیونکہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ اس کو جا کر سمجھاؤ اور اس کے حواریوں کو بھی جو اس کے ہم نشین ہیں، اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اس کی یکیموں میں اس کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو نشانیاں دے کر بھیجا تھا ان کا ذکر سورۃ اعراف اور بعض دوسری سورتوں میں موجود ہے۔ ان میں سے دو معجزات یعنی عصا اور ید بیضا نمایاں تھے۔ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور اللہ کا پیغام پہنچایا فَاَسْکُتُوْا

قوم کا  
تکبر





مُخْبِرِينَ سَارِي كِي سَارِي قوم مجرم تھی۔ اسی طرح قوم عار کے متعلق فرمایا کہ ساری قوم ظالم تھی۔ فرح علیہ السلام کے واقعہ میں قوم کے لیے عین کا لفظ فرمایا کہ ساری قوم اندھی تھی۔ اور یہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرمایا کہ سب مجرم تھے۔ ان میں انصاف پسند آدمی کوئی نہیں تھا سوائے ایک کے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حق کا  
انکار

فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا حَبِائِلُ كے پاس ہماری طرف سے سچی بات آگئی، اللہ کی توحید کا پیغام آیا، خدا کی عبادت کا پروردگار آیا، قیامت کی فکر آئی اور نبی کی نبوت آئی۔ حق بات وہ ہوتی ہے جو دلائل سے ثابت ہو۔ توحید کا نبی یہ سچی باتیں لے کر آگیا تو کہنے لگے قَالُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ یہ تو کھلا جادو ہے حالانکہ اس میں جادو والی کوئی بات نہ تھی بلکہ یہ تو اللہ کا سچا پیغام تھا۔ اس طرح فرعون اور اس کے درباریوں نے حقیقت کو جادو سے تعبیر کر دیا۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا هَكَالَ مُوسَىٰ اتَّقُولُونَ لِلْحَقِّ كَمَا جَاءَكُمْ کیا تم حق بات کو جادو کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آگئی ہے؟ تمہیں کچھ تو حیا کرنی چاہیے اِسِحْرٌ هَذَا کیا یہ جادو ہے؟ انبیاء علیہم السلام اور جادو گروں میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انبیاء کے چہروں سے ان کے پاکیزہ اخلاق و اطوار ان کا تقویٰ اور طہارت، ان کی چال و حال کی شانستگی سب واضح ہوتے ہیں جب کہ ساحر لوگ خود غرض ہوتے ہیں۔ وہ تو جادو کو ذریعہ معاش بناتے ہیں اور اس کے ذریعے کمالی کہتے ہیں۔ اس کے برخلاف ایک نبی کا یہ واضح اعلان ہوتا ہے "وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجَبْتُمْنِي إِلَّا عَلَىٰ رِبِّ الْعَالَمِينَ" (الشعراء) میں تم سے کوئی فیس یا اجرت طلب نہیں کرتا بلکہ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

جب فرعون نے جادو گروں کو اکٹھا کیا تھا تو انہوں نے سر سے پہلے  
یہی شرط طے کی تھی کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے تو ہمیں انعام دیا  
گا؟ فرعون نے کہا کہ انعام کی کیا بات ہے، میں تمہیں اپنا مقرب  
بنالوں گا، تمہیں دربار میں کرسی بل جائیگی، اس سے بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے  
غرضیکہ فرعون اور اس کے حواریوں نے اللہ کے نبیوں کی دعوت کو جادو  
کہ کر ٹھکرا دیا۔

جادو ایک ایسی چیز ہے جس میں انسان اکثر ناپاک رہتا ہے بعض  
اوقات جادو گر کو غفلت جانت بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کوئی قبروں سے  
ٹپیاں اکٹھی کرتا ہے، کوئی زندہ آدمی کو قتل کرنے کے درپے ہوتا ہے  
کوئی کسی نامالغ بچے کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے اور کوئی کسی کے بال  
حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور پھر یہ کہ جادو کے لیے جو کلام پڑھا  
جاتا ہے، وہ شرک پر مشتمل ہوتا ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے  
ہیں کہ جادو کا ادنیٰ اسے ادنیٰ عمل بھی بدعت سے خالی نہیں ہوتا۔ جادو  
میں غیر اللہ سے استمداد، شریک کلام، فاسد عقیدہ، لہذا اور خیس اعمال  
کا سہارا لینا پڑتا ہے، اچھے اعمال کی توفیق ہی نہیں ملتی، اسی لیے سحر کی  
حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ سورۃ بقرہ میں یہودیوں کی مذمت ان الفاظ کے  
ساتھ بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال کر  
سحر سیکھنا شروع کر دیا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے کا ذکر ہے جب  
جنت لوگوں کو جادو کا علم سکھاتے تھے۔ وہ جانتے ہیں کہ جس نے جادو  
کا علم حاصل کیا، اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں مگر اس کے  
باوجود اس قبیح علم کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ جو شخص جادو کے ذریعے  
لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا خدا اللہ تعالیٰ



ضَرْبَةً بِالشَّيْفِ یعنی ایلے جادوگر کی سزا سزائے موت ہے وہ اس رقم کے قابل نہیں۔ ایسا آدمی تمدن کو بگاڑتا ہے۔ لہذا واجب التعزیر ہے۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ تمدن کو بگاڑنے والی چیزوں میں جادو بھی شامل ہے۔ جادوگر خفیہ عمل کے ذریعے لوگوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں، جس طرح اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کرنے والے تھوڑے نفع کی خاطر تمدن کے قائل ہوتے ہیں اسی طرح جادوگر بھی تمدن انسانی کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔

فرمایا، یاد رکھو! وَلَا يَفْضِلُ السَّحَرُؤْنَ سَاحِرَ لَوْكَ كَامِيَابَ جادوگروں کی ناکامی نہیں ہو سکتے، مولانا تھانویؒ نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ بعض اوقات جادوگر اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر اس آیت میں اس بات کی بالکل نفی کی گئی ہے۔ پھر آپ اس کا جواب بھی دیتے ہیں کہ یہاں جس کامیابی کی نفی کی گئی ہے وہ نبی کے ساتھ مقابلے کی صورت کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جادوگر جب بھی اللہ کے نبی کے مقابلے میں جادو جگانا چاہے گا، وہ کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ جادو ایک فن ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو اس کے ذریعے بعض اوقات نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ مگر جب یہی جادو نبی کے معجزے کے مقابلہ میں آئے گا تو ناکام ہو جائے گا۔ اس مقام پر ناکامی کا یہی مطلب ہے۔ اہل باطل کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب بھی اللہ کے کسی نبی نے انہیں حق کی طرف دعوت دی تو انہوں نے اس پر حصول اقتدار کا جھوٹا الزام لگایا، ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو طعن دیا گیا کہ تم یہ وعظ و نصیحت اس لیے کرتے ہو کہ لوگ تم سے متاثر ہو کر تمہاری سیادت کو تسلیم کر لیں یہاں بھی ایسا ہی ذکر آ رہا ہے۔ جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے جادو اور معجزے میں فرق کو بیان فرمایا تو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ

جادوگروں کی ناکامی

حصول  
اقتدار  
کا طعن

کئے گئے قَالُوا اَجِئْتَنَا لِنَلْفِئَنَّا عَمَّا وَحَبَدْنَا لَكُمُ الْاِبِلَآءَ  
 اے موسیٰ علیہ السلام، کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس چیز سے  
 پھیرے جس پر ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو پایا۔ ہم تیری ایسی کسی بات کو  
 ماننے کے لیے تیار نہیں جس کی وجہ سے ہم اپنے اباؤ اجداد کا دین ترک  
 کرنا پڑے کئے گئے تم دونوں بھائیوں کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے وَتَكُونُ  
لَكُمْ اُلْكِبُ بَيْنَكُمْ اَلْاَمْثَلُ کہ تم دونوں کو زمین میں بڑائی حاصل  
 ہو جائے، تم ملک و قوم میں اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہو اور ہمیں اقتدار  
 سے ہٹانا چاہتے ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اقتدار اور جاہ تو نیک و بد  
 سب کو حاصل ہو جاتا ہے مگر انبیاء کا مشن محض اقتدار حاصل کرنا نہیں ہوتا  
 بلکہ ان کا مقصد بندے کا تعلق اللہ سے جوڑنا ہے، اور وہ ساری باتیں  
 و دو اسی مقصد کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔

غرضیکہ قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو رد و جواب  
 کی بنا پر ٹھکرادیا۔ پہلی وجہ یہ کہ تو ہمیں ہمارے بڑوں کی رسوم اور ان کے  
 عقیدے سے ہٹانا چاہتا ہے اور دوسری یہ کہ تو ہم میں بڑائی حاصل کرنا چاہتا  
 ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کا مشن محض حق کی تبلیغ ہوتا ہے۔  
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اسلام کی دعوت دو وجہ سے ہے  
 اگر منکرین اسلام قبول کر لیں تو ہماری لڑائی ختم ہوگئی، یہ ہمارے بھائی بن گئے  
 مگر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعوت کو فرعون اور اس کی قوم نے قبول  
 نہ کیا اور کہا وَمَا كُنَّا بِمُؤْمِنِيْنَ کہ ہم تمہاری باتوں پر  
 یقین کرنے والے نہیں۔ ایمان کا لفظی معنی یقین ہی ہوتا ہے اور یہاں یہی  
 معنی مراد ہے کہ فرعون اور اس کی قوم نے کہا کہ ہمیں تمہاری باتوں پر یقین  
 نہیں آتا۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اور تم خدا تعالیٰ  
 کے فرستادہ نبی ہو، تم ہمیں قیامت اور جزائے عمل کی بات بتاتے

ہو، مگر ہم تمہاری کسی بات کو مٹنے کے لیے تیار نہیں۔

ابو اجداد کی تقلید دین حق کے راستے میں ہمیشہ سے رکاوٹ رہی ہے  
 جب بھی اللہ کے نبیوں نے لوگوں کو توحید کی طرف بلایا تو انہوں نے  
 ابو اجداد کے قائم کردہ رسم و رواج اور باطل عقائد کا سہارا لیا قرآن پاک نے  
 مکہ میں کی اس روش کا بار بار تذکرہ کیا ہے۔ خود حضور علیہ السلام اور آپ کے  
 صحابہ کو صابی کا لقب دیا گیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ ہمیں ابو اجداد  
 کے پرانے دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ مشرک  
 لوگ باپ دادا کے دین پر قائم رہنے پر مصر ہیں "أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ  
 لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ" (البقرہ) اگرچہ ان کے آپ  
 دادا بے عقل اور غیر ہدایت یافتہ ہی کیوں نہ ہوں۔ ہاں اگر ابو اجداد  
 راہ راست پر ہوں تو ان کا اتباع کرنا کمال درجے کی بات ہے حضرت  
 یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں باطل پرستوں کا اتباع چھوڑ کر "وَأَتَّبَعْتُ  
 مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَيَعْقُوبَ" (یوسف) میں نے اپنے  
 ابو اجداد ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی ملت  
 کا اتباع کر لیا ہے اور انہی کے طریقے پر چل رہا ہوں، اور یہ قابلِ فخر بات  
 ہے۔ مگر کفر، شرک، بدعات اور باطل رسوم پر چلنا تو بے عقلی کی بات ہے  
 اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی نسبت کفر و شرک اور باطل  
 رسوم پر مہر نے والے آباء اجداد کی طرف کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، وہ  
 لوگ اللہ کے نزدیک اس کیڑے سے زیادہ ذلیل ہیں جو گندگی کی گولیاں  
 بنانا کر اپنے منہ اور ناک سے کھاتا رہتا ہے۔

بہر حال فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر دیا اور ساتھ  
 ساتھ یہ بھی حکم دیا "وَقَالَ فِرْعَوْنُ اُتُوا بِكُلِّ سَلِيمٍ" (یوسف)  
 میرے پاس بڑے بڑے جادوگر اکٹھے کر دو۔ اس زمانے میں جادوگروں  
 جادوگروں کا اجتماع



بہت قدر ومنزلت تھی۔ ان میں سے بعض کو فرعون کی حکومت کی طرف سے  
وظائف ملتے تھے اور یہ لوگ امور مملکت میں اسی طرح دخل تھے جس  
طرح آج کل حکومت کے مشیروں میں ڈاکٹر انجینئر، سائنس دان، ماہرین  
معاشیات اور قانون دان شامل ہیں۔ اس زمانے میں حکومت کے  
منصوبے ٹیکنیکل کریٹ بناتے ہیں جب کہ فرعون کے زمانے میں یہ کام ساعروں  
کا ہنوں، اور سحر میوں کے سپرد تھا۔ بہر حال فرعون نے تمام جدید پیداواروں  
کو جمع کر کے کا حکم دیا تا کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف منصوبہ بندی کی جا سکے  
مفسر قرآن امام بغوی کے مطابق ایسے جادو گروں کی تعداد پندرہ ہزار تھی۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ جَبَّادُو كُرَّانٍ كُنْ . قَالَ لَهُمْ مُوسَى  
الْقُوا مَا أَنْتُمْ مُقِفُونَ تُو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ جو کچھ  
تم ڈالنا چاہتے ہو، ڈال دو۔ مطلب یہ تھا کہ تم جو بھی اپنا کرتب دکھانا چاہتے  
ہو، دکھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کا مکالمہ اللہ نے مختلف سورتوں  
میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ان سے مقابلہ شروع کرنے سے پہلے حضرت  
موسیٰ علیہ السلام نے جادو گروں کو حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے  
تقریر فرمائی کہ دیکھو! تم دنیا کی خاطر حق و صداقت کے مقابلے پر آگئے ہو،  
یاد رکھو! خدا کے ہاں تمہاری اس حرکت کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ اس کے  
بعد آپ نے فرمایا کہ اگر اب بھی تم اپنی حرکت باز نہیں آئے تو لاؤ پھر  
اپنا کرتب دکھاؤ۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے اُسے ظاہر کرو۔ بہر حال انہوں  
نے اپنے فن کا اظہار کر دیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کے کرتب کو دیکھا تو فرمایا فَكَلَّمَا  
الْقُوا قَالَ مُوسَى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ کہ جو چیز تم لا آئے ہو،  
یہ تو جادو ہے۔ یہ جو سانپ نظر آ رہے ہیں، یہ سانپ نہیں بلکہ رسیاں  
ہیں۔ اور ان کی حقیقت کیا ہے؟ اِنَّ اللّٰهَ سَيُضِلُّهُمۡ بِسُكۡرٍ غَفِیۡرٍ

اللہ تعالیٰ اس کو باطل کر دینا یعنی مٹا دینا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کے کام کو نہیں سنوارا کرتا تمہارا مقصد فرعون کی مدد اور باطل کی تائید ہے مگر یہ چیز حق کے مقابلہ میں نہیں چل سکتی، کفر، شرک، استبداد اور ظلم سے بڑھ کر کونسا فساد ہو سکتا ہے تم ان قبیح حرکات کے مرتکب ہو رہے ہو، لہذا تم فساد ہی ہو اور اللہ تعالیٰ فساد یوں کے کام کو پختہ تکمیل تک نہیں پہنچاتا۔

فرمایا وَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَللّٰهُ الْحَقُّ يَكْلِمُ الَّذِيْنَ يَشَآءُ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِالْحَقِّ يَكْلِمُهُمُ اللّٰهُ بِالْغَيْبِ الَّذِيْ يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ سے ثابت کرتا ہے وَلَوْ كَرِهَ الْمُحْسِنُوْنَ اگرچہ مجرم لوگ اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ خدا تعالیٰ کا یہ دستور اور طریقہ ہے کہ وہ حق کی حمایت کرتا ہے اور باطل کو مٹا دیتا ہے۔ خصوصاً جب انبیاء کے مقابلے میں باطل کو پیش کیا جائے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو مٹا دیتا ہے اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فساد یوں کے عمل کو بھی نہیں سنوارے گا۔

حق کا  
بول بالا

فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ  
 مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ ؕ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ  
 لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ  
 مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ كُنتُمْ آمِنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا  
 إِن كُنتُمْ مُّسْلِمِينَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا  
 لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٨٥﴾ وَنَحْنَا بِرَحْمَتِكَ  
 مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى وَأَخِيهِ  
 أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ  
 قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ :- پس میں نے ایمان لائے موسیٰ (علیہ السلام) پر مگر کچھ قوموں  
 ان کی قوم سے ڈرتے ہوئے فرعون سے اور ان کے سرداروں  
 سے کہ کہیں وہ ان کو فتنے میں مبتلا نہ کر دے ۔ اور بیشک فرعون  
 البتہ مغرور تھا زمین میں ۔ اور بیشک وہ حد سے بڑھنے والا تھا ﴿۸۳﴾  
 اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے اے میری قوم کے لوگو ! اگر تم ایمان  
 رکھتے ہو اللہ پر ، پس اسی کی ذات پر بھروسہ کرو ، اگر تم فرمانبرداری  
 کرنے والے ہو ﴿۸۴﴾ تو کہا انہوں نے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا  
 ہے ۔ اے ہمارے پروردگار ! نہ بنا ہم کو آزمائش ظالم قوم کیلئے ﴿۸۵﴾



و نہایت بڑے۔ اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے (۸۶) اور ہم نے وحی بھیجی کہ اسلام اور اُن کے بھائی کی طرف کہ متو کرو اپنی قوم کے لیے مصر کے اندر گھر، اور بناؤ اپنے گھروں میں قید اور قائم کرو نماز، اور خوشخبری دو ایمان والوں کو (۸۷)

دلیل آیات

مصر کش لوگوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت لوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا حال بیان کیا۔ پھر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور اُن کے خاندان اور تکبرین فرعون اور اسکی قوم کا ذکر کیا۔ دراصل یہ مشرکین عرب اور اُن کے بعد آنے والوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر وہ بھی سابقہ اقوام کی طرح غرور اور تکبر کو اختیار کریں گے اسی کے خلاف بغاوت کریں گے تو اُن کا انجام بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے مختلف نہیں ہوگا۔ فرعون کا واقعہ مختصر پہلے بیان ہو چکا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کا پیغام پیش کیا تو اُس نے اور اس کے ساتھیوں نے اُسے سحر کہہ کر دیکر دیا، اور کہنے لگے کہ تم ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے طریقے سے ہٹانا چاہتے ہو اور ہم سے ہمارا دین چھڑانا چاہتے ہو۔ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم اپنے جادوگروں کو تمہارے مقابلے کے لیے آئیں گے۔ چنانچہ بڑے بڑے جادوگروں کو اکٹھا کر لیا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا کرتب پیش کرنے کی دعوت دی، جب انہوں نے اپنا کرتب دکھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو جادو ہے اور اللہ تعالیٰ جادو کو ضرور باطل کر دیگا اور یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ فساد یوں کے کام کو کبھی نہیں سنوارتا اور حق کو اپنے حکم سے ثابت کرنا ہے اگرچہ مجرم لوگ کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کریں۔

چند اہل ایمان  
امشراہ

اب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی کچھ کیفیت بیان فرمائی ہے۔ جس سے فرعون اور اس کی قوم کے مظالم کا نقشہ بھی کسی حد تک سامنے آتا ہے ارشاد ہوا ہے فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ اور نہ ایمان لانے موسیٰ علیہ السلام پر إِلَّا ذُرِّيَّةً مِّن قَوْمٍ مگر آپ کی قوم کے کچھ نوجوان۔ ذہبت کہ انہیں

خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں سورۃ آل عمران میں حضرت مریمؑ کے واقعہ میں  
 "آتٰہُ ذُرِّيَّةً بَعْضُہَا مِنْ بَعْضٍ" یعنی اولاد کے بعض افراد بعض  
 سے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ذریت کے لفظ کو مفسرین کرام نے دو مختلف  
 معانی پر محمول کیا ہے۔ اور اس کا ایک معنی افراد کی قلیل تعداد ہے، جب ذکر  
 کی ضمیر فرعون کی طرف لڑائی باٹے تو مطلب یہ ہوگا کہ قوم فرعون کے مقتول  
 سے افراد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے جن کا ذکر قرآن و احادیث میں  
 مناسب۔ ان میں فرعون کی بیوی آسیہ، فرعون کا ایک خراجچی، فرعون  
 کی بیٹی کو کنکھی وغیرہ کرنے والی خادمہ کا خاندان، اور آل فرعون کا ایک مومن شامل  
 ہیں۔ فرعون کی بیوی آسیہ کا ذکر سورۃ تحریم میں موجود ہے۔ اُس نے بڑی  
 تکالیف برداشت کیں اور بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اُسے قوم فرعون کے  
 ظالموں سے نجات دے۔ اسی طرح فرعون کی بیٹی کی خادمہ کے خاندان کو بھی  
 فرعون نے بڑی سخت سزا دی۔ ثانی سے بنے ہوئے گھوڑے کے مجسمہ میں آگ جلا  
 کہ پورے خاندان کو اس میں تھیز تک دیا اور جلا ڈالا۔ آل فرعون کے ایک  
 مومن کا ذکر سورۃ مومن میں موجود ہے، بلکہ سورۃ کا نام مومن اسی مومن کے نام  
 پر ہے۔ پہلے وہ شخص اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کرتا تھا مگر کسی موقع پر اُس نے  
 اپنے ایمان کا اظہار کیا تو سخت آزمائش میں مبتلا ہو گیا۔ بہر حال ذریت سے مراد یہی  
 مقتول سے لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فقوہہ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے  
 اور ذریت سے مراد نوجوان ہیں اور اس طرح مطلب یہ ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام  
 پر ان کی قوم کے چند نوجوان ہی ایمان لائے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ  
 بنی اسرائیل کی تعداد تو چھ لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی جب انہوں نے بحر قلزم کو  
 عبور کیا مگر یہاں صرف چند نوجوانوں کے ایمان کا ذکر آیا ہے۔ بات یہ ہے کہ  
 بنی اسرائیل اپنی کثیر تعداد کے باوجود فرعون کے مظالم سے سمجھے ہوئے تھے

چند بنی  
 اسرائیل  
 نوجوان

وہ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے مگر اس کا اظہار نہیں کرتے تھے کہ کہیں کسی بڑی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ فرعون قوم بنی اسرائیل کے خلاف ابتدا ہی سے تھا۔ اُسے بخوبیوں نے بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوئے والا ہے جو تیری سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔ لہذا اُس نے بنی اسرائیل کے نو مولود بچوں کے قتل کا حکم دے دیا اور اسی طرح وہ نوے ہزار بچوں کے قتل کا مرتکب ہوا۔ چنانچہ بنی اسرائیل فرعون کی طرف سے سخت سزا کے خوف سے اپنے ایمان کا اظہار نہ کرتے تھے حالانکہ اُن میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی شخصیت کو بھیجے گا جو انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دلائے گا۔ تاہم وہ چند لوگ ہی تھے جنہوں نے اپنے ایمان کا برملا اظہار کیا اور پھر سخت ترین تکالیف برداشت کیں حتیٰ کہ فرعون کی بیوی نے جام شہادت نوش کیا۔ اس لیے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے مگر اُس کی قوم کے چند نوجوان۔

فرعون  
کے  
مظالم

اور اس کی وجہ یہ تھی علیٰ خوفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ انہیں فرعون اور اس کے سرداروں کے مظالم کا خوف تھا اس لیے وہ کھل کر اپنے ایمان کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے اَنْ يَّفْتِنَهُمْ کہیں وہ انہیں کسی فتنہ میں مبتلا نہ کر دے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاٰمْرِ مَنْ يَّهْدِ فِرْعَوْنَ زَيْنًا يَّهْدِ وَيَسْرِ يَرَسُ لَئِنْ كُنَّا لَمُبْتَلٰی اور بیشک وہ مدت بڑھنے والا تھا۔ فرعون کی سرکشی، اُس کی من مانی کاروائی اور بنی اسرائیل کو ایذا رسانی سب کے سامنے تھی، لہذا وہ اس ڈر سے ایمان کا اظہار نہیں کرتے تھے کہ کہیں فرعون کے مظالم کا شکار نہ ہو جائیں۔ چند نوجوانوں کے ایمان لانے میں اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے



کہ نوجوانوں میں نیا خون، نیا ولولہ اور نیا جوش ہوتا ہے اس لیے کسی انقلابی اقدام کی توقع انہی سے کی جا سکتی ہے۔ اس کے برخلاف عمر رسیدہ لوگ مصلحت کو کش ہوتے ہیں۔ کم و بیش چالیس سال میں بن جانے والی ذہنیت کو بدلتا نہایت مشکل ہوتا ہے، لہذا بوڑھے لوگوں میں سے شاذ و نادر ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پرانی ڈگر کو ترک کر سکیں۔ چنانچہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں نوجوان طبقہ ہی پیش پیش تھا جب کہ بوڑھے آدمیوں کی تعداد نہایت قلیل تھی۔

خدا پر  
بھروسہ

فرعون اور اس کے حواریوں کے مظالم کے پیش نظر وَقَالَ مُوسَىٰ  
— موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا اَيَقُوۡدِرُ اِنْ  
كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم حقیقت میں  
اللہ پر ایمان لائے ہو فَعَلَيْكُمْ تَوَكَّلُوْا تو پھر غبر و سہ بھی اسی پر کرو  
اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ اگر تم فرمانبرداری کر رہے ہو تو بلا ہر اسباب  
کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے مگر ان اسباب کو ہی اول و آخر نہیں سمجھ  
لینا چاہیے بلکہ اسباب کو برتنے کا رلاتے ہوئے بھروسہ اللہ پر ہی کرنا چاہیے  
کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا مقصد اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر  
وہ چاہے تو بے سروسامانی کی حالت میں بھی ایسے اسباب پیدا فرمائے گا  
جس سے تمہیں کامیابی نصیب ہو جائیگی اور وہ اس چیز پر بھی قادر ہے  
کہ تمام اسباب کی موجودگی میں بھی کسی چیز کو ناکام بنائے، لہذا بھروسہ اُسی  
پر ہونا چاہیے۔ تو اس کے جواب میں معدودے چند اہل ایمان نے کہا  
فَقَالُوْا عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا تو کہا انھوں نے ہم اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔  
اور اللہ کی بارگاہ میں یہ دُعا بھی کی۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّقَوْمٍ الظّٰلِمِيْنَ  
اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم قوم کے لیے آزمائش نہ بنا کہ ہم ہر وقت  
ان کے سختہ مشق بنے رہیں۔

فرعون جیسے ظالم لوگ ہمیشہ کمزوروں پر دست درازی کرتے رہتے  
 ہیں اور دین میں اختلاف رکھنے والے تو خاص طور پر ان کے مظالم کا نشانہ  
 بنتے ہیں۔ قریش مکہ نے بھی غریب مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا۔  
 اہل ایمان اور خود حضور علیہ السلام کو سخت اذیت پہنچاتے تھے حتیٰ کہ جب  
 ابو جہل جہنم واصل ہوا تو حضور علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں سجدہ شکوہ بجالائے  
 اور فرمایا، آج اس امت کا فرعون ہلاک ہو گیا ہے۔ تو بنی اسرائیل نے  
 اللہ کے حضور دعا کی کہ مولا کریم! ہمیں ظالم قوم کا تختہ مشق نہ بنا و يَجْتَازَ  
بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ اور اپنی خاص رحمت سے ہمیں  
 کافر قوم سے نجات دے۔

کافر ہمیشہ سے اہل ایمان پر ظلم و ستم کرتے آئے ہیں۔ ہماری  
 امت کے مسلمانوں کا بھی آجکل یہی حال ہے ساری دنیا کے مسلمان کافر  
 قوموں کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں کہیں امریکہ ظلم ڈھار رہا ہے، کہیں  
 روس اور کہیں روس کے راعیاء۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں مسلمانوں کو ذلیل و نثار  
 کرتے ہیں مگر کوئی کسی کی مدد نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ آزمائش اس لیے آئی  
 ہوئی ہے کہ مسلمان قوم اپنے مرکز سے ہٹ چکی ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں  
 کے قتل اور لوٹ مار کی داستانیں سننی جاتی ہیں۔ فلسطین، یوگوسلاویا، بوسنیا،  
 یوگوسلاویا، افغانستان ہر جگہ مسلمان ہی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ لہذا  
 اہل ایمان کو نہایت خلوص کے ساتھ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا  
 کرنی چاہیے کہ وہ انہیں کفار کے مظالم کی آزمائش میں نہ ڈالے۔

ہندوستان کے ہندوؤں کی تنگ نظری بھی آپ کے سامنے ہے  
 تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں جمہوریت کے نام پر سے زیادہ ہندو مسلم فساد  
 برپا کیے جا چکے ہیں جن میں لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتار دیے  
 ہیں۔ یہ سب کچھ ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کے خلاف ہو رہا ہے۔

جہاں بھی کسی کافر یا مشرک کو موقع ملتا ہے وہ مسلمانوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بہر حال اس زمانہ میں دنیا کے تمام خطوں میں مسلمان کھڑی آڑائش میں مبتلا ہیں۔ صرف افغانستان میں بین الاقوامی آدمی موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں مگر کوئی پرسان حال نہیں۔

قوم ہندی  
کو خدیجی  
سہ حکم

بنی اسرائیل کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو رہا تھا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ ہمیں ظالموں کا تختہ مشق نہ بنا اور اپنی خاص رحمت سے ان ظالموں سے نجات دے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَ اَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰی وَاٰخِيْنِهٖ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اَنْ تَبْنُوْا لِقَوْمٍ كٰفِرًا کہ اپنی قوم کے لیے مصر کے اندر گھر مقرر کرو۔ شاہ عبدالقادر اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جب فرعون کے مظالم بہت بڑھ گئے تو بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھر قبلی قوم سے علیحدہ کر لیں۔ فرعونی قوم میں خلط ملط ہونے لگی بجائے اپنی علیحدہ بستیاں آباد کریں اور وہاں سارے بنی اسرائیلی مل جل کر رہیں تاکہ فرعون کے مظالم سے کسی حد تک محفوظ رہ سکیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فرعونی قوم تو کسی کا زبانی ایمان لانا بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ چہ جائیکہ اہل ایمان اپنے عبادت خانے تعمیر کر کے ان کے اندر نماز ادا کرتے اس زمانے میں عبادت صرف عبادت کے لیے مخصوص مقامات پر ہی ادا ہو سکتی تھی، لہذا بنی اسرائیل کی قوم فرعون سے علیحدگی کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کے لیے مناسب جگہ بھی مخصوص کر سکیں۔

گیموں میں  
نماز کا حکم

فرمایا مصر میں اپنے ٹھکانے بناؤ و اجعلوا بیوتکم قبلاً  
اور اپنے گھروں کے اندر ہی قبلہ بناؤ۔ بعض فرماتے ہیں کہ اپنے گھروں  
میں ہی مسجدیں بناؤ جن کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔ اور پھر وہاں چھپ کر



نماز ادا کر دو۔ تاکہ فرعونوں کو تمہارے ایمان کا پتہ نہ چل سکے۔ بہر حال اگر نماز کے لیے گھر میں بھی کوئی جگہ مخصوص کر لی جائے تو اس کا قبلہ رخ ہونا ضروری ہے تاکہ نماز ادا کرنے میں دقت نہ ہو اور پھر ایسی جگہ کو پاک صاف رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہ جگہ مسجد ہی کے حکم میں آتی ہے۔ ہماری امت کے لیے بھی حضور علیہ السلام کا فرمان ابو داؤد شریف میں موجود ہے کہ گھر میں جس جگہ کو نماز کے لیے مخصوص کرو اس کو پاک صاف رکھا کرو سورۃ نور میں خدا تعالیٰ کا حکم بھی موجود ہے **فِي بُيُوتٍ اِذْنُ الْمَلٰٓئِكِ** **تَرْفَعُ وَاٰذُنُكَ فِيْهَا سَمْعًا** ایسے ہی گھر میں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اُن کو بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے، وہاں کوئی کڑا کرکٹ یا ظاہری گندہ و غبار نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی باطنی گندگی یعنی کفر، شرک، بدعات اور شعور و شاعری ہونی چاہیے۔

مسجد کے  
آداب

ہمارے ملک میں مساجد کے آداب کو قطعاً ملحوظ نہیں رکھا جا رہا۔ اللہ کی مسجدوں میں شرکیہ باتیں ہوتی ہیں۔ بدعات کو رواج دیا جاتا ہے شعور و شاعری اور شور و شر بہ پاکیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ لوگ مسجد میں شور بہا کریں گے اب تو لاؤ سپیکر ایک مصیبت بن کر آگیا ہے۔ اس کے فائدے سے اس کا نقصان زیادہ ہے۔ مسجد میں کوئی سننے والا موجود ہو یا نہ ہو، سپیکر چل رہا ہے اور سائے محلے میں غلغلا رہا ہے۔ نہ کوئی سکون کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے، نہ تلاوت کر سکتا ہے، بیمار کو آرام میسر نہیں، طالب علم اپنی تیاری سے محروم ہے۔ کبھی صلوٰۃ و سلام ہو رہا ہے، کبھی تلاوت ہو رہی ہے، کبھی سپیکر بچوں کی درس و تدریس ہو رہی ہے، نعت خوانی اور غزل گائی چل رہی ہے، یہ سب زیادتی اور غلط طریقہ ہے۔ اگر لاؤ سپیکر کا استعمال واقعی ضروری ہے تو پھر اسے سامعین تک محدود رکھو، ساری

دنیا کو کیوں پریشان کرتے ہو۔ اگر مسجد میں کچھ لوگ بیٹھے ہیں اور وعظ و تبلیغ کے لیے سپیکر کی واقعی ضرورت ہے تو پھر اُسے مسجد تک محدود رکھو۔ باقی لوگوں کو پریشان کرنا کہاں کا انصاف ہے اور کونسا دین ہے؟ اس قباحت میں کوئی ایک گروہ نہیں بلکہ سارے کے سارے فرقے شامل ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر شور کرنے میں مصروف ہیں۔

نماز کی  
تمقین

الغرض! فرمایا، اپنے گھروں کے اندر ہی مسجد میں بناؤ اور ان کا رخ قبلہ کی طرف رکھو وَأَقِمْوُا الصَّلَاةَ اور پھر ان میں نماز بھی ادا کرو کیونکہ نماز کسی حالت میں بھی ترک نہیں کی جاسکتی۔ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مشکلات کو آسان فرمائے گا اور تمہارا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے گا، لَئِنْ نَمَّازَ بِطَرَاكِهِ اور اس کے صلے کے طور ارشاد ہوا وَلَيَسِّرَ اللَّهُ لِيَأْتِيَنَّهُ ایمان والوں کو خوشخبری سنادو کہ خواہ ان پر کتنے بھی مصائب آئیں، بالآخر اللہ تعالیٰ انہیں ابدی راحتوں سے نوازے گا اور انہیں ابدی کامیابی نصیب ہوگی۔

يعتذرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

نمبر بہت در ۲۳

آیت ۸۸ ۸۹

وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَ زِينَةً  
وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ  
رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ  
فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝۸۸ قَالَ قَدْ  
أُجِيبْتُ دَعْوَتُكُمْ فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعِنَّ سَبِيلَ  
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝۸۹

ترجمہ :- اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے، اے ہمارے پروردگار! بیشک  
: نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو زینت اور مال دنیا کی  
زندگی میں۔ اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ گمراہ کریں تیرے راستے  
سے۔ اے ہمارے پروردگار! مٹا دے ان کے مالوں کو اور محنت  
کر کے ان کے دلوں کو، پس نہ ایمان لائیں یہاں تک کہ  
دیکھ لیں دردناک عذاب کو ۝۸۸ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) تحقیق قبول  
کر لی گئی ہے تم دونوں کی دعا۔ پس تم دونوں میرے رہو اور نہ  
پیروی کرنا تم ان لوگوں کے راستے کی جو نہیں جانتے ۝۸۹

ربط آیات گزشتہ آیات میں قریش مکہ، مشرکین عرب اور بعد میں آنے والے کفار و مشرکین  
کو کفر و شرک سے باز رہنے کی تنبیہ کی گئی اور مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قوم نوح علیہ السلام  
کی سرکشی کا ذکر فرمایا۔ پھر فرعون، اس کے سرداروں اور قوم کے غرور و تکبر کا ذکر فرمایا۔  
اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا حال بھی بیان کیا۔ گزشتہ درس میں فرمایا کہ نوجوان طبقہ سے



نہایت سے بہت تھوڑے افراد تھے جو آپ پر ایمان لائے۔ وہ  
فرعون کی طرف سے نشتے میں مبتلا ہونے کے خوف سے اپنے ایمان  
کا برملا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دی  
کہ اگر تم خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی کی ذات پر بھروسہ رہو۔ قوم نے  
جواب میں توکل علی اللہ کا اعادہ کیا اور ساتھ دعا بھی کی کہ اے ہمارے پروردگار  
ہمیں ظالم قوم کا تختہ مشق نہ بنا اور ہمیں کافروں کی قوم سے نجات دے۔  
پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو وحی کی کہ اپنی قوم کے  
لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنے گھروں کے اندر ہی مسجدیں بنائیں، ان کا رخ  
قبلہ کی طرف کریں اور نماز کا التزام کریں۔ اب آج کے درس میں حضرت  
موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے اور آخر میں اللہ نے فرعون اور اس کے  
لشکر کی تباہی کا حال ذکر کیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ  
اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاِئِكَةً رِّيشًا وَّ اَمْوَالًا فِیْ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا  
اور کہا موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! بیشک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو  
دنیا کی زندگی میں زینت اور مال عطا کیے ہیں۔ زینت کا معنی رونق ہوتا ہے  
اور اس سے مراد جسمانی صحت، حسن صورت، لباس، خوبصورت گھر اور  
زندگی کے دیگر لوازمات ہیں۔ مال میں سونے چاندی کے ڈھیر۔ ہر قسم کے  
موتی اور جالور۔ بہترین سواریاں، امان کے ذخائر وغیرہ شامل ہیں۔ خاص طور  
پر سونے، چاندی اور جواہرات کی کانیں جو مصر سے لے کر حبشہ تک پھیلی  
ہوئی تھیں، سب فرعون کے قبضہ میں تھیں اور سلطنت کی آمدنی اس کے  
علاوہ تھی۔ اسی چیز کے پیش نظر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ! تو  
نے ہر قسم کے مال و دولت اور زندگی کی تمام آسائشیں اور رونقیں فرعون  
اور اس کے حواریوں کو عطا کر رکھی ہیں۔ دَبَّيْتُ لِبُصْبُورٍ لِّمَنْ سَبَّيْتُ

گمراہی بسبب  
زینت  
اور مال

تاکہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے گمراہ کر سکیں بمقصد یہ کہ تیرے عطا کردہ ارباب کو کسی کار خیر میں صرف کرنے کی بجائے تیرے ہی راستے سے گمراہ کر لے پر خرچ کر رہے ہیں گویا تو نے ان لوگوں کو مال و دولت اس لیے بخشی ہے تاکہ یہ گمراہ کر سکیں۔ لِيُضِلُّوا میں لام علت کے لیے بھی ہو سکتا ہے یعنی باوجود اس کے کہ یہ لوگ راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ حق کی مخالفت کرتے ہیں، بڑے ظالم ہیں۔ اس کے باوجود تو نے انہیں مال و دولت اور دنیا کی آسائش کے تمام سامان دیا کیے ہیں تاکہ یہ لوگوں کو گمراہ کریں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ لام علت کے لیے نہیں بلکہ لام عاقبت ہے۔ اگر ایسا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے پروردگار! تو نے ان کو مال و دولت دیا مگر ان کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے لوگوں کو تیرے راستے سے گمراہ کیا۔ اس قسم کی مثال سورہ قصص میں حضرت موسیٰ کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پانی سے نکال لیا۔ لَيْسَكُون لَهِمْ عُدُوًّا وَحَزَنًا تاکہ ان کے لیے دشمن اور باعثِ غم ہو جائے۔ یہاں بھی انجام کو ظاہر کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا انجام یہ ہوا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کا دشمن اور ان کے لیے باعثِ غم و اندوہ ہو گیا، وگرنہ ان کی پرورش کا اصل مقصد جیسا کہ اگلی آیت میں بیان ہوا، یہ تھا عَسَىٰ اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ نَخَذَّهٗ وَلَدًا کہ ہم اسے بیابنا پس گئے اور یہ ہمیں فائدہ دے دیگا۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر لِيُضِلُّوا سے پہلے لا محذوف ہے اور یہ اصل میں اس طرح ہے لَآ اَنْ لِيُضِلُّوا یعنی اے پروردگار! تو نے ان کو مال و دولت اس لیے تو نہیں دیا تھا کہ یہ دوسروں کو گمراہ کرتے پھریں۔ اس کی مثال قرآن پاک میں دوسری جگہ بھی ملتی ہے

وہاں الفاظ میں یُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوا اللّٰہ تعالیٰ تمہارے لیے یہ باتیں اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔ یہاں پر بھی صحیح مفہوم سمجھی ادا ہوتا ہے جب اَنْ تَضِلُّوا کے درمیان لَا مَخْرُوف مانا جائے۔

در اصل مال و دولت، جاہ و شہرت اللہ تعالیٰ اس لیے عطا کرتے ہیں تاکہ اُس کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے، نہ کہ کفرانِ نعمت کیا جائے۔ مال و دولت کو غلط راستے پر استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے مترادف ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ اِنَّ الْغَافِلِيْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الَّذِيْنَ كَسَبُوْا السَّيْئَةَ هُمْ كَسَبُوْا السَّيْئَةَ وَلَمْ يَحْزَنُوْا اِنَّهُمْ كَانُوْا كَافِرِيْنَ۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ کس نے حرام کی ہے وہ زینت جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے اور پاکیزہ رزق بھی یہ مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزوں سے فائدہ اٹھاؤ اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرو۔ یہ زینت اور مال و دولت

اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ سورۃ نحل میں اللہ نے فرمایا ہے وَالْحَيْلُ وَالْبَعَالُ وَالْحَمِيْرُ لَكُمْ مَبْوُوْهَا وَزِيْنَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اونٹ، خچر اور گدھے تمہاری سواری کے لیے پیدا کیے ہیں اور یہ چیزیں تمہارے لیے باعیشِ زینت بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس گھڑی مال مویشی اور جانور موجود ہوں، وہاں خوب رونق ہوتی ہے یہ اللہ کی نعمت ہے۔ اس سے فائدہ بھی اٹھاؤ اور اس نعمت کا شکر یہ بھی ادا کرو۔ یہ بڑے کارآمد جانور ہیں، اللہ نے انہیں زینت سے تعبیر فرمایا ہے۔

جائز اور  
ناجائز زینت

ہر جائز زینت کو استعمال کرنا اور اس سے مستفید ہونا درست ہے، البتہ مصنوعی، بناوٹی اور غیر طبعی زینت کی ممانعت آئی ہے۔ مگر دنیا میں اکثر زینت اور مال کو ملک و سلاطین اور صاحبِ اقتدار



لوگوں نے غلط طور پر استعمال کیا ہے۔ بہت قلیل تعداد میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے وسائل کو جائز طور پر استعمال کیا ہے، مال و دولت کے حقوق ادا کیے ہیں ہزار میں سے ایک آدمی بھی مشکل ملیگا جو اس معیار پر پورا اڑا ہو، وگرنہ اکثریت نے من مانی ہی کی۔ جس کے ہاتھ میں اقتدار آیا اس نے اپنی مرضی سے قانون چلایا، اپنی مرضی سے عہدے تقسیم کیے، اور اپنی مرضی سے مال خرچ کیا اور اس طرح سیاسی رشوت دینے کا مرتکب ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا میں مال و جاہ کا عام طور پر غلط استعمال ہوا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ مومن کے لیے مال ایک بہت اچھا صاحب (ساتھی) ہے بشرطیکہ وہ اس کا حق ادا کرے۔ غریب و مساکین کا خیال رکھے، رفاۃ عامہ کے امور انجام دے اور محبت، رسوم بالکہ اور بدعات کے کاموں سے پرہیز کرے۔ اگر اس نے مال کے حقوق ادا نہیں کیے تو یہی مال اس کے لیے خسارے کا باعث بنتے گا۔

موسیٰ علیہ السلام  
کا بدلتا

الفرع بن موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو زینت اور مال و دولت اس لیے تو نہیں بخشا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں مگر یہ لوگ ان چیزوں کو غلط طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے عرض کیا رَبَّنَا اَطْمِسْ عَلَیْ اَمْوَالِهِمْ لَمْ يَمَسَّ مِنْهُمْ شَيْءٌ ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو مٹا دے جس کا معنی مٹا دینا، بدلتا کر دینا یا نیست و نابود کر دینا ہے۔ عرض کیا اے مولا کریم! یہ ایسے بڑے گمراہ لوگ ہیں کہ ان کی اصلاح کی کوئی سورت ممکن نہیں رہی۔ لہذا ان کے مال و دولت کو اس طرح تبدیل کر دے کہ یہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں جس کم لفظ قدیم لوط کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ سورۃ القمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَطَمَسْنَا اَعْيُنَهُمْ ہم نے ان کی آنکھوں

کو مٹا دیا اور وہ اندھے ہو گئے۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ اے اللہ! ان کے مالوں کو مٹا دے اور اس کے ساتھ ساتھ قاشدُ دُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِنَّ كَيْدَ لَدُوْلٍ كُوْسَمَتٍ كَرِهَ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰی يَرُوْا الْعَذَابَ الَّذِیْ كُیْسَمُ کہ جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں، ایمان ہی نہ لائیں۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ فرعونؑ جب کوئی معجزہ دیکھتے تو ایمان کا اظہار بھی کر دیتے۔ جب کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور ایمان لانے کا وعدہ کرتے مگر جب وہ تکلیف دور ہو جاتی تو پھر اپنی پرانی ڈگر پر چل نکلتے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، مولا کہ یہیم! ان لوگوں سے سچے ایمان کی امید باقی نہیں رہی لہذا ان کے دلوں کو مزید سخت کر دے تاکہ عذاب آنے سے پہلے یہ جھوٹے ایمان کا اظہار بھی نہ کر سکیں اور بالآخر دردناک عذاب کے مستحق بن جائیں۔

دعا کی قبولیت

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کے متعلق فرمایا قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَعْوَتُكُمْ مَّا تَحْسَبُوْنَ میں نے تم دونوں کی دعا کو قبول کر لیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں کو تبدیل کر دیا۔ زیادہ تفصیلات تو معلوم نہیں تاہم مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان کے انج کے ذخیرے میں طرابلس پیدا ہو گئی اور وہ انج کی بجائے سنگریزے بن گئے اس کی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں بھی ملتی ہے۔ آپ وقت کے مجدد اور خلفائے راشدین کا نمونہ تھے اگرچہ پہلی صدی کے آخر تک خلافت مکمل طور پر ملکیت میں تبدیل ہو چکی تھی مگر آپ نے اپنے دواڑھائی سالہ دور حکومت میں بنو امیہ کی خاندانی ملکیت کو خلافت راشدہ کا نمونہ بنا کر دکھا دیا۔ آپ کے زمانے میں مصر کی ایک پرانی قیلابی دریافت ہوئی جس میں فرعون کے زمانے میں چنے اور انڈے رکھے گئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

نے اپنے غلام سے وہ تھیلی لانے کو کہا، جب وہ کھولی گئی تھی تو اس میں موزے  
پہنے اور انڈے پختہ بن چکے تھے گویا موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اللہ تعالیٰ  
نے نافرمانوں کے اموال کو اس طرح تبدیل کر دیا تھا کہ وہ قابل استعمال  
نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ پختہ تو خوراک کے طور پر استعمال نہیں کیے جاسکتے۔ گویا  
طہری اموال کی دعا اس طرح مستبول ہوئی بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت  
کے مطابق بعض پھلوں اور اناج کو ناقابل استعمال بنادیا۔

انبیاء  
بدعا

یہاں پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو ہمیشہ دعا ہی  
کرتے ہیں، پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعونوں کے حق میں بددعا کیسے کی؟  
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عام طور پر اللہ کے نبی کسی کے حق میں بددعا نہیں  
کرتے مگر جب وہ قوم کی زیادتیوں سے تنگ آجاتے ہیں اور ان کے  
راہ راست پر آنے سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں تو پھر بددعا کرنے سے  
بھی دریغ نہیں کرتے۔ حضرت لوح علیہ السلام کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔  
اللہ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتا دیا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایمان  
نہیں لائے گا اور ان کی نسلوں میں ڈھیٹ کافر ہی ہوں گے۔ اس کے  
بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی رَبِّ لَا تَذَرْنِي الْاَرْضَ  
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (سورۃ نوح) اے اللہ! روئے زمین پر ایک  
بھی کافر زندہ نہ چھوڑ۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھی علم ہو گیا تھا کہ فرعون  
کسی صورت میں بھی ایمان لانے والے نہیں سوائے چند افراد کے جن کا ذکر  
ہو چکا ہے، تو انہوں نے ان کے حق میں بددعا فرمائی معلوم ہوا کہ ایک  
خاص بیج پر بیج کمر کافروں کے حق میں بددعا کرنا درست ہے۔

آج کی دنیا میں بھی مال و دولت رکھنے والی طاقتیں غریب خمالک کو  
گمراہ کر رہی ہیں۔ دنیا کی متمول قومیں فضول کاموں پر بے دریغ روپیہ صرف  
کر رہی ہیں اور دنیا کو گمراہ کر رہی ہیں۔ انداد و شمار دے باتے ہیں کہ اس وقت



دنیا کی سپر طاقتیں ہلاکت خیز اسلحہ پر جس قدر رقم صرف کر رہی ہیں اس کا ایک فیصد بھی اگر پوری دنیا کے غریبوں پر تقسیم کر دیا جائے تو کوئی ایک بھی غریب آدمی نہ رہے۔ آج صاحب مال لوگ ذریعہ عزت، سامان آسائش، کوٹھیوں اور کاروں پر بے ستمی شاخ و برگ کر رہے ہیں مگر انسانی قدریں بالکل تباہ ہو چکی ہیں۔ دو سو سال تک دنیا میں برطانیہ کا طوطی بولتا رہا۔ اس کی وسیع و عریض سلطنت پر سونچ غروب نہیں ہوتا تھا۔ پھر اللہ نے اس کو کمزور کر دیا۔ جرمنی اور فرانس کا حال بھی ایسا ہی ہوا۔ اب امریکہ اور روس کا دور دور ہے یہ سب عیسائی یا دہریے ہیں جو غریب ممالک خصوصاً مسلمانوں کو ہر طریقے سے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لہذا ان کے خلاف بھی بدھس کرنی درست ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خود مسلمانوں کو بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اپنی کم علمی، نادانی اور کابلی کے جال سے نکلنا چاہیے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنی چاہیے، محنت کو شعار بنانا چاہیے اور اپنے وسائل کو جائزہ امور پر صرف کرنا چاہیے، عیاشی، فحاشی اور کھیل تماشے میں اپنے قومی اور دولت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ لہذا انہیں بھی چاہیے کہ وہ اپنی استعداد اور وسائل کو بڑے کارلائیں، ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور گمراہ کرنے والی طاقتوں سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔

مفسر قرآن ابو العالیہ، عکرمہ اور بعض دوسرے فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام دعا اور آمین کے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے گویا دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا ایک جیسے ہوتے ہیں۔ امام ابو بکر جصاص اور بعض دیگر لوگوں نے اسی بات سے استدلال کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر صرف آمین کہنے والا بھی ایسا ہی ہے جیسے اس نے خود سورۃ فاتحہ پڑھی

دعا اور  
آمین

ہو۔ پھر دُعا کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اہمہ دُعا کرنا زیادہ بہتر ہے۔  
 اللہ نے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً  
 اپنے پہ در دُعا کرو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے پکارو۔ اگرچہ آمین بلند آواز سے کہنا  
 بھی جائز ہے مگر افضلیت اہمہ کو حاصل ہے۔ حضرت عطاءؒ نے یہی بات  
 فرمائی ہے۔ لوگ خواہ مخواہ اس بات پر جھگڑتے ہیں۔ یہ فروعی باتیں ہیں۔  
 ایک امام نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے تو دوسرے نے دوسرے کو ترجیح  
 دی ہے بعض غیر مقلد حضرات کہتے ہیں کہ احناف یہودیوں کی طرح  
 آمین سے چڑھتے ہیں۔ بھائی! ایسی بات نہیں ہے بلکہ مسئلہ صرف  
 افضلیت کا ہے کہ کونسا عمل زیادہ بہتر ہے۔

استقامت  
کا حکم

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ تم دونوں بھائیوں کی دُعا قبول کر لی گئی ہے  
 فَاسْتَقِمْ مَا يَسْتَقِمْ دُلوں استقامت رکھو کیونکہ صحیح بات پر  
 قائم رہنا ضروری ہے۔ حضورؐ کو بھی یہی حکم ہوا فَاسْتَقِمْ صَاحِبَ  
 اَمْرٍ (دھود) آپؐ کو جو حکم دیا گیا ہے اُس پر ثابت قدم رہیں۔ اگر آپ  
 ڈانواں ڈول ہوں گے تو بہتر نتائج نہیں نکل سکیں گے، کام ٹھیک طریقے سے  
 کرتے رہیں اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ  
 اس دُعا کی قبولیت کے بعد فرعون چالیس سال تک زندہ رہا اور اس کے  
 بعد بح اپنی قوم کے غرق ہوا، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت کے تحت  
 مناسب وقت پر کاروائی کی۔

فرمایا تم دونوں ثابت قدم رہنا وَلَا تَتَّبِعَنِ سَبِيلَ الَّذِينَ  
 لَا يَسْلَمُونَ اور ان لوگوں کی راہ پر نہ چلنا جو ناقصہ میں نادان اور بے علم  
 لوگوں کا اتباع نہ کرنا بلکہ حقیقت اور علم پرستی قائم رہنا حقیقت اور علم وہی  
 ہے جو وحی کے ذریعے انبیاء پر نازل ہوتا ہے باقی سب ظنی باتیں ہیں اکثر  
 و بیشتر کافر، مشرک اور بدعتی بے علموں کی بات پر چلتے ہیں۔ تمام رسومات

باطلہ حیالت کی بیدار رہی جو اصول دین کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ دین اور شریعت پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ اچھے نتائج پیدا کرے گا، اس کی مثالیں حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک، خلفائے راشدین اور خیر القرون کے زمانوں میں سامنے آچکی ہیں، لہذا حقیقت کا اتباع کریں اور جاہلوں کے پیچھے نہ چلیں کیونکہ حقیقت سے دور ہو جانے کی وجہ سے ہی غزالی آتی ہے۔

---



یستدرون ۱۱

سورة یونس ۱۰

درس بستہ چہار ۲۴

آیت ۹۰ تا ۹۲

وَجَوَّزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ  
وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ  
أَمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَءِيلَ  
وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑨۰ أَلَنْ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ  
كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ⑨۱ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ  
لَتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ  
عَنْ آيَتِنَا لَغَفُلُونَ ⑨۲

ترجمہ :- اور گزار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے ۔ پس پیچھا  
کیا ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی کرتے ہوئے اور توبہ  
کرتے ہوئے ، یہاں تک کہ جب اُس کو پایا غرق ہونے نے  
کہہ کئے دیا ، ایمان لایا ہوں میں کہ بیشک نہیں کوئی معبود سوا  
وہی جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی فرمانبرداروں میں  
ہوں ⑨۰ (اور صر سے ارشاد ہوا) اب (تم یہ کہتے ہو) اور تحقیق تم  
نافرمانی کرتے تھے اس سے پہلے ، اور تھے تم فسادوں میں سے ⑨۱  
پس آج کے دن ہم بچا لیں گے تمہارے جسم کو تاکہ ہو جانے  
وہ اُن لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی ، اور بیشک  
بہت سے لوگوں میں سے ایسے ہیں جو ہماری آیتوں میں غفلت  
برتتے تھے ہیں ⑨۲

گزشتہ آیات میں فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل پر ہونے والے مظالم کا بیان تھا۔ آخر میں مالک جو کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعونوں کے خلاف بددعا کی کہ یہ دردگار! ان کے مالوں کو مٹائے اور ان کے دلوں کو اس قدر سخت کر دے کہ یہ عذاب الیم دیکھنے بغیر یقین نہ کر سکیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے، لہذا تم اپنے طریقے پر قائم رہو اور بے علم اور نادانوں کے راستے کا اتباع نہ کرو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دنیا کی قبولیت کے بعد چالیس سال تک موسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں رہ کر اپنا کام کرتے رہے گویا چالیس سال تک اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو مزید کھلتی ہی اور پھر آخر کار فرعون کے پورے لشکر کو بحر قلزم میں غرق کر دیا۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ اور عرب اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت کے طور پر صرف دو انبیاء حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ دونوں انبیاء کے مخاطبین سرکش اور مغرور تھے سو اللہ تعالیٰ نے دونوں اقوام کو پانی میں غرق کرنے کی سزا دی۔

بنی اسرائیل  
کی روانگی

ہمارے عالم شاہد ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی آجاتی ہے۔ پھر وہ انبیاء کو کامیاب کرتا ہے اور ممانین کو عیاں کر دیتا ہے۔ فرعون کی گرفت کا وقت بھی آچکا تھا۔ فرعون کی قوم کی تفصیلات قرآن پاک میں بہت سی جگہوں پر ذکر ہوئی ہیں اس سورۃ کے علاوہ اگلی سورۃ ہود میں بھی ذکر آ رہا ہے۔ سورۃ شعراء میں بھی یہ واقعہ تفصیل سے آیا ہے۔ غرضیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں چھپا لیتے مرتبہ بیان ہوا ہے بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی کے حالات کئی سورتوں میں آئے ہیں مثلاً یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں اس مقصد کے لیے مذہبی رسومات کی ادائیگی کا حیلہ کیا گیا۔ فرعون بھی یہی سمجھے کہ یہ لوگ معمول کے مطابق

نہ ہی رسوم ادا کر کے واپس آجائیں گے لہذا انہوں نے بنی اسرائیل کی روانگی پر کوئی تعرض نہ کیا۔ بہر حال بنی اسرائیل قوم مصر سے نکل کھڑی ہوئی۔ ان کے مردوں کی تعداد سات لاکھ کے قریب تھی، عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔ بہر حال یہاں پر تفصیلات نہیں بتائی گئیں بلکہ صرف فرعون کا ذلت نامک انجام بیان فرمایا ہے تاکہ اس سے عبرت حاصل کی جائے۔

فرعون کی  
طرف سے  
تعاقب

جیسا کہ عرض کیا ہے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات قرآن پاک میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ بعض تفصیلات احادیث میں بھی ملتی ہیں جنہیں امام ترمذی، صاحب مندرک حاکم اور بعض دوسرے محدثین نے بیان کیا ہے۔ کچھ باتیں بائبل میں بھی ملتی ہیں مگر ان پر کچھ اعتما د نہیں کیا جاتا۔ ان میں بعض باتیں صحیح بھی ہیں اور بعض غلط بھی۔ اس کے علاوہ بعض باطل تاریخی واقعات ہیں جنہیں مؤرخین اور مفسرین نے بیان کیا ہے۔ بہر حال بنی اسرائیل کے اس سفر اور فرعون کی طرف سے ان کے تعاقب کے متعلق جو حالات ملتے ہیں ان کے مطابق جب بنی اسرائیل کو مصر سے روانہ ہوئے ایک دو دن گزر گئے تو فرعونیوں کو تینہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر کہیں سمندر سے اُس پار ہی نہ چلے جائیں۔ یہ پوری قوم ہماری غلام ہے۔ ہم ان سے من مانا کام لیتے ہیں۔ اگر یہ چلے گئے تو ہمارا کام کاج ٹھپ ہو کر رہ جائیگا۔ فرعون بنی اسرائیل کا بحیثیت قوم دیرینہ دشمن تھا اور پھر موسیٰ علیہ السلام کے منظر عام پر آنے کی وجہ سے اس کی نفرت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ یہ سب مل کر میری سلطنت کے زوال کا باعث بن جائیں۔ چنانچہ جب فرعون کو بنی اسرائیل کے بھاگ نکلنے کا عندیہ ملا تو اس نے اپنے تمام لشکریوں کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کا تعاقب کیا جائے تفسیری روایات میں آتا ہے فرعون کم و بیش بارہ لاکھ مسلح فوجی ہمراہ لے کر موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔



بنی اسرائیل  
کی پریشانی

اب آگے آگے بنی اسرائیل جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے فرعون اور اس کی فوجیں تھیں۔ جب بنی اسرائیل بحر قلزم کے کنارے پر پہنچے تو سخت پریشان ہو گئے۔ سورۃ شعراء میں اس کا کچھ حال مذکور ہے۔ پریشانی کے عالم میں بنی اسرائیل کہنے لگے اِنَّا لَمُذْرِكُوْنَ کہ ہم تو فرعون کے ہاتھوں پھوٹے گئے۔ آگے سمندر تھا اور پیچھے سے فرعون کا حجم بھڑک رہا تھا۔ کہنے لگے اب ہماری خیر نہیں، فرعون ہمیں سخت سزائیں دے گا، مگر بیکہ سورۃ اعراف اور سورۃ شعراء میں بھی موجود ہے، موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں اِنَّ مَعِيَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْ (الشعراء) بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ خود راہنمائی کرے گا۔ ہم اُسی کے حکم کے مطابق تو مصر سے نکلے ہیں، وہ ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ جب پوری قوم بنی اسرائیل بحر قلزم پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی اِنِّیْ اصْرَبْتُ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ (الشعراء) اپنی لاکھٹی کو سمندر پر مار دو یہ وہی لاکھٹی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ کے طور پر ملی ہوئی تھی اور اسے ہمیشہ آپ ساتھ رکھتے تھے۔ یہی لاکھٹی جادوگرہوں کے مقابلے میں اثر دہن گئی تھی۔ تو اس لاکھٹی کے متعلق حکم ہوا کہ اسے سمندر پر مار دو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی تو سمندر میں فوراً بارہ راستے بن گئے۔ ہر شرک کے دائیں بائیں پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ جنہیں سورۃ شعراء میں اَلطُّوْرُ الْعَظِیْمُ کہا گیا ہے۔ درمیان میں بارہ خشک راستے بن گئے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، ہر ایک کو ایک ایک سڑک پر چلنے کا حکم ہوا۔ وہ چل رہے تھے اور سمندر کے نیچوں میں ایک دوسرے کو دیکھ بھی رہے تھے جبکہ وجہ سے مطمئن تھے کہ وہ سمندر کو بحرِ نیت پار کر رہے ہیں

فرعونوں  
کی خرابی

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے

وَجَوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءِ يَلَّ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے  
 پار اتار دیا۔ پیچھے فرعون کی فوج آرہی تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بنی  
 اسرائیل ان راستوں سے گزر کر سمندر کے اس پار چلے گئے ہیں تو فرعون  
 نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی راستوں سے بنی اسرائیل کا تعاقب  
 کریں اور پھر خود بھی اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ پھر فرعون یوں کا کیا حشر  
 ہوا؟ سورۃ طہ میں ہے فَغَشَّيْهُمْ مِّنَ اللَّيْلِ مَلَأَتْ سَيْفُهُم  
 پھر پانی کی موجوں نے انہیں خوب گھیرا، حتیٰ کہ ان میں سے ایک بھی زندہ  
 نہ بچا۔ سب کے سب غرق ہو گئے۔ حکومت کا سربراہ، فرعون، اس  
 کے وزیر، امیر، عہدے دار اور فوجی سب غرق ہو گئے اور پیچھے صرف  
 نام پبلک کے لوگ رہ گئے۔ اللہ نے فرمایا، نہ پوچھو پھر ان کا کیا حشر  
 ہوا۔ تو اس مقام پر بھی ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے  
 پار اتار دیا فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَنِيًّا وَعَدُّوا فِرْعَوْنَ  
 اور اس کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا سرکشی اور تعدی کرتے ہوئے۔ یہ  
 فرعون کی تعدی اور ظلم تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کے  
 لیے ان کا سمندر میں بچا کیا۔

فرمایا حتیٰ اِذَا اَدْرَكَهُ الْعُرْقُ هَیَاں تک کہ جب پایا اس کو  
 ڈوبنے نے۔ جب فرعون ڈوبنے لگا قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي  
اٰمَنْتُ بِهِ بنو اسرائیل تو کہنے لگائیں ایمان لایا کہ بیشک نہیں کوئی  
 معبود مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ وَاَنَّا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ  
 اور میں بھی فرمانبردار ہوں یعنی اسی خدا پر ایمان لایا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ  
 کسی طرح ڈوبنے سے بچ جاؤں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے  
 کہ جب فرعون ایمان کا اقرار کر رہا تھا تو جبرائیل علیہ السلام سمندر کی شے سے  
 گکارا نکال کر اُس کے منہ میں سے رہا تھا۔ گویا کہ رہا تھا کہ اس منہ کو بند

فرعون کا  
ایمان لانا

رکھو۔ اب ایمان لانے کا وقت نہیں رہا۔

جب فرعون نے یہ بات کی تو اُدھر سے ارشاد ہوا اَللّٰہُ اب کلمہ پڑھتے ہو جب کہ ایمان لانے کا وقت گزر چکا ہے اور اللہ کی گرفت آچکی ہے۔ اللہ نے فرمایا، تیری حالت یہ ہے وَقَدْ كُفَّيْتُ قَبْلُ کہ اس سے پہلے تم نافرمانی ہی کرتے رہے ہو وَ كُنْتُ مِنَ الْمُفْسِدِينَ تم غنڈے تھے۔ تم نے فساد برپا کرنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑا تم نے بنی اسرائیل کے ساتھ ظلم و تعدی کی انتہا کر دی۔ اب عذاب کو آنکھوں سے دیکھ کر کلمہ پڑھتے ہو، اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے التَّوْبَةُ مَالِكٌ يُعْتَرِضُ بَيْنَكَ وَتَوْبَتِكَ اِنْ تَوْبْتَ مِنْهُ لَرْحَمَةُ اللَّهِ يُرْسِلُ فِيكَ مَلَائِكَتَهُ يَخْرُجُونَ اِنْ تَوْبْتَ مِنْهُ لَرْحَمَةُ اللَّهِ يُرْسِلُ فِيكَ مَلَائِكَتَهُ يَخْرُجُونَ اس وقت تک مقبول ہے جب تک کہ غرغره طاری نہ ہو جائے یعنی انسان پر نزع کی حالت طاری نہ ہو جائے۔ جب موت کے فرشتے نظر آئے یگیں اور غیب کا پردہ اٹھ جائے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ لہذا اب تمہاری توبہ مقبول نہیں ہے۔ اس واقعہ سے اہل مکہ اور دیگر مشرکین عرب کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ دیکھو فرعون تم سے کتنا بڑا طاقتور اور جاہل تھا جس نے الوہیت کا دعویٰ کیا، بڑا آسودہ حال تھا، ملک کے تمام وسائل اس کے قبضہ میں تھے مگر توحید و رسالت کا انکار کر کے اُس کا حشر بہت برا ہوا۔ اگر تم نے بھی یہی راستہ اختیار کیا تو اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکو گے۔

نعرش فرعون  
کی۔ مہر

اللہ نے پورے فرعونی لشکر کو غرق کرنے کے بعد فرعون سے خطاب کیا فَالْيَوْمَ نَخْتِمُكَ بِبَدَنِكَ آج ہم تیرے بدن کو باہر نکال دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو فرعون کی نعش کی حفاظت بھی منظور غنی لَيْسَ كَوْنُ لِمَتٍ خَلَقَكَ آيَةً تاکہ توبہ میں آنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بن جائے بعض کمزور دہل لوگ فرعون کی غرقابی کے بعد بھی متفکر تھے کہ یہ نہیں وہ غرق ہوا ہے یا نہیں۔ تو اللہ نے ان لوگوں کی تسلی کے لیے اور تیجھے



آنے والے لوگوں کی عبرت کے لیے فرعون کی لاش کو پانی سے باہر ایک ٹیلے پر پھینک دیا جب کہ باقی سب لشکر می سمندر میں غرق ہو گئے اور ان میں سے کسی ایک کی لاش بھی برآمد نہ ہوئی۔ بعض مؤرخین اور مفسرین کہتے ہیں کہ فرعون کی لاش کی ناک کا قصور اس حصہ کسی مچھلی نے کاٹ لیا، باقی سارا جسم صحیح سلامت تھا۔ اس وقت بحیرہ احمر کے کنارے ابو زیمہ نامی بستی سے چند میل دور مقامی لوگ اُس ٹیلے کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں فرعون کی لاش پائی گئی تھی بعض علماء ناک کھٹ جانے سے یہ مراد لیتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ کو یہ بتانا مقصود تھا کہ دیکھو اپنی ناک والا آدمی کس قدر ذلیل و خوار ہوا۔ تاہم یہ سب تاریخی اور ظنی باتیں ہیں، یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

فرعون  
مصر

یہ کونسا فرعون تھا جو غرق ہوا، اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ رعیمیس ثانی تھا۔ اور بعض اس کا نام منفہتہ بتاتے ہیں۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ فرعون مصر کی دو لائیں گزری ہیں اور یہ غرق ہونے والا فرعون دوسری لائن کے فرعون میں سے تیسویں یا چھتیسویں نمبر پر آتا ہے۔ اُس زمانے میں نوح کو حنوط کرنے کے ماہرین موجود تھے۔ مصر کے لوگ اس سے پہلے بھی فرعون کی لاشوں کو حنوط کرتے رہے تھے۔ لاش کو خاص قسم کا سالہ لگا کر پٹیاں باندھ دی جاتی تھیں جس سے لاش گلنے سڑنے سے محفوظ ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس دستور کے مطابق مصر کے لوگ اس فرعون کی لاش کو بھی اٹھا کر لے گئے اور اسے حنوط کر کے مقبرے میں رکھ دیا۔ اٹھارھویں یا انیسویں صدی میں جب انگریزوں نے آثار قدیمہ کی کھدائی کی، تو ایسی کئی حنوط شدہ (PRESERVED) پتیسرو ڈالا شیں برآمد ہوئیں جنہیں مختلف عجائب گھروں میں رکھ دیا گیا۔ اس فرعون کی لاش بھی سنہ ۱۹۰۶ء تک مصر میں تھی۔ وہاں سے انگریزوں نے اسے برٹش میوزیم لندن میں لے گئے۔ اب پتہ نہیں کہاں ہے؟ وہیں ہے یا مصریوں نے واپس

منگوالی ہے۔

بہر حال قرآن پاک میں صرف دو باتوں کا ذکر ہے، ایک یہ کہ فرعون کی لاش کو پانی سے باہر پھینک دیا گیا جب کہ باقی سارے فرعونی ڈبوئے گئے اللہ کا فرمان ہے کہ ایک طرف تو پانی میں ڈبوئے گئے اور دوسری طرف النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (المومن) صبح شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ برزخ میں جہنم کی آگ پر پیش کیا جاتا رہیگا اور پھر آخرت میں تو سخت ترین عذاب ہوگا۔ بہر حال یہ لاش ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اور آئندہ آنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بن گئی۔ جس طرح لوح علیہ السلام کی کشتی رہتی دنیا تک یادگار کے طور پر قائم ہے، اسی طرح فرعون کی لاش کو بھی اللہ تعالیٰ نے یادگار اور عبرت کے لیے محفوظ کر دیا۔ بعض لوگ لَعَنَ خَلْقَكَ كَوَلِّمَنُ خَلْقَكَ پڑھتے ہیں، اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تو اپنے پیدا کر نے والے کی نشانی بن جائے۔ یہ شخص اپنے خالق کا سخت نافرمان تھا۔ الوہیت کا دعویدار تھا۔ اب اس کا حشر دیکھ لو کہ کس طرح اللہ نے اسے نشانِ عبرت کے طور پر باقی رکھا۔

اس آیت میں بدن کا لفظ آیا ہے جس کا عام فہم معنی جسم ہوتا ہے اسی لیے آیت کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ آج ہم تمہارے جسم کو شکست و بخت سے بچالیں گے۔ البتہ امام ترمذی، امام بیضاوی اور امام مہرؤد نے اپنی کتاب کامل میں لکھا ہے کہ یہاں پہ بدن سے مراد جسم نہیں بلکہ زرہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے فرعون! ہم تیرے جسم کو جمع زرہ باہر نکال دیں گے۔ زرہ عام طور پر لوبے کی ہوتی ہے مگر فرعون کی زرہ سونے کی بنی ہوئی تھی اور بڑی مشہور تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی بدن سے مراد زرہ ہی ہے یعنی ہم تمہیں مردہ حالت میں جمع زرہ باہر نکالیں گے تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ فیص کے نیچے سونے کی زرہ پہننے والا فرعون ہلاک ہو چکا ہے۔ بدن

نشانِ عبرت

بدن معنی  
زرہ

اُس چھوٹی زرہ کے لیے بھی استعمال ہو آئے جس کے اوپر بڑی زرہ پہنی جائے، بدن کا یہ جتنی عربی ادب میں ملتا ہے۔ دیوانِ حماسہ کا ایک شعر ہے جس میں ایک شخص اپنے مہرِج کی مع میں کہتا ہے حَقِیْبَةُ رَحْلِهَا بَدَنٌ قَوَسَتْ جَاحُ اُس کے کجاوے کی گھٹری میں دوہی چیزیں ہیں ایک زرہ اور دوسری کاٹھی۔ بہر حال بدن سے مراد چھوٹی زرہ بھی ہو سکتی ہے۔

فَرَمَا قَوْلًا كَثِيرًا قَدْ نَسِيَ النَّاسُ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفْلُونَ  
 بہت سے لوگ ہماری آیتوں سے غفلت برتنے لائے ہیں جس طرح عذاب کے وقت فرعون کا ایمان لانا کچھ مفید نہ ہوا۔ اسی طرح اس کے محفوظ جسم سے بھی کسی کو کچھ فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ کچھ لوگوں کو عبرت حاصل ہو، مگر انہوں نے کہ لوگوں کی انشریت ہماری نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرتی۔ اگر ذرا بھی غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ انسان اچھی طرح جان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے یہی عبرت کا مقام ہے۔



وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ مَبُوءًا صَدَقَ وَرَزَقْنَاهُمْ  
 مِنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّى جَاءَهُمُ الْعِلْمُ  
 إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا  
 فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۙ (۹۲) فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا  
 إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ  
 جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۙ (۹۳)  
 وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُ  
 مِنَ الْخَاسِرِينَ ۙ (۹۴) إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ  
 رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۙ (۹۵) وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى  
 يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۙ (۹۶)

ترجمہ :- اور تحقیق ہم نے جگہ دی بنی اسرائیل کو بڑی اچھی جگہ  
 اور روزی دی ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے ۔ پس نہیں اختلاف  
 کیا انہوں نے یہاں تک کہ ان کے پاس علم آگیا ۔ بیشک تیرا  
 پروردگار فیصلہ کرے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن اُن باتوں  
 میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے (۹۲) پس اگر تمہیں شک  
 ہو اُس چیز میں جس کو ہم نے اتارا ہے آپ کی طرف ، پس آپ  
 پوچھ لیں اُن لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب اس سے پہلے ۔

البتہ تحقیق آیا ہے تیرے پاس حق تیرے پروردگار کی طرف سے  
 پس نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے (۹۴) اور نہ ہوں  
 آپ اُن لوگوں میں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔ پس  
 ہو جائیں گے آپ نقصان اٹھانے والوں میں (۹۵) بیشک وہ لوگ  
 کہ ثابت ہو چکی ہے اُن پر تیرے پروردگار کی بات، وہ نہیں  
 ایمان لائیں گے (۹۶) اور اگرچہ آجائے اُن کے پاس ہر قسم کی  
 نشانی یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں درناک خطاب (۹۷)

رابط آیات

گزشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے دو نافرمان قوموں کا حال بطور مثال ذکر کیا ہے  
 تاکہ مشرکین مکہ، مشرکین عرب اور بعد میں آنے والے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ ان میں سے  
 ایک قوم نوح ہے جس کو اللہ کے نبی علیہ السلام نے سادھے لوہو سال تک وعظ کیا اور  
 قوم فرعون ہے جس کی طرف اللہ نے دو جلیل القدر انبیاء حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام  
 کو مبعوث فرمایا۔ وہ مجرم قوم ایمان نہ لائی۔ انہوں نے ظلم و تعدی کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ  
 قوم نوح کو اللہ نے بذریعہ طوفان پانی میں ڈوبیا جب کہ فرعون اور اس کے لشکر کو بحر قلزم  
 کی موجوں میں لقمۂ اجل بنایا۔ اللہ نے فرعون کی لاش کو عبرت کے لیے سمندر سے باہر  
 پھینک دیا۔ اُس زمانے کے لوگوں نے اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا جب کہ بعد میں آنے  
 والوں نے یہ حالات تاریخ میں پڑھے، اس طرح گرایہ واقعہ تمام موجود اور آئندہ آنے  
 والے لوگوں کے لیے نصیحت اور عبرت کا باعث بن گیا۔

بنی اسرائیل  
 کا عروج و زوال

قوم نوح اور قوم فرعون کا حال ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام  
 کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا ہے۔ تاریخ میں اس قوم پر بڑے آثار پڑھاؤ گئے ہیں۔ اس  
 عظیم قوم نے عروج و زوال کے بہت سے ادوار دیکھے ہیں۔ بعد میں یہ لوگ نافرمانی کھتے  
 رہے اور طرح طرح کی مشکلات اور سزاؤں میں گرفتار رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل  
 کو فرعون کے مظالم سے نجات دی تو پھر اس قوم پر بڑے انعامات کئے مگر اس قوم

کی استعداد اور صلاحیت کمزور پڑ چکی تھی فرعون کی مسلسل غلامی کی وجہ سے وہ الغامات الہی سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکے۔ پھر کافی عرصہ بعد جب نئی نسل آئی تو اللہ نے انہیں سرزمین شام و فلسطین میں اقتدار دیا۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ اللہ نے فرمایا **وَإِذْ نُنَّا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا** ہم نے اپنی بابرکت زمین کے مشرق و مغرب کا مالک اُن کمزور لوگوں کو بنادیا جن پر فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بے انتہا ظلم و ستم ڈھا رہے تھے۔ اللہ نے اسی بات کا اشارہ آج کی آیت میں بھی کیا ہے۔ پھر جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت اور قرآن کے برحق ہونے پر شک کرتے تھے، اُن کو جہنم فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **وَلَقَدْ بَعَثْنَا لَبِيَّ إِسْرَءِيلَ مُبَوَّأً صَدِيقٍ** تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو جبکہ دیہت ہی پسندیدہ جگہ۔ اس سے شام و فلسطین کے زرخیز خطے مراد ہیں مگر فرعون کی عرقابی کے فوراً بعد بنی اسرائیل یہ سرزمین حاصل کرنے میں ناکام ہے۔ سورۃ مادہ میں گنہگار چلکے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم سرزمین شام و فلسطین میں داخل ہو جاؤ وہاں پر آباد قوم عمالقہ سے جہاد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں آسانی سے یہ ملک عطا کرے گا مگر غلامی کی وجہ سے ذہنی پستی میں مبتلا یہ قوم جہاد پر آمادہ نہ ہوئی بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا **فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا** انا اہم ہمارا قوم کو نہ لے موسیٰ علیہ السلام تم اور تمہارا خدا جا کر جہاد کرو ہم تمہیں بیٹھیں گے۔ قوم عمالقہ اگرچہ بڑی طاقتور قوم تھی لیکن ادھر اللہ کا وعدہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو علیہ عطا کرے گا مگر وہ اس کے لیے آمادہ نہ ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا **قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَكِيْهُمُ فِي الْأَرْضِ** اللہ تعالیٰ نے وہ سرزمین ان پر



حرام کر دی اور وہ چالیس سال تک میدانِ تیرہ میں سرگردان پھرتے رہے۔  
 اس طرح گویا پالیس برس تک انہوں نے قید اور نظر بندی کی زندگی گزاری  
 پھر جب پرانی نسل کے لوگ ختم ہو گئے، پہلے حضرت ہارون علیہ السلام  
 اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وفات پا گئے تو نئی نسل میں شور پیدا ہوا  
 نئی نسل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع بن قلاب  
 علیہ السلام کی قیادت میں جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شام، فلسطین  
 اور اردن وغیرہ میں تسلط عطا کیا۔ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل دوبارہ  
 مصر کی طرف نہ گئے لہذا وہ شام و فلسطین کی سلطنت تک ہی محدود رہے  
 البتہ بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں اللہ نے مصر کی سلطنت  
 بھی بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔

بہر حال اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو شام و فلسطین جیسی  
 بہت اچھی اور پسندیدہ جگہ عطا فرمائی۔ اس زمین میں اللہ نے ظاہری اور  
 باطنی برکات رکھی ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی سرزمین ہے۔ حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے اس سرزمین کے لیے بارگاہِ بھوت  
 کی دعائیں کیں جن کو اللہ نے مستجاب فرمایا اور وہاں پر پانی، زرخیزی اور  
 سرسبزی کا وافر انتظام فرمایا جس کی وجہ سے وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ  
 ہم نے انہیں پاکیزہ روزی عطا کی۔ اس سلسلے میں بنی اسرائیل کے  
 لیے اشیائے خورد و نوش اور دیگر انعامات کا ذکر مختلف سورتوں  
 میں بیان ہوا ہے۔

اگے بنی اسرائیل کی نافرمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا،  
فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ نہیں اختلاف کیا انہوں  
 نے یہاں تک کہ ان کے پاس علم آگیا۔ مطلب یہ ہے کہ علم آنے اور  
 حقیقت واضح ہونے کے بعد انہوں نے پھوٹ ڈالی جس کی وجہ

بنی اسرائیل  
 کی علمی  
 خیانت

ست کئی قسم کی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ بنی اسرائیل نے سب کچھ جانتے ہوئے  
 اللہ کے نبیوں کی مخالفت کی، اس لیے اللہ نے دوسرے تہ اُن پر دشمن کو مسلط  
 کیا۔ پہلی دفعہ تخت نصران پر غالب آیا جس کی غلامی میں وہ سو سال تک  
 رہے۔ اور دوسری ذلت اٹھائی۔ پھر دوسری دفعہ وہ رومیوں کے زیر تسلط  
 آئے اور تیسری تکالیف برداشت کیں۔ جب حضور علیہ السلام کا زمانہ آیا تو  
 پھر بھی انہوں نے نبی آخر الزمان کی نبوت کو تسلیم نہ کیا، اس وقت دینے  
 کے اطراف میں یہودیوں کے دس بڑے عالم تھے جنہوں نے حضور علیہ السلام نے  
 فرمایا، اگر یہ سارے کے سارے دین حق کو مستبول کر لیں تو اُن کے زمین  
 کے یہودی صحیح ہو جائیں، مگر ان دس علماء میں سے صرف عبد اللہ بن  
 سلام نے ایمان مستبول کیا جب کہ باقی نو باطل پر ہی اٹھے۔ اب  
 اس بات کو بھی چودہ سو سال گزر چکے ہیں مگر یہ بے نصیب اپنی ضد پر  
 قائم ہیں۔ کفر و شرک کی بدترین قسم میں مبتلا ہیں، مشرک تو ختم ہو گئے، بعض  
 نے ایمان مستبول کر لیا مگر اہل کتاب کہلانے والے یہود و نصاریٰ بھی  
 تک گمراہی میں مبتلا ہیں۔ سو اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے علم آنے کے  
 بعد اختلاف کیا اِنْ رَبُّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 بیشک تیرا پروردگار فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن  
 فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اِنْ بَاتُوا فِي حُنْ فِي حُنْ  
 اختلاف کرتے تھے۔ غرضیکہ ان کے کارناموں کا حتمی فیصلہ اللہ  
 رب العزت کی بارگاہ میں ہو گا۔

قرآن کریم  
 کی حقانیت

فرمایا اِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اَمْرًا  
 آپ کو اس چیز میں شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے  
 فَاسْئَلِ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ پس آپ اُن لوگوں  
 سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب

حضور علیہ السلام کو ہے جن کی طرف قرآن پاک نازل ہوا مگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس شک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا تو کسی طرح درست نہیں کیونکہ اللہ کی نازل کردہ شریعت، دین اور آخری کتاب میں آپ کو تو کسی قسم کا شک ہو ہی نہیں سکتا۔ لہذا اس خطاب کی مخاطب حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو حضور کے زمانے میں قرآن پاک کی حقانیت میں شک کرتے تھے۔ ان میں کافر، مشرک اور منافق تھے اور یہود و نصاریٰ بھی شامل تھے۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی حقانیت کے متعلق آپ اہل کتاب سے پوچھیں جواب اللہ کی آخری کتاب پر ایمان لائے ہیں۔ قرآن پاک کی صداقت کی گواہی یہ لوگ دیں گے، اور جو لوگ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، وہ اس کی تصدیق نہیں کریں گے، ایمان لانے والوں میں حضرت عبداللہ بن سلام کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ آپ کو بتائیں گے کہ قرآن مجید اللہ کی سچی کتاب ہے جس کے متعلق تورات میں بھی ہے کہ ”میں تیرے بھائی بندوں میں سے تیرے جیسا ایک عظیم رسول برپا کروں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا“ مطلب یہ ہے کہ حق پرست آپ کو ٹھیک ٹھیک بتائیں گے کہ آپ اللہ کے برحق رسول اور یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جن کی پیشین گوئی ہزاروں سال پہلے ہو چکی ہے۔

اہل کتاب کے باطل پرست لوگوں کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ“ (البقرة) یہ لوگ اللہ کے نبی کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولادوں کو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق سورۃ اعراف میں ہے



الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ  
یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کا اسم گرامی اور صفات تورات اصائیل میں  
لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ ان کو اچھی طرح پہچانتے ہیں مگر ہٹ دھرمی کی وجہ  
سے انکار کرتے ہیں۔ مگر جو جانتے والے لوگ ہیں وہ صحیح صحیح بتا دیں گے  
کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی پیشین گوئی پہلی کتابوں میں ہو چکی ہے۔

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت  
قتادہ نے کہا کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلْحَقُّ  
لَا اَشْكُ وَلَا اَسْئَلُ کہ مجھے قرآن کی حقانیت میں نہ تو کوئی شک ہے  
اور نہ ہی میں کسی سے دریافت کروں گا۔ لَئِنْ اَسْئَلُ الَّذِينَ  
كَانُوا خُطَابَ حُضُورِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْهُمْ لَيَكُنَّ يَدُ اَنْ لَوْ كُنْتُ مِنْهُمْ  
جو کسی قسم کا شک رکھتے ہیں کہ یہ نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں سے خطاب ہے  
جو کسی قسم کا شک رکھتے ہیں کہ یہ نہیں ہے واقعی اللہ کی کتاب ہے یہ نہیں  
ہے۔ وہ لوگ اپنی تصدیق کے لیے اہل کتاب میں سے ایمان لانے  
والوں سے دریافت کر لیں۔ خاص خطاب کے ذریعے عام بات کرنے  
کی مثال سورۃ احزاب کی پہلی آیت کریمہ میں بھی ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ  
اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَطِيعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُ  
سے ڈریں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ  
کا نبی تو اللہ کو سب سے زیادہ جانتے اور سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوتا  
ہے اور وہ کافروں اور منافقوں کی بات نہیں مان سکتا۔ آپ کا ارشاد  
ہے اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَاتَّقُواكُمْ تو مراد یہ ہے کہ یہاں پر بھی خطاب  
تو نبی علیہ السلام کو ہے مگر بات عام لوگوں کو سمجھائی جا رہی ہے کہ اگر کسی  
کو شک ہو تو وہ اہل علم سے اس کی صداقت کی تصدیق کر سکتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر  
کسی علم کی بات یا دینی مسئلہ میں شک اور تردد ہو تو اہل علم کی طرف رجوع

کنا چاہئے۔ اس سلسلے میں اللہ کا واضح حکم بھی ہے "فَاسْتَشِئُوا أَهْلَ  
 الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" (النحل) اگر تم کسی چیز سے بے خبر ہو  
 تو اس کے متعلق جاننے والوں اور یاد رکھنے والوں سے دریافت کر لو۔  
 تو فرمایا لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ بیشک البتہ آپ کے رب  
 کی طرف سے آپ کے پاس حق آپ کا ہے۔ قرآن کریم بالکل حق ہے۔ یہ  
 اللہ کی آخری کتاب ہے جس میں آخری دین ہے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ  
 الْمُتَّبِعِينَ پس آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔ یہ بات دوسرے  
 لوگوں کو سمجھانی جا رہی ہے کہ اس بات کے متعلق دل میں کسی قسم کا شک  
 و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ  
 اللَّهِ آپ اُن لوگوں میں بھی نہ ہوں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔  
 اگر ایسا ہوگا فَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ تو آپ خسارہ پانے والوں میں ہو  
 جائیں گے۔ اللہ کی آیات کی تکذیب بھی بہت بڑا جرم ہے۔ ایسا کرنے  
 والوں کی عبرت کے لیے پہلی قوموں کا حال اللہ نے بار بار بیان فرمایا  
 کہ جس نے بھی آیاتِ الہی کی تکذیب کی اُس نے سخت نقصان اٹھایا  
 اس دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت کی سوائی تو دائمی ہے لہذا  
 فرمایا کہ قرآن حکیم کی حقانیت کو تسلیم کر لو اور اس کی آیتوں کی تکذیب نہ کرو  
 کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

آگے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ مخالفین  
 کی طرف سے ایک حد تک مطمئن رہیں، اس لیے کہ إِنْ الَّذِينَ  
 حَقَّقَتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ بیشک وہ لوگ جن پر تیرے رب  
 کی بات ثابت ہو چکی ہے۔ خدا کے علم اور نوشتے میں جن لوگوں کے  
 بارے میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ یہ لوگ صلاحیت سے محروم ہیں  
 اور یہ حق کو قبول نہیں کریں گے۔ سو آپ زیادہ متفکر نہ ہوں لَا يُؤْمِنُونَ

حضور  
 کے لیے  
 تشفی

کیونکہ وہ ایمان قبول نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی استعداد سے واقف ہے اور وہ جانتا ہے کہ ان کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، لہذا آپ ان کے متعلق زیادہ فکر نہ کریں بلکہ تلی رکھیں۔ اس سے پہلے فرعون اور اس کی قوم کا حال بیان ہو چکا ہے کہ وہ بھی ایمان نہ لائے حتیٰ کہ وقت گزر گیا۔ قوم لوح بھی بڑی سرکش قوم تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساڑھے نو سو سالہ وعظ کے جواب میں صرف ستر بہتر یا ستر آدمی ایمان لائے جو کشتی میں سوار ہو گئے، باقی سب نافرمان ہی رہے۔ انہوں نے حق کو قبول نہ کیا۔ لہذا آپ بھی اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں اور ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے زیادہ فکر مند نہ ہوں۔

فرمایا یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے فَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آجائے۔ آپ نے دیکھا کہ مکے والوں نے شوقِ القہر کی نشانی مانگی۔ اللہ نے ان کی یہ فرمائش قبول کر لی۔ چاند کے دو ٹکڑے پہاڑ کی دونوں طرف دیکھ کر کہنے لگے يَسْحَرُ حُسْبُكُمْ (القہر) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔ پہلے بھی ہوتا تھا، آج بھی ہو رہا ہے یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اسی طرح فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بیشمار نشانیاں دیکھیں مگر نہیں مانے وَجَحَدُوا بِهَا (النمل) اور انہوں نے انکار ہی کیا۔ تو فرمایا اگر ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں بھی آجائیں تو پھر بھی تسلیم نہیں کریں گے حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ یہاں تک کہ وہ عذاب الیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جب فرعون ڈوبنے لگا تو ایمان کا اقرار کیا مگر اس وقت کا ایمان لانا کچھ مفید نہ ہوا۔ فرمایا یہ ان کی ضد اور مہٹ دھرمی کی انتہا ہے کہ جب تک یہ لوگ دردناک عذاب کا بچشمِ خود ملاحظہ نہیں کر لیں گے، یہ ایمان نہیں لائیں گے مگر اس وقت کا ایمان کمفید نہیں ہوگا، لہذا آپ ان کی طرف سے تسلی رکھیں۔ آگے حضرت



یونس علیہ السلام کی قوم کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ آپ نے اس قوم کو ستر سال تک  
 غلط کیا مگر وہ لوگ نہ ملے۔ پھر جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا  
 تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی۔ یہ واحد قوم ہے جسکی توبہ اللہ نے قبول فرمائی کہ  
 اسی میں مصلحت تھی مگر نہ عذاب آجائے کہ بعد کسی قوم کی توبہ قبول نہیں  
 ہوئی۔ غرض کہ ان آیات میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی بھی دی  
 ہے کہ آپ اپنا کام کرتے رہیں، زیادہ متفکر نہ ہوں کیونکہ یہ لوگ تو عذاب  
 الیم دیکھے بغیر ایمان کا اقرار نہیں کریں گے۔

---

يعتذرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

درس بست شش ۲۶

آیت ۹۸

فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا  
 قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ غَظَابَ الْخِزْيِ  
 فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَنَعَّمْنَا عَلَيْهِمْ إِلَىٰ حِينٍ ⑨۸

ترجمہ:- پس کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی جو ایمان لاتی پھر  
 اس کا ایمان اُس کو فائدہ پہنچاتا مگر یونس علیہ السلام کی قوم -  
 جب وہ ایمان لائے تو ہم نے کھول دیا اُن سے ذلت والہ  
 غلاب دنیا کی زندگی میں اور ہم نے اُن کو فائدہ پہنچایا ایک وقت

تک ⑨۸

بطور عبرت اس سے پہلے قوم نوح اور قوم فرعون کے واقعات بیان ہو چکے  
 ہیں۔ اب یہ تیسرا واقعہ قوم یونس کا آرہا ہے۔ ان تینوں واقعات میں ربط یہ ہے کہ اللہ  
 کے سینوں انبیاء علیہم السلام حضرات نوح، موسیٰ اور یونس علیہم السلام اپنی اپنی قوم کو لمبے عرصہ  
 تک تبلیغ کرتے رہے مگر وہ ایمان نہ لائے اور آخر کار اللہ تعالیٰ کا غلاب آگیا۔ قوم  
 نوح طوفان میں غرق ہوئی اور قوم فرعون بحر طعزیم کی موجوں کی نذر ہو گئی۔ البتہ اس تیسری قوم  
 یونس پر بھی غلاب آیا مگر اس کی توبہ قبول ہوئی اور یہ غلاب الٰہی سے بچ گئی۔ اس لحاظ  
 سے پوری تاریخ کائنات میں یہ واحد قوم ہے جسکی توبہ غلاب کے نظر آ جانے کے  
 بعد قبول ہوئی، وگرنہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب کسی فرد یا قوم پر نفع کی حالت  
 طاری ہو جاتی ہے تو اُس وقت اُس کا ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا ارشاد مبارک بھی ہے تَوْبَةُ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغْرِغْ بِنَدَسِهِ کی توبہ اُس وقت  
 تک قبول ہوتی ہے۔ جب تک اُس پر غرغروہ کی حالت طاری نہ ہو جائے اور غرغروہ

لہ ترمذی مت

کی حالت ————— وہ ہوتی ہے جب سانس حلق میں  
 آکر اٹک جاتی ہے، حجاب اٹھ جاتے ہیں اور موت کے فرشتے  
 نظر آنے لگتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں تَوْبَةُ الْعَبْدِ مَا كَمْ يَكْفِعُ  
 الْحِجَابَ یعنی بندے کی توبہ اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہے جب  
 تک کہ حجاب واقع نہ ہو جائے، حجاب کی تعریف حضور علیہ السلام نے  
 خود فرمائی ہے کہ انسان کی جان جسم سے اس حالت میں نکل جائے کہ  
 وہ کفر یا شرک میں مبتلا ہو یہ حجاب ہے اور ایسی حالت میں توبہ قبول  
 نہیں ہوتی۔ الغرض عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد  
 کسی قوم کی توبہ قبول نہیں ہوتی، یہ صرف قوم یونس کو استثنیٰ حاصل ہے  
 کہ عذاب الہی کے آثار نظر آنے کے بعد بھی اللہ نے ان کی توبہ قبول فرما  
 لی اور انہیں اس عذاب سے نجات دے دی۔ ان واقعات کو بیان  
 کر کے بنی نوع انسان کو نصیحت اور تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ عذاب آنے  
 یا نزع کا وقت طاری ہونے سے پہلے پہلے ایمان قبول کر لیں اور اگر  
 گناہوں میں مبتلا ہیں تو توبہ کر لیں اور آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جائیں  
 آیت زیر درجہ میں حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال  
 بیان کیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا نام اسی نسبت سے سورۃ یونس ہے یہاں  
 پر محض اشارۃً بات کی گئی ہے جب کہ قوم یونس کے مفصل حالات سورۃ  
 انبیاء، سورۃ صافات اور بعض دیگر سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ حضرت  
 یونس علیہ السلام اصلاً بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے مگر آپ کی  
 بعثت آشوری قوم کی طرف ہوئی، اس زمانے میں اور اس علاقے میں یک  
 وقت اللہ کے پانچ بنی موجود تھے۔ جن میں سے حضرت یونس علیہ السلام  
 کو تبلیغ کے لیے آشوریوں کی طرف بھیجا گیا۔ آشوریوں کا پایہ تخت نینوی

حضرت  
 یونس  
 کی بعثت





سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں۔ یہ بات درست نہیں ہے اور اس میں رائی کے دانے کے برابر بھی کوتاہی نہیں ہوئی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اس بات کی تردید کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر نبی فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبوت کے منصب عالیہ کے لائق ہی نہیں۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ کوئی نبی فریضہ رسالت کی ادائیگی میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ یونس علیہ السلام سے معمولی لغزش ہوئی تھی کہ وہ اللہ کے حکم کا انتظار کیے بغیر بستی سے نکل گئے۔

جب یونس علیہ السلام بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آپ دریا کے کنارے پہنچے۔ آپ کا ارادہ یا فہ سے ترسیں جانے کا تھا۔ یہ دونوں بستیاں دریائے دجلہ کے کنارے پر تھیں یہ سفر دجلہ میں تھا یا بحر روم میں، اس کے متعلق بھی مختلف روایات ملتی ہیں مگر قرآن پاک میں تفصیل نہیں ہے

حضرت  
یونس پر  
ابتداء

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے اپنی تفسیر عزیزی میں اور بعض دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سفر میں حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیوی اور دو بچے تھے۔ راستے میں کہیں چھوٹی ندی عبور کر رہے تھے کہ ایک بچہ ندی میں گر گیا، اس کو پکڑنے کی کوشش کی تو جھپے سے دوسرے بچے کو بھیٹا اٹھا کر لے گیا۔ اسی اثنا میں دوسری طرف کچھ آدمی آئے جو آپ کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے۔ اس حادثہ کے بعد آپ کشتی میں سوار ہوئے جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ (الصَّفَات) جب آپ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گئے اور اس میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی پانی کے درمیان میں پہنچی تو بھنور میں پھنس کر ہچکونے کھانے لگی جس کی وجہ سے اس کے غرق ہونے کا خطرہ

پیدا ہو گیا، ملاحوں نے اس زمانے کے دستور کے مطابق کہا کہ کوئی  
نافرمان آدمی ہماری کشتی میں سوار ہو گیا ہے جس کی نحوست کی وجہ سے تمام  
مسافروں کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئی ہیں۔ یا پھر کوئی غلام اپنے آقا سے  
بھاگ کر آ گیا ہے جس کی وجہ سے سب لوگ مصیبت میں گرفتار ہو گئے  
ہیں۔ اس پر یونس علیہ السلام نے اقرار کیا کہ اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام تو  
میں ہی ہوں، لہذا مجھے کشتی سے اتار دیا جائے تاکہ باقی مسافروں کی جانیں  
بچ جائیں لوگوں نے آپ کی نورانی قطع قطع اور چہرے کو دیکھ کر یقین  
نہ کیا کہ آپ کسی کے بھاگے ہوئے غلام ہو سکتے ہیں یا آپ کوئی گنہگار  
آدمی ہو سکتے ہیں۔ قرآن پاک میں موجود ہے فَسَاهُمْ وَالضُّعُفُ  
کشتی والوں نے قرعہ نکالا تو وہ آپ ہی کے نام نکلا تین دفعہ قرعہ اندازی  
ہوئی اور ہر دفعہ یونس علیہ السلام کا نام آیا بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ  
نے خود ہی پانی میں چھلانگ لگا دی تھی تاکہ ان کی وجہ سے سب لوگ ہلاک  
نہ ہوں۔ بہر حال آپ نے خود چھلانگ لگا دی یا کشتی والوں نے آپ  
کو پانی میں پھینک دیا۔ آگے پھیلی خدا کے حکم سے آپ کی منتظر تھی آپ  
سیدھے پھیلی کے منہ میں گرے اور اس کے پیٹ میں چلے گئے۔ اس  
پریشانی اور تکلیف کا حال قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں موجود ہے  
پھیلی کے پیٹ میں پہنچ کر آپ کو کتنی تکلیف پہنچی ہوگی، سانس  
گھٹ رہا ہوگا اور آپ پانی کی تہوں میں پھیلی کے پیٹ میں کیسے  
محسوس کرتے ہوں گے۔

سورة انبیاء میں آتا ہے کہ اس تہ درتہ اندھیروں میں فَنَادٰی فِی  
الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ رَاحَتْ مِنْ  
الظُّلُمٰتِ یٰ یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا کہ اے مولا کریم! تیرے  
سوا کوئی معبود نہیں ہے تو پاک ہے اور خطا کار تو میں ہی تھا اللہ تعالیٰ

مسیبیت  
سے نجات



نے آپ پر رحم فرمایا۔ سورۃ الصفّٰت میں ہے کہ اگر آپ یہ تسبیح نہ کہتے  
 لَکُنْتَ فِيْ بَطْنِهٖ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ تو آپ کو قیامت  
 تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رکھا جاتا۔ اس تسبیح کی برکت سے اللہ تعالیٰ  
 نے انہیں اس قید خانہ سے نجات دی۔ آپ نے کتنا عرصہ مچھلی کے  
 پیٹ میں رہے، اس کی تصریح نہیں، تاہم تفسیری روایات میں تین دن  
 یا چالیس دن کا ذکر ملتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے دَعْوَةُ  
 الْمَكْرُوْبِ دَعْوَةُ ذِي النُّوْنِ یعنی مصیبت زدہ آدمی کے لیے  
 یہی دعا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ  
 الظَّالِمِیْنَ اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے مصیبت زدہ آدمی کی پریشانی  
 دور کر دے گا۔ یہ ایسی بابرکت دعا ہے جو یونس علیہ السلام کی زبان سے  
 جاری ہوئی۔ اس کے بعد مچھلی کو حکم ہوا کہ انہیں پانی سے باہر پھینک دیا  
 جائے۔ سورۃ القلم میں اللہ نے یہ احسان قبول کیا ہے لَوْلَا اَنْتَ  
 تَذَرٰکَہٗ یَفْعَلُ مِمَّنْ رَّبِّہٖ کُنُیْدًا بِالْعَرَاءِ وَہُوَ  
 مَذْمُوْمٌ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت اور مہربانی ان کا تدارک نہ کرتی تو آپ  
 کو چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا اس حالت میں کہ آپ ہارے ہوئے  
 ہوتے۔ پھر سورۃ الصفّٰت میں فرمایا قُنُیْدًا بِالْعَرَاءِ وَہُوَ  
 سَقِیْمٌ ہم نے انہیں چٹیل میدان میں ڈال دیا اس حالت میں کہ وہ  
 بیمار تھے، البتہ اللہ نے مچھلی کے پیٹ کو وحی کی بھی کہ یونس علیہ السلام  
 قمری خوراک نہیں ہیں بلکہ یہ ان کے لیے قید خانہ ہے۔ چنانچہ اس دودھان  
 آپ کے تمام اعضاء صحیح سلامت رہے مگر مچھلی کے پیٹ کی گرمی کی  
 وجہ سے کھال نہایت نرم ہو گئی۔

صحرا میں صحرا میں  
 سامان سامان  
 زلیت زلیت

صحرا میں آپ کو ریت پر پھینک دیا گیا جہاں سایہ کے لیے کوئی  
 درخت بھی نہ تھا مگر اللہ نے فرمایا وَابْنٰتْنَا لَکِیْہٗ شَجَرَةً مِّنْ

يَقْطُبَيْنِ (الصَّغْت) ہم نے آپ پر کدو کی بیل اگا دی۔ کدو کے پتے بڑے نرم اور ملائم ہوتے ہیں اور اس پر کبھی بھی نہیں تھکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے لیے سایہ کا بندوبست کدو کی بیل کے ذریعے کر دیا حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کدو بہت پسند فرمایا کرتے تھے ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ کدو میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے، اللہ نے یہ ان کے لیے لگایا تھا یہ مرطوب بہتری ہے مگر اطباء کہتے ہیں کہ مرطوب ہونے کے باوجود یہ مقوی حافظہ ہے حالانکہ اکثر مرطوب چیزیں حافظہ کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ ہم ممکن حد تک کدو کا بکثرت استعمال کرتے تھے کیونکہ حضور علیہ السلام کدو یہ بہتری بڑی مرطوب تھی۔

ادھر آپ کی خوراک کا بندوبست اللہ نے یہ کیا کہ ایک جھگلی بکری کا بچہ گم ہو گیا تھا، اس کی تلاش میں ادھر آنکلی۔ حضرت یونس علیہ السلام کے قریب آئی تو آپ نے اس کا دودھ پیا۔ جب تک آپ اس مقام پر مقیم رہے بکری آکر آپ کو دودھ پلاتی رہی۔ اس اثنا میں آپ کے جسم کی کھال بھی اصل حالت پر آگئی اور آپ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے پھر اللہ کا حکم ہوا فَارْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ (الصَّغْت) پھر ہم نے آپ کو ایک لاکھ یا زائد لوگوں کی طرف بھیجا اس سے مراد وہی نینوی کی بستی ہے جہاں سے آپ نکلے تھے تہذیب شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اس شہر کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اشارۃً یہ بات بتلائی ہے۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةً أَمِنَتْ فَنَفَعَهَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ پس کیوں کی تہذیب نہ ہوئی کوئی ایسی بستی جو ایمان لاتی۔ پھر اس کا ایمان اس کو فائدہ پہنچا تا مگر

قوم یونس۔ یعنی یہ امتیخ عالم میں واحد قوم ہے کہ عذاب آجملنے کے بعد جسکی توبہ قبول ہوئی۔ اس سلسلے میں مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ قوم یونس کے واقعہ کو قانون قدرت میں استثنا حاصل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عذاب وارد کرنے کے بعد اس قوم کے سوا کسی قوم کی توبہ قبول نہیں کی۔ البتہ بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون اہل ہے اور یہ جو قوم یونس سے بظاہر عذاب ٹل گیا تھا، یہ اصل میں عذاب آیا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کی ایک معمولی سی جھلک ظاہر کی گئی تھی تاکہ یونس علیہ السلام کی نبوت کی صداقت واضح ہو جائے۔ آسمان پر دھوئیں کی شکل میں سیاد بادل نظر آئے تھے جن کی وجہ سے مکانات کی چھتیں بھی سیاہ ہو گئی تھیں مگر فی الواقع عذاب نازل نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آسمان پر سیاد بادل دیکھ کر ینوی کی بستی والوں کو احساس ہوا کہ اللہ کا نبی ٹھیک ہی کہتا تھا اور اب ہم پر عذاب نازل ہونے والا ہے تو وہ نبی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، مگر یونس علیہ السلام تو حادثہ کا شکار ہو چکے تھے، وہ کہاں ملتے۔ بالآخر قوم کے سارے لوگ بڑے، چھوٹے، بچے عورتیں حتیٰ کہ ان کے جانور بھی بستی سے باہر نکل گئے اور آہ و زاری شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے جرم کی معافی طلب کی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور عذاب کے جو آثار نظر آئے تھے وہ ہٹ گئے۔ اللہ نے فرمایا لَمَّا آمَنُوا جب وہ صدق دل سے ایمان لائے كُتِفْنَا عَنْهُمْ عَذَابُ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں ذلت والا عذاب کھول دیا اور وَمَتَّعْنَاهُمُ الْخَالِدِينَ اور انہیں ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچایا۔ مطلب یہ کہ ان سے فوری طور پر توبہ عذاب ٹل گیا، پھر وہ کافی مدت تک ایمان کی حالت پر قائم رہے، پھر وقت گزرنے



کے ساتھ ساتھ ان کے حالات بگڑنے شروع ہو گئے، وہ پھر کفر و شرک اور معاصی میں مبتلا ہو گئے اور اس طرح ہم نے ایک خاص مدت تک ان کو زندگی دی اور سزا سے بچائے رکھا۔ ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانے کا یہی مطلب ہے۔

حضرت  
یونس کا  
ازالہ فتنان

اُدھر یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آنے اور کچھ دن چھل میدان میں رہنے کے بعد جب اپنی بستی کی طرف واپس آئے تھے تو اُن کا ایک بچہ بکریاں چرانے والے ایک گڈریے کے ہاں مل گیا اس شخص نے دریافت کرنے پر بتایا کہ یہ بچہ انہوں نے پانی سے نکالا تھا۔ اُس گڈریے نے بتایا کہ ایا ہی ایک لادارث بچہ فلاں لوگوں کے پاس بھی ہے یونس علیہ السلام وہاں پہنچے تو اسے بھی اپنا بچہ پایا۔ اُن لوگوں نے بتایا کہ یہ بچہ انہوں نے ایک بھیرٹریے کے منہ سے چھڑایا تھا۔ آپ کی بیوی کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ کوئی گھوڑے پر سوار شہزادہ اُدھر سے گزر رہا تھا جو آپ کی بیوی کو ہمراہ لے گیا۔ وہ شہزادہ اچانک پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہو گیا مگر پورے علاج کے باوجود افاقے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ کسی درویش منش آدمی نے شہزادے سے کہا کہ تم کسی شخص کی بیوی کو بدبیتی سے لے آئے ہو، جب تک اسے واپس نہ کر دو۔ اور اس سے معافی نہ مانگو، تم صحت یاب نہیں ہو سکتے۔ اس طرح آپ کی بیوی بھی آپ کو واپس مل گئی۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ  
تُكْرِهَ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ⑨۹ وَمَا  
كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَجْعَلُ  
الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ①۰۰ قُلِ انْظُرُوا مَاذَا  
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ  
عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ①۰۱ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ  
أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلِ فانتَظِرُوا إِلَيَّ  
مَعَكُمْ مِنَ الْمُنتَظِرِينَ ①۰۲ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ  
آمَنُوا كَذَلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ ①۰۳

ترجمہ :- اور اگر چاہتا تیرا پروردگار تو البتہ ایمان لاتے جو بھی  
زمین میں ہیں سب کے سب۔ پس کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں  
گئے یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں ⑨۹ اور نہیں ہے کسی نفس  
کے لیے کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے۔ اور ڈالتا ہے  
اللہ تعالیٰ سب سے اُن لوگوں پر جو سمجھ نہیں سکتے ①۰۰ آپ  
کہہ دیجئے کہ دیکھو جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں  
اور نہیں فائدہ دیتیں نشانیاں اور ڈرانے والے اُن لوگوں کو جو  
ایمان نہیں لاتے ①۰۱ پس نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر مثل

ان لوگوں کے دلوں کی جو ان سے پہلے گزرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے  
 لئے پیغمبر! پس تم انتظار کرو، بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار  
 کرنے والوں سے ہوں (۱۰۲) پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے  
 رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اسی طرح ثابت ہے  
 ہمارے اوپر کہ ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو (۱۰۳)

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کا حال بیان فرمایا، نیز آپ کی  
 قوم کی منفرد حیثیت کا تذکرہ فرمایا کہ یہ واحد قوم ہے جس کی توبہ اللہ تعالیٰ نے عذاب  
 کی نشانیاں ظاہر ہو جانے کے بعد قبول کی۔ اس سلسلے میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ  
 عذاب کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی تصدیق  
 کے لیے عذاب کی کچھ علامات ظاہر فرمائی تھیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ  
 نے اپنے نبی اور آپ پر ایمان لانے والوں کو تسلی دی ہے کہ لوگوں کے ایمان نہ  
 لانے کی وجہ سے آپ دل برداشتہ نہ ہوں کیوں کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے  
 اختیار میں ہے۔ اور آپ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

ہدایت اور  
 گمراہی کا  
 قانون

سوالہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کا وہ قانون بیان فرمایا ہے جس کے تحت  
 بعض لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے اور بعض گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ارشاد  
 ہوتا ہے: وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ أَكْرَهْتُمُ الْإِيمَانَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ  
جَمِيعًا تو زمین میں رہنے والے سائے کے سائے افراد ایمان لے آتے اور کوئی بھی  
 کافر اور مشرک باقی نہ رہتا۔ یہاں پر شائد سے مراد محض چاہنا نہیں بلکہ مجبور کرنا ہے۔ کہ  
 تمام لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جاتا، تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے  
 کون دم مار سکتا ہے، لہذا سب ایمان لے ہو جاتے۔ سورۃ نحل میں ہے: وَلَوْ شَاءَ  
لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ اگر ہم چاہتے تو سب کو ایک ہی لائن پر ڈال کر ہدایت  
 دے دیتے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ کسی پر جبراً ہدایت عطا نہیں کر سکتا ہے مگر یہ ایسی



مصلحت کے خلاف ہے۔ سورۃ ہود میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ  
النَّاسُ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا "وَلَا  
مِنْ أَلْوَانٍ مُتَخَلِّفِينَ" مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں  
جبراً کسی چیز پر جمع نہیں کرنا چاہتا، ایمان وہی قبول ہوتا ہے جو اللہ کے دیے ہوئے  
اختیار کے مطابق اپنی مرضی سے شرح صد کے ساتھ قبول کیا جائے أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ  
حَتَّى يَكُونُوا امُّو مِثْنِ کیا آپ لوگوں کو مجبور کرینگے کہ وہ مومن بن جائیں۔ اسی لیے  
اللہ تعالیٰ نے یہ واضح قانون دیا ہے "لَا إِلَهَ إِلَّا فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ  
الْغَيِّ" (البقرہ) یاد رکھو! دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ اللہ نے ہدایت اور  
گمراہی دونوں باتوں کو واضح کر دیا ہے، لہذا جو کوئی اپنی مرضی سے ایمان  
قول کر لیا وہی بہتر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے تمام ذرائع عقل، سمجھ،  
اختیار اور ارادہ وغیرہ انسان کو دیا کر دیے ہیں، لہذا اب یہ ذمہ داری ہر انسان  
کی ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔ سورۃ کہف میں ہے "فَصَلِّ  
شَاءَ قَلْبُكَ مِنْ وَاٰمَنٌ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ" جس کا جی چاہے ایمان سے  
اٹے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے، یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے، اس  
پر کسی قسم کا جبر نہیں ہے البتہ ہر شخص کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے  
کہ اگر وہ ایمان لانے تو خدا تعالیٰ اس پر راضی ہو کہ اپنی رحمت کے مقام  
میں داخل کر لیا اور اگر اس نے کفر کا راستہ اختیار کیا تو دنیا اور آخرت دونوں  
جگہ خسارے میں ہے گا۔

دین میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بھی فرمایا کہ آپ کا کام کسی کی زبردستی  
جبر نہیں منوانا نہیں ہے بلکہ "فَلَا تَمَّا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ"  
(الرعد) آپ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اس کے بعد کسی شخص کے  
اعمال کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے، اس سلسلے میں آپ سے کوئی  
باز پرس نہیں ہوگی۔ اس طرح سورۃ غاشیہ میں فرمایا "كُنْتُ عَلَيْكُمْ

بِمَصْنُوعٍ أَفْأَنَ كَوْنِي دَارِدًا نَحْمِيهِمْ هِيَ كَمَا أَنَّ سَبَّكَ زَبَدَتِي مَنَوَالِيهِ -  
 اَبَ اللّٰهَ كَمَ رَسُوْلٍ هِيَ اَوْرَ كَسِي كُو مَجْبُوْر كَمَ رَسُوْلٍ كَا كَامَ نَحْمِيهِمْ هِيَ اَبَ غَرَضِيْكَ اِيْمَانُ  
 قَبُوْلُ كَرَمِيْ نِيْ اِيْذَ كَرَمِيْ نِيْ كَا سُوَالُ بَرَاهِ رَاسْتِ هَرِ شَخْصٍ سَيِّ هُوْكَ اَوْرَ كَسِي نَحْمِيْ  
 مَبْلَغٍ سَيِّ نَحْمِيْ پُوْجِيْجَا جَا سَيِّ كَا كَرَمِيْ لُوْكَ اِيْمَانُ كِيُوْلُ نَزَالَتِي -

پھر اللہ نے ہدایت کا یہ قانون بھی بیان فرمادیا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ  
 اَنْ تُوْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ اَكْسِيْ نَفْسٍ كَسِيْلِيْ هِيَ بَاتِ نَحْمِيْ سَبَّكَ كَرَمِيْ  
 اِيْمَانُ لَاسَيِّ جَبَّ تَمَّ كَمَ اللّٰهَ كَا حَكْمُ نَحْمِيْ - خُذَا تَعَالٰی كِيْ مَشِيَّتِ اَوْرَ اَرَادَتِي  
 سَيِّ هِيَ اِنَّا نَحْمِيَّتِ حَاصِلُ كَرَمِيْ تَمَّ هِيَ كِيُوْنِكَ اللّٰهَ كِيْ مَشِيَّتِ اَوْرَ اَرَادَتِي هِيَ  
 غَالِبٌ هِيَ ، لَهَذَا اُسُ كِيْ حَكْمُ كِيْ غَيْرِ اِيْمَانُ اَوْرَ مَدَايِْتِ حَاصِلُ نَحْمِيْ ہُوْكَ  
 لَكِيْنِ يٰ بَاتِ يَادِرْ كَمُوْ وَ يَجْعَلُ الرَّجْسُ عَلٰی الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ  
 اللّٰهَ تَعَالٰی نَحْمِيَّتِ اَوْرَ كَمَدِ كِيْ اِنِّیْ پَرِ اَلَا تَابِيْ ہُوْ عَقْلُ كُوْ صَحِيْحُ طَوْرُ رَاسْتَعَالِ نَحْمِيْ  
 كَرَمِيْ - كَفَرُ اَشْرَ كُ اَوْرَ مَعَايِ مِيْ مَوْرَثِ سَيِّ مَنِيْ لُوْكَ اَوْرَ كَمَدِ كِيْ پَرِ تَمَّ ہُوْ  
 يٰہَاں پَرِ رَحْمٰی سَيِّ مَرَادُ عَقِيْدَتِي كِيْ كَمَدِ كِيْ ہُوْ - اَرشَادُ بَارِئِ تَعَالٰی  
 ہُوْ فَاجْتَنِبُوا الرَّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الْحَج) ہُوْ پَرِ سَتِي كِيْ نَحْمِيَّتِ  
 سَيِّ ہُوْ - سُوْرَةُ مَدَّ تَمَّ ہُوْ وَالرَّجْسُ فَاهُ حَجْرُ ہُوْ قَسْمُ كِيْ كَمَدِ كِيْ كُوْ اِنِّیْ  
 اَبَ سَيِّ دَوْرُ رَحْمٰی ، خَاصُ طَوْرُ پَرِ عَقِيْدَتِي كِيْ نَحْمِيَّتِ تَوْبَتِ بَرِئِ نَحْمِيَّتِ  
 ہُوْ - سُوْرَةُ تَوْبَتِ مِيْ ہُوْ اَبَ مَنَافِعِيْنَ كِيْ مَتَعَلِقُ مَنِيْ ہُوْ ہُوْ اِنِّیْ  
 رَحْمٰی اِنِّیْ كِيْ دَلُ و دَمَاغُ اَوْرَ قَلْبُ رُوْحِ مِيْ نَفَاقُ كِيْ نَحْمِيَّتِ ہُوْ  
 اَبَ اِنِّیْ كُوْ جَبَّ پَرِ دِيْ -

عقیدے  
کی نجات

عقل کا  
استعمال

اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق سورۃ انفال میں فرمایا ہے اِنَّ  
 سَيِّ الدَّوَابِّ اَعْمَدَ اللّٰهُ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ  
 ایسے لوگ اللہ کے نزدیک بدترین جانور ہیں جو اندھے اور بہرے ہیں اور  
 عقل کو صحیح استعمال نہیں کرتے۔ اللہ نے انسان کو عقل عظیم جو بہر

عطا کر کے اُسے مکلف بنایا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا  
اگے آؤ، وہ آگے آگئی، پھر فرمایا پیچھے ہٹ جاؤ، تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔  
پھر فرمایا کہ تیری وجہ سے ہی میں مواخذہ کروں گا، تیری وجہ سے ہی غلط کمزوں  
کا اور تیری وجہ سے ہی منع کمزوں کا۔ پاگل آدمی یا چھوٹے بچے سے کوئی  
باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ وہ عقل نہیں رکھتا۔ جو ابدی کامدار اللہ نے عقل  
پر رکھا ہے، لہذا جو لوگ اپنی عقل کو صحیح استعمال نہیں کرتے گندگی اپنی  
پر پڑتی ہے۔ وہ ہمیشہ ضد، عناد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا رہتے ہیں۔  
یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو دیکھ لیں بظاہر بڑے دانا سمجھے جاتے ہیں مگر  
عقل کے غلط استعمال کی وجہ سے ان پر گندگی پڑی ہوئی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ عقل دو قسم کی ہوتی ہے  
یعنی عقل معاش اور عقل معاد۔ بعض لوگ عقل معاش میں بڑے کامل ہوتے  
ہیں۔ ان میں بڑے بڑے ڈاکٹر، انجینئر، فلاسفر اور ماہرین تعلیم شامل ہیں  
مگر ان کی عقل عقل معاش تک محدود ہے۔ انہوں نے دنیوی ترقی کے  
لیے بڑی ایجادات کی ہیں، علم و فن کو عروج کی بلندیوں تک پہنچایا ہے  
مگر عقل معاد کے لحاظ سے بالکل صفر ہیں۔ وہ آخرت کی بات کو نہیں  
سمجھ سکتے۔ دین اسلام، قرآن، انبیاء کتب سماویہ اور معاد پر اعتراض کرنے  
والے بے عقل لوگ ہیں۔ انہوں نے عقل سلیم کو ٹھیک طور سے استعمال نہیں  
کیا۔ ایسے شخص کی اپنی عقل ٹیڑھی ہوتی ہے مگر وہ دوسری چیز کو ٹیڑھا  
سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال بھیگے آدمی کی ہے جسکی اپنی آنکھ میں نقص  
ہوتا ہے اور اُس کو ایک کے دو دو نظر آتے ہیں۔ یرقان کا مریض بھی  
ایسا ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر چیز اپنے قدرتی رنگ پر ہوتی ہے مگر بیماری کی  
وجہ سے اُسے ہر چیز زبر نظر آتی ہے اسی طرح معاد کا انکار بھی کسی شخص  
کی اپنی عقل کی خرابی اور اس کے غلط استعمال کی وجہ سے ہوتا ہے اسی



لیے فرمایا کہ ہر نفس اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایمان لاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ  
سجاست اس پر ڈالتا ہے جو عقل کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتا۔

مشہور نشانات  
قدرت

فَرَا قَلِيلًا أَنْظَرُوا مَا ذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْ  
لئے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ دیکھو لو جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور  
زمین میں ہے۔ دیکھو! اللہ نے اپنی قدرت کی کتنی نشانیاں پھیلا رکھی ہیں  
اپنی نشانیوں کو دیکھ کر لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانتے ہیں۔ وسیع  
آسمان پر پھیلے ہوئے سیارے اور تلکے شمس و قمر، فضا میں اور ہوائیں،  
ابواباں، بحر و جہر، پہاڑ، سمندر، دریا، پھول اور پھل سارے کے سارے  
نشانات قدرت ہیں اگر انسان محوِ راسا غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت  
سامر اور حکمت بالغہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ سورۃ یوسف میں فرمایا کتنے لوگ  
ہیں يَكْمُرُونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ جو ان نشانیوں  
پر گزر جاتے ہیں مگر ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، عقل کو صحیح طور پر  
استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرتے۔

فرمایا، دیکھو آسمان و زمین میں کیا کچھ ہے وَمَا تَكْفِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ  
عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ مگر یہ نشانات اور ڈرانے والے ان لوگوں  
کو کچھ فائدہ نہیں دیتے جو ایمان ہی نہیں لاتے۔ جو لوگ ہند، عناد، اور  
ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہیں ان کے لیے نہ کوئی معجزہ کارگر ہوتا ہے  
اور نہ کوئی دیگر نشانی۔ ڈرانے والی نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں اور وہ ہادی اور  
راہنما بھی جو انداز کا کام کرتے ہیں۔ وہ سمجھانے کی بڑی کوشش کرتے ہیں  
مگر ان کے دل میں کوئی بات نہیں بیٹھتی ان کے ذہنوں میں تعصب اور غلو  
بھرا ہوا ہے، لہذا ان پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ ان نشانات سے وہ لوگ  
مستفید ہوتے ہیں جو اعتدال پسند ہوں اور جن میں سمجھنے کا جذبہ موجود ہو۔

ایک اشارہ  
سماں

فرمایا، لے پیغمبر! فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ

خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ کیا یہ لوگ نہیں انتظار کر رہے ہیں، مگر  
مثلاً ان دنوں کی جہاں سے پہلے لوگوں پر گزرتے ہیں۔ ایام دو قسم کے ہیں  
جن کا ذکر قرآن میں ایام اللہ کے عنوان سے آیا ہے۔ یہ ایام وہ ہیں کہ بعض  
لوگوں کے لیے انعام کا باعث ہوتے ہیں اور بعض کے لیے تعذیب کا  
توفر یا کیا یہ بھی ایسے ایام کے انتظار میں ہیں جو قوم نوح، قوم لوط، عاد اور  
ثمود پر گزرتے ان اقوام کو اللہ نے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے عذاب  
میں مبتلا کیا تو کیا یہ بھی کسی عذاب کے انتظار میں ہیں۔

یہی دن بعض لوگوں کے لیے بابرکت ہوتے ہیں جیسا کہ یونس علیہ السلام  
کی قوم کے حق میں ناشوئے کا دن بابرکت دن ہے جب کہ ان کی توبہ قبول  
ہوئی۔ یہ دن بنی اسرائیل کے لیے بھی بابرکت ہے کہ اللہ نے انہیں اسی  
دن فرعونوں سے نجات دی۔ مگر یہی دن فرعون اور اس کے لاڈلے  
کے لیے سختی کا دن ثابت ہوا کہ وہ ہلاک ہو گئے، تو فرمایا پس نہیں انتظار  
کرتے یہ لوگ مگر مثل ان لوگوں کے دنوں کے جہاں سے پہلے گزرتے  
ہیں۔ اور جن پر سزائیں نازل ہوئیں۔ فرمایا گرفت کرنا یا سزا دینا میرا کام نہیں  
قُلْ فَاصْبِرُوا إِنَّ مَعَ كُوفٍ الْمُنْتَظِرِينَ  
اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اُس دن کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے  
ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم اہل اُس  
کی مشیت سامنے آجائے گی، پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تمہاری نافرمانی  
اور مہٹ دھرمی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے۔

فرمایا خدا تعالیٰ کا قانون یہ رہا ہے ثُمَّ نُنَجِّيْ دُٰمِلْنَا وَالدِّیْنَ  
اٰمَنُوْا پھر ہم بچاتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے  
دنیا میں جب بھی اللہ کے رسولوں نے حق کا پیغام سنایا اور ہدایت کا سلسلہ  
واضح کیا تو قوم نے مخالفت کی اور رسولوں کو اور اہل ایمان کو ختم کرنے کی

اہل اللہ  
کا تحفظ

کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتا ہے  
 نوح علیہ السلام کی قوم نے انکار کیا تو ان سب کو غرق کر دیا گیا۔ اور حضرت  
 نوح علیہ السلام اور اہل ایمان کو بچا لیا گیا۔ اسی طرح فرعون اور اس کے  
 لشکر ہی ہلاک ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل بچا لیے گئے۔ باقی  
 انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایسے ہی واقعات پیش آئے۔ حضرت  
 ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم  
 کی اللہ نے خود حفاظت فرمائی اور ان پر ایمان لانے والوں کو بھی کفار کی  
 دست برد سے محفوظ رکھا۔ سورۃ المؤمن میں بھی آتا ہے "إِنَّا لَنَنْصُرُ  
 رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ  
 الْأَشْهَادُ" ہم اپنے رسولوں اور ان کے ماننے والوں کی دنیا کی زندگی  
 میں بھی مدد کرتے ہیں اور اُس دن بھی ان کو غلبہ حاصل ہوگا جس دن گواہ  
 کھڑے ہوں گے یعنی قیامت کے دن اس کے برخلاف کفار و مشرکین  
 ذلیل ہو کر جہنم کے مستحق ہوں گے۔ نتیجہ کے اعتبار سے دنیا اور آخرت  
 میں انبیاء اور اہل ایمان ہی کو کامیابی حاصل ہوگی۔ اگرچہ اللہ والوں کو بعض  
 تکالیف بھی پہنچتی ہیں اور انہیں بعض آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے  
 مگر بالانتہا وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ اگر عذاب آجھی جائے تو اللہ تعالیٰ  
 ان کو بچا لیتا ہے۔ فرمایا کہ كَذَلِكَ حَقَّقْنَا لِنَبِيِّ الْمُؤْمِنِينَ  
 اسی طرح ہم پر ثابت ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

اللہ رحیم  
 کا قیام

حق کا معنی ثابت ہونا یا پختہ ہونا ہے۔ حق کو حق اسی لیے کہا جاتا ہے کہ  
 وہ پختہ اور اہل چیز ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف باطل ٹٹنے والی چیز ہوتی ہے  
 کیونکہ بطلان کا معنی کسی چیز

کامٹ جانا ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر حق سے مراد  
 رحمت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور شفقت





الہی بحق بنی صراط کہ بر قول ایماں کفر خاتمہ  
 اے اللہ اہل بیت کا جو حق اپنی مہربانی سے تو نے اپنے ذمے لے رکھا  
 ہے، اس حق کے ساتھ یہ سوال کرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ بندوں کا حق  
 اللہ پر واجب نہیں ہو سکتا۔

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ: رَدَّ عَنْ عِزِّهِ جُودِی  
 اس دنیا میں اپنے بھائی کی آبرو کو بچائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے  
 بچائے گا، یہ اللہ پر اس کی مہربانی کا حق ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ کا حق  
 بندوں پر تو ضرور ہے کیونکہ وہ مخلوق ہیں مگر بندوں کا اللہ پر کوئی حق نہیں  
 کیونکہ وہ خالق ہے۔ ہاں! اپنی مہربانی سے جو چیز اس نے اپنے  
 ذمے رکھی ہے، وہ اس کو پورا کرتا ہے۔

غرضیکہ فرمایا کہ اسی طرح ہماری مہربانی سے ہم پر ثابت ہے  
 کہ ہم اہل ایمان کو ضرور نجات دیں گے۔ دنیا میں بے اوقات الیا ہوتا  
 ہے کہ جب کسی قوم پر مجبوری سزا آتی ہے تو ایمان والوں کو الگ کر لیا  
 جاتا ہے۔ یہ تو دنیا کا حال ہے کہ اپنے اپنے زمانے میں انبیاء کے  
 ساتھ واقعات پیش آتے رہے اور آخرت کے متعلق تو اللہ نے  
 خود ہی فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن جب گواہ کھڑے ہوں گے  
 تو اس دن ہم ایمان والوں کو بچالیں گے اور مخالفین کو ذلیل و رسوا  
 کریں گے۔

يَعْتَذِرُونَ ۱۱

درس بست بہشت ۲۸

سورة یونس ۱۰

آیت ۱۰۴ تا ۱۰۷

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي  
 فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن  
 أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّكُمُ ۖ وَأُمِرْتُ أَن أَكُونَ مِنَ  
 الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۰۴) وَأَن أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا  
 وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (۱۰۵) وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ  
 اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ  
 إِذَا مِّنَ الظَّالِمِينَ ۝ (۱۰۶) وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا  
 كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ  
 يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ  
 الرَّحِيمُ ۝ (۱۰۷)

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے، اے لوگو! اگر تمہیں شک  
 ہو میرے دین کے بارے میں تو میں نہیں عبادت کرتا اُن  
 کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا۔ لیکن میں تو عبادت  
 کرتا ہوں اُس اللہ کی جو تمہاری جانوں کو کھینچتا ہے اور میں  
 حکم دیا گیا ہوں کہ ہو جاؤں میں ایمان والوں میں سے ۝ (۱۰۴)  
 اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ قائم رکھیں آپ اپنے دُخ کو دین کے  
 لیے حنیف (سیدھے) ہو کر، اور نہ ہوں آپ شرک کرنے والوں میں



سے (۱۰۵) اور نہ پکاریں آپ اللہ کے سوا ان چیزوں کو جو نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ پس اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا تو بیشک آپ بھی اُس وقت البتہ ظلم کر کے والوں میں سے ہوں گے (۱۰۶) اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی مہکلیف، پس نہیں گھوسنے والا اس کو اس کے سوا کوئی۔ اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ مہلائی کا، پس کوئی نہیں رو کرنا اُس کے فضل کو۔ پہنچاتا ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اور وہ بے انتہا بخشش کرنے والا اور ائمہ صربان ہے (۱۰۷)

گزشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا رد کیا اور اس سلسلے میں قوم نوح و قوم فرعون اور قوم یونس کی مثال بیان فرمائی۔ اللہ نے یہ بات بھی سمجھادی کہ جو لوگ تعصب عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں ان پر کفر و شرک کی گندگی پڑتی رہتی ہے کیونکہ وہ انصاف سے کام نہیں لیتے اور نہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو انبیاءِ عظیم السلام کی بات سنتے ہیں، نہ اُسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ عقل کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر کفر و شرک کی گندگی پڑتی رہتی ہے۔

اس سورۃ کی ابتداء میں بھی یہ بات بیان کی گئی تھی کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ عبادت صرف اُسی کی کی جائے۔ اس کے ساتھ دعوت الی القرآن کو خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ اب سورۃ کے آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے اعتقاد کی پختگی کی بات کی ہے۔ البتہ درمیان میں دیگر مضامین مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، شرک کا رد، قرآن پاک کی صداقت و حقانیت، ہندو ریت انبیاء پر ایمان اور ان کے فرمودات پر عمل وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔ اب آخر میں بھی انہی تین بنیادی مسائل کے علاوہ چوتھی بات قیامت کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

خدائے  
واحد کی  
عبادت

سب سے پہلے ایمان کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے  
اے پیغمبر! قُلْ اَبْ كَرِهِي نَا كِهْكَ النَّاسُ اے لوگو! اِنْ كُنْتُمْ  
فِي شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ اگرتمیں میرے دین کے بارے میں  
کوئی شک ہو، تم میرے دین کے متعلق جاننا چاہو کہ یہ سچا ہے یا نہیں اور  
یہ بھی کہ میرے دین کا اصول کیا ہے، تو میں تمہیں واضح طریقے سے بتلا  
دینا چاہتا ہوں فَلَا اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰهِ  
پس میں نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے  
سوا۔ تم نے تو اللہ کے علاوہ دوسرے معبود بند کئے ہیں جنہیں تم اپنی حاجتوں  
میں پکارتے ہو، جن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہو مگر یاد رکھو!  
میرے لیے اُن کی عبادت کرنا قطعی ناممکن ہے وَلٰكِنْ اَعْبُدُ  
اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفَّكُمۡ يٰكَيۡنَ مَيۡنَ تو اس خدائے واحد کی عبادت کرنا  
ہوں جو تم کو وفات دیتا ہے، یعنی جو تمہاری جانوں کو قبض کرتا ہے  
میرا دین توحیدِ کامل ہے یعنی عبادت صرف اللہ کی کرنا، اس کی وحدانیت  
پر ایمان لانا اور اپنی حاجتوں میں صرف اسی کو پکارنا۔

وفات  
بطور دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی وفات کو اپنی وحدانیت  
کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ موت ایک ایسی یقینی بات ہے  
جس پر تمام بنی نوع انسان کا اتفاق ہے۔ پوری مخلوق میں کوئی فرد واحد  
بھی ایسا نہیں ہوگا جسے موت کے واقع میں اختلاف ہو۔ موت کے  
مشاہدات روزمرہ زندگی میں ہوتے رہتے ہیں، ہر زندہ انسان، جانور،  
پرندہ، درندہ، کبوتر، مگرموت کا ذائقہ چکھے بغیر نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ  
نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرمایا اَعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی  
يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحج) آپ اپنے رب کی عبادت کرتے  
چلے جائیں۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی بات یعنی موت آجائے

مطلب یہ ہے کہ موت ایک یقینی بات ہے جو آکر ہے گی۔ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے اور اپنے نبی سے کہلوایا ہے کہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم سب کو وفات دیتا ہے۔ متنبی بھی کہتا ہے کہ لوگ ہر چیز میں اختلاف کرتے ہیں إِلَّا عَلَى شَيْءٍ مَّكْرُومٍ کے معاملہ میں اختلاف نہیں کرتے، اس کے وارہ ہونے پر سب متفق ہیں مطلب یہ کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جس کے قبضہ قدرت میں زندگی بھی ہے اور موت بھی۔ بعض لوگوں نے جہالت کی بنا پر یہ تصرف غیروں میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قطعاً غلط ہے بعض نے تین خدا تسلیم کیے ہیں، ایک پیا کر نے والا، دوسرا نقصان دالا اور تیسرا موت دینے والا۔ یہ سب شرکیہ عقائد ہیں۔ کیونکہ حَتَّى الْقِيَوْمِ بھی وہی ہے اور يُحْيِي وَيُمِيتُ بھی وہی ذات باری تعالیٰ ہے اللہ ہی زندہ کرتا، وہی موت دیتا اور وہی تھا مٹا ہے۔ بہر حال موت ایک قطعی اور یقینی امر ہے جسے بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔

ایمان پر استقامت  
اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ میں تو اس خدا کے واحد کی عبادت کرتا ہوں جو تم پر موت طاری کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وَأَمْرٌ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل ایمان میں سے ہو جاؤں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا ہے وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا کہ آپ اپنے رخ کو دین کے یہ و تائم رکھیں حنیف بن کر۔ حنیف اس شخص کی کہتے ہیں جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف ایک طرف لگنے والا ہو یعنی توحید کا قائل ہو اور کبوتر ہو کر صرف ایک خدا کی عبادت کر لے والا ہو، نماز کے وقت اپنا رخ بیت اللہ شریف کی طرف کرتا ہو، حج کرے اور ختنہ کرے شاہ ولی اللہ



نے حنیف کی یہی صفات بیان کی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت  
ابراہیم علیہ السلام کو حنیف بننے کا حکم دیا تھا اسی طرح حضور علیہ السلام کو  
بھی یہی حکم دیا **يَا حَنِيفَ لَا تَجْعَلْ لِّدِينِكَ كُفْرًا وَلَا شُرْكًَا** (الحج) تم سب  
کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے حنیف بن جاؤ، اس کے ساتھ شریک  
نہ بناؤ، اسی لیے فرمایا کہ آپ اپنے حیرے کو دین کے لیے قائم رکھیں  
حنیف بن کر۔ **وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ** اور نہ ہوں  
آپ شرک کرنے والوں میں۔

شرک کی بیماری  
بیماری جاتی ہے۔ کبھی عبادت میں شرک ہوتا ہے اور کبھی صفات خداوندی  
میں شرک کیا جاتا ہے۔ لوگ غیروں کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرتے  
ہیں جو شرک کی مکروہ قسم ہے۔ کبھی نام رکھنے میں شرک کیا جاتا ہے اور  
کبھی جنات کو خدا تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں۔ مکان بناتے وقت  
اُس کی بنیادوں میں خون گرا یا جاتا ہے تاکہ جنات نقصان نہ پہنچائیں۔  
کوئی جبرائیل اور میکائیل فرشتوں کو مصیبت میں پکارتا ہے، کوئی اولیاء  
اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اُن کی قبروں کی بھی پوجا کرتا ہے۔  
کوئی غیر اللہ کو سجدہ کر کے مشرک بناتا ہے تو کوئی انتہائی تعظیم کی کسی دوسری  
صورت میں شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی طرح نذر غیر اللہ بھی شرک  
ہی کی قسم ہے، جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا، وہ بھی مشرک  
نہا، اور جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی، وہ بھی شرک کا مرتکب ہوا بغیر ضحکہ  
اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک کی کوئی بات گوارا نہیں، اسی لیے فرمایا کہ آپ  
شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

اپنی ضروریات میں اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارنا بھی شرک کی  
ایک قسم ہے، اسی لیے فرمایا **وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا**

يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ أَفَالَتُكُ الْيُتْرُكُ سِوَاكَ كُونُ يَكَارِي جُونُ فَاؤُهُ  
 پہنچا سکے ہیں اور نہ نقصان، نافع اور ضار تو صرف اللہ کی ذات ہے  
 قلہ مطلق، عظیم کل، مختار کل اور حاسر و ناظر صرف وہی ہے جو شخص یہ صفات  
 غیروں میں مانے گا۔ اپنی حاجات میں انہیں پکارے گا، وہ لازماً مشرک بنے گا۔  
 لہذا آپ کو بھی اس سے منع فرمایا گیا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے فَإِنْ  
 فَعَلْتَ أَكُفُّرٌ آب نے بھی دوسروں کو پکارا، اُن سے حاجت روائی کی  
 درخواست کی فَإِنَّكَ إِذَا مِتَّ الظَّالِمِينَ تُوَابٌ بھی ظلم کرنے  
 والوں میں سے ہوں گے۔ ظلم کا معنی کسی چیز کو بے محل کرنا ہے اور اس  
 کے متعلق سورہ لقمان میں ہے إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ "شُرک  
 بہت بڑا ظلم ہے لہذا اس سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہیے۔"

اس آیت کریمہ میں جس پکارنے سے منع کیا گیا ہے، وہ فوق الاسباب  
 مازق الاسباب  
 استغاثت  
 مرد کے لیے پکارنا ہے۔ یہاں پر لوگ دو چیزوں کو غلط سمجھتے ہیں  
 اسباب کے دائرے میں بہت ہونے تو پکارنا بالکل جائز بلکہ اولیٰ ہے  
 ظاہری اسباب میں ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔ بیمار ہو تو ڈاکٹر سے  
 رجوع کرو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ کے بندو! جب بیمار ہو  
 جاؤ تو علاج معالجہ کیا کرو۔ کوئی ضرورت مند مسکین آدمی کسی دوسرے شخص سے  
 اشیائے خورد و نوش کا سوال کرتا ہے یا مالی امداد کی درخواست کرتا ہے  
 تو اس کی مدد کرنا نیکی کا کام ہے۔ البتہ ڈاکٹر یا دوائی کو مؤثرہ بالذات  
 سمجھنا شرک کی تعریف میں آئے گا۔ علاج ضرور کرو مگر شفاء اللہ سے  
 طلب کرو۔ اُس کی مشیت ہوگی تو دوائی سے فائدہ ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا  
 اسی طرح عام نیکی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اللہ کے حکم کی  
 تعمیل کرنا ہے جیسے فرمایا وَلَوْ عَلَى الْيَتْرِ وَالْثَقُفَى (العائد)  
 یتیم اور ثقیف کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ کوئی شخص مسیبت

میں گم فتنہ ہے تو اس کی اسباب کے دائرہ میں رہ کر امداد کرو۔

جہاں ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں وہاں پھر نہ کوئی پیغمبر کر سکتا ہے، نہ فرشتہ، نہ کوئی جن اور نہ کوئی انسان۔ جو کوئی اللہ کے سوا غیر اللہ سے مافوق الاسباب مدد طلب کرے گا، وہ مشرک بن جائے گا۔ مثلاً کشتی ڈوب رہی ہے اور ظاہری اسباب ختم ہو چکے ہیں تو پھر خدا نے وحدہ لا شریک کے علاوہ کسی کو مدد کے لیے نہیں پکارا جائے گا۔ اگر کوئی خواجہ معین الدین چشتی یا خواجہ بہاؤ الحق سے فریاد درسی چاہے گا، تو اس کے مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ مافوق الاسباب اللہ کے سوا کسی کو نہ پکاریں جو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً آپ ظلم کرنے والوں میں ہوں گے۔ یہ خطاب نبی علیہ السلام سے ہے مگر بات دوسروں کو سمجھائی جا رہی ہے۔

سورة الزمر میں فرمایا لَیْسَ بِشَیْءٍ مِّنْ اَشْیَکُمْ لَیَّعْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ دَلَّکَ کُؤْنُہٗ مِنْ الْخَاسِرِیْنَ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر آپ بھی شرک کریں گے تو آپ کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔ شرک ایسی بُری چیز ہے جو تمام اعمال کو برباد کر دیتی ہے۔ مشرک پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت برسی ہے، اس لیے شرک سے بار بار نصرت دلائی گئی ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے قَادِعُوا اللّٰہَ تَخْلِصَیْنِ لَہُ الدِّیْنِ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ اسرف اللہ ہی کو پکارو۔ اس کے علاوہ نہ کوئی صحت دے سکتا ہے نہ مشکل کو حل کر سکتا ہے نہ تکلیف کو دور کر سکتا ہے سارا اختیار ہی لہذا خالص اُسی کو پکارو اور اس کے ساتھ کسی کو شرک نہ ٹھہراؤ۔

فرمایا فَإِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بَصُرٍ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ہُوَ اگر اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف، بیماری، دُکھ، شکست پہنچا دے تو اللہ

شرک کا وبال

خیر و شر کا اختیار



کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اول و آخر  
 کے سائے لوگ جمع ہو جائیں تو جو چیز اللہ کے علم اور ارادے میں نہیں ہے  
 اس میں ایک تنکے کے برابر بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے، اور نہ ہی اس میں  
ایک تنکا بھر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ فرمایا قرآن یُزِدُّكَ خَيْرًا وَلَا  
يَاذِلُّكَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں مصلحتی کا ارادہ کرے  
 تو اس کے فضل کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یُصِيبُ بِإِذْنِ اللَّهِ  
 مِمَّنْ يَعْبَادُهُ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنا فضل پہنچاتا ہے  
 سارا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے، لہذا انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی  
 مافوق الاسباب حاجات میں صرف خدا کو ہی پکارتے اور اس کے ساتھ  
 کسی کو شریک نہ بنائے کیونکہ شرک بہت بڑی بیماری ہے اللہ تعالیٰ  
 نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے اعلان کر دیا کہ اگر میرے دین  
 کے بارے میں تمہیں کوئی تردد ہو تو میں تو وحید خالص کا حامل اور شرک سے  
 بیزار ہوں۔

فرمایا، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنا فضل اور مہربانی پہنچاتا  
 ہے وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ اور وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی  
 وہ نہایت بخشنے والا ہے مگر اس شخص کو جو اس کی طرف رجوع کرے  
 اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور معافی مانگے۔ مہربانی اس کے شامل  
 حال ہوتی ہے جس کا عقیدہ درست اور فکر پاک ہو، جو ایمان پر مستقیم اور  
 توحید کا حامل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی ایسے ہی لوگوں کے لیے  
 مخصوص ہے۔

يعتذرون ۱۱

سورة يونس ۱۰

درس بست نہ ۲۹

آیت ۱۰۸ تا ۱۰۹

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝۱۰۸ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝۱۰۹

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے، اے لوگو! تحقیق آپکا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے۔ پس جس نے ہدایت پائی، بیشک وہ ہدایت پاتا ہے اپنے نفس کے فائدے کے لیے اور جو گمراہ ہوا، پس بیشک وہ گمراہ ہوتا ہے اپنے نفس کے بُرے کے لیے۔ اور نہیں ہوں میں تم پر کوئی مختار ۝۱۰۸ اور اتباع کرو اُس چیز کا جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور صبر کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۝۱۰۹

حق کی آمد  
سورة يونس میں اللہ تعالیٰ نے چار اہم مضامین توحید، رسالت، قیامت اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت بیان فرمائے ہیں۔ سورة کی ابتداء میں بھی یہی مضامین بیان ہوئے تھے اور اب آخر میں بھی انہی مضامین کا خلاصہ بیان ہو رہا ہے۔ درمیان میں یہی حقائق مختلف مثالوں کے ذریعے اور مختلف طریقوں سے سمجھائے گئے ہیں۔ ان چاروں مضامین میں سے قرآن پاک کے وحی الہی

ہونے، اس کے اتباع اور اس کی صداقت و حقانیت کا حصہ زیادہ بہت چنانچہ اب آخر سورۃ میں قرآن پاک ہی سے متعلق ارشاد ہے فَقُلْ لِّی مَغْفِرَةٌ آپ کہ دیجئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لے لوگو! قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ الحق صحت و کبریا سے تحقیق آچکا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ خطاب عام لوگوں سے ہے صرف عربوں یا صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ پوری نوع انسانی کو خطاب کیا گیا ہے۔ لے دنیا جہان کے لوگو! اور خطاب یہ ہے کہ تمہارے پاس حق آچکا ہے، حق سے مراد قرآن پاک ہے یا دوسرے لفظوں میں دین حق عقیدہ توحید، عمل حق اور اخلاق حق ہے۔ اس میں عقائد حقہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ حق کا معنی ثابت چیز ہوتا ہے۔ توحید، رسالت، معاد اور نیکی وغیرہ ثابت شدہ چیزیں ہیں لہذا ان کو حق سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے برخلاف بدعتیہ کی اور بدعملی بری چیزیں ہیں جن کا خمیازہ ہر شخص کو بھگتنا ہو گا۔ مکی زندگی میں زیادہ تر اصلاح عقیدہ کی طرف توجہ دی گئی کیونکہ سب سے پہلے انسان کے عقیدے کی درستگی ضروری ہے۔ عمل اور اخلاق عقیدے کی فرع ہے۔ عقیدے کی اصلاح کے بغیر عمل بے سود ہے۔ اور عقیدے کی درستگی خدا تعالیٰ کی وحدانیت، انبیاء کی رسالت، کتب ماویہ اور معاد پر ایمان لانے سے ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ حق یعنی سچا دین جس میں عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، تمہارے پاس آچکا ہے، اب اس سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔

فرمایا، تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس حق آچکا ہے۔ فَمَنِ اهْتَدَىٰ پس جس شخص نے اس حق سے ہدایت پالی فَإِنَّ لَّهَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِیْ پس بے شک وہ ہدایت پا آئے اپنے نفس کے فائدے کے لیے۔ حق کو نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے حجت تمام کر دی ہے

ہدایت کا  
فائدہ



اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا، کتابیں نازل فرمائیں اور مبلغین کے ذریعے سے تمام لوگوں تک پہنچا دیا، اس کی وضاحت بھی کر دی، صحیح اور غلط باتیں ساری بیان کر دیں، لہذا اب جو شخص اس ہدایت کو قبول کرے گا تو اس کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اپنے نفع و نقصان کے متعلق سوچنا ہر شخص کا اپنا کام ہے۔ اگر وہ حق کو قبول نہیں کرے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا، ”لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ“ (البقرة) انسان نے جو اچھی چیز کمائی وہ اسی کے فائدے کے لیے ہے اور جو بُری چیز کمائی اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

فرمایا وَمَنْ ضَلَّ جَسَدُ جُنَّاسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَ تَتَّبِعُونَ الْبَقَعَ لِمَا لَا يَنْفَعُكُمْ مِنْهُ وَمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَمَن يَفْعَلْ مُثْقَلَةَ ذَرَّةٍ مِّنَ الْإِثْمِ يَجْزِ اللَّهُ لَهُ بِهِ مِثْقَلَهُ ۚ وَمَن يَفْعَلْ حَسَنَةً يَّجْعَلْ لَّهَا مِثْقَلَهُ ۚ

نقصان گمراہی کا

اگر کسی نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا تَوَّاسٌ کا وبال اُسی کے نفس پر پڑے گا۔ مِلَّتِ ابراہیمی کا یہ مسئلہ اصول ہے اَلَا تَتَزَوَّرُ وَازِرَةٌ ۚ وَذُودُ الْاُخْرٰی (النجم) کسی ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ بلکہ اپنے اپنے عقیدے، عمل اور اخلاق کے مطابق ہر شخص کو بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ نے اپنے پیغمبر کی زبان سے اعلان کروادیا وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ میں تم پر کوئی وکیل نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں وکیل کا لفظ ذکر کیا ہے، کہیں جبار کا اور کہیں مصیطر کا۔ مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تم پر کوئی داروغہ نہیں ہوں جو تمہیں زبردستی کوئی چیز منوالوں۔ سورۃ غاشیہ میں ہے کَسَتْ عَلَيْهِمْ بِمُصِيطِرٍ اَبْ اُن پر کوئی داروغہ تو نہیں ہیں۔ سورۃ ق میں ہے وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرْ بِالْقُرْآنِ اَب کوئی جبار تو نہیں ہیں جو گردن سے پکڑ کر ان کو منوالیں گے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ قرآن پاک کے ذریعے نصیحت کر دیں۔ دین حق کو واضح طور پر پیش کر دیا گیا ہے اور اب اس کو قبول کرنا ہر فرد کی اپنی ذاتی ذمہ داری ہے۔ جو شخص اس کو اختیار کر لے گا وہ کامیاب ہو جائیگا اور جو اختیار نہیں کرے گا وہ

اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو واضح کر دیا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْكُمُ الْحِسَابُ (الرعد) آپ کا کام ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے جب کہ حساب لینا ہمارا کام ہے۔ بہر حال قرآن کہتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی کا معاملہ بالکل واضح ہے اور اللہ کا نبی بھی صاف صاف کہتا ہے کہ میرا کام تبلیغ کرنا ہے، کسی کو زبردستی مٹانا نہیں۔

اسلام میں  
جبر نہیں

یہ اسلام کا طے شدہ اصول ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (البقرة) یعنی دین میں جبر نہیں۔ کسی شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ حق واضح ہو جانے کے باوجود اگر کوئی دین حق کو مستبول نہیں کرتا تو اس کے متعلق آپ سے سوال نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (البقرة) آپ سے اہل دوزخ کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا۔ بلکہ یہ سوال خود دوزخ والوں سے ہوگا کہ وہ یہاں کیوں آئے۔ آپ کا کام صرف تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا ہے اور اگے معاملہ اسی پر چھوڑ دینا ہے، وہ خود اپنے ہتھکڑے اور عمل کا ذمہ دار ہوگا۔

دوسرا دین کے مقابلے میں اسلام کی پوزیشن بالکل واضح ہے مسلمانوں نے کبھی کسی پر جبر نہیں کیا، البتہ غیر مذاہب والے اپنے مذہب کو دوسروں پر مسلط کر لے کی کوشش کرتے ہیں مشرکوں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں گنہگار چکا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگوں نے اہل ایمان سے کہا کہ اے شعیب علیہ السلام آپ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے ہماری بستی سے نکل جائیں اَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا (الاعراف) اگر تم یہاں رہنا چاہتے ہو تو ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا اَوْ لَوْ كُنَّا



کِرْهِیْنَ اَکْرِہِ چہ ہم تمہارے عقائد کو ناپسند کرتے ہوں۔ یعنی اگر ہم تمہارا دین مقبول نہ کرنا چاہیں تو کیا تم زبردستی ہمیں منوالو گے؟ مگر کے مشرکین بھی یہی چاہتے تھے کہ ان کا باطل دین قبول کر لیا جائے۔ مگر اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کو زبردستی دین میں داخل کیا جائے۔ تبلیغ دین کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دینے کے باوجود اگر کوئی قبول نہیں کرتا تو پھر اسلام کا فیصلہ یہ ہے لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلَیْ دِیْنِ (الکُفْرُون) تم اپنے دین پر چلو، ہم اپنے دین پر چلتے ہیں۔ کوئی فرق دو کر یہ اپنا دین بھٹونے کی کوشش نہ کرے۔ پیچھے اسی سورۃ میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ اگر منکرین دین حق کو کسی طرح تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر بالآخر یہی فیصلہ ہوگا "فَاَنْتَظِرُوْا جَزَاءَ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنتَظِرِیْنَ" تم بھی اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا جسے بہر صورت ماننا پڑے گا۔

جبر فساد  
کی جڑ ہے

مشرکین اور اور دیگر باطل پرستوں نے ہمیشہ حق پرستوں پر جبر کیا ہے اور دنیا میں فساد کی جڑ یہی چیز ہے جب بھی اختیار نے اپنا عقیدہ اہل ایمان پر بھٹونے کی کوشش کی تو فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا اور پھر اس فتنے کو مٹانے کے لیے اللہ نے جہاد کا حکم دیا وَقَتْلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرۃ) ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ مشرکین شرک کے پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں اور عیسائیت کا پروگرام بھٹوننا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اندلس اور سپین میں کیا کیا؟ لاکھوں مسلمانوں کو یا تو قتل کر دیا یا زبردستی عیسائی بنا لیا۔ یونانی عیسائیوں نے قبرصی ترکوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اشتراکیت والے اپنا اعتقاد منوانا چاہتے ہیں۔ یہ سب لوگ متشدد ہیں اور اپنی بات زبردستی



منوانا چاہتے ہیں اور یہی چیز فساد کا سبب بنتی ہے۔ اس کے برخلاف  
اسلام کسی غیر مذہب والے پر زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی بخوشی  
اسلام قبول کرتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ اپنے دین پر قائم رہ سکتا ہے  
اگرچہ دین متین جبر کی اجازت نہیں دیتا مگر مسلمانوں کی باہمی فرقہ  
بندی کی وجہ سے یہ چیز ان میں بھی عود کر آئی ہے۔ اسلام تو کسی غیر مسلم  
کو بھی زبردستی مسلمان نہیں بناتا مگر مسلمانوں کا ایک فرقہ اپنے عقائد و دوسرے  
پر غصہ کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ ہر فرقے کے پیروکار چاہتے ہیں  
کہ اپنی کے عقیدہ کو غلبہ حاصل ہو اور پھر اس مقصد کے حصول کے لیے  
کھالی گلوچ اور قتل و غارت گری سے بھی دریغ نہیں کرتے دین کا اصول  
تو واضح ہے کہ اپنی بات دوسرے تک پہنچا دو، پھر اگر وہ نہیں مانتا  
تو تم اس پر دروغہ بھنے کی کوشش نہ کرو۔ ایک دوسرے کو زبردستی  
منانے کی وجہ سے ہی ساری خدایاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر جبر کا نظر پر نہ ہوتا  
تو فرقہ بندی اتنے عروج تک نہ پہنچتی۔ اختلاف ہو سکتا ہے مگر گٹے  
فتنہ و فساد کی بنیاد نہیں بنانا چاہیے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جبر اور تعزیر میں فرق ہے  
کسی شخص کو جبراً دین میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جب کوئی شخص  
دین میں داخل ہو جاتا ہے تو پھر اسے دین کے قوانین کی پابندی کرنا ہوگی  
اگر کوئی شخص قانون شکنی کرے گا تو پھر اس پر تعزیر بھی لگے گی۔ اگر  
قتل کرے گا تو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، اگر چوری کرے  
گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ زنا کا ارتکاب کرے گا تو شکار ہوگا، کسی کا حق  
دبا لے گا تو اس کا تادان دینا ہوگا۔ یہ بات الگ ہے۔ ان قوانین  
کی پابندی لازمی ہے۔ اس کو جبر نہیں کہہ سکتے۔

فرمایا آپ کہ دیں کہ میں تم پر مختار نہیں ہوں کہ تم سے کوئی  
اتباع  
دفع

بات جبراً منوالوں بلکہ میرے کام تو راستہ واضح کرنا ہے، آگے تمہارا جی چاہے  
 تو مان لو یا الکار کر دو۔ دین حق، توحید، رسالت اور معاد کے متعلق یہ تمام باتیں وحی  
 الہی کے ذریعے حاصل ہوئیں لہذا اب آخر میں وحی الہی کے اتباع کا حکم دیا جا  
 رہا ہے وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ یعنی آپ پیروی کریں اس چیز  
 کی جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ کسی رسم، رواج یا کسی دوسرے قانون و  
 دستور کے اتباع کی ضرورت نہیں بلکہ صرف وحی الہی کا اتباع کریں، اور  
 وحی الہی سے مراد قرآن پاک ہے کہ دین کی اساس قرآن ہی ہے اور حدیث  
 اسکی شرح ہے یہی بات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے بھی فرمائی ہے۔ إِتَّبِعُوا مَا  
أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ تم سب اسی چیز کا اتباع کرو جو اللہ کی جانب  
 سے وحی الہی کے ذریعے نازل کی گئی ہے۔ اعتقاد کی پاکیزگی، صحیح فکر،  
 صحیح عمل اور صحیح اخلاق وحی الہی کے اتباع سے ہی پیدا ہوتے ہیں کیونکہ یہی  
 چیز حق ہے جس کے متعلق ابتداء میں فرمایا کہ تحقیق تمہارے پاس حق آگیا ہے  
 فرمایا تبلیغ حق کے سلسلہ میں آپ کو تکلیف پہنچے گی، مخالفین آپ کو  
 طرح طرح کی اذیت دیں گے مگر آپ کے لیے حکم یہ ہے وَاصْبِرْ  
 آپ صبر کریں، راہ حق میں صبر کا دامن تھامے رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید  
 نصرت صابرین کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ آخری  
 دور اس قدر فتنوں کا دور ہوگا کہ دین پر چلنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے جلتے  
 ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں پکڑنا۔ اب کوئی آدمی دین پر چلنا چاہے تو چل نہیں  
 سکتا۔ کبھی بھائی بہن کی طرف سے مخالفت ہوتی ہے، کبھی برادری والے  
 باطل رسومات پر چلنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ شرک و بدعت کا چرچا ہے  
 سنت پر چلنا سخت مشکل ہو رہا ہے ایسے دور میں جو شخص صبر سے کام لے  
 گا اس کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔  
إِنَّمَا يُوفِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر)

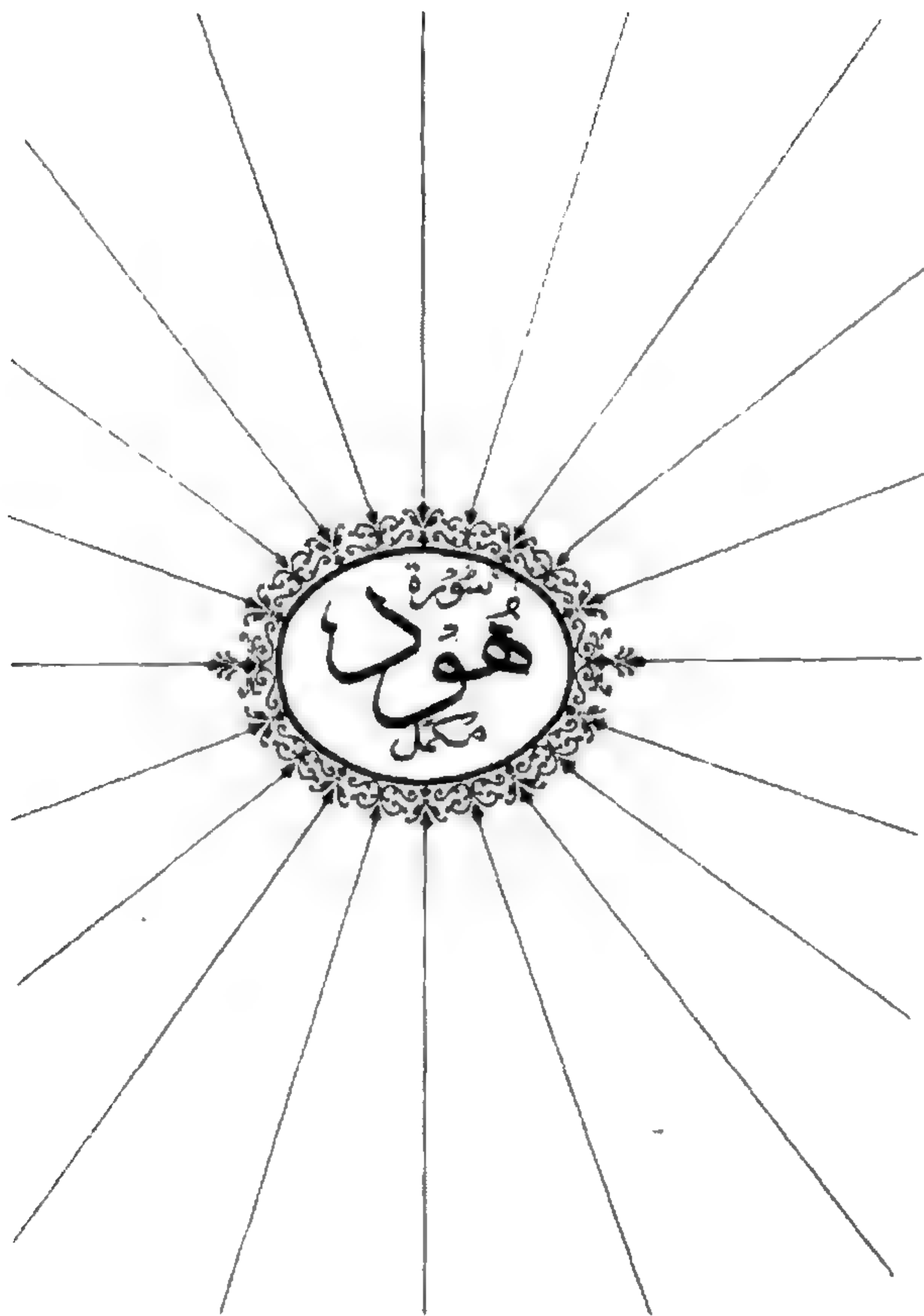
صبر کی  
تلقین

صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بلا حساب اجر عطا فرمائے گا۔ صبر بہت بڑی حقیقت ہے۔ اپنے آپ کو حق پر قائم رکھنا، مشکل کو برداشت کرنا، برائی سے رُک جانا، اطاعت پر غمے رہنا سب صبر کی جزئیات ہیں۔

فرمایا آپ صبر کریں حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے۔ یہاں اشارۃ قیامت کا ذکر بھی ہو گیا۔ دنیا میں بھی اللہ ہی نے کامیابی عطا کرنی ہے اور آخرت میں بھی اُسی نے قطعی فیصلہ کرنا ہے اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے فیصلے تک آپ صبر کریں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ اس کا فیصلہ بہترین فیصلہ ہوگا کیونکہ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اس کا فیصلہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہوگا۔ آپ وحی الہی کا اتباع کریں اور اس سلسلے میں آنے والی تکالیف پر صبر کریں اور خدا تعالیٰ کے فیصلے کے منتظر رہیں کیونکہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔







سورۃ ہود ۱۱  
آیت ۱۳۱ ۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
درس اول ۱

سورۃ ہود کی تفسیر میں ماں نے فرمائی کہ عَشْرُونَ آیتوں میں عَشْرُونَ آیتوں میں  
سورۃ ہود کی ہے اور یہ ایک سو تیس آیات اور اس میں دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الرَّافِعِ كِتَابُ أَحْكَمَتِ آيَتُهُ ثُمَّ فَصَّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ  
خَبِيرٍ ① أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ  
نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ② وَإِنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ  
تَوْبُوا إِلَيْهِ يُصْغِرْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ  
مُسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ وَإِنْ  
تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ③  
إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ④

ترجمہ :- اَلرَّافِعِ یہ کتاب ہے اس کی آیات کو محکم کیا گیا ہے  
پھر تفصیل کی گئی ہے حکیم اور خبر کی طرف سے ① (یہ حکم  
دیا گیا ہے کہ) نہ عبادت کرو تم سوائے اللہ کے کسی کی۔ بیشک  
میں تمہارے لیے اُس کی جانب سے ڈرانے والا اور خوشخبری  
سنانے والا ہوں ② اور یہ کہ بخشش طلب کرو اپنے پروردگار  
سے۔ پھر توبہ کرو اس کے سامنے۔ وہ فائدہ پہنچائے گا تم کو  
اچھا فائدہ ایک مقررہ مدت تک اور تمہارے ہر فضیلت کے



کو اُس کی فضیلت . اور اگر تم روگردانی کرو گے تو بیشک میں خوف  
کھاتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے (۳) اللہ ہی کی  
طرف تمنا لوٹنا ہے . اور وہ ہر ایک چیز پر قدرت رکھنے والا  
ہے (۴)

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ ہود ہے . حضرت ہود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم موصول  
تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے . اس سورۃ میں  
آپ کی تبلیغ کے حالات بیان ہوئے ہیں . اس لحاظ سے اس سورۃ کا نام آپ کے نام  
پر سورۃ ہود رکھا گیا ہے۔

گزشتہ سورۃ یونس کی طرح یہ بھی مکی سورۃ ہے . سورۃ یونس اور سورۃ ہود ہجرت  
سے پہلے مکی زندگی کی آخری سورتیں ہیں اور ان کا زمانہ نزول قریب قریب ہی ہے۔  
اس سورۃ مبارکہ کی ایک سو تیس آیات اور دس رکوع ہیں۔ اس میں ایک ہزار چھ سو  
پچیس کلمات اور چھ ہزار نو سو پانچ حروف ہیں۔

اس سورۃ کا مرکزی مضمون دعوت الی التوحید ہے۔ اس کے علاوہ وحی الہی اور  
قرآن پاک کی صداقت . رسالت اور قیامت جیسے بنیادی مسائل بیان کئے گئے ہیں اور پھر  
بعض ضمنی مسائل بھی آگئے ہیں . تبلیغ دین کے سلسلے میں رغبت بھی دلانی گئی ہے اور تبلیغ  
کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ جس طرح اللہ کے انبیاء علیہم السلام اللہ کا پیغام لوگوں تک  
پہنچاتے رہے ، اسی طرح ہمارا بھی فرض ہے کہ اللہ کے اس آخری دین کو دنیا کے  
گوشے گوشے میں پہنچا دیں . تبلیغ دین کے منہن میں حضور علیہ السلام اور آپ کے متبعین  
کو جو ناخوشگوار واقعات پیش آئے اور جو مصائب برداشت کرنے پڑے ان پر اللہ  
نے صبر کی تلقین بھی کی ہے۔ جس طرح سورۃ اعراف میں بعض انبیاء کی تاریخ بیان کر کے  
عالمی دعوت اسلام کا ذکر کیا گیا تھا ، اسی طرح اس سورۃ میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کا  
تذکرہ کر کے ان کی قوموں کے بڑے انجام سے عبرت دلانی گئی ہے ، گزشتہ

نام اور  
سورۃ

ضمین  
سورۃ

سورۃ اعراف میں حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول گنہگار چکا ہے کہ  
اِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ عِزًّا لَّا يَتَّخِذُ اللَّهُ بَعْدَ الْعِزِّ اٰیَةً ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ  
اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی قوم سے کہا "اَلَيْفَقَوْمٍ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ  
اِلٰهِ غَيْرِهٖ ؕ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی  
معبود نہیں۔ اسی طرح یہ بات یہاں حضور علیہ السلام کی زبان سے کھلوائی  
جاءہی ہے اَلَا تَعْبُدُوْآ اِلَّا اللّٰهَ يَعْنِي الشِّرْكَ سوا کسی کی عبادت  
نہ کرو۔ اللہ نے نوح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کی  
بھی یہی تبلیغ بیان فرمائی ہے کہ اللہ کی واحدانیت کو مانو، اس کے علاوہ  
کسی کو معبود نہ بناؤ۔ غرضیکہ اس سورۃ مبارکہ کا سرگزینی مضمون بھی دعوت  
الی التوحید ہی ہے اور سورۃ کی ابتدا و بھی اسی مضمون سے کی گئی ہے قرآن  
پاک کی حقانیت، اللہ کی توحید، انبیاء کی رسالت اور معاد کے ذکر کے ساتھ  
ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی خطاؤں پر توبہ اور استغفار کرنے کی ترغیب  
بھی دی ہے ۔

سورۃ کی ابتداء الراء کے حروف مقطعات سے ہوتی ہے ان حروف کی تفسیر مفسرین کرام مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔ حروف مقطعات کے متعلق

حروف  
مقطعات

جلالین نے اپنے ہندگ اس نتیجے پر پہنچے ہیں اللہ اعلم بمرادہ امتا بذلت  
اس کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے  
کہ ان حروف سے اللہ کی تہمید ہے وہ برحق ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے  
یہ ضروری نہیں کہ ہمیں ہر چیز کا علم حاصل ہو۔ دوسرہ زندگی میں ہمیں بے شمار  
چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے جنکی حقیقت سے ہم واقف نہیں ہوتے  
یا بہت کم علم رکھتے ہیں۔ علیم کل صرف ذات خداوندی ہے لہذا سلف  
صالحین نے حروف مقطعات کے بارے میں زیادہ بحث نہیں کی۔  
امام شعبی امام ابو حنیفہ کے استاد تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے پانچ سو صحابہ  
سے فیض حاصل کیا ہے، کوفے میں رہتے تھے۔ آپ عظیم محدث تھے  
کسی نے آپ سے حروف مقطعات کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا  
مِسُّ اللّٰهِ فَلَا تَطْلُبُوْا يَه اللّٰہ کے راز ہیں، ان کے پیچھے مت پڑو  
کر یہ کہہ دو گے تو حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ بلکہ گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ سلامتی  
اسی میں ہے کہ اس معاملے کو اللہ کی طرف سونپ دو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام  
نے فرمایا کہ جس چیز کو تم جانتے ہو، اس کو کہو اور جس کو نہیں جانتے وہ کہو  
الٰی عالمہ اس کو جانتے والے کی طرف سونپ دو۔ تم خواہ مخواہ اس میں  
داخل اندازی نہ کرو، ورنہ قساہات میں پڑ کر گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔  
اسی وجہ سے کئی لوگ گمراہ ہوئے اور پھر علیہ علیہ فرقتے بنے۔ منرقہ  
مثبتہ اور معطلہ وغیرہ ایسی آیات میں زیادہ کرید کی وجہ سے پیدا ہوئے  
مثلاً کوئی یہ سوچنے لگ جائے کہ رحمان عرش پر کیسے مستوی ہے، یا اللہ  
کے ہاتھ، اس کے چہرہ اور پنڈلی کیسی ہے۔ قرآن پاک میں ان چیزوں  
کا ذکر موجود ہے مگر ان کی کیفیت معلوم نہیں، لہذا ایسے معاملات میں  
کرید نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی  
اللہ عنہ جلالین ص



اور بعض مفسرین نے لوگوں کے ذہنوں کو قرآن پاک سے قریب تر لانے کے لیے ان الفاظ کے کچھ معانی بھی بتائے ہیں مگر یہ محسن احتمال اور ظن غالب ہے، قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی الہامی طریقہ پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذوق میں یہ چیز ڈال دی ہے کہ عالم غیب سے حقائق غیبیہ یعنی دین کی تعلیم اور اس کے بڑے بڑے اصول انبیاء کی معرفت اس عالم تخلیط میں متعین ہوتے ہیں جو کہ اس مادی جہان کے عمائد فاسدہ، رسواست بد، اخلاق بد، شرور اور قباغ کے ساتھ ہر وقت ٹکراتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے کہ مختلف انبیاء نے فریضہ تبلیغ کس طرح ادا کیا اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ خیر و شر کے اس ٹکراؤ سے مقام انبیاء کی طرف اشارہ ملتا ہے اور ان حروف مقطعات سے ہی مراد ہے

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ و کا اشاہ آنا کی طرف ہے۔ ل سے اللہ مراد ہے اور م سے مقصود رؤیت ہے اور اس طرح ال کا مفہوم نبی ہے آنا اللہ آری یعنی میں اللہ ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ گویا تم میں سے اطاعت گزاروں کی اطاعت اور نافرمانوں کی نافرمانی سب کو دیکھ رہا ہوں اور ہر ایک کو اس کے مطابق بدلہ دوں گا۔ بہر حال میں نے عرض کر دیا کہ عوام کو یہی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ان حروف کی حقیقی اور اصل مراد اللہ ہی جانتا ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ یہ برحق ہے۔

اب ابتدائے سورۃ میں قرآن پاک کی صداقت اور حقانیت کو ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے كِتَابٌ اَحْكَمْتُ اٰیٰتُہٗ یہ کتاب ہے جبکی آیات کو محکم کیا گیا ہے۔ محکم کا معنی مضبوط اور اٹل ہوتا ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب کی آیات میں قطعیت پائی جاتی ہے

محکم  
آیات

یہ ناقابلِ تیخ اور اس کے اصول و ضوابط ہر دور کے لیے واجب العمل ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ان لوگوں کو فلاح نصیب ہوگی۔ تو فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیتیں محکم ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ﴿لَقَدْ فَصَّلْنَا مِن لَّدُنَّ حَكِيمٌ خَبِيرٌ﴾ پھر خدا نے حکیم و خبیر کی طرف سے ان آیات کی تفصیل بھی کی گئی ہے۔ اب اس تفصیل کا مطلب کئی طریقے سے بیان کیا جاتا ہے تفصیل کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے اس کے اصول و قواعد کو پڑھ لو، سن لو اور اچھی طرح یاد کر لو اور اس کے بعد اس کی تفصیل میں جاؤ۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب میں دین کے تمام عقائد، احکام اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اور یہ تفصیل بھی خدا تعالیٰ کی جانب سے ہوئی ہے۔ موقع اور محل کے مطابق کہیں عقیدے کا ذکر ہے تو کہیں اعمال کی تفصیلات ہیں اور کہیں اخلاقیات کی تعلیمات کا ذکر ہے۔ تاہم اگر ایک جگہ پر کسی چیز کا اجمالاً بیان کیا گیا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل آگئی ہیں اور اس کی تمام ضروری جزئیات کو واضح کر دیا ہے اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان آیات کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے قرآن پاک کی تفسیر کے مسئلے میں اصول یہ ہے کہ کسی آیت کی تفسیر یا تشریح سب سے پہلے خود قرآن پاک میں تلاش کرو۔ اگر کسی مقام پر بات واضح نہیں ہوئی تو دوسرے مقام پر ہو جائے گی۔ اور اگر کسی مسئلہ کی تفسیر و تشریح قرآن پاک میں نہ ملے تو پھر تفسیر کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ کے نبی کی طرف رجوع کر دو کہ انہوں نے مطلوبہ تشریح فرمادی ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس بات کا پابند کیا ہے ﴿لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل) کہ جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کر دیں تاکہ کسی قسم کا اشکال باقی نہ رہے۔ سورۃ آل عمران میں

ہوئی تفسیر

آپؐ "هَذَا بَيِّنٌ لِّلنَّاسِ" یہ لوگوں کے لیے وضاحت ہے جو کہ نبی کی زبان سے کرائی گئی ہے۔ اگر بعض محال کسی بات کی تشریح نبی کی زبان میں بھی نہ ملے تو پھر حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ یا انھوں میں سے خلفائے راشدینؓ اور آپ کے اہل بیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور وہاں سے تشریح معلوم کی جائے گی۔ ہر دور میں حوادث پیش آتے رہتے ہیں اور مکان و زمان کے لحاظ سے نئے نئے مسائل بھی جنم لیتے ہیں۔ لہذا اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حل صحابہ کرامؓ کے اقوال میں بھی نہ ہو تو قرآن میں عام اصول بیان کر دیا گیا ہے "لَعَلِّمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ" (النساء) تو پھر ان لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے جنہیں اللہ نے اجتہاد و استنباط کا ملکہ عطا کیا ہے۔ وہ بتا دیں گے کہ فلاں مسئلہ فلاں آیت یا اس کے ضمن سے ثابت ہو رہا ہے اور اس طرح قرآن پاک کی کسی بھی آیت کی مطلوبہ تشریح و تفسیر حاصل ہو جائے گی۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تفصیل مذکورہ کسی بھی ذریعہ سے حاصل ہو خدا نے حکم و خیر کی طرف سے ہی متصور ہوگی۔ غرضیکہ نبی کا بیان، صحابہ کی تشریح یا مجتہد کا استنباط سب اللہ کی طرف سے ہوگا کیونکہ مجتہد کا اجتہاد بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم و فہم کی بناء پر ہی ہوگا، تفسیر کے یہ اصول امام ابو بکر جصاصؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں۔

قرآن پاک کی تفہیم کے سلسلے میں آج کل اصول تفسیر کی پابندی نہیں کی جا رہی ہے۔ پرویز حبیبی بعض نئے مفسرین دراصل جہال ہیں جو قرآن پاک کی من مانی تفسیریں کر رہے ہیں۔ امام شافعیؒ، امام ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح سند سے ثابت ہونے والی ہر حدیث قرآن پاک کی شرح ہے۔ اگر کوئی شخص حدیث سے بے نیاز ہو کر قرآن پاک کی تفسیر کرے گا تو گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔



ایہ مفسر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دے گا، لہذا قرآن پاک کی تشریح و تفسیر کے لیے مسئلہ اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہوگا۔

عبادت  
خداوندی

فرمایا یہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو محکم کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ کی جانب سے اس کی تفصیل کی گئی ہے۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عبارت صرف اللہ تعالیٰ کی کبریا، یعنی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ عبادت کا معنی انتہائی درجے کی تعظیم ہوتا ہے۔ یہ تعظیم قول، فعل، مال، جسم، قالب اور جان سے بھی ہوتی ہے۔ انتہائی تعظیم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جس ذات کی تعظیم کی جا رہی ہے۔ وہ قادر مطلق، علیم کل، مختار کل، نافع اور ضار ہے۔ وہ ذات ہماری غائبانہ بیکار کو سنہی اور ہماری حاجت روائی کرتی ہے، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان ہے اس کے سوا کوئی با اختیار ذات نہیں جو ہر چیز کو جانتی اور سب کچھ کر سکتی ہو یہ صفات چونکہ صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں لہذا فرمایا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو۔ کیونکہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے۔

توحید کے بعد دوسری اہم بات رسالت ہے جس کے متعلق ارشاد ہے إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ مِّنْهُ لَذِكِّرْكُمْ بِشَيْرِ بیشک میں خدا تعالیٰ کی جانب سے تمہارے لیے ڈرانے والا اور بشارت سنانے والا ہوں میں تمہیں افعالِ بد سے ڈرا رہا ہوں کہ ان کا انجام بہت بُرا ہوگا تمہیں

ان افعال کی سزا عیقلنا پڑے گی۔ اور بشارت اس لحاظ سے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے گا، نیک اعمال انجام دے گا، اُس کو خوشخبری دیتا ہوں کہ اُسے فلاح نصیب ہوگی اور اُسے جنت میں اعلیٰ درجات عطا ہوں گے۔

استغفار  
کی برکت

فرمایا اس کتاب کی محکم آیات میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے وَإِذَا اسْتَغْفِرُوا لَكُمْ رَبُّكُمْ اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو، ہر شخص سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہوتی رہتی ہے جس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

سے ہمیشہ معافی مانگتے رہو تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ اور ہر طرح خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ توبہ پہلے ہوتی ہے اور استغفار بعد میں، مگر بعض دوسرے اصحاب فرماتے ہیں کہ پہلے کفر، شرک، بدعات اور معاصی سے معافی طلب کرنی چاہیے اور اس کے بعد فرمانبرداری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔ بہر حال فرمایا کہ اگر استغفار کہتے رہو گے اور خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا يُصْطَفِ كَمُؤْمِنًا عَاصِرًا إِلَىٰ أَحْسَنِ مَنَاسِكٍ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھا فائدہ پہنچائے گا۔ جب تک اس دنیا میں زندگی حاصل ہے گی، اتنی مدت تک اللہ تعالیٰ بہتر فائدہ دیتا ہے گا وَيُؤْتِي كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ اور فضیلت دے گا اپنے فضل سے خاص طور پر زیادہ عطا کرے گا گویا استغفار کرنے اور توبہ کرنے والے کو یہ دو فوائد حاصل ہوں گے۔

متابع  
حسن

امام محمد بن ابوبکر عبد القادر رازی فرماتے ہیں کہ دنیا میں متابع حسن کہ نافرمانوں کو کبھی مل رہا ہے بلکہ ہر دور میں نافرمان زیادہ آسودہ حال نظر آتے ہیں تو یہاں پر توحید کو مان کر استغفار کرتے اور توبہ کرنے والوں کو کیا خصوصیت حاصل ہے؟ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہاں پر متابع حسن سے مراد دنیا کا مال و دولت اور جاہ و اقتدار نہیں بلکہ اس سے پاک زندگی مراد ہے۔ جس کے متعلق سورۃ النحل میں آتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد جو کوئی نیک اعمال انجام دے گا خواہ مرد ہو یا عورت فَلَنُحْيِيَنَّاهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ہم اُسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور یہ زندگی اُس شخص کو حاصل ہوگی جو نبی کو سنے والا، اللہ کی رضا پر چلنے والا، اعمالِ صالحہ انجام دینے والا، برائی سے بچنے والا اور توبہ و استغفار کرنے والا ہو گا ایسے شخص کو مدتِ حیات تک پاکیزہ زندگی نصیب ہوگی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ فضیلت والا آدمی وہ

ہے جسکی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں۔ امام قشیریؒ اور بعض دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ صاحب فضیلت وہ شخص ہے جسے اللہ نے نور شہزادی میں فضیلت والوں پر درج کر رکھا ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ فضیلت والے کام انجام دیتا رہے گا۔ بعض فرماتے ہیں کہ صاحب فضیلت وہ آدمی ہے جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ دوسروں کے کام پورے کرتا ہے ظاہر ہے کہ ایسا شخص وہی ہوگا جو صاحب ایمان ہوگا اور اس کے ہاتھوں سے مخلوق خدا کا بھلا ہو رہا ہوگا۔ بنی نوع انسان میں انبیاء علیہم السلام سب سے سب اس فہرست میں آتے ہیں اور ان کے بعد ان کو صحیح طریقے سے ماننے والے اور شریعت پر عمل کرنے والے لوگ صاحب فضیلت ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے پیشوائے اور ان کے ہاتھ سے اللہ نے دنیا کو فیض پہنچایا۔

فرمایا وَأَنْ تَوَلُّوا أَلْفًا اگر تم روگردانی کرو گے، توجہ کا انکار کرو گے خوف خدا تو براہ اور استغفار نہیں کرو گے لَوْ سِئَلْتُمْ عَنْ عَذَابِ يَوْمِ كَيْفَ يَوْمٍ کہ میں خوف کھاتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے بڑے دن سے مراد قیامت ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اُس دن کے عذاب کا شکار نہ بن جاؤ۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق سورۃ مطففین میں ہے أَلَا يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيُوقَىٰ عَذَابُهُمْ يَوْمَ كَيْفَ يَوْمٍ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ کیا یہ خیال نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ایک بڑے دن میں جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ فرمایا تم دنیا میں جو کچھ بھی کرو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو یا اس کی نافرمانی کرو، ہر حالت میں إِلَّا اللّٰهُ مَنْ جَحَدَ بِكُمْ تمہیں خدا تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ہر شخص کو خدا کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور وہ اللہ تعالیٰ



ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ تمہارے شرک اور معصیت کو معاف نہیں کرے گا بلکہ یقیناً بدعتاً اور بد اعمالی کی سزا دے گا۔ لہذا ابھی سے سوچ لو اور اس کے پیغام کو مستبول کر لو۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اس کی توحید میں شرک کی ملاوٹ نہ کرو اور ہر وقت اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہو اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع رکھو ورنہ حالات خراب ہو جائیں گے۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے، اسی کے سامنے لوٹ کر جانا ہے اگر تم روگردانی کرو گے تو وہ یقیناً سزا دے گا۔

---

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ ۱۳

سورة هود ۱۱

درس دوم ۲

آیت ۵ تا ۶

أَلَا إِنَّهُمْ يَنْتُونُ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا  
 حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا  
 يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑤ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ  
 فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا  
 كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ⑥

ترجمہ :- خبردار! بیشک وہ لوگ سوچتے ہیں اپنے سینوں کو ہمارے  
 چھپ جائیں اس سے ۔ خبردار! جس وقت کہ وہ اڑتے ہیں اپنے  
 اوپر کپڑے ، وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کھتے  
 ہیں ۔ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) جانتے والا ہے سینوں کے رازوں  
 کو ⑤ اور نہیں ہے کوئی چنے پھرنے والا جانور زمین میں مگر  
 اللہ کے ذمے ہے اُس کی روزی ۔ اور وہ جانتا ہے اُس کے  
 بھرنے کی جگہ کو اور اُس کے سوپنے جانے کی جگہ کو ۔ یہ سب  
 کا سب کتابِ مبین میں لکھا ہوا ہے ⑥

سورة کی پہلی آیت کریمہ میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کے بعد سورة رابطہ آیات  
 کے مرکزی مضمون توحید کا بیان ہوا اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ اس کے بعد رسالت کا  
 تذکرہ ہوا اور نبی علیہ السلام کی زبان سے کسوا یا گیا کہ میں نذیر اور بشیر ہوں ۔ پھر دوسری اہم بات  
 یہ ذکر کی انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب  
 کرتے رہیں اور اُسی کی طرف رجوع کریں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ انہیں اطاعت اور

خوشنودی والی بہتر زندگی عطا کرے گا۔ اگر انان اللہ تعالیٰ کے احکام سے  
اعراض کریں گے تو بڑے دن یعنی قیامت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے  
خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لہذا منکرین خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے  
آج کی پہلی آیت **اَلَا اِنَّهُمْ يَكْتُمُونَ مَا تَعْلَقُ بِهِ كَزُشْرَةٍ**  
مضمون کے ساتھ مربوط ہے تاہم اس کے شان نزول کے متعلق مفسرین  
کرام کی دو متضاد رائیں ہیں۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے  
روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ بعض اوقات  
فضل نے حاجت یا بیویوں سے علیحدگی کے موقع پر کہہ دینی کو شدت سے محسوس  
کرتے تھے۔ انہیں پرے کا بڑا خیال ہوتا تھا اور برہنگی سے حتی الامکان بچنے  
کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہ کرام ایسے مواقع پر اپنے کپڑوں کو اچھی طرح  
سمیٹ لیتے تھے کہ بے پردگی نہ ہو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ  
نے یہ آیات نازل فرما کر یہ بات سمجھا دی کہ انان کا مواخذہ اُسی حد تک ہو گا  
جس قدر وہ طاقت رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انان پر تکلیف  
مالا یطابق نہیں ڈالی۔ تاہم ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ برہنگی  
سے بچنے کی کوشش کرے اور اپنے اعضائے مستورہ کو ظاہر نہ ہونے دے  
امام بخاری اور بعض دوسرے مفسرین ان آیات کے شان نزول کے  
متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں کے متعلق نازل ہوئیں  
جیسا کہ امام بیضاوی نے لکھا ہے کافر اور مشرک لوگ خیال کرتے تھے کہ  
اگر ہم دین اسلام پیغمبر اسلام یا قرآن پاک کے متعلق پوشیدہ طور پر کوئی  
منصوبہ بندی کریں گے تو مسلمانوں کو یہ نہیں چل سکے گا۔ شاہ عبدالقادر  
فرماتے ہیں کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کفار کی خفیہ سازش کو بذریعہ وحی حضور علیہ  
پر ظاہر کر دیتے تھے۔ جب حضور علیہ السلام ایسی بات کو بیان کرتے تو کفار و  
مشرکین پریشان ہو جاتے۔ بعض سمجھتے تھے کہ ان کی مخفی تدابیر کو کوئی مسلمان

شان  
نزول



چھپ کر مٹ لیتا ہے اور پھر اسے حضور علیہ السلام تک پہنچا دیتا ہے۔ جب آپ ظاہر فرماتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ علیم کل ہے، وہ ہر چیز کو جانتا ہے، وہ تمہاری تمام حرکتوں اور سازشوں سے واقف ہے اور اپنے نبی کو اس پر مطلع کر دیتا ہے۔

آج کے درس کی دوسری آیت بھی اسی مضمون کے ساتھ مربوط ہے جب اللہ تعالیٰ ذرے ذرے کو جانتا ہے تو اپنی تمام مخلوق کے حالات سے بھی واقف ہے اور پھر ہر جاندار کو روزی پہنچانے پر قادر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ہر عمل سے بھی واقف ہے اور وہ ہر عمل کا بدلہ دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے تو اس سے جزائے عمل کا برحق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے غرضیکہ ان سب باتوں کا سورۃ کے مرکزی مضمون توحید کے ساتھ ربط ہے۔ جب قادر مطلق، علیم کل اور رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر عبادت بھی صرف اسی کی کرو، اپنی حاجتوں میں غائبانہ طور پر صرف اسی کو پکارو اور اسی سے مدد چاہو۔

اللہ کا  
علم محیط

ارشاد ہوتا ہے اَلَا تَسْمَعُوْا اَگاہ رہو اَلْهَمَّ یَتَنَوْنَ صُدُوْرُهُمْ بینک یہ لوگ (کفار و مشرکین) موڑتے ہیں اپنے سینوں کو لیسَتْ خُفُوْا مِنْهُ تاکہ اس سے چھپ جائیں اور ان کا مترظاہر نہ ہو۔ سینے کا موڑنا در متضاد وجوہات کی بنیاد ہو سکتا ہے۔ اہل ایمان توحید داری کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں تاکہ برہنہ نہ ہوں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ اتنے تکلف کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مجبوری ہے اور اس پر مؤاخذہ نہیں، البتہ ادب کو حتی الامکان ملحوظ خاطر رکھو اور زیادہ پریشان نہ ہو۔ شریعت نے جس حد تک پابندی لگائی ہے صرف اسی کو پورا کرو۔ اور اگر سینہ موڑنے کے مصداق کافر و مشرک ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین کے ملاء خفیہ سازشیں کرتے ہیں اور پھر اپنے منصوبوں کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا

الْأَضْرَارِ حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ حِينَ وَهَافُوا كَيْدَهُمْ  
 کہ سمیٹتے ہیں۔ یعنی مومن حیا داری کی وجہ سے کپڑوں کو سمیٹتے ہیں اور کافرانہی  
 سازش کے ظاہر ہو جانے کے ڈر سے کپڑے سمیٹتے ہیں تو اللہ نے  
 فرمایا يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ کہ وہ جانتا ہے اس چیز کو  
 جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ  
 لوگ کہتے بھی جیلے بنانے کہیں، کسی چیز کو مخفی رکھنے کی کوشش کریں  
 اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ بول و براز، عمل یا بیوی سے  
 خلوت کے وقت برہنہ ہونا پڑتا ہے مگر یہ طبعی امر ہے اور اس پر  
 کوئی مواخذہ نہیں۔ فرمایا إِنَّهُ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ وہ اللہ  
 تو سینوں کے رازوں کو بھی جانتے والا ہے، اس سے کوئی چیز کیے  
 مخفی رہ سکتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ سینوں کے موٹنے  
 سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنے اندر باطل فکر رکھتے  
 ہیں، غلط طریقے پر سوچتے ہیں اور فضول شکوک و شبہات کے ذریعے  
 وحی الہی کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر یہ لوگ خدا تعالیٰ سے تو نہیں  
 چھپ سکتے۔ اللہ تعالیٰ تو دلوں کے رازوں کو جانتا ہے، لہذا یہ لوگ  
 غلط عقائد اختیار کر کے اور غلط اعمال انجام دے کر خدا کی گرفت سے  
 نہیں بچ سکتے۔

اب اگلی آیت بھی اسی آیت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے ارشاد  
وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ اور نہیں ہے کوئی بھی زمین پر چلنے  
 پھرنے والا جانور الا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا مگر ان کی روزی اللہ تعالیٰ  
 کے ذمے ہے۔ عربی زبان میں دابہ گھوڑے کو بھی کہتے ہیں مگر عام اصطلاح  
 میں زمین پر پاؤں سے چلنے پھرنے والے جانور اور رینگنے والے کپڑوں

رزق کی  
 ذمہ داری

کو دابہ کھا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ سب کو خوراک مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر چلنے پھرنے والے جانداروں کا ذکر تو آگیا ہے مگر ہوا میں اڑنے والے پرندوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی پہنچاتا ہے، ان کا ذکر کیوں نہیں آیا۔ اس ضمن میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پرندوں کی نسبت زمین میں سب سے زیادہ جانداروں کی تعداد نسبت زیادہ ہے اس لیے محض دابہ کا لفظ استعمال کیا ہے، وگرنہ بلاشبہ ہوا میں اڑنے والے پرندوں اور پانی میں رہنے والی ساری مخلوق کا روزی رساں وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

ترندی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ اے لوگو! دیکھو! صبح کے وقت پرندے خالی پیٹ اپنے گھونسیوں سے نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کر واپس لٹ آتے ہیں۔ وہ اللہ کے توکل پر نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں روزی پہنچاتا ہے۔ اگر تم بھی اللہ پر ایسا ہی توکل کرو تو وہ تمہیں بھی ایسا ہی رزق پہنچائے گا۔ اللہ نے اپنے فضل سے تمام جانداروں کی روزی اپنے ذمے رکھی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَلَا وَاِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا کوئی جاندار اپنی روزی پوری کیے بغیر نہیں مرنے والا۔ جب تک اللہ کو اس کی زندگی مقصود ہوتی ہے اسے رزق ملتا رہتا ہے۔ جو روزی اللہ کے حکم میں کسی شخص یا کسی جاندار کے لیے مقدر ہے وہ اسے کھائے بغیر نہیں مر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی حیات و حیات روزی کے لیے ایسے سامان پیدا کرتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے، لہذا انسان و حیوان اپنی روزی کی جگہ پر لازم پہنچ جاتا ہے۔

دو چیز آدمی را کشد زور زور

یکے آب و دانه دیگر خاک و گور

یعنی دو چیزیں آدمی کو زبردستی اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہیں، ایک اُس۔



کی خوراک اور پانی اور دوسری اُس کی قبر کی مٹی۔ آپ وہ دن بھی انسان کو کھینچ کر کسی نہ کسی بہانے لے جاتا ہے اور اسی طرح انسان اپنی موت کے مقام پر کسی نہ کسی طریقے سے ضرور پہنچ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقررہ وقت تک ہر جاندار کو روزی پہنچانا اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اپنے فتنے لے رکھا ہے۔

امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ کو اپنے گھر والوں کی روزی کا خیال آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی تو فرمایا اے موسیٰ! اس سامنے والے پتھر پر اپنی لائٹھی مارو۔ جب لائٹھی ماری گئی تو پتھر دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کے اندر سے ایک اہ پتھر برآمد ہوا۔ اللہ نے فرمایا، اس پتھر کو بھی ضرب لگاؤ۔ جب ایسا کیا تو اس کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے اور اس میں سے ایک تیسرا پتھر نکلا۔ پھر حکم ہوا کہ اس تیسرے پتھر کو بھی توڑ دو۔ جب وہ بھی توڑا گیا تو اس پتھر میں سے ایک چوٹی جیسا چھوٹا سا کیڑا برآمد ہوا جس کے منہ میں اس کی خوراک بن رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حجاب اٹھا دیا تو آپ نے دیکھا کہ وہ چھوٹا سا کیڑا زبانِ حال سے یہ کسبِ بیان کر رہا تھا۔ سُبْحَانَكَ يَكْرَهُ وَيَسْمَعُ كَلَامِي وَيَعْلَمُ مَكَانِي وَيَذْكُرْنِي وَلَا يَخْشَىٰ پاك ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہی ہے، میرے کلام کو سن رہی ہے میری قیام کی جگہ کو جانتی ہے۔ مجھے یاد رکھتی ہے اور غفلت نہیں اس سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ باور کرانا مقصود تھا کہ جو اللہ تعالیٰ پتھر پر پتھر میں اپنے دالے بکھڑے کر اس کی روزی پہنچا رہا ہے وہ اس کے ٹھہر والوں سے کیسے غافل ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ کوئی پرندہ خوراک کے لیے دُور سے چونچ میں پکڑ کر لاتا ہے تاکہ گھونسلے میں جا کر خود

کھائے یا اپنے بچوں کے منہ میں ڈال دے مگر وہ دانہ ان کی خوراک نہیں رہتا بلکہ کسی دوسرے جاندار کے مقدر میں ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ دانہ اس کی چونچ سے گرتا ہے اور نیچے گندی نالی کے کنارے موجود کیڑے کی خوراک بن جاتا ہے۔ یہ اُس کیڑے کا رزق تھا جو اللہ نے پرندے کے ذریعے اُس کے مقام تک پہنچایا۔

امام قرطبی اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ قبیلہ اشعر کے لوگ یمن سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف بذریعہ بحری سفر آئے تھے کہ راستے میں جہاز کو حادثہ پیش آگیا اور وہ حجاز کی بجائے حبشہ کے ساحل پر پہنچ گئے اور پھر یہ لوگ حبشہ سے ڈبل ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ کے قبیلے کے یہ لوگ مدینے میں بے سروسامانی کی حالت میں پہنچے۔ ایک موقع پر انہوں نے اپنا ایک آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہمارا رشتہ ختم ہو گیا ہے، اس کے لیے کوئی انتظام فرمائیں۔ وہ شخص جب حضور علیہ السلام کے گھر پہنچا تو اندر سے حضور کی زبان مبارک سے اسی آیت کی تلاوت آرہی ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ جب اُس شخص نے یہ الفاظ سنے تو اُس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہم بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ جب وہ ہر جاندار کی روزی کا ذمہ دار ہے تو ضرور ہمارے لیے بندوبست کرے گا، ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اُس شخص نے حضور علیہ السلام سے کوئی بات نہ کی اور اُسی طرح واپس اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس آگیا اور کہنے لگا تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ کی مدد آرہی ہے ساتھی مطمئن ہو گئے کہ حضور علیہ السلام نے مدد کا وعدہ کیا ہو گا۔ حضورؐ نے دیر گزری تھی کہ ان کے پاس دو آدمی آئے جن کے پاس ایک بہت بڑا برتن تھا، جس میں گوشت اور روٹیاں تھیں۔ سب نے کھانا کھا یا مگر پھر بھی بچ گیا

انہوں نے وہ کھانا دو آدمیوں کے سپرد کیا کہ اے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے جاؤ، کھانا بھیجنے کا شکر ادا کرو اور ساتھ یہ بھی کہو کہ یہ بکچ گیا ہے کسی اور ضرورت مند کو دے دیں۔ جب وہ آدمی کھانا لے کر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو تمہارے لیے کوئی کھانا نہیں بھیجا تھا۔ پھر جب پورے معاملے کی وضاحت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور وہ جس کے لیے چاہے اسی طرح روزی کا سامان مہیا کرے۔ جب تک کسی کی زندگی مقصود ہوتی ہے، رزق پہنچا رہتا ہے، جب اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو روزی کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے۔

مستقر اور  
متنوع

فرمایا اللہ تعالیٰ زمین کے ہر جاندار کو روزی پہنچانے کا ذمہ دار ہے  
وَيَعْلَمُ مَسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا اور وہ اس کے مستقر  
(گھر کی جگہ) اور مستودع (سوئے جانے کی جگہ) کو بھی جانتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مستقر اس جگہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے ارادے سے اختیار کرتا ہے جیسے عام رہائش گاہ مکان وغیرہ اور مستودع وہ جگہ ہوتی ہے جہاں انسان بغیر اختیار کے پڑا ہے۔ مثلاً انسان زمین پر خود اپنا گھر بناتا ہے، یہ اس کا مستقر ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ انسان اپنے باپ کی پشت اور ماں کے رحم میں بلا اختیار پڑا رہتا ہے، یہ اس کے لیے مستودع ہے۔ ماں کے پیٹ سے جب اس دنیا میں آتا ہے تو یہ اس کے لیے مستقر ہوتا ہے۔ پھر جب مر کر قبر میں چلا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے سوئے جانے یا امانت کی جگہ ہوتی ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے قبر بحیثیت مستودع ہوتی ہے جہاں اسے بلا اختیار داخل کر دیا جاتا ہے یہ غلطی عام بات ہے کہ قبر انسان کی آخری آرام گاہ ہے۔ نہیں بلکہ یہ تو حشر تک کے لیے عارضی ٹھکانا ہے جب حساب کتاب ہو گا تو



پھر ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جائے گا۔ اور یہ جگہ اس کے لیے مستقر ہوگی۔

یہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کُلُّ فِتْنَةٍ كِتَابٌ مُبِينٌ یہ سب کتاب مبین یعنی روزی مستقر اور مستودع وغیرہ کتاب مبین میں درج ہیں کتاب مبین کو علم الہی کا نمونہ سمجھ لیں۔ امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں فِتْنَةٍ كِتَابٌ مُبِينٌ اور فِي كُتُبٍ مَّحْفُوظَاتٍ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے قرآن کریم کی ان آیات اور حضور علیہ السلام کے فرمان کی رو سے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات سے پہلے ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ جو کچھ وہاں لکھا ہوا موجود ہے قیامت تک وہی کچھ کائنات میں پیش آئے گا اور ذرہ بھر بھی اس کے خلاف نہیں ہوگا۔ چنانچہ اہل سنت کا ایمان ہے کہ تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، ان کا ارادہ بھی وہی کرتا ہے اور ان کو کچھ بھی رکھا ہے۔ یہ تمام چیزیں اس کے علم میں ہیں۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ ۝

سورة هود ۱۱

درس سوئم ۳

آیت ۸۲

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ  
وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْتَكُمْ اَحْسَنُ  
عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتُمْ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْتُونَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ  
لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥٠﴾  
وَلَئِنْ اَخْرَجْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ اِلٰى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ  
لَيَقُوْلَنَّ مَا يَحِيْبُ عَلَيْنَا اَلَّا يَوْمَ يَأْتِيَهُمُ لَيْسَ مَصْرُوْفًا  
عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٥١﴾

ترجمہ:- اور وہ وہی ذات ہے جس نے پیا کیا ہے آسمانوں

کو اور زمین کو چھ دن کے وقفے میں ، اور اُس کا عرش پانی پر تھا

تا کہ آزمائے وہ تم کو کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا عمل کرنے والا

ہے۔ اور اگر آپ ان سے کہتے ہیں کہ بیشک تم اٹھائے جاؤ

گے مرنے کے بعد ، تو وہ لوگ کہتے ہیں جنہوں نے کفر کیا کہ

نہیں ہے یہ منکر کھلا جادو ﴿۵۰﴾ اور اگر ہم ٹوڑ کر دیں ان

سے عذاب کو ایک مدت معلوم تک ، تو یقیناً یہ کہیں گے کہ

کیا چیز روکتی ہے اس عذاب کو۔ سنو! جس دن آنے کا وہ

ان کے پاس تو نہیں پھیرا جائے گا ان سے اور گھیر لے گی

ان کو وہ چیز جس کے ساتھ وہ ٹٹھا کیا کرتے تھے ﴿۵۱﴾

رہنمائیات گزشتہ آیات میں قرآن کریم کی آیات کے محکم اور مفصل ہونے کا بیان تھا۔

پھر دعوت الی التوحید اور بندے کی توبہ اور استغفار کا ذکر ہوا۔ نافرمانوں کی سازش اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت تمامہ کو بیان کیا گیا اور ساتھ یہ بھی کہ ہر جاندار کی روزی کا ضامن وہ خود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی جائے قرار اور سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔ فرمایا یہ سب چیزیں خدا کی کتاب میں درج ہیں۔ اب آج کی آیات میں تخلیق کائنات کا تذکرہ ہے جو کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت تمامہ کی دلیل اور اس کے کمال حکمت کی نشانی ہے۔

تخلیق  
ارض و سما

ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ جس نے پیدا کیا ہے  
آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کے وقفہ میں۔ کائنات کی چھ دن میں تخلیق  
کا ذکر قرآن پاک کے دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے مثلاً سورۃ اعراف  
میں ہے إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ یعنی بیشک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے ارض و سما  
کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ سورۃ المؤمن سجدہ میں ہے اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ  
اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان  
والی اشیاء کو چھ دن میں پیدا کیا۔ ایسا ہی ذکر بعض دوسری سورتوں میں  
بھی آتا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تخلیق کائنات  
کے لیے چھ دن کا عرصہ ضروری نہیں تھا کیونکہ وہ قادر مطلق ذات  
ہے جو آں واحد میں بھی کسی چیز کو پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے تاہم  
چھ دن کا وقفہ بنی نوع انسان کی تعلیم کے لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ حدیث  
شریف میں آتا ہے التَّوَدُّةُ مِنَ الرَّحْمَنِ وَالْجُعْلَةُ مِنَ  
الشَّيْطَانِ یعنی آہستگی رحمان کا کام ہے جب کہ علیہ بازی شیطان کی



فصلت ہے۔ مقصد یہ کہ ہر کام کو احسن طریقے سے انجام دینا چاہیے اور عجلہ بازی اچھی چیز نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چھ دن سے کون سے دن مراد ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے کرہ ارضی کے چوبیس گھنٹے طے کے دن تو مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا تعلق سورج کے ساتھ ہے جس کے طلوع و غروب سے میل و نہار کا نظام وابستہ ہے۔ سورج اور دیگر سیاروں کی تخلیق تو آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا تو اس وقت تو دن رات کا تصور ہی نہیں تھا لہذا ان چھ ایام سے ہمارے چھ ایام مراد نہیں ہو سکتے۔ آئیے قرآن پاک سے پوچھیں کہ ان چھ دنوں سے کون سے دن مراد ہیں۔ سورۃ النور سجدہ میں ہے تَمَّ يَخْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ پھر وہ ایک روز اس کی طرف رجوع کر لگا جسکی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہوگی۔ سورۃ معارج میں قیامت والے دن کی مقدار کے متعلق فرمایا تَخْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مَلَكًا اور جبرائیل علیہ السلام اس کی طرف پڑھتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار تمہارے حساب سے پچاس ہزار سال ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ کے ہاں ایک دن کم از کم ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اور چھ دن میں ارض و سما کی تخلیق کا مطلب یہ ہے کہ یہ تخلیق چھ ہزار سال میں مکمل ہوئی کا نیت کی تخلیق کے متعلق سورۃ ص سورۃ سجدہ میں تخلیق کا حال اس طرح آتا ہے قُلْ أَمَّا كُفُّوا نَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فَفِي يَوْمٍ كَافٍ كَيْفَ تَعْلَمُونَ کیا تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے زمین کو دونوں میں پیدا کیا۔ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ

کَوْفَقَهَا "پھر اس کے اُپر ہاٹ رکھے" وَلَبَّكَ فِيْهَا اور اس میں برکت  
 رکھی وَقَدْ رَفَعْنَا فِيْهَا آفَاقَهَا اور اس میں سامانِ معیشت مقرر کیا  
 اور یہ سب کچھ کتنے عرصہ میں کیا؟ فرمایا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ چار  
 دنوں میں۔ ثُمَّ اسْتَوٰی الْاِلٰهَ السَّمٰوٰتِ پھر اُس نے آسمان  
 کا ارادہ کیا وَهِيَ دُخَانٌ اور وہ دھواں ساقطاً فَقَالَ لَهَا  
 وَلِلْاَرْضِ اَنْتِ اَنْتِیَا طَوُّعًا اَوْ كَرْهًا پھر آسمان اور زمین دونوں  
 سے فرمایا، اُو میرا حکم مانو خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اس پر اُن دونوں  
 نے کہا قَالَتَا اَتَيْنَا مَلَاِیْعَیْنِ ہم خوشی سے تیرا حکم مانیں گے  
 اللہ نے فرمایا فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمُوٰتٍ فِيْ یَوْمَیْنِ پھر دونوں میں سات آسمان بنادیے۔ وَ اَوْحٰی فِيْ كُلِّ  
 سَمَاءٍ اَمْرَهَا اور ہر آسمان میں اُس کا حکم جاری کر دیا وَ زَيَّنَّا  
 السَّمٰوٰتِ الثَّنِیَّیَا بِمَصٰرِیْحٍ اور آسمانِ دنیا کو ستاروں کے  
 ساتھ زینت بخشی۔

بہر حال اللہ کے ہاں چھ دن سے اس دنیا کے چھ ہزار سال  
 مراد ہیں البتہ دن کے دورانیہ میں تفاوت کی مثال اس دنیا میں بھی موجود ہے  
 کرہ ارض کے ہل و نہار عام طور پر چوبیس گھنٹے کے ہوتے ہیں مگر زمین  
 کے کناروں پر یعنی قطب شمالی اور قطب جنوبی میں دن کی مقدار بدل جاتی ہے  
 چنانچہ اتھائی شمال اور اتھائی جنوب میں بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں چھ ماہ کی  
 رات اور چھ ماہ کا دن ہوتا ہے ایسے مقامات پر ایک دن کی مقدار ایک  
 سال کے برابر ہوتی ہے۔ اسی طرح اس نظامِ شمسی سے باہر اللہ کے ہاں  
 ایک دن کی مقدار اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

عرش پر  
 اب

فرمایا اللہ وہی ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن کے وقفے  
 میں پیدا فرمایا وَ كَانَ عَرْشُهُ عَلٰی السَّمٰوٰتِ اور اس کا عرش پانی پر

تھا۔ اس پانی کی کیفیت کے متعلق مفسرین کرام کا اختلاف ہے کعب اخبار جو پہلے یہودی عالم تھا، پھر اسلام لائے ان کی بیان کردہ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبز رنگ کا ایک یا قوت پیدا فرمایا، پھر جب اس پر قمری تجلی ڈالی تو وہ گچھل کر پانی بن گیا اور اس طرح پانی وجود میں آیا۔ پھر اللہ نے پانی کے نیچے ہوا کو پیدا فرمایا اور اس طرح گویا پانی ہوا کے اوپر ٹکا ہوا ہے اور پانی کے اوپر خدا تعالیٰ کا عرش تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرش بھی خدا کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ صحیح بخاری میں عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ کان اللہ قبل کل شیء اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے پہلے موجود تھا۔ پھر اُس نے ہوا کو پیدا کر کے اس کی پشت پر پانی کو ٹکایا اور اس کا عرش اس پانی پر تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا قَدْ رَآهُ عَادِيُّنَ الْخَلْقِ قَبْلَ خَلْقِ خَضِرَيْنِ أَلْفَ سَنَةٍ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام چیزوں کا اندازہ مقرر فرمایا اور اُس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی کے اوپر تھا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مذکورہ پانی سے یہ ہمارے استعمال والا پانی نہیں ہے اور عرش کے پانی پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی۔ یعنی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی کا تصرف ہے گویا ہاں پر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور اس کے تصرفِ کریمان کرنا مقصود ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ موجودِ کل انسان کبر ہے جس کو روحِ اعظم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سارا مجموعہ انسانیت کا ایک نمونہ ہے جو عرشِ الہی کے نیچے واقع ہے اور اس کے ذریعے تمام انسانوں کا تعلق خدا تعالیٰ کی تجلیِ عظم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور فعلیت یعنی کام کرنے کی قدرت اور صلاحیت کا نام عرش ہے اور قوت کا معنی پانی ہے۔



تاہم عام فہم تفسیر یہی ہے کہ اس پانی سے مراد یہی پانی ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ** (الانبیاء) ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ کم از کم اتنی بات واضح ہے کہ موائید ثلاثہ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات کی تخلیق پانی سے ہوئی۔ تو فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام اور حکمت بالغہ کو بیان کرنا مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ وعدہ لا شریک ہے کہ خالق صرف اللہ ہے اور تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ عرش کے اوپر عالم امر ہے اور اس کے نیچے عالم خلق ہے۔ ان دونوں عالموں میں اللہ تعالیٰ ہی کا تصرف ہے اور پر کی چیزوں کا مخلوق کو علم نہیں مگر نیچے کی چیزوں کا علم ہے۔ ساری کائنات عرش کے نیچے ہے۔ چنانچہ تخلیق کائنات کے مقصد کے متعلق شاہ ولی فرماتے ہیں کہ دیکھو! اللہ نے ساری کائنات کو انسان کی مصلحت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ملائکہ مقربین کو بھی محض ذریعہ انسانی کی مصلحت کی خاطر پیدا کیا ہے حالانکہ فرشتوں کی تخلیق انسان کی تخلیق سے اربوں کھربوں سال پہلے ہوئی تھی۔ پہلے اللہ نے ملاو اعلیٰ کو پیدا کیا۔ اور پھر باقی چیزوں کو اور سب سے آخر میں انسان کو پیدا کیا اور اس کا مقصد یہ بیان فرمایا **لِيَبْلُغَكُمْ آيَاتِي كَمَا أَحْسَنُ عَسَلًا**۔ تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال انجام دیتا ہے۔ گویا تمام کائنات کو انسان کی مصلحت کے لیے پیدا کیا اور اس کو امتیازی حیثیت دی تاکہ وہ اچھے اور بُرے عمل کا امتحان کر سکے انسان کی آزمائش کے لیے ساری کائنات کو وجود بخشا۔ پھر اللہ نے نیکی اور برائی کا انجام بھی بیان فرمایا ظاہر ہے کہ جس انسان کی عقل ہم ہوگی اور وہ حرام سے بچنے والا ہوگا اور اللہ کی اطاعت کی طرف جلدی پیش قدمی کریگا۔ وہی حساب کمال ہوگا جبکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے افضل

مقصد  
تخلیق  
کائنات

اور ان کے درمیان والی ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

اور باقی کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کے متعلق  
فرمایا وَلَکِن قُلْتُ اِنَّکُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ مَّۤیْمَنَ الْمَوْتِ  
اگر آپ ان سے کہیں کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے یعنی  
یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور اس کی حکمت ہے کہ ہر انسان کو موت کے بعد  
دوبارہ اپنے سامنے کھڑا کر کے اس کی زندگی کے کارناموں کا حساب لے گا  
تَوَلَّیْقُوْا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تَرَکُوْا تَرَکُوْا تَرَکُوْا تَرَکُوْا تَرَکُوْا تَرَکُوْا  
اَلَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ یہ تو کھلا جادو ہے۔ شرک لوگ قرآن پاک کے اثر کا  
انکار نہیں کر سکتے تھے مگر وہ اس کو حق نہیں مانتے تھے بلکہ کہتے تھے  
کہ جادو کے زیر اثر ہے۔ گویا قرآن پاک کی تاثیر کو بھی جادو تصور کرتے تھے  
جادو کا بھی یہی تصور ہے کہ وہ مؤثر ضرور ہوتا ہے مگر باطل ہے اور کافرو  
شرک قرآن حکیم کو بھی اسی بات پر محمول کرتے تھے۔ فرمایا یہ کہتے ظالم لوگ  
ہیں۔ کہتے تھے کہ اگر قرآن پاک کی پیش گوئی سچی ثابت ہوگئی اور مرنے کے  
بعد لوگ دوبارہ زندہ ہو گئے تو اس میں خدا تعالیٰ اور حساب کتاب کا کوئی  
دخل نہیں ہوگا بلکہ یہ محض جادو کے ذریعے ہوگا۔ یہ تو آنے والی بات تھی،  
ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے معجزات دیکھے مگر بھی انکار کر دیا۔ خود اپنی فرمائش  
پر جب شق القمر کا معجزہ واقع ہوا تو کہنے لگے، سِحْرٌ مُّسْتَدْمِرٌ یہ تو چلتا ہوا  
جادو ہے۔ پہلے بھی لوگ جادو کرتے تھے اور آج محمد بھی ایسا ہی کر رہے  
ہیں اَلْعِیَازُ بِاللّٰهِ

عیسائی اور یہودی مستشرقین بھی اسی قبیل سے ہیں۔ مغربی تعلیم کے  
دلدادہ بعض نام نہاد مسلمان بھی ان سے متاثر ہیں۔ یہ لوگ حضور خاتم النبیین  
صلی اللہ علیہ وسلم کے کارہائے نمایاں کا انکار تو نہیں کر سکتے، ان کے  
لائے ہوئے عظیم انقلاب کو تسلیم کرتے ہیں مگر آپ کو خدا کا سچا رسول

ماننے کے لیے تیار نہیں کہتے ہیں کہ آپ بڑے ذہین، عقلمند اور عظیم آدمی تھے۔ جو انقلاب آپ نے برپا کیا وہ موسیٰ اور علیہ علیہما السلام بھی نہ کر سکے مگر آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ یہی ان کی ہٹ دھرمی اور آخرت سے محرومی کی نشانی ہے۔

عذاب الہی

فَرَأَىٰ فَلَمَّا أَخَذْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ الْخَالِدَ أُمَّةً مُّعَذَّوْدَةً  
اگر ہم ان سے ایک خاص مدت تک کے لیے عذاب کو مؤخر کر دیں،  
يَقُولُونَ مَا يَنْجِيكُمْ تَوَكَّلُوا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ کہ عذاب کو کس چیز سے  
روک لیا ہے۔ یہ بات وہ ازراہ تسخر کہتے تھے کہ جس عذاب سے ہمیں  
ڈرا ہے ہو، وہ ان کیوں نہیں جاتا۔ مشرکین کہہ بھی ایسے ہی کہتے تھے اللہ  
نے ان کو مہلت دی ایک خاص وقت تک اور پھر میدان بدر میں ان پر  
عذاب الہی نازل ہو گیا۔ امت کا معنی عام طور پر جماعت یا گروہ ہوتا ہے  
جیسے سورۃ آل عمران میں ہے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ قَدِ ابْتَدَأْتُ النَّبِيَّةَ  
ہو جو لوگوں کو نبی کا حکم کرتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو۔ سورۃ النحل میں  
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا اِنْ رَاٰ بُرْهَانَكَ كَانَ أُمَّةً  
قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا فَتَنَّا اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِشَوَاءِ اللّٰهِ کے فرمانبردار  
اور ایک طرف مگنے والے تھے۔ یہاں امت کا معنی پیشوا ہے۔ مگر اس  
آیت کریمہ میں امت کا معنی مدت ہے کہ اگر ہم ایک خاص مدت تک  
عذاب کو ٹالے رکھیں تو کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں گیا جس سے تم ڈرتے  
ہو۔ اللہ نے جواب میں فرمایا اَلَا سَنُرَاٰ يَوْمًا يَأْتِيهِمْ لِكَيْسٍ  
مَّصْرُوفٍ عَنْهُمْ جِسْمٌ دَنٍ وَهُوَ عَذَابٌ آجَائِيٌّ لِّمَا تَوَكَّلْتُمْ عَلٰی مَا يَصْرِفُهُ  
جلدے گا۔ فرعون کے پاس عذاب آیا تو اسے غرق کر کے چھوڑا، قوم عاد  
و ثمود کو نیست و نابود کیا۔ قوم لوط اور دوسری قوموں کو ہلاک کیا۔ اسی طرح  
ان کے پاس بھی عذاب آجائے گا تو پھر یہ بچ نہیں سکیں گے۔ وَحَقَّ



بِهَمِّ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ اور گھیر لے گی ان کو وہ  
 چیز جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی  
 چیز ہے جس کو تم مذاق کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ غرضیکہ اگر  
 فی الوقت عذاب سے ملت بل رہی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانون  
 اعمال و تدبیر کے مطابق بل رہی ہے۔ وہ نافرمانوں کو موقع دیتا ہے پھر  
 جب نافرمانی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو اس کی گرفت آ جاتی ہے اور  
 وہ پکڑ لیتا ہے۔ تو فرمایا، ان کا بھی یہی حال ہے کہ ٹھٹھا اور تمسخر کی بنا پر  
 کہتے ہیں کہ عذاب کو کس چیز نے روک رکھا ہے۔ فرمایا جب عذاب  
 آجائے گا تو وہ ان کو گھیر لے گا اور ان سے ہٹایا نہیں جاسکے گا۔

وَمَامِنْ ذَاتِۖة ۱۲

سورة هود ۱۱

درس چہارم ۴

آیت ۹ تا ۱۲

وَلَیۡنُ اَذَقْنَا الْاِنۡسَانَ مَنَارِحَمَۃً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ  
 اِنَّہٗ لَیُّؤَسُّ کَفُوْرٌ ۙ ۹ وَلَیۡنُ اَذَقْنٰہُ نَعَمًاۤۤاۤ بِعَدَضَرَاۤہٗ  
 مَسَّتْہٗ لَیَقُوْلَنَّ ذَہَبَ السَّیِّاۡتِ عَنِّیۡ ؕ اِنَّہٗ لَفَرِحٌ  
 فَخُوْرٌ ۙ ۱۰ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوْا الصَّٰلِحٰتِ  
 اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ۙ ۱۱ فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ  
 بَعۡضَ مَا یُؤْتٰۤی اِلَیۡکَ وَضَآئِقُۙۤاۤ بِہٖۤۤاۤ صَدُرُکَ اَنَّ  
 یَقُوْلُوْا کُلُوْا اَنْزَلَ عَلَیْہٖ کُزًّاۙ اَوْجَآءٌ مَّعَہٗ مَلٰٓئِکَۃٌ  
 اِنۡمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۙ ۱۲

ترجمہ :- اور اگر ہم چکھائیں انسان کو اپنی طرف سے مہربانی اور ہم اُس سے چھین لیں ، بیشک وہ انسان البتہ مایوس ہونے والا اور ناشکر گزار ہوتا ہے ۹ اور اگر ہم اُس کو چکھائیں نعمت کا مزا تکلیف کے بعد جو اُس کو پہنچی تھی تو وہ کہتا ہے کہ دُور ہو گئیں مجھ سے باتیاں ۔ بیشک وہ اترانے والا اور بٹھنی بٹھانے والا ہوتا ہے ۱۰ مگر وہ لوگ جنہوں نے سبر کیا اور اچھے اعمال انجام دیے ، میں لوگ ہیں کہ ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے ۱۱ پس اے پیغمبر ! شاید کہ آپ چھوڑنے والے ہوں بعض اُن چیزوں کو جو آپ کی طرف

دی کی جاتی ہیں اور تنگ ہوتا ہے اس کے ساتھ آپ کا سینہ  
اس وجہ سے کہ یہ لوگ کہتے ہیں اکیوں نہیں آتا جانا اس پر  
خزانہ یا کیوں نہیں آتا اُس کے ساتھ فرشتہ۔ بیشک آپ تو ڈر  
سنائے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا ذمہ دار ہے (۱۲)

دعوت الی التوحید کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط اور قدرت تامہ  
کا ذکر فرمایا۔ اس سے پہلے تمام جاندار کی روزی کا ذمہ اٹھایا اور ہر ایک کے مستحق اور مستوع  
کے علم کا ذکر کیا۔ پھر تخلیق کائنات کا ذکر کیا جو کہ اُس کی وحدانیت اور قدرت تامہ کی  
دلیل ہے آسمان و زمین کی پیدائش اور عرش الہی کا ذکر ہوا۔ تخلیق کائنات کا مقصد انسانوں  
کی مصلحت بیان فرمایا اور انسانوں کی تخلیق کو ان کی آزمائش کا مقصود بنایا کہ ان میں سے کون اچھے اعمال انجام  
دیتے اور کون برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ فرمایا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے برحق ہے۔ فرمایا  
اگر نافرمانوں پر خدا کی گرفت منور ہو جائے تو وہ ٹھٹھا کرتے ہیں مگر اللہ نے فرمایا کہ جب  
اس کی طرف سے عذاب آئیگا تو پھر وہ ہٹا یا نہیں جائیگا اور جس چیز کے ساتھ یہ مذاق کھتے  
ہیں، وہی چیز ان کو گھیر لے گی۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکرگاری  
کا ذکر فرمایا ہے۔ لوگ عام طور پر نہ تو راحت کے وقت اپنا فرض مہم طور پر انجام دیتے ہیں  
اور نہ ہی تکلیف کے وقت۔ آج اسی بات کا تذکرہ ہوگا۔

رابط آیات

ارشاد ہوا ہے وَلَٰكِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ رِمًا رَّحْمَةً اَوْ الْكُرْهُمُ اِنْسَانًا كَرِهَتْ  
طرف سے رحمت کا مزہ اچھائیں، کوئی مہربانی کریں، صحت، مال، اولاد، جاہ، حکومت  
ترقی عطا کریں ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ پھر وہ نعمت اُس سے چھین لیں۔ بشر تعالیٰ  
اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے کسی کو کوئی نعمت عطا کر دے اور جب چاہے واپس  
لے لے۔ تندرستی دے کر بیماری میں مبتلا کر دے یا کسی کو باہم عروج پر پہنچا کر زوال پذیر کر  
دے یا آسائش دے کر تنگدستی میں مبتلا کر دے، یہ سب اس کی حکمت اور مصلحت کے کرشمے  
ہیں۔ تو فرمایا جب ہم کسی کو راحت کے بعد تکلیف میں مبتلا کر دیں تو انسان کی حالت

عروج کے  
بعد زوال



یہ ہوتی ہے اِنَّهٗ لَيَسُوْسُ كَفُوْرًا کہ وہ بالوس ہونے والا اور ناشکر گنہگار بن جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اب میرے لیے بھلائی کا کوئی موقع باقی نہیں رہا اور ایسی حالت میں صبر و شکر کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا کلمہ شکوہ کرنے لگتا ہے کہ اُس نے اُسے تنگی میں ڈال دیا ہے۔ یہ انسان کی ناشکری کی دلیل ہے۔ عام طور پر انسان راحت اور تکلیف دونوں حالتوں میں ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ وہ نہ تو تکلیف میں صبر کرتے ہیں اور نہ راحت میں شکر ادا کرتے ہیں۔ البتہ بہت حقوڑے ایمان والے لوگ ایسے ہیں جو اس امتحان میں پورے اترتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَالْكَذِبُ نَفْسِيْ بِمَدِيْهِ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، جب کسی مومن کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ بھی اُس کے لیے بہتری کا ذریعہ ہوتی ہے۔ مومن تکلیف کے وقت اللہ سے معافی مانگتا ہے، اس کے سامنے گڑا گڑاتا ہے، تو یہی تکلیف اُس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ لہذا تکلیف کی حالت بھی اُس کے لیے باعثِ رحمت ہوتی ہے۔ گویا مومن آدمی کو تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

تکلیف کے  
بعد راحت

اُس کے ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ اَذَقْنَاهٗ نَعَمًا وَّ بَعْدَ ضَرِّ اَآءٍ مَّسَدًا اور اگر ہم اس کو نعمت کا مزہ چکھائیں تکلیف کے بعد جو اُس کو پہنچی تھی۔ ضریٰ عام طور پر جسمانی تکلیف پر بولا جاتا ہے تاہم اس سے دیگر تکالیف بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ تو فرمایا اگر بیماری کے بعد کسی انسان کو صحت عطا کر دیں یا کسی دوسری تکلیف کو راحت میں بدل دیں۔ تو پھر کیا کہتا ہے؟ لَيَقُوْلُنَّ ذَهَبَ الشَّيْءُ عَنِّيْ کہتا ہے کہ مجھ سے تکلیف دور ہو گئی اور اب میں بالکل آرام و آسائش میں ہوں اور پھر ایسی حالت میں اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرًا انسان اترتا ہے اور نشی بگھڑتا ہے۔ کہتا ہے

میں نے فلاں تدبیر کی تو مجھے کامیابی حاصل ہو گئی۔ ایسا شخص اپنی دولت حکومت اور ٹیکنا لوجی کو یہی کامیابی کی دلیل سمجھتا ہے۔ کہتا ہے اَوْتَيْتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِنْدِي رَاقِصًا مجھے یہ نعمتیں میرے علم کی وجہ سے ملی ہیں اور وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ تکلیف کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے برخلاف جب اُسے تنگی آتی ہے تو شکوہ کرتا ہے۔ سورۃ الفجر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے فَيَقُولُ رَبِّيَّ أَهَانَنِي تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔ میں تباہ ہو گیا ہوں، اس کام کے لیے خدا تعالیٰ کو کوئی اور آدمی نہ ملا، ایسے ایسے ناشکری کے کلمات زبان سے ادا کرتا ہے اور جب کامیابی چل ہوتی ہے تو اس میں سارا اپنا کمال سمجھتا ہے۔ اور اصل عطا کردہ نے والے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیتا ہے۔ یہ انسان کی عام ذہنیت ہے۔ ورنہ اُس کا فرض ہے کہ راحت اور آرام و آسائش کی حالت میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس کی نعمت کی قدر کرے، اس کا صحیح استعمال کرے اور اس کا حق بھی ادا کرے۔ اور جب تکلیف آجائے تو اسے خدا کی جانب سے سمجھے اور اس پر صبر کرے اور جزع فزع نہ کرے۔

فَرَايَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا مگر وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور نیک اعمال انجام دیے أُولَٰئِكَ لَهُمْ تَغْفِيرٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ان کے لیے خدا کی جانب سے معافی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی تمام کوتاہیاں معاف فرمادے گا۔ اور اس کے علاوہ ان کے لیے خدا کے ہاں بہت بڑا اجر بھی ہوگا۔ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ان دو انعامات کا وعدہ فرمایا ہے۔

صبر ملتِ ابراہیمی کا بہت بڑا اصول اور حقیقت ہے۔ صبر شکر

صبر اور  
عمل صالح





اپنا سینہ تنگ نہ کریں۔ نا انصاف لوگ ایسی باتیں ہمیشہ کیا کہتے ہیں۔  
 اُن کا کیا ہے؟ وہ تو نبی کو مافوق الانسان کوئی مخلوق سمجھتے ہیں اور اسی  
 لیے عام لوگوں میں اس کے میل جول، کام کاج اور دیگر معاشرتی معمولات  
 کو نبوت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ سورۃ فرقان میں ہے کہ کفار مکہ کے  
 تھے مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يٰۤاَكْلُ الطَّعَامِ وَيَصْطَنِي فِي الْاَسْوَاقِ  
 یہ کیا رسول ہے جو ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا  
 ہے۔ اس کے بیوی بچے ہیں۔ یہ کاروبار کرتا ہے، اللہ نے فرمایا  
 ایسے اعتراضات پہلے بھی ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے سب سے ہیں  
 آپ ان سے پریشان نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں یہ آپ کو قسلی دی  
 گئی ہے۔ کہ آپ ان کی باتوں میں نہ آئیں کیونکہ وہ تو آپ کو آپ کے  
 مشن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ "وَكُفُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيَذَرُوهُمْ"  
 دالقلعہ! یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی مخالفت چھوڑ دیں  
 گے۔ فرمایا، ایسا نہیں بلکہ آپ ان کے عقائد باطلہ کا پورے طریقے سے رد  
 کریں۔ لوگوں پر کفر و شرک کی قباحت کو واضح کریں۔ یہ لوگ کتنا بھی برا نہیں  
 آپ اپنا کام کرتے جائیں اور اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں۔  
 فرمایا اَلْحَمْدُ اَنْتَ خَلِّقُ اَبْ تَوَدُّرْسَانِ لَوْنِ هِي۔ آپ  
 کا فرض یہ ہے کہ مشرکین کی تمام تر کادلوں کے باوجود لوگوں کو ان کے  
 بُرے عقائد اور بُرے اعمال سے ڈراتے رہیں۔ انہیں صاف صاف  
 بتادیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کریں گے، شرک پرا  
 رہیں گے اور نیک اعمال کی بجائے برے اعمال انجام دیتے رہیں گے  
 تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جائیں گے۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ ان  
 کو خطرناک انجام سے آگاہ کرنے لگے ہیں۔

نبی مجتہد  
نذیر

آگے فرمایا وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ہر چیز کا ذمہ دار

تو خدا تعالیٰ ہے۔ خزانوں کا مالک بھی وہی ہے اور فرشتوں کا مالک بھی۔  
 معجزات کا پیش کرنا آپ کا کام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت  
 میں جب اس کا ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے تو وہ ایسا کر دیتا ہے۔ لہذا آپ  
 کسی ایسی چیز کو ترک کرنے کا خیال دل میں نہ لائیں جو آپ پر وحی کے  
 وسیع نازل کی جاتی ہے۔ آپ کفار کے طعن سے دل برداشتہ نہ ہوں  
 آپ بحیثیت نذیر اپنے منصب پر فائز ہیں۔ آپ کفر، شرک اور برائی  
 کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے انجام سے خبردار کر دیں باقی ہر چیز کا  
 نگران خود اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ خود ان سے حساب لے لے گا۔ اور پھر  
 ان کے بڑے عقائد و اعمال کی سزا بھی دے گا۔

---

وما من دابة الا

سورة هود

درس پنجم ۵

آیت ۱۳ ۱۲ ۱۱

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ  
 مُفْتَرِيْتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ  
 كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۳ فَاَلَمْ يَسْجُدْجِبُّوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا  
 اَنْمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ  
 مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنٰهَا  
 نُوْفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُخْسُوْنَ ۝۱۵  
 اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحِطَّ  
 مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبُطِلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶

ترجمہ: کیا کہتے ہیں یہ لوگ کہ یہ قرآن اس نے گھڑ لیا ہے

آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر! لاؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی

اور بلا لو جس کو تم طاقت رکھتے ہو اللہ کے سوا، اگر تم

سچے ہو ۝۱۳ پس اگر یہ جواب نہ دے سکیں تم کہ پس

جان لو کہ بے شک یہ قرآن کریم نازل کیا گیا ہے اللہ کے

علم کے ساتھ اللہ یہ بات بھی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

ہے، پس کیا تم فرمانبرداری کر دے گے ۝۱۴ جو شخص ارادہ کرتا ہے

دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا، ہم پورا پورا دیتے ہیں اُنکو

اُن کے اعمال اس میں اور اتنے ساتھ اس دنیا میں کمی نہیں کی

جاتی ۝۱۵ یہی لوگ ہیں کہ نہیں ہے اُن کے یہ آخرت



میں مگر دوزخ کی آگ، اور ضائع ہو گیا جو کچھ انہوں نے اس دنیا میں کیا۔ اور باطل ہے وہ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (۱۶)

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو قسلی دی کہ مشرکوں اور کافروں کے اعتراضات کی وجہ سے آپ اپنے مشن کو نہ چھوڑیں۔ یہ لوگ تو بیہودہ اعتراض کرتے ہی سہتے ہیں۔ لہذا آپ کو دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرنی چاہیے کہ آپ کے پاس خزانہ کیوں نہیں نازل ہوتا یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں ہوتا تو فرمایا آپ کہیں کہ خزانوں اور فرشتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے، میرا کام تو خبردار کرنا اور بُرے انجام سے ڈرنا ہے۔

اب آج کی آیات میں قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کی دلیل پیش کی گئی ہے۔ کفار و مشرکین اللہ کی کتاب کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے، اللہ نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ اگر تم قرآن پاک کو وحی الہی تصور نہیں کرتے تو پھر اس میں سی و سٹس سورتیں لاؤ۔ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی انسان ہی ہو، لہذا اس جیسا کلام بنا کر پیش کرو۔ یہ بھی مکی سورۃ ہے اور مکی سورتوں میں عام طور پر توحید، رسالت، قیامت اور قرآن پاک کی حقانیت کے مضامین ہی بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں بھی یہی مضامین تکرار آئے ہیں۔ چنانچہ آج کے درس میں قرآن کی صداقت، توحید باری تعالیٰ اور معاد کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے أَوْ لَيَقُولُنَّ افْتَرَاهُ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے خود قرآن گھڑ لیا ہے۔ یہ کلام الہی نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ ہے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ لَئِنْ خَافُوا قُلْ لَئِنْ خَافُوا قُلْ لَئِنْ خَافُوا قُلْ لَئِنْ خَافُوا ہے فَأَنذَرْتُ سَوَاءً مِّثْلَهُ مَفْتَرِيت تو پھر تم بھی اس میں دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ۔ آخر تم اہل زبان ہو، عربی پر تمہیں دسترس حاصل ہے فصاحت و بلاغت کے ماہر ہو۔ تم بھی ایسا کلام پیش کرو۔ اور اگر تم اکیلے یہ کام نہیں کر سکتے۔

قرآن بطور  
چیلنج

وَادْعُوا مَنْ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ تَوَالِدُ اللَّهِ تَوَالِدُ اللَّهِ تَوَالِدُ اللَّهِ  
 کہ چاہو اپنی مدرسے کے لیے بلاؤ اور سائے مل کر قرآن جیسی چھوٹی سے چھوٹی  
 دس سورتیں ہی بنا لاؤ اِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اگر تم اس دعویٰ  
 میں سچے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

اس سورۃ میں دس سورتیں پیش کرنے کا چیلنج دیا گیا ہے جبکہ سابقہ  
 سورۃ میں صرف ایک سورۃ لانے کا مطالبہ کیا گیا تھا فَأْتُوا بِسُورَةٍ  
 مِثْلِهِ (یونس) اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ۔ سورۃ بقرہ میں بھی  
 ایک ہی سورۃ لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔ وہاں یہ الفاظ آئے ہیں فَأْتُوا  
 بِسُورَةٍ مِثْلِهِ۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے  
 ہیں کہ جہاں ایک سورۃ لانے کے لیے کہا گیا ہے۔ وہاں کلام الہی کا مقابل  
 ہے مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا جو کچھ بھی ہم نے اپنے بندے پر  
 نازل کیا ہے۔ اور اس مقام پر جہاں دس سورتوں کا ذکر ہے، یہاں قرآن پاک  
 کی بات ہے اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَمَهُ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ  
 کا ارشاد ہے قُلْ لَنْ اَجْمَعَ الْاِلٰهَیْنَ وَالْجِنَّ عَلٰی اَنْ  
 یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ  
 بِنَصِّهِمْ لَبَعَثَ لِبَعْضِ ظٰہِیْرًا اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی قرآن  
 کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لاسکیں گے خواہ ایک مدرسے کے مددگار بھی بن  
 جائیں وہاں بھی پورے قرآن پاک کا ذکر ہے۔

سورۃ یونس میں ایک سورۃ لانے کا چیلنج ہے جب کہ اس سورۃ ہود  
 میں دس سورتوں کا ذکر ہے۔ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور ان کا زمانہ نزول  
 بھی قریب قریب ہی ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ترتیب نزول کے لحاظ  
 سے سورۃ ہود پہلے ہے اور سورۃ یونس بعد میں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے  
 پہلے دس سورتوں کا مطالبہ کیا جبکہ کفار و مشرکین اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے

تو پھر اللہ نے ایک ہی سورۃ لانے کا اعلان فرما دیا۔ سورۃ بقرہ تو مذنی ہے اور اس کا زمانہ بہر حال ان دونوں سورتوں سے بعد کا ہے۔ لہذا اس میں بھی ایک ہی سورۃ بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔

چیلنج کی  
بنیاد

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس بنیاد پر قرآن پاک کی نظیر لانے کو چیلنج کیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا اور اس لحاظ سے قرآن حکیم معجز ہے تاہم امام ابو بحر حباصؒ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ محض فصاحت و بلاغت ہی قرآن کے معجز ہونے کی بنیاد نہیں بن سکتی کیونکہ اس کا تعلق عربی زبان سے ہے جس کا دائرہ عمل صرف عربوں تک محدود ہے۔ یہ چیلنج پوری دنیا کے انسانوں اور جنوں تک پھیلا ہوا ہے اس کلام الہی کا معجز ہونا فصاحت و بلاغت کے علاوہ بعض دوسری چیزوں میں بھی ہے۔ مثلاً علوم و معارف جو اللہ نے قرآن کریم میں رکھے ہیں وہ کسی دوسرے کلام میں نہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جو حکمتیں اور مصلحتیں قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں میں پائی جاتی ہیں، ساری مخلوق مل کر اس کا عشر عشر بھی پیش نہیں کر سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک فصاحت و بلاغت، علوم و معارف، مصلحت اور حکمت اور دلائل و علل کے اعتبار سے معجز ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام کمالات کے پیش نظر چیلنج کیا ہے کہ اس کی مثال لا کر دکھاؤ۔

قرآن حکیم کا ایک بڑا کمال اس کا قانون ہے۔ قرآن کریم جس قسم کا قانون دستور اور نظام پیش کرتا ہے۔ ایسا کوئی قانون اور نظام کسی انسانی کلام میں نہیں مل سکتا۔ نہ تو سرمایہ دارانہ نظام، اسلامی نظام کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ سوشلزم اور کمیونزم۔ نہ امریکہ کا دستور اس کا ہم پلہ ہے اور نہ فرانس، جرمنی اور برطانیہ کا۔ قرآن پاک کا پیش کردہ نظام ہمیشہ کے لیے اہل ہے جبکہ



انسانوں کے بنائے ہوئے دساتیر ہر روز بدلتے رہتے ہیں۔ جو پہلی کوئی حکومت کوئی قانون وضع کرتی ہے، اس کے ساتھ ہی اس میں ترامیم بھی شروع ہو جاتی ہیں اور لبا اوقات اسے منسوخ کر کے دوسرا قانون لانا پڑتا ہے یہ صرف قرآن پاک کے قانون کو شرف حاصل ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے غیر متبدل ہے۔ سورۃ بینہ میں اسے ذَلِکَ دِیْنُ الْمَلِیْمِہ کہا گیا ہے یعنی یہ اہل قانون ہے جو تاقیام قیامت کا راہ ہے: امام ابو بکر حباصؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کی حقانیت اور صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے نزول کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ جیسے اہل علم لوگ بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے بلکہ اگر کسی نے اس کی نظیر لانے کی کوشش کی تو اسے منہ کی کھنا پڑی۔ بیلکہ کذاب نے قرآن کے مقابلے میں کلام پیش کیا مگر عربوں نے اس کے منہ پر تھوکا اور لعنت بھیجی، کہنے لگے کجا علیم و معارف سے بسرینہ خدائی کلام اور کہاں تمہاری یہ یہودہ کوشش، اس زمانے میں عربوں میں بڑے بڑے شاعر اور ادیب تھے، بڑے بڑے منصف تھے جو مختلف کلاموں کا موازنہ کر کے ان کے متعلق فیصلہ دیتے تھے۔ مگر وہ سارے کے سارے ہل کر بھی قرآن پاک کی نظیر نہ لاسکے، اور قرآن کا یہ چیلنج چودہ صدیوں سے اسی طرح موجود ہے مگر کسی نے اس کو قبول کرنے کی جرأت نہیں کی۔

فرمایا ان کو قرآن پاک کی نظیر لانے کا چیلنج دو۔ فَالْتَمِزْ یَسْتَجِیْبُوا لَکُمْ پس اگر یہ تمہارے چیلنج کا جواب نہ دے سکیں فَاعْلَمُوا تو یقین کے ساتھ جان لینا چاہیے اَکْمَا اُنْزِلَ یَعْلَمُ اللّٰہُ کہ بیشک یہ قرآن پاک اللہ کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ یہ اس کے حکم سے نازل ہوا ہے اور کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ نہ تو یہ معنیر کا کلام ہے نہ کسی فرشتے یا جن کا بلکہ یقیناً یہ اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے۔ مخلوق میں

نزول  
بعلیم اللہ

سے کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ نزول قرآن کے زمانے میں عربی زبان انتہائی بلندوں پر تھی۔ عرب لوگ شعر و شاعری، خطابت، کلام اور محاورے میں فصیح و بلیغ اور اپنی مثال آپ تھے۔ مگر کوئی بھی قرآن کا چیلنج قبول نہ کر سکا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی انیسٹل بڑے پائے کے شاعر تھے۔ کئے گئے میں نے بڑے بڑے شاعروں کا کلام سنا ہے۔ کلاموں اور شاعروں کی بات سنی ہے مگر اللہ کا کلام ان سب سے بلند ہے، کوئی کلام بھی اس کا ہم پلہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

این کتاب نیست چیزے دیگر است

یعنی یہ خالی کتاب ہی نہیں بلکہ کچھ اور ہی چیز ہے۔

فرمایا ایک بات تو یہ جان لو کہ قرآن پاک اللہ کے علم سے نازل کیا گیا اور دوسری یہ کہ وَإِنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس مالک الملک کے سوا معبودِ حق بھی کوئی نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری ذات نہیں جو ایسا کلام نازل کر سکے۔ وہی شکل کشا اور حاجت روا ہے، وہ حاکم، مختار کل اور قادر مطلق ہے، وہی علیم کل ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فَقُلْ أَسْتَعِذُّ بِرَبِّكَ پس کیا تم فرمانبرداری کرو گے؟ تمہارا فرض ہے کہ اسی وحدہ لا شریک کی اطاعت قبول کر لو۔ اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لو اور اس کے کلام کو بھی برحق مان لو۔

آگے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے طالبوں اور فانیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کا طلب گار ہے نُؤْتِ الْيُسْرَىٰ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا هُمْ اسی دنیا میں ان کے اعمال ان کو پورا پورا دیتے ہیں وَهُمْ فِيهَا لَا يَحْشَوْنَ اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ جس شخص کا مقصد صرف دنیا کے حصول تک محدود ہے۔ وہ اسی دنیا میں ہر قسم کا آرام و





اچھے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں ملے دیتا ہے اور ایمان والوں کے متعلق فرمایا کہ اللہ انہیں دنیا میں کھانے پینے کے لیے بھی دیتا ہے مگر جب وہ آخرت میں پہنچیں گے تو انہیں مکمل بدلہ ملے گا، اور ایک ایک عمل کے بدلے میں اجر عظیم حاصل ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا میں بھی دیتا ہے، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ، مگر کافروں کی نیکیوں کا سارا بدلہ انہیں اسی دنیا میں مل جاتا ہے، اور وہ آخرت سے محروم رہتے ہیں کیونکہ آخرت کا دار مدار ایمان پر ہے۔

آخرت میں  
محرومی

فرمایا اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْآخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ایسے نافرمانوں، کافروں اور مشرکوں کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِیْهَا اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ ضائع ہو گیا۔ یعنی دنیا کے تمام اچھے کام آخرت کے اعتبار سے ضائع ہو گئے۔ آخرت میں ان کا کچھ صلہ حاصل نہ ہوگا کفر، شرک، نفاق اور بدعتیہ کی انسان کے نیک اعمال کو ضائع کر دیتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائے تو اس کی ساری عمر کی نمازیں، روزے، حج اور زکوٰۃ سب بیکار گئے۔ اسی لیے فرمایا وَبَطِلَ مَا كَانُوا یَعْمَلُونَ اُن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے، اُن کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَمَنْ اَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعِیْهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يُلْطَفُ كَانَ سَعِیْهُمْ مَشْكُورًا" جس نے آخرت کے حصول کا ارادہ کیا اور پھر اس کے لیے کوشش اور محنت بھی کی اور ایمان کی دولت اس کے پاس ہے تو پھر ان کی محنت کی قدر دانی کی جائے گی۔ اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور جو شخص ایمان سے خالی ہے۔ وہ کتنا بڑا نیکی کا کام کرے، اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ تو فرمایا کفار و مشرکین کے پاس چونکہ ایمان نہیں ہے، اس

یہ اُن کے تمام اچھے اعمال بھی ضائع ہو گئے اور آخرت میں انہیں  
 دوزخ کی آگ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

---

وما من دآبۃ ۱۲

سورة هود ۱۱

دس شتم ۶

آیت ۱۷

اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ  
 مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوسَىٰ اِمَامًا وَرَحْمَةً اُولَٰئِكَ  
 يُؤْمِنُوْنَ بِهِ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهِ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالْبَاسُ  
 مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِّنْ  
 رَبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①۷

ترجمہ :- بھلا وہ شخص جو واضح راستے پر ہو اپنے رب کی طرف  
 سے اور آگاہ ہے اُس کے ساتھ ایک گواہ اُس (اللہ) کی طرف  
 سے اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوا اور  
 رحمت تھی، یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو شخص  
 کفر کرے گا اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے، پس (دورنہ کی)  
 آگ اُس کا ٹھکانا ہے۔ پس نہ ہوں آپ شک میں اُس کی طرف  
 سے۔ بیشک یہ برحق ہے میرے پروردگار کی طرف سے لیکن  
 اکثر لوگ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ ①۷

گزشتہ آیات میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا۔ اللہ نے ربط آیات  
 معترضین کو چیلنج کیا کہ اگر قرآن انسانی تخلیق ہے تو پھر تم بھی اس جیسی دس سوئیں ہی  
 بنا کر لے آؤ اور اس کام کے لیے دوسروں کو بھی شامل کر لو۔ پھر یہ چل جائے گا کہ کیا  
 کوئی انسان ایسا کلام بنا سکتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر تم اس چیلنج کو قبول نہ کر سکو تو اچھی  
 طرح جان لو کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے علم کے ساتھ اتاری گئی ہے



فرمایا اس کتاب کا مرکزی مضمون توحید خداوندی ہے یعنی اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی کوئی قرآن جیسی کتاب لاسکتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی برہنہ طاقت کو دیکھو۔

واضح  
راستہ

اب آج کی آیت میں قرآن کریم پر ایمان لانے والوں کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ منکرین کا انجام بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔  
أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ سَيِّئَةٍ مِّنْ ذِكْرِهِ بَعْلًا وَهُوَ يُخْشَىٰ ۚ فَهِيَ بِيَمِينِهِ يَوْمَ دُكِّرُوا  
کی طرف سے واضح راستے پر ہوا وہ اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا جو قرآن پاک کا منکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتا۔ بینہ کا عام فہم معنی واضح چیز ہے جب کہ یہ لفظ قرآن پاک میں بعض دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ بینہ میں یہ لفظ دو دفعہ آیا ہے اور دہاں اس سے پیغمبر علیہ السلام کی ذات مراد لی گئی ہے۔ بینہ کا لفظ معجزات کے لیے بھی آتا ہے اور اسے دلائل پر بھی محمول کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرامین کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر بینہ کے معانی میں معسرین فرماتے ہیں یہاں پر بینہ سے مراد وہ عقلی دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرۃ عطا فرمائے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَىٰ الْفِطْرَةِ ہر بچے کی پیدائش فطرتِ سلیمہ پر ہوتی ہے اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے اور کفر و شرک سے باز رہے۔ چنانچہ بعض حضرات فطرتِ سلیمہ کو عقلِ سلیم پر اور بعض اسے واضح دین پر محمول کرتے ہیں۔ غرضیکہ جو شخص فطرتِ سلیمہ پر ہے، وہی عقلِ سلیم، واضح دین اور واضح راستے پر ہے اور اُسی کے متعلق کہا گیا ہے کہ ایسا شخص اُس شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو اللہ کی کتاب کو من گھڑت کہتا ہے اور اس پر ایمان نہیں لانا۔ شاہ عبد القادر فرماتے

ہیں کہ جینے سے مراد خود قرآن اور وہ دین سب سے قرآن اور نبی کو زبان نے پیش کیا ہے۔

فطرتِ سلیمہ کی تشریح میں امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر اللہ نے اپنے رسولوں کو نہ بھیجا تو انسان سے شرک کا مٹا خذہ پھر بھی ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا عقلاً بھی فرض ہے۔ مثال کے طور پر فرما تم ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے دور دراز مقام پر رہتا ہو۔ جہاں کوئی نبی نہ ہو، ہادی یا مبلغ خدا کا پیغام لے کر نہ پہنچے تو پھر بھی ایسا شخص شرک کی پاداش میں پکڑا جائیگا۔ اللہ فرمائے گا کہ اپنی وحدانیت کے لاکھوں دلائل میں نے تیرے ارد گرد بکھیر رکھے تھے پھر تو نے اپنی عقلِ سلیم سے کام لیتے ہوئے اس کا کیوں نہ اقرار کیا اور شرک کا کیوں مرتکب ہوا؟ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے احکام کے متعلق تو باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ ان کی تفصیلات اُس تک نہیں پہنچیں مگر شرک کا مواخذہ ضرور ہوگا کیونکہ توحید کو تسلیم کرنے کے لیے اس کے ارد گرد ہر شے دلائل موجود تھے مگر اُس نے اپنی عقلِ سلیم سے کام نہ لیا اور پکڑا لیا۔

لفظِ اشارت  
کی توجہ

ایک تو اُس شخص کا ذکر کیا جو اپنے رب کی طرف سے واضح راستے پر ہے اور دوسری بات یہ کہ وَقَدْ شَهِدُوا شَهِدًا اُس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک گواہ بھی آتا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس شاہد سے مراد قرآن کریم ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور فطرتِ سلیمہ کی شہادت دیتا ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ گواہ سے مراد نبی کے معجزات ہیں جو خدا کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی کا وجود مبارک اور آپ کا چہرہ انور گواہ ہے کہ اس کو دیکھ کر اللہ کی وحدانیت کی سمجھ آ جاتی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضور علیہ السلام کے چہرہ انور کی نورانیت

اور رونق کو پہلی نظر میں دیکھ کر ہی کہہ دیا تھا لَيْسَ هَذَا الْوَجْهَ بِوَجْهِ  
الْكُذَّابِ (بخاری شریف) یعنی یہ چہرہ انور کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں  
ہو سکتا۔ غرضیکہ نبی کی ذات، اس کی آواز، اس کے معجزات اور آپ  
کی حیات سارے کے سارے خدا کی وحدانیت کے گواہ ہیں۔ مولانا رام  
بھی کہتے ہیں کہ رونے اور آواز پیغمبر معجز است  
یعنی نبی کا چہرہ انور اور آواز بھی ایک معجزہ ہے۔ حق پرست لوگ ایک  
ہی ملاقات میں حقیقت کو پا لیتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ شاہد سے مراد دین کا وہ منرا اور لور ہے جو  
مومن اپنے اندر پاتا ہے۔ مومن اس دین حق پر ہوتا ہے جو قرآن و سنت  
میں مذکور ہے، وہ اس پر یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ  
خدا کی جانب سے مزید تائید ہے کہ مومن اپنے اندر قرآن پاک کی جلالت  
محسوس کرتا ہے اور یہی اس کے لیے بطور گواہ ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ گواہ سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں جو کلام الہی  
کو پیغمبر خدا تک لانے پر موز ہیں اور اسی مناسبت سے یَتْلُوهُ کاترجمہ  
تلاوت کرتا ہے۔ کہتے ہیں۔ یعنی جبرائیل علیہ السلام یہ قرآن پاک اللہ  
کی جانب سے نبی کے پاس لا کر تلاوت کرتے ہیں۔ چنانچہ مینہ کا اصل  
مصدق قرآن پاک ہے اور اس کو لانے والا جبرائیل علیہ السلام اس کے  
ساتھ گواہ ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے اِنَّ  
الْاَمَانَةَ فُتِّلَتْ فِي حَبْرٍ قُلُوبِ الرُّحَايَا یعنی اللہ تعالیٰ  
نے تمام انسانوں کے دلوں کی اصل میں امانت کو نازل فرمایا ہے امانت  
سے انسان کی وہ صلاحیت مراد ہے جسکی وجہ سے وہ مکلف بنتا ہے  
اور ایمان قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کا بیج ہر انسان کی فطرت

توحید کا  
بیج



میں جو دیا ہے۔ اسی لیے امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ان ان کے روح  
میں ۹ مرکز ہیں۔ جب ایک مرکز کا پردہ اٹھایا جائے تو دوسرا مرکز سامنے  
آجاتا ہے، جب دوسرے پردہ کو اٹھائیں تو تیسرا مرکز آجاتا ہے اور اسی  
طرح کل انیس مرکز بن جاتے ہیں اور پھر آخری مرکز کو چکر بکرا جاتا ہے اس  
میں اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس پڑتا رہتا ہے اگر یا ہر انسان کے دل میں  
تجلی اعظم کا عکس پڑ رہا ہے۔ پھر جب انسان کا یہ مادی غول اتر جائیگا تو سارے  
پدے کھل جائیں گے اور تجلی اعظم کی کشش ان کو اوپر کی طرف کھینچے گی  
اور اگر انسان نے اس دنیا میں رہ کر کوئی کمال حاصل نہیں کیا۔ تو اس کی  
مادیت، کفر، شرک اور برائی اس کو نیچے کی طرف کھینچے گی اور اس کو چنپاتی  
میں انسان کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ فرمایا ہر انسان کے قلب میں  
اللہ نے توحید کا بیج بویا ہے عَلِمُوا مِنْ الْمَكْتَبِ وَالسُّنَّةِ جسکی  
تفصیل لوگوں نے دنیا میں آکر کتاب و سنت سے معلوم کی اور یہی وہ  
واضح راستہ ہے جس کے متعلق فرمایا کہ کیا وہ شخص جو واضح راستے پر ہے  
اور پھر اس کے ساتھ ایک گواہ بھی ہے، ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے  
جو خدا کی توحید، قرآن، اور سنت کا منکر ہے۔

پیشوا  
اور  
رحمت

فرمایا اس قرآن پاک سے پہلے وَمَنْ قَبْلَهُ كِتَابُ مُوسَىٰ  
علیہ السلام کی کتاب تورات بھی اِلهَامًا وَرَحْمَةً جو کہ دنیا میں پیشوائی  
کرنے والی اور رحمت مہنی۔ ظاہر ہے کہ آخری کتاب قرآن پاک سے پہلے  
دیگر کتب سادہ ہی اپنے اپنے دور میں لوگوں کی پیشوائی کرتی تھیں اور انہیں  
ہدایت کا راستہ دکھاتی تھیں یہاں پر تورات کا ذکر ہے جسے آسمانی کتابوں  
میں بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ اب اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید ہے جس کے  
احکام قیامت تک کے لیے قابل عمل ہیں۔ سورۃ النعام، اعراف اور دیگر  
سورتوں میں سے بھی رحمت کا لقب دیا گیا ہے۔ اس کی امامت اور

پیشوائی کے متعلق حضور علیہ السلام نے دعا میں سکھایا ہے **وَاجْعَلْهُ لِي**  
**إِمَامًا وَنُورًا وَهُدًى وَارْحَمَهُ** اے اللہ! قرآن پاک کو میرے  
 لیے پیشوائی کرنے والے نور، ہدایت اور رحمت بنائے۔ چنانچہ قرآن پاک  
 میں ان دونوں کتابوں یعنی کورأت اور قرآن مجید کے متعلق آتا ہے **قُلْ**  
**فَاتَّبَعُوا بِي كِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ آهْدِي مِنْهُمُ**  
 (القصاص) اگرچہ تمہیں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ کتب سماویہ اللہ  
 نے انسانی راہنمائی کے لیے نازل فرمائی ہیں تو پھر کوئی ایسی اور کتاب ہے  
 آؤ جو ان سے زیادہ راہنمائی کرنے والی ہو۔ بہر حال فرمایا جو کوئی ان کتب  
 پر ایمان لاکر ان پر عمل پیرا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے  
 شامل حال ہوتی ہے۔ فرمایا **أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ** یہ ہیں لوگ ہیں جو  
 اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، اس کتاب کو پیشوا اور مقتدا مانتے ہیں  
 اوروں پر عقل سلیم اور فطرت سلیمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو  
 تسلیم کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف **وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ**  
 جو کوئی کفر کرے گا اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے کسی بھی پارٹی، گروہ  
 فرقہ یا مسلک سے تعلق رکھتا ہو، جو انکار کرتا ہو۔ **فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ**  
 تو اس کے وعدے کی جگہ جہنم ہوگی، ایسے شخص کے لیے دوزخ کا  
 وعدہ کیا گیا ہے اور وہ وہیں پہنچے گا۔ حدیث شریف میں آئی ہے کہ حضور  
 علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے بارے میں سُنے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
 دنیا میں تشریف لے آئے ہیں اور آپ نے ہدایت کا پروگرام پیش کر دیا  
 ہے۔ ایمان کی دعوت عام ہے دی ہے۔ وہ خواہ یہودی ہو یا نصرانی یا  
 کوئی مذہب رکھتا ہو، پھر اگر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو فرمایا **إِلَّا دَخَلَ**  
**النَّارَ** تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ وہ کتنی بھی عبادت و ریاضت کرتا ہو

منکرین  
کا انجام

صدق خیرات کرنا ہو، رفاہ عامہ کے کام انجام دینا ہو مگر ایمان کے بغیر اس کی کوئی نیکی کام نہیں آئیگی اور ایسا شخص جہنم رسید ہوگا۔

حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد اور مفسر قرآن ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی کوئی حدیث رسولؐ سنتا تو اس کا مصداق قرآن میں پاتا۔ ظاہر ہے کہ تمام صحیح احادیث کا مصداق قرآن میں موجود ہونا چاہیے۔ فرمایا کہ جب میں نے مذکورہ بالا حدیث سنی کہ حضور علیہ السلام پر ایمان لانے بغیر تمام پیرو دیوں اور نصرائیوں کو دوزخ میں جانا ہوگا تو میں نے اس کا مصداق قرآن میں تلاش کیا آخر کار اس حدیث کی مصداق مجھے یہی آیت نظر آئی **قَدْ كَفَرُوبِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالْتَأَىٰ مَوْعِدُهُ**، گویا ایمان سے محروم شخص کا تعلق کسی مذہب یا دنیا کے کسی خطے امریکہ، روس، فرانس اور جرمنی سے ہو گئے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ جہنمی ہے۔

حق من  
جانب اللہ

فرمایا **فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُمَا** آپ کو اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ خطاب تو حضور علیہ السلام کو ہے مگر آپ علیہ السلام کو تو کسی غیب کا احتمال نہیں ہو سکتا، البتہ یہ بات عام لوگوں کو سمجھائی جا رہی ہے کہ اہل ایمان کو اللہ کی بات میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن پاک اللہ کا آخری پروگرام ہے اس کا انکار کرنے والا لازماً جہنم میں جائے گا۔ فرمایا **إِنَّهُ الْحَقُّ مِمَّنْ قَالَتْ** یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے **وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ** مگر اکثر لوگ ایمان قبول نہیں کرتے آج کی دنیا میں بھی یہی صورت حال ہے۔ لوگوں کی اکثریت ایمان سے محروم ہے۔ پوری دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ مسلمان ہیں اور باقی چار ارب انسان کفر و شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، انہیں ایمان نصیب



نہیں ہے۔ لوگوں کی غالب اکثریت اپنے عقل و فہم سے بندھے ہوئے  
 دین کو مانتے ہیں یا رسم و رواج کو ہی سینوں سے لگا رکھا ہے۔ یہ لوگ  
 قرآنی پروگرام کے قریب نہیں آتے بلکہ الٹا اس کی شدید مخالفت  
 کرتے ہیں۔ لہذا حق و صداقت کا معیار اکثریت نہیں بلکہ ایمان، توحید،  
 نیکی اور تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہی واضح راستہ اختیار کرنے کی توفیق  
 دے اور ہماری دنیا اگر کفر و شرک میں غرق ہوتی ہے تو ہوتی ہے، نجات  
 کا راستہ صرف ایمان اور نیکی کا راستہ ہے۔

---

وما من دابة إلا

سورة هود ١١

در منستم

آیت ١٨ ١٩ ٢٠

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ  
يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ  
الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ إِلَّا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى  
الظَّالِمِينَ ١٨ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ  
وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ١٩ ۝  
أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا  
كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءٍ يُضْعِفُ  
لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا  
كَانُوا يُبْصِرُونَ ٢٠ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ  
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ٢١ ۝ لَا جَرَمَ لَهُمْ  
فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْخَاسِرُونَ ٢٢ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أُولَٰئِكَ  
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٢٣ ۝ مَثَلُ  
الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْنَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ  
هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ٢٤ ۝

وقد لازم

٢٤

ترجمہ :- اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر  
 انفرادیت سے جھوٹ - یہی لوگ ہیں جو پیش کیے جائیں گے  
 اپنے رب کے سامنے اور کہیں گے گواہی دینے والے کہ یہ وہ  
 ہیں کہ جنہوں نے جھوٹ بولا اپنے پروردگار پر - سنو! لعنت  
 ہے اللہ کی ظلم کرنے والوں پر (۱۸) وہ جو دیکھتے ہیں اللہ  
 کے راستے سے اللہ تلاش کرتے ہیں اُس راستے میں کبھی اللہ  
 وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں (۱۹) یہ لوگ ہیں کہ نہیں  
 یہ عاجز کہہ سکتے زمین میں (اللہ کو) اللہ نہیں ہے ان کے  
 لیے اللہ کے سوا کوئی حمایت - دُعا کیا جائے گا ان کے لیے  
 عذاب ، وہ نہیں طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہیں تھے وہ  
 دیکھتے (۲۰) یہی لوگ ہیں جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی  
 جانوں کو اللہ گم ہو جائے گا اُن سے وہ جو افتراء کرتے  
 تھے (۲۱) ضرور بر ضرور بیشک یہ لوگ آخرت میں بہت  
 نقصان اٹھائے والوں میں ہوں گے (۲۲) تحقیق وہ لوگ جو  
 ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے اور جنہوں نے  
 عاجزی کی اپنے رب کے سامنے ، یہی لوگ ہیں جنت والے  
 وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (۲۳) مثال دونوں  
 فرقوں کی جیسا انہما اور بہرہ اور دیکھنے والا اور سننے والا  
 ہوتا ہے - کیا یہ دونوں برابر ہیں مثالیں - کیا تم نصیب حاصل  
 نہیں کرتے (۲۴)

گزشتہ درس میں قرآن کی حقانیت اور پیغمبر خدا کے بارے میں تھا کہ جو خدا کی  
 جانب سے واضح راستے پر ہو اور قرآن بطور شاہد بھی اس کے ساتھ ہو تو ایسے لوگ

رہنمائی



یقیناً کامیاب ہیں۔ جس طرح سابقہ امت میں موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوائی کرنے والی تھی اور باغیث رحمت یعنی اس طرح قرآن پاک ہے۔ جو گروہ اور جماعتیں اس کا انکار کریں گی ان کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے، وہی ان کے وعدے کی جگہ ہے کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن کرم تیرے پروردگار کی طرف سے برحق ہے مگر اکثر لوگ ایمان قبول نہیں کرتے اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے کفار، مشرکین اور منکرین قرآن کی مذمت بیان فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ جھوٹ باندھنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ کی کتاب یا اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا تو وہ بھی افتراء علی اللہ کا مرتکب ہے۔ اللہ کی ذات، صفات یا عبادت میں اس کا شریک ثابت کرنا بھی اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے کیونکہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح جو شخص کوئی غلط دعویٰ کرتا ہے وہ بھی مفتری ہے جیسے میلہ کذاب یا مرزا قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کیونکہ اللہ نے تو انہیں نبی بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ یہ ساری باتیں افتراء علی اللہ اور بہت بڑا جرم ہے۔

اللہ کے  
جنور  
پیشی

اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں کے متعلق فرمایا اُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ کَفَرُوا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَہُمْ ہٰذَا وَاِنَّہُمْ لَفِیْ شَکَکٍ وَّہُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ اَلَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّہِمْ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَہُمْ ہٰذَا وَاِنَّہُمْ لَفِیْ شَکَکٍ وَّہُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ اور گواہی دینے والے اللہ کے فرشتے ہوں گے جو محافظ اعمال ہیں۔ ان میں کراہا کا تہین اور بعض دوسرے فرشتے

بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ سورۃ طارق میں اللہ نے فرمایا ہے "إِنْ كُنْ لَكُمْ نَفْسٌ  
 لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ" ہر نفس پر نگران قوت مقرر ہے، یہ بھی گواہ ہو سکتے  
 ہیں۔ ان کے علاوہ اللہ کے نبی بھی آدمی کے حق میں یا اس کے خلاف  
 گواہی دیں گے۔ جواہل ایمان کسی کے متعلق جانتے ہوں گے وہ بھی شہادت  
 دیں گے کہ فلاں نے اللہ پر محبوبت باندھا تھا۔ اللہ کا فرمان ہے جس  
 قطعہ زمین پر ہم عبادت کرتے ہیں یا گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں وہ قطعہ  
 بھی بول کر گواہی دے گا، غرضیکہ نبی اور بدی کا ہر مقام اور شجر اور حجر بھی انسان  
 کے حق میں یا خلاف گواہی دیں گے۔ ان ان کے اپنے اعضاء جوارح  
 کے متعلق سورۃ لیس میں موجود ہے "الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ  
 وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَنَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ"  
 اُس دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں  
 بول کر گواہی دیں گے کہ اس شخص نے فلاں فلاں جرم کیا تھا۔ کفر، شرک،  
 اور معصیت کے سارے پول کھل جائیں گے۔ کسی کا حق غصب کیا ہے  
 کسی کو تکلیف پہنچائی ہے ہر چیز کے متعلق گواہ پیش ہو کر بتا دیں گے  
 کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ پر افترا باندھا۔ انہوں نے اس ذات  
 پر محبوبت باندھا جو ان کی خالق پرورش کرنے والی، نعمتیں بخشنے والی اور  
 قائم رکھنے والی ہے۔ دیکھو! انہوں نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا  
 پھر حکم ہوا "الْأَسْنُو! لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ" ظالم کرمیہ والوں  
 پر اللہ کی لعنت ہے۔ لعنت کا معنی خدا کی رحمت سے دوری ہے  
 لہذا منقرضی اشخاص اللہ کی رحمت کے قریب نہیں آسکیں گے بلکہ پستار  
 میں رہیں گے۔

فرمایا الَّذِينَ يَصْدُقُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ سَيُؤْتِيهِمْ اللَّهُ  
 اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ وہ اپنے قول اور فعل سے کوشش

اللہ کے  
 راستے  
 سے  
 روکتے  
 والے

کرتے ہیں کہ لوگ صحیح راستہ اختیار نہ کریں۔ اس کے علاوہ وَيَبْغُوا كَيْدًا  
يَعْوَجًا اور اس راستے میں کجی تلاش کرتے ہیں، اللہ کے صحیح راستے پر  
 اعتراض کرتے ہیں، خدا کے سچے دین میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں  
 تاکہ لوگ اس سے بظن ہو جائیں۔ فَسَرَّايَا وَهَبْهُمْ  
بِالْآخِرَةِ هُمْ كَاذِبُونَ وہ آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں یعنی مجھے  
 اور جہنم کے بھی منکر ہیں کہ نہ کوئی قیامت آئے گی اور نہ  
 ہم سے ہمارے اعمال کی باز پرس ہوگی۔ اللہ نے فرمایا کہ کافر، مشرک اور  
 منکرین جو کچھ بھی کریں أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ  
 یہ لوگ اللہ کے ارادے اور مشیت کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے۔ اور نہ  
 اس کی کسی سیکم کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف تو یہ  
 سازش کر کے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے رہتے ہیں کبھی کامیاب  
 ہو جاتے ہیں اور کبھی ناکام ہوتے ہیں مگر اللہ کے ہاں ان کی کوئی غلط کوئی  
 کامیاب نہیں ہو سکے گی۔

اس وقت دنیا میں عیسائیوں کی آبادی اڑھائی ارب ہے جو کہ اسلام  
 کے خلاف بے شمار سازشیں کر رہے ہیں، پیغمبر خدا، قرآن پاک اور دین حق  
 کے پروگرام کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے بے انتہا دولت صرف  
 کر رہے ہیں۔ عیسائی پادریوں نے اسلام پر بڑے اعتراض کیے ہیں۔  
 تکیب ارسلان اپنی کتاب حاضر العالم الاسلامی میں رقمطراز  
 ہیں کہ یورپ اور امریکی عیسائیوں نے اسلام کے خلاف چھ لاکھ کتابیں  
 اور رسالے لکھے ہیں جن میں قرآن کریم کو غلط ثابت کرنے کی کوشش  
 کی ہے۔ انہوں نے اسلام پر دو ہزار کیا ہے، دشمن کی حیثیت میں بھی  
 اور دوست کی صورت میں بھی مغربی مستشرقین ہمیشہ خواہ کی صورت

اسلام کے  
 خلاف  
 سازشیں



میں آتے ہیں اور تحقیق کے نام پر قرآن کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی ذات کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ لوگ بدگمان ہو کر دین سے بظن ہو جائیں اور آپ کی ذات پر ایمان نہ لائیں۔ یہ لوگ رفاہ عامہ کے کاموں کے ذریعہ بھی اہل ایمان میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سکول اور ہسپتال قائم کرتے ہیں اور ان کے ذریعے عیسائیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایڈ کے نام پر غلط نظریات بھی داخل کرتے ہیں۔ سکولوں میں بائبل کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ ہسپتالوں میں ہر صبح ہر مریض کے سر پر بائبل کی تلاوت کی جاتی ہے، انہیں عیسائیت کی خوبیوں سے آگاہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ ایمان کو چھوڑ کر مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم کر لیں۔ لیکن اس کے باوجود اسلام کی حقانیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ حکومتیں اگرچہ اسلام کی آبیاری سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے ہیں اور دولت مند اس کے خلاف ہیں مگر اسلام ہے کہ مسلسل پھیل رہا ہے۔ گزشتہ دو صدیوں میں انگریزوں کو دنیا میں سیاسی غلبہ حاصل رہا، اس دوران میں اس نے مسلمانوں کے دین، قومیت، اجتماعیت اور خلافت کو بگاڑنے کی ہر چند کوشش کی ہے مگر اسلام موجود ہے اور موجود کیسے گا۔ قرب قیامت میں نزول مسیح علیہ السلام تک اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یہ سچا دین ہے۔ وہ اس کی مدد کرتا ہے گا اور اسے کوئی نہیں مٹا سکے گا۔

جاں نیک خود مسلمانوں کے کردار کا تعلق ہے، وہ اسلام کی حمایت میں مخلص نہیں ہیں۔ دنیا بھر کی اسلامی حکومتیں اپنے اقتدار کے دوام کے لیے تنگ و دو میں مصروف ہیں اور اسلام کی آبیاری ان کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام کی دعویٰ ایرانی حکومت نے اسلام کے نصب العین کے لیے کیا کیا ہے؛ سعودی عرب میں ملکیت کی جوت

ہے انکی کچھ باتیں اچھی بھی ہیں جنکا احترام کیا جانا چاہیے مگر دوسری طرف اقتصادی نظام کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ وہاں اسلامی نظام معیشت رائج ہے؟ وہاں تو مغربی بنگاری نظام چل رہا ہے جسکی بنیاد سود پر ہے۔ بہر حال اسلام کا حامی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہ کافی ہے۔ گزشتہ دو صدیوں میں انگریزوں نے اسلام کو مٹانے کی پوری کوشش کی ہے۔ آپ اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ یہودیوں نے قرآن کے تحریف شدہ نسخے ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیے ہیں۔ جب افریقہ میں ایسی کوشش کی گئی تو مصر کے ناصر حرم نے اس کا فوراً نوٹس لیا، ایک کمیٹی قائم کی جس نے قرآن پاک کے صحیح نسخے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیے تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اب معلوم ہوا ہے کہ یہودیوں نے تحریف شدہ نسخے پاکستان میں بھی بھیجے ہیں۔ یہ ساری کوشش اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے کی جا رہی ہے۔

خود مسلمانوں کا کردار بھی ایسا ہے جو اسلام کے راستے میں کاوٹ بن رہا ہے۔ بہت سے گمراہ فرقے وجود میں آگئے ہیں جو اپنے باطل عقیدے اور عمل سے لوگوں کو بدظن کر رہے ہیں۔ اگر اسلام ہی ہے جو یہ لوگ پیش کر رہے ہیں تو پھر اس کا اللہ ہی حافظ ہے۔ یہ تو خدا کے راستے سے روکنے والی بات ہے۔ مسلمانوں کو دنیا میں نہایت احتیاط کے ساتھ چلنا چاہیے اور کوئی ایسا عقیدہ، عمل اور کردار پیش نہیں کرنا چاہیے جو اسلام کی بنیادی کاباحت سینے۔

منکرین کے  
لیے دُعا  
عذاب

فرمایا یہ لوگ زمین میں خدا کو عاجز نہیں کر سکتے اور یاد رکھو! وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَقْلِيَاءُ اللہ کے سوا ان کا کوئی حامی نہیں ہے يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ان کے لیے دُعا عذاب ہو گا۔ ایک عذاب اس لیے کہ وہ خود کفر، شرک اور معاصی کے مرتکب ہوئے اور دوسرا اس لیے کہ انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا فرمایا مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ



انہیں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ کچی بات کو سننے اور یہ اسکو دیکھتے بھی نہیں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے عقائد اور عمل کے اعتبار سے اپنے آپ کو ایسا بنالیا تھا کہ وہ حقیقت کو سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال دیا وَصَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُفْتَرُونَ اور جو کچھ وہ افتراء کیا کرتے تھے وہ سب گم ہو کر رہ گیا۔ قیامت کو پوچھا جائے گا کہ جن معبودانِ باطلہ کی تم پرستش کرتے تھے، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا مانتے تھے، آج وہ کہاں گئے؟ تم نبی کی رسالت اور خدا کی کتاب کو جھٹلاتے تھے، آج تمہارے وہ دعویٰ کہاں گئے؟ اقم قیامت کا انکار کرتے تھے مگر وہ برپا ہو چکی، یہ سارے افتراء آج گم ہو گئے۔ فَرَمَّا رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُحْسِنِينَ ضرور بر ضرور أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْخَيْرُونَ یہ لوگ آخرت میں بہت بڑا نقصان اٹھانے والے ہوں گے خاص عام نقصان رسیدہ کہہ سکتے ہیں جب کہ أَخْسَرُ بہت زیادہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ بھی گمراہ ہوئے، دوسروں کو بھی گمراہ کیا، ان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا خدار ہو گا کہ وہ ڈبل سزا کے مستحق ہوں گے۔

قرآن پاک میں عام طور پر جہاں منکرین اور ان کے انجام کا ذکر ہوا ہے اس کے ساتھ اہل ایمان اور ان کے انعامات کا تذکرہ بھی ہے اس مقام پر بھی مفسرین کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے اہل ایمان کا ذکر کیا ہے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ قَوْمٌ أَلْفَبُتُونَهُ وہ لوگ جو ایمان لائے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ پھر اللہ کے رسول اور وحی الہی پر ایمان لائے ملائکہ پر یقین لائے، خدا کی تقدیر اور جزائے عمل کو تسلیم کیا ان سب باتوں کی دل سے تصدیق کی۔ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور اس کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ بھی انجام دیے۔ بنیادی طور پر عبادتِ اربعہ

اہل ایمان  
کے لیے  
جنت



نماز روزہ حج اور زکوٰۃ نیک اعمال ہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص کا خقیقہ صحیح ہوگا اور وہ چار عبادات ادا کرے گا، وہ ضرور جنت تک پہنچے گا۔ اس کے علاوہ انسانی ہمدردی، غریب پروری، صدقہ خیرات وغیرہ سب نیک اعمال ہیں۔ فرمایا جو یہ انجام دیں گے وَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ اور جنہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کی، پہلے گزر چکا ہے کہ کافر لوگ اکثر دکھاتے تھے۔ اپنے آپ کو اعلیٰ اور نبی کو حقیر سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سچا تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مگر اللہ نے فرمایا، عَزَّ وَجَلَّ تکبر کی بجائے جنہوں نے خدا کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا، اس کی وصایت کو تسلیم کیا، اُس کے نبی اور قرآن پر ایمان لائے اور پھر اُس کے سامنے خُشُوعٌ وَخُضُوعٌ کیا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ یہی لوگ جنت والے ہیں هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یاد رہے کہ اخبات یعنی عاجزی ان چار اخلاق میں سے ایک ہے جو تمام آسمانی شریعتوں میں بنی نوع انسان کے لیے ضروری قرار دیے گئے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ وہ چار اخلاق طہارت، سادگت، اخبات اور عدالت ہیں، جو کسی نبی کی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئے اور ہم بھی ان کے پابند ہیں۔ تو یہاں پر عاجزی کرنے والوں کی اللہ نے تعریف بھی بیان فرمائی ہے۔ کہ جنت، ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ اپنے رب کے سامنے عاجزی بھی کی۔

نیک و بد  
کا تقابل

آگے اللہ تعالیٰ نے نیک اور بد آدمی کا تقابل ایک مثال کے ذریعے کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصْمَىٰ دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے اندھا اور بہرہ وَالْبَصِيرُ وَالسَّمِيعُ اور دیکھنے والا اور سننے والا۔ ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے اللہ پر چھوٹ باندھا، ان کی مثال اندھے اور بہرے

جیسی ہے جو نہ حق کو دیکھتے ہیں اور نہ اُسے سنتے ہیں، دوسرا گمراہ ایمان  
 نیکی اور عافری والا ہے جس کی مثال دیکھنے والے اور سننے والے کی ہے  
 فرمایا هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا کیا یہ دونوں گمراہ برابر ہیں۔ ظاہر ہے  
 کہ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے اور اسی طرح بہرہ اور سننے والا برابر  
 نہیں۔ کافر لوگ اندھوں اور بہروں کی طرح ہیں جو نہ حق بات کو دیکھتے  
 ہیں اور نہ سنتے ہیں۔ اس کے برخلاف مومن آدمی حقیقت کو دیکھتا بھی ہے  
 اور اُسے سنتا بھی ہے۔ اور حقیقت میں یہی چیز بصیرت کی طرف راجح ہے  
 اللہ نے سورۃ حج میں فرمایا ہے فَاِنَّهَا لَا تَعْمٰی اِلَّا بَصَارًا وَلٰكِنْ لَّعَمَّا الْقُلُوْبُ الْبَیِّنٰتِ۔ الشُّدُوْرُ ان بطینت لوگوں کی  
 ظاہر آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ان کے دلوں کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں  
 اور وہ بصیرت سے محروم ہوتے ہیں۔ وہ حقیقت کو برابر ہی نہیں سکتے  
 سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔ وَتَرَاهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ  
وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف  
 تہک ہے ہیں مگر حقیقت میں وہ نہیں دیکھتے۔ اگر دل کی آنکھوں سے  
 دیکھتے تو نبی کی ذات کو پہچان لیتے، حق کو پا لیتے مگر ان کے دل  
 کی آنکھیں اندھی ہیں اس لیے وہ حق کو دیکھ نہیں سکتے۔ ان کے دل  
 کے کان بہرے ہیں جو اچھی بات کو نہیں سن سکتے۔ ہاں جس کے دل  
 میں نور ایمان اور نور توحید ہے، وہ اہل بصیرت ہے۔ ایسا شخص  
 دین حق کو فوراً پہچان لیتا ہے۔ اور پھر جس پر استطاعت اس پر  
 عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ ان دونوں کی مثالیں برابر ہو سکتی ہیں؟  
 ہرگز نہیں۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ کیا حق  
 کی طرف تمہارا میلان نہیں ہوتا؟

اب اگلی آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر آ رہا

ہے جس کے متعلق سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے "قَوْمًا عَمِیْنٌ"  
 یہ ساری کی ساری قوم اندھی تھی۔ اس سورۃ میں بھی حضرت نوح علیہ السلام  
 کی تبلیغ اور قوم کے انکار کی بات ہو رہی ہے۔

---



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ②۵  
 أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ  
 يَوْمِ الْيُسْرِ ②۶ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ  
 مَا نَرِيكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرِيكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا  
 الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا أَنْ يَبْذُوكَ بِالْأَيْدِي الرَّأْيِ وَمَا نَرِي لَكَ  
 عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَحْنُ لَكَ كَافِرُونَ ②۷

ترجمہ :- البتہ تحقیق ہم نے نوحؑ کو بھیجا نوح علیہ السلام  
 کہ اُن کی قوم کی طرف (انہوں نے کہا) جھک میں تمہارے  
 لیے ڈر جانے والا ہوں گھول کر ②۵ کہ نہ عبادت کرو  
 سوائے اللہ کے کسی کی۔ میں خوف کھاتا ہوں تم پر دردناک  
 دن کے عذاب سے ②۶ کہا سربراہان لوگوں نے جنوں نے  
 کفر کیا تھا اُن کی قوم میں سے کہ ہم نہیں دیکھتے تم کو  
 مگر انسان اپنے جیسا اور ہم نہیں دیکھتے تجھ کو کہ تیرا اتباع  
 کیا ہو مگر اُن لوگوں نے جو ہم میں دھیل ہیں دوسری رائے  
 دے۔ اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کوئی فضیلت  
 بلکہ ہم خیال کرتے ہیں تم کو جھوٹا ②۷

تاریخ انبیاء . اس سورۃ کی پہلی آیت میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا۔ پھر  
 اس کی دوسری آیت میں توحید کا بیان ہے۔ اَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ اے لوگو! اللہ

کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اب آج سے شروع ہونے والے حصہ سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی تاریخ کا ایک حصہ بیان فرمایا ہے۔ ہر نبی کی تعلیم میں یہ بات ذکر کی گئی کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم سے فرمایا لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ گویا اپنی وحدانیت کا درس دینے کے لیے اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کئی انبیاء کا ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے فریضہ تبلیغ کو کس طرح ادا کیا، عقیدہ توحید کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا اور پھر لوگوں نے اپنے انبیاء کو کیا جواب دیا اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہاں پر تاریخ انبیاء کا اہم ترین حصہ آگیا ہے۔

زمانہ قبل عیسیٰ  
از نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے اللہ کے تین نبی گزرے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اس خطہ ارض پر پہلے انسان اور پہلے نبی تھے۔ نسل انسانی یعنی آدمیت کا دور حضرت آدم علیہ السلام ہی سے شروع ہوا۔ آپ کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے رَبِّیْ مُّشْكِكُمْ اَآدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اللہ کے نبی ہیں جنکے ساتھ اللہ نے سلام کیا تھا جب حضور سے دریافت کیا گیا کہ رب کے پہلے نبی کون ہیں تو آپ نے یہی جواب دیا تھا اور فرمایا تھا کہ آدم علیہ السلام البشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے شیث علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ اور پھر آدم علیہ السلام کی اولاد میں کئی پشتوں کے بعد اللہ کے نبی ادریس علیہ السلام پیدا ہوئے پہلی کتابوں میں آپ کا نام اخنوخ بیان کیا گیا ہے۔ تاہم نوح علیہ السلام سے پہلے شیث علیہ السلام کی مدت میں صرف بنیادی عقاید توحید و غیرہ تھے۔ اس کے علاوہ طہارت، نماز، روزہ وغیرہ عبادات بھی تھیں مگر تفصیلی شرعی احکام نہیں تھے، بلکہ زیادہ تر دنیا کی آبادی کے مسائل تھے۔ پھر جب ادریس علیہ السلام کا دور آیا تو صاحب تفسیر مارک کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے دنیا کی آبادی کی ضروریات

کی بہت سی چیزیں سکھائیں۔ چنانچہ کپڑے سینے کی سوئی اور دیگر اوزار اور میں علیہ السلام نے ایجاد کیے۔ اللہ نے ان پر کئی صحیفے نازل فرمائے۔ ظاہر ہے کہ ان میں بنیادی عبادت کی تعلیم تو ضرور ہوگی جن میں توحید، طہارت، نماز، روزہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کھیتی باڑی میں استعمال ہونے والے آلات، ظروف سازی اور پارچہ بانی بھی شامل ہیں۔ البتہ تفصیلی شرعی احکام نوح علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوئے۔

نوح علیہ السلام  
کا دور

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک کی متعدد سورتوں اعراف، یونس، ہود اور صافات وغیرہ میں موجود ہے۔ اس مقام پر آپ کی تبلیغ کے متعلق کافی تفصیلات ہیں اور پھر آپ کے نام پر ایک مستقل سورۃ نوح بھی ہے جس میں مکمل طور پر آپ ہی کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۃ یوسف پوری کی پوری حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات پر مشتمل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ جسمانی طور پر بڑے طاقتور تھے گویا نسل انسانی کی جوانی کا آغاز تھا۔ آپ کی قوم میں بہیمیت کا بہت زیادہ غلبہ تھا، اسی لیے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بارہ مہینے روزے رکھنے کا حکم تھا۔ تاکہ ان کی بہیمیت کو کمزور کیا جاسکے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آپ جہاں کہیں بھی پڑھیں کہ فلاں قوم کو زیادہ روزے رکھنے کا حکم تھا۔ تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اُس قوم کے لوگوں میں بہیمیت بہت بڑھی ہوئی ہوگی جسے توڑنے کے لیے ریاضت کی ضرورت تھی تو اللہ نے انہیں روزے رکھنے کا حکم دیا ہوگا۔ ہماری اس آخری امت میں بہیمیت نے ہی کمزور ہے لہذا ان پر زیادہ مشکل احکام نہیں ڈالے گئے بلکہ ان کے لیے عبادت و ریاضت کو آسان بنا دیا گیا ہے کہ یہ اپنی جسمانی کمزوری کے ساتھ ان



احکام پر آسانی سے عمل کر سکیں۔

بہر حال حضرت نوح علیہ السلام رشتے زمین پر اللہ کے سب سے پہلے رسول ہیں جن پر مستقل شریعت نازل ہوئی اور آپ نے لوگوں کو مسائل اور احکام دینیہ کی باقاعدہ تعلیم دی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ سفارش کے لیے مختلف انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گے تو وہ حضرت نوح علیہ السلام سے عرض کریں گے یا نوح اِنَّكَ اَوَّلُ الَّذِي سَلَكَ اَهْلَ الْاَرْضِ یعنی اے نوح علیہ السلام! آپ اہل زمین کی طرف اللہ کے اولین رسول ہیں جنہیں مستقل شریعت اور احکام دیے گئے اور پھر جب لوگوں نے ان احکام کی نافرمانی کی تو انہیں سزا بھی دی گئی۔ آپ سے پہلے کسی قوم کو سزا نہیں ملی۔ یہ پہلی قوم ہے جو اللہ کے عذاب کی مستحق بنی لہذا اس واقعہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے والد کا نام ملک یا ملک تھا۔ آپ متوشلح کے فرزند تھے اور متوشلح حضرت اوریس علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد نو سو پچاس برس تک لوگوں کو دین حق کی تبلیغ کرتے رہے۔ سورۃ عنکبوت میں ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اَنّٰی قَوْمٌ مِّنْ لَّدُنِّيْ سَکَنَ الْاَحْمَیْنِ عَاثًا آپ ان کو پچاس کم ہزار سال تک تبلیغ کرتے رہے۔ سورۃ نوح میں آپ کے طریقہ تبلیغ کا ذکر بھی موجود ہے آپ نے رات اور دن میں کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ آپ لوگوں کے پاس تنہائی میں بھی گئے اور عام مجمعوں میں بھی فریضہ تبلیغ انجام دیتے رہے آپ نے ترغیب اور ترہیب دونوں طریقوں سے تبلیغ کی۔ آپ

نے اتنا دل حرمہ گزارا کہ اس دوران میں کئی فلیس بدل گئیں۔ مگر قوم کے بہت  
متوڑے لوگ ایمان لائے، ان کی غالب اکثریت آپ کی مخالفت نہ رہی اور  
آپ کو طرح طرح کی تکالیف پہنچاتی رہی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا حضرت نوح علیہ السلام کو پچاس سال کی عمر میں نبوت  
میلی۔ آپ نو سو پچاس سال تک تبلیغ کرتے رہے اور اس کے بعد آپ  
کی قوم پر عذاب آیا جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے طوفانِ نوح کسی  
خاص علاقے تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ عالمی طوفان تھا جو ساری دنیا میں آیا  
بعض کہتے ہیں کہ یہ طوفان دریائے دجلہ اور فرات کے درمیانی دروآہ  
تک محدود رہا، تاہم اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اہل ایمان ایشی  
مردوزن کے علاوہ روئے زمین پر کوئی بھی انسان زندہ نہ بچا۔ نوح علیہ السلام  
کی بیوی اور ایک بیٹا بھی طوفان میں ڈوب گئے۔ آپ کے تین بیٹے  
مومن تھے وہ زندہ بچ گئے۔ اس طوفان کے بعد نوح علیہ السلام ساکنہ برس  
تک مزید زندہ رہے اور آپ کی وفات واقع ہو گئی۔ اس طرح آپ  
کی کل عمر ایک ہزار پچاس سال بنتی ہے۔

فرمایا، ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا  
تو آپ نے تبلیغ کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ  
مِّنْ لَّدُنِّیْ اِنَّ لَیْکُمْ فِیْ ذٰلِکَ لَآیٰتٍ لِّمَنۡ یَّعْنٰی  
میں تمہیں تمہارے بڑے انجام سے واضح طور پر خبردار کر رہا ہوں۔ حضور علیہ السلام  
نے بھی ایک موقع پر فرمایا اِنَّا السَّیِّدُیْنَ الْعَرَبِیَّانِ میں برہمنہ ندیہ ہوں  
یعنی ڈرانے والا ہوں۔ عربوں کا یہ دستور تھا کہ دشمن کی طرف سے حملہ کے  
وقت یا کسی دیگر شدید خطرے کے موقع پر اطلاع دینے والا آدمی کسی اونچی  
جگہ پر چڑھ جاتا، اپنے کپڑے پھاڑ کر نیزے پر لٹکا لیتا اور بائبل پر منجی کی حالت  
میں دُعا کا اعلان کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ لوگو! دشمن سر پر آگیا

آغازِ  
تبلیغ

ہے۔ لہذا اپنی فکر کرو۔ جب لوگ یہ اعلان سنتے اور اعلان کرنے والے کو، اس حالت میں دیکھتے تو فوراً اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیتے۔ اسی دستور کے مطابق حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ لوگو! میں تمہارے لیے برہنہ نذیر ہوں۔ تمہیں خدا تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کر رہا ہوں، لہذا اپنا بچاؤ کر لو، ہمسرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ میں تمہارے لیے واضح ڈرانے والا ہوں، میری باسٹ مان لو اور خدا کے عذاب سے بچ جاؤ۔

آپ نے قوم کو رب سے پہلا سبق یہ دیا اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلٰهًا اِلَّا اللّٰہُ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ عقیدہ توحید دین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور دین کی پوری عمارت اسی عقیدہ کے گرد گھومتی ہے۔ عبادت بدئی ہو یا مائی، قولی ہو یا فعلی، تذر و نیاز ہو یا سجدہ تعظیم، اللہ کے سوا کسی کے لیے روانہ نہیں۔ غیر اللہ کی عبادت شرک اور خدا کے ساتھ بظاہر ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے جو تین باتیں کہلائی ہیں، ان میں بھی یہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اللہ سے معافی مانگو اور اس کے سامنے توبہ کرو۔ غرضیکہ اسی عقیدہ توحید کی تبلیغ کے لیے اللہ نے اپنے سارے نبی مبعوث فرمائے۔ اس فریضہ کو انبیاء نے کس طرح انجام دیا، اس کی تفصیلات پڑھنے سے انبیاء کی ازلوالعزمی اور ان کی تکالیف برداشت کرنے کا حال معلوم ہوتا ہے۔ تمام انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی، کفر و شرک کی مذمت بیان کی اور لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے آگاہ کیا۔

توحید کی دعوت دیتے وقت حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو یہ بھی بتایا اِنَّكَ اِنْ تَتُوبْ اِلٰی رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا وَاِنْ تَتُوبْ اِلٰی رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا وَاِنْ تَتُوبْ اِلٰی رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔ قرآن پاک میں عام طور پر عذاب الیم یا عذاب عظیم کا ذکر آتا ہے مگر اس مقام پر الیم کے الفاظ آئے ہیں۔ لہذا ہرگز تو دردناک نہیں ہوتا تاہم اطلاق مجازی کے طور پر اس کا معنی یہ ہو گا کہ



دین جس دین بڑا دکھ اور تکلیف ہوگی اور وہ قیامت کا دن ہے جسے یوم عظیم  
یعنی بڑا دن بھی کہا گیا ہے۔ فرمایا۔ میں اس دین کی مشکلات سے تمہیں ڈراتا  
ہوں جس دین بڑا دکھ اور درد ہوگا۔ یہ نوح علیہ السلام کی تقریر کا پہلا حصہ ہے  
اور اس کے بعد قوم کا جواب آرہا ہے۔ آپ کی تقریر کا باقی حصہ آگے آئے گا۔  
نوح علیہ السلام کی دعوت توحید کے جواب میں فقال المکلا  
الذین کفروا من قومہ آپ کی قوم میں سے کفر کرنے  
والوں کے سر پر آوردہ لوگوں نے جواب دیا مَا نَدْرِيكَ إِلَّا بَشَرًا  
مِثْلَنَا ہم تو تمہیں اپنے جیسا انسان خیال کرتے ہیں اے نوح علیہ السلام  
تم یہ نبوت کا دعویٰ کیسے کر رہے ہو، ہماری طرح کھنسل پیستے ہو، لباس  
پہنتے ہو، بازاروں میں چلتے پھرتے ہو، بیوی بچے رکھتے ہو، کھانا کھاتے  
ہو، بنوت اور شریعت کی بات کیسے کرتے ہو۔

قوم کا  
جواب

کفار و مشرکین ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ کوئی انسان نبوت  
و رسالت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔ کہتے تھے کوئی فرشتہ، جن  
یا کوئی دیگر مخلوق ہو تو ہم نبی مان لیں مگر اپنے جیسے انسان کو نبی نہیں مان سکتے  
سورۃ قمر میں قوم ثمود کے واقعہ میں آئے فَقَالُوا أَبَشَرًا مِثْلًا وَاحِدًا  
تَتَّبِعُهُ تَتَّبِعُهُ اُنْکے کیا ہم اپنے میں سے ایک انسان کے پیچھے لگ جائیں  
اگر ایسا کریں گے اِنَّا اِذَا الْکَافِیُّ ضَلَّلِ وَسُعِیْرٌ تَوَهَّمْ کُمریٰ اور دیوانگی میں  
پڑ جائیں گے۔ صالح علیہ السلام میں ہم سے زیادہ کون سی خوبی ہے جس کی  
بناد پر اے اللہ کا نبی تسلیم کر دیں۔ میکے کے مشرکین بھی یہی کہتے تھے کہ اے  
محمد! تو تو ہمارے جیسا انسان ہے ہم تمہیں کیسے رسول مان لیں؟ نبوت  
ملتی تو میکے اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی کو ملتی جو صاحب حیثیت  
ہوتا، جس کے پاس مال و دولت اور باغات ہوتے، کو بھٹی اور نوکر چاکر  
ہوتے، کھانا ایک نادار آدمی کو ہم کیسے نبی مان لیں؟

بشریت علیہ السلام

انسان ہونا اور پھر غریب ہونا، یہ دونوں باتیں نبی کو تسلیم کرنے میں ہمیشہ رکاوٹ رہی ہیں۔ اس کا جواب اللہ نے قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ کہیں فرمایا، کوئی سمجھ داری کی بات کر دے، اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم فرشتوں کو رسول بنا کر بھیج دیتے۔ جب زمین میں انسان آباد ہیں تو پھر ان کے پاس رسول بھی انسانوں میں سے ہی آئے گا ظاہر ہے کہ کسی حکم پر عمل درآمد کے لیے نمونے کی ضرورت ہے اور ایک انسان کے لیے انسان ہی نمونہ ہو سکتا ہے اگر انسان کی راہنمائی کے لیے کسی جن یا فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جائے تو وہ کیسے اقتدار کر سکیں گے۔ جنات انسان کی نسبت بڑی طاقتور مخلوق ہے، اسی طرح فرشتے بھی دوسری مخلوق ہیں، انہیں کہانے پینے کی ضرورت نہیں، وہ مشکل کلم بھی کر سکتے ہیں، مگر ہم ان کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ اتباع تو جی بھی ہو گا جب اپنے جیسا آدمی کوئی کام کر کے دکھائے۔ جب مدینہ کے گرد خندق کھودی جا رہی تھی تو صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر ایک ایک پختہ بندھا ہوا بھی دکھایا۔ حضور نے فرمایا کہ بھوک مجھے بھی لگ رہی ہے اور میں نے اپنے پیٹ پر دو پختہ باندھے ہوئے ہیں۔ گویا انسان نبی نے دوسرے انسانوں کے لیے نمونہ پیش کر دیا، فرشتے تو ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی یہ حالت دیکھ کر صبر آگیا اور انہوں نے بھوک کی دوبارہ شکایت نہیں کی۔

نبی کی نبوت اور بشریت کے مسئلہ میں پُرانے زمانے کے کافر اور موجودہ دور کے بدعتی برابر ہیں۔ وہ بشر مانتے تھے اور نبوت کا انکار کرتے تھے جب کہ یہ نبی مانتے ہیں اور بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ آج کے مسلمانوں نے نبی کو انسانیت کی نوع سے نکال کر نوری مخلوق میں داخل

کر دیا ہے اور پھر خود ہی نورِ مبین نورِ اللہ کا عتیدہ و نعت کر لیا یہ دونوں  
 جیسے گمراہی میں مبتلا ہیں۔ بنی نور ہدایت تو ہو سکتا ہے مگر اس کو ان نیت سے  
 خارج نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ انہوں ہی کی راہنمائی کے لیے آتا رہا ہے۔

انہوں  
 کے  
 درجات

ہاں ایک بات ضرور ہے کہ سارے انسان درجات کے لحاظ سے  
 ایک پیسے نہیں۔ بنی، عیسیٰ، شہید اور صالح انہوں ہی کے مختلف درجات  
 ہیں۔ ایک نیک اور بد آدمی برابر نہیں ہو سکتے۔ عالم اور جاہل بھی برابر نہیں  
 اسی لیے مولانا روم فرماتے ہیں :-

نہیستند آدم خلاف آدم آند  
 یعنی بعض لوگوں کی شکل و صورت آدمیوں جیسی ہے مگر حقیقت میں وہ  
 آدمی نہیں ہیں۔ بلکہ آدمیت کا خلاف اور عا ہوا ہے۔ اندر سے وحشی اور  
 درندہ ہے۔ انسان انسان میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کافروں کی اس بات  
 کو مولانا روم نے اپنی حقائق کی زبان میں اس طرح سمجھا دیا ہے :-

ہم سری یا ابناء ہوا شستند  
 اولیا را ہم چو خود پنداشتند  
 منکر لوگوں نے ابناء کی ہم سری کی کہ ہم بھی انہی کی طرح انسان میں  
 اسی طرح اولیا، اللہ کو بھی اپنے جیسے مقرب خیال کیا۔  
 اور پھر ان کی دلیل یہ تھی

گفتہ این ہمک ما بشر ایشاں بشر  
 ما دایشاں بستہ خوابیم و غور  
 ہم بھی انسان ہیں اور یہ بھی انسان ہیں ہماری طرح یہ بھی کھاتے  
 پیتے اور سوتے ہیں لہذا ہم ان کو نبی نہیں مان سکتے۔  
 این نہ دانستند ایشاں از عملی  
 در میان فرق بود بے منتہی



اندھے پن کی وجہ سے انہوں نے اس بات کو نہ جانا کہ دو  
 آدمیوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے  
 ہر دو گون زبور خور از یک محل  
 نہیں پکے شد زہر و زان دیگر محل  
 دو مکیاں ایک ہی جگہ سے ایک ہی بھول کا ریس چوستی ہیں مگر  
 بستر زہر پیدا کرتی ہے اور شہد کی مکھی شہد پیدا کرتی ہے۔  
 ہر دو گون آہو گیہ خور دند و آب  
 زان پکے شد خون از دیگر شک بآب  
 دو ہرنیاں ایک جگہ سے گھاس پھرتی اور پانی پیہی ہیں مگر ایک  
 میں خون پیدا ہوتا ہے اور دوسرے میں کستوری۔  
 آں دو نے خور دند از یک آب خور  
 ایں پکے خالی و دیگر پڑ شک  
 دو کلنے ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ ایک کا  
 خالی رہتا ہے۔ (صرف قلم وغیرہ بنانے کے کام آتا ہے)  
 جب کہ دوسرا کانا یعنی گناہگار سے بھر جاتا ہے۔

محمد ہزاراں ہم چنیں اشباہ بین  
 فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بین  
 ہزاروں مثالیں ایسی دیکھ لو کہ ان کے درمیان اتنا فرق ہو گا کہ  
 مئیں سال کی مسافت ہی طے ہو جائے تو پھر بھی وہ آپس میں نہ  
 مل سکیں۔

بہر حال انبیاء علیہم السلام انسان ہوتے ہوئے بھی بڑے فضل والے  
 ہوتے ہیں اللہ نے انہیں بڑا کمال عطا کیا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ  
 باقی نوع کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کے دل نور ایمان سے

روشن ہوتے ہیں۔ اُن کا ہر قول، فعل، حرکت اور سکون خدا تعالیٰ کی رضا کے تابع ہونا سہے مگر ہوتے انسان ہی ہیں۔ روٹی کھاتے ہیں، لباس پہنتے ہیں۔ شادی کرتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، دشمنوں سے بہاد کرتے ہیں۔ کبھی اُن کو ہلاک کرتے ہیں کبھی خود شدید ہو جاتے ہیں مگر دائرہ النیت سے خارج نہیں ہوتے۔

مشرکین کا  
دوسرا  
اعتراض

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ اے نبی ہم تو تمہیں اپنے جیسا انسان خیال کرتے ہیں اور دوسریہ وہا شراک اتبعک الا الذین هم اراذلنا ہم نہیں دیکھتے آپ کا اتباع کرتے مگر ہم میں سے رذیل لوگ، اگر آپ کا اتباع کوئی کھاتے پیئے امیر کبیر لوگ کرتے تو ہم آپ کے دعویٰ پر غور کر سکتے تھے مگر آپ کے متبعین تو کبھی کہیں لوگ ہیں، لہذا ہم اعلیٰ خاندان والے تمہاری نبوت کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہنے لگے آپ کے پیروکار صرف رذیل لوگ ہی نہیں بلکہ بادی الرأی ہیں یہ لوگ سرسری سُنے رکھتے ہیں، کسی پختہ رائے کے مالک نہیں ہیں، لہذا جس شخصیت کو ایسے کمزور لوگوں نے نبی مانا ہے، ہم اُسے نبی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی بے نصیبی یہ تھی کہ وہ مال و دولت، جاہ و حشمت اور حسب نسب کو ہی کمال کی بنیاد سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے ہاں کمال اور کامیابی کا معیار ایمان اور نیکی ہے۔ مغرور لوگوں کی ہمیشہ سے یہ تہمت رہی ہے کہ وہ اہل حق کو حقیر بان کر اُن کی مخالفت کرتے ہیں، اُن کا تمسخر اڑاتے ہیں جب پاس سے گزرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ دیکھو! یہ جنت کے وارث اور حوروں کے خاوند جا رہے ہیں جن کے پاس رہنے کے لیے جہنم پڑی نہیں۔ کھانے کے لیے خوراک نہیں اور پہننے کے لیے لباس سے محروم ہیں۔ مگر حقیقت میں یہی وہ لوگ تھے جن کا عقیدہ درست اور اخلاق

ہرگز یہ تھا، جن کا عمل صحیح تھا۔ اور جو ایمان، نیکی اور تقویٰ کی دولت سے  
الامال تھے۔ اور اللہ کے ہاں انہیں کمال حاصل تھا۔

کامیابی  
کا مدار

الغرض! کامیابی کا مدار مال و دولت اور حسب نہیں۔ اگر فلاح کا  
معیار یہ چیزیں ہوتیں تو مکے میں امیہ بن خلف، مغیرہ اور ابو جہل جیسے سردار  
موجود تھے، طائف میں حبیب، مسعود اور عبد یلیل صاحب حیثیت تھے  
مگر اللہ کے نزدیک وہ جہنم کے کندہ ناتراش ہیں۔ دولت تو فرعون کے  
پاس بھی بہت زیادہ تھی، گذشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ وہ سوئے کی  
زرہ پہنا تھا۔ اس کے نیچے سوئے کے کیلوں سے گاڑھے جانتے تھے  
ایسی ایسی عمارت اور مقبرے بنائے تھے جنہیں دیکھ کر انسان کی عقل دنگ  
رہ جاتی ہے مگر وہ بھی جہنم میں گیا، لہذا کسی کو حقیر نہیں جانا چاہیے۔  
اگر آدم سلم بہت بڑی حقیقت ہے۔ مومن ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے  
کا احترام کر دے، مال لباس، مکان اور جائداد کو سلام نہ کرے ورنہ ایمان اور نیکی  
کو دیکھو۔ یہ نبیوں کی تعلیم ہے۔ مومنوں کو حقیر جاننا کافروں کا کام ہے  
یہ مسلمانوں کا شیوہ ہرگز نہیں۔ بعض لوگ ایک دوسرے کو پیشے کی وجہ  
سے مطعون کہتے ہیں کہ فلاں دھوبی انانی یا لڑکا ہے۔ بھائی کوئی حلال  
پیشہ حقیر نہیں۔ البتہ حرام پیشے ممنوع ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے  
جو شخص اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتا ہے اُسے باز آجنا چاہیے ورنہ ایسا آدمی  
ایسے کیرے سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا جو غلاطت کی گولیاں بنا کر اپنی  
ناک سے بڑھکاتا پھرتا ہے۔ اَلنَّاسُ كُلٌّ اَبْنَاءُ اَدَمَ ساری  
لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ فرمایا مجھے خطرہ ہے کہ میری امت  
کے لوگ سارے پرستی کریں گے اور ایک دوسرے کے نسب پر طعن کریں  
گے۔ اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو حقیر جاننا مشرکین کا کام ہے۔  
مشرکین نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ بھی کہا وَمَا ذَرٰی



لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ هُمْ أَهْلٌ أَنْ يَدْعَوْا بِاسْمِ رَبِّهِمْ يُحْسِنُ  
تم ہم سے کسی طرح بھی بہتر نہیں ہو۔ نہ مال و دولت کے اعتبار سے، نہ نوکریاں نہ  
بانات اور جائداد کے اعتبار سے۔ بَلْ فَطَرْنَاكُمْ كَذِبِينَ بلکہ ہم تو تمہیں  
جھوٹا خیال کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تمہارا دعویٰ نبوت درست نہیں ہے  
مشرکین کی طرف سے۔ یہ باتیں نوح علیہ السلام کی پہلی تقریر کے جواب میں  
آئیں۔۔۔ آگے مزید تقریر اور سوال جواب اور واقعہ کی مزید تفصیلاً آ رہی ہیں۔

---

وما من دابة ۱۲

سورة هود ۱۱

درس نهم ۹

آیت ۲۸ تا ۳۱

قَالَ يَقَوْمِ اَرَأَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي  
 وَاتَّبَعْنِي رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ فَعَمِيتَ عَلَيْكُمْ  
 اَنْزِلْ مُكْمُوها وَاَنْتُمْ لَهَا كِرْهُونَ ۝۲۸ وَلَقَوْمٍ لَا  
 اسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِي اِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا  
 اَنَا بِطَارِدٍ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِنَّهُمْ مُّلَقُوا رَبَّهُمْ  
 وَلِكَيْفَ اَرْبِكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۝۲۹  
 وَلَقَوْمٍ مِّنْ يَّنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ اِنْ طَرَدْتَهُمْ  
 اَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝۳۰ وَلَا اَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ  
 اللَّهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُولُ اِنِّي مَلَكٌ وَلَا  
 اَقُولُ لِلَّذِيْنَ تَزِدُّنِيْ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ  
 خَيْرًا اَللَّهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ اَنْفُسِهِمْ اِنِّيْ اِذَا  
 لَمِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝۳۱

ترجمہ :- کہنا (نوح علیہ السلام نے) اے میری قوم کے لوگو!

بتلاؤ اگر میں واضح راستے پر ہوں اپنے رب کی طرف سے

اور اُس نے دی مجھے رحمت اپنی جانب سے اور وہ تم

پر معفی رکھی گئی ہے ، تو کیا ہم لازم کریں اس کو تم پر جاننا

تم اس کو ناپسند کرتے ہو ۝۲۸ اور اے میری قوم! میں

نہیں مانگنا تم سے اس پر کوئی مال - نہیں ہے میرا بدلہ مگر  
 اللہ کے ذمے - اور نہیں میں دیکھنے والا اُن لوگوں کو  
 جو ایمان لائے - بیشک وہ مٹنے والے ہیں اپنے پروردگار سے  
 لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو (۲۹) اور  
 اے میری قوم کے لوگو! کون میری مدد کرے گا اللہ کے  
 سامنے اگر میں نے ان کو دھکیل دیا - کیا تم نصیحت نہیں  
 پکڑتے (۳۰) اور میں نہیں کہتا تمہارے سامنے کہ میرے  
 پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہیں جانتا میں غیب - اور  
 میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں - اور میں نہیں کہتا ان لوگوں  
 کو جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں کہ اُن کو اللہ ہرگز نہیں  
 دے گا بہتری - اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے نفوس میں  
 ہے - اگر میں ایسا کروں تو بیشک میں البتہ ظلم کرنے والا  
 ہوں سے ہو جاؤں گا (۳۰)

جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت توحید دی اُن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللّٰهَ  
 اے لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو - اگر غیر اللہ کی عبادت سے باز نہیں  
 آؤ گے تو سخت دین کی گرفت میں آ جاؤ گے - اس پر قوم کے لوگ کہنے لگے کہ اے  
 نوح علیہ السلام! تم تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو اور تمہارے پیچھے چلنے والے کئی کہیں  
 لوگ ہیں جو سرسری رائے رکھنے والے بے عقل لوگ ہیں، اُن کی موجودگی میں ہم تمہیں  
 کیسے نبی مان لیں - پھر یہ بھی ہے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت بھی حاصل نہیں جس کی  
 وجہ سے ہم تمہاری سیادت کو تسلیم کر لیں، ہم تو تمہیں دعویٰ نبوت میں جھوٹا خیال کرتے  
 ہیں، اُن کا مطلب یہ تھا کہ نبی اور عام لوگوں میں کوئی واضح امتیاز ہونا چاہیے - یہ مطالبہ  
 تو ان کا درست تھا کہ نبی کو پوری امت میں نمایاں حیثیت حاصل ہونی چاہیے - مگر

نبی کی وجہ  
 امتیاز



وہ وجہ امتیاز میں غلطی کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ عام لوگوں کی نسبت مال و دولت کی فراوانی ہونی چاہیے۔ اس کے نوکھ چاکر ہوں، کوئی اور بنظرِ ہوا اُس نے پاس فرج ہو مگر وہ اس بات کو بھول جاتے تھے کہ نبی کا امتیاز اس وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ نبی اپنی پوری امت میں اپنے اعلیٰ اخلاق، تقویٰ، نیکی، خدا پرستی اور انسانی ہمدردی کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ یہ اعلیٰ اقدار ہر نبی کا طرہ امتیاز ہوتے ہیں۔ نبی کا علم اور عمل اُسے ممتاز کرتا ہے۔ البتہ نبی کی شکل و صورت انسانوں جیسی ہی ہوتی ہے۔ وہ بھی کھانا پیتا ہے، کاروبار کرتا ہے، بیوی بچوں کی پرورش کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ لوگوں سے میل جول رکھتا ہے، اُس کے بھی رشتہ دار ہوتے ہیں مگر وہ اپنے اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ اعمال کی بدولت سب سے اشرف ہوتا ہے۔ نبی عبادت و ریاضت میں بھی ساری امت پر فوقیت رکھتا ہے اور صفاتِ جمال کا مالک ہوتا ہے۔ یہی اُسکی وجہ امتیاز ہوتی ہے نہ کہ دنیاوی مال و دولت اور جاہ و حشمت۔

ہدایتِ حیر  
نہیں ملتی

بہر حال قوم کے اعتراض کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا قَالَ يَقُولُونَ لَا مِيرَی قَوْمَی لَے لَوِکُو! اَرَعٰ یٰشَعْرَانِ کُنْتَ عَلٰی بَیِّنٰتٍ مِّنْ رَّبِّیْ عَمَّاۤ اَبْلَاۤؤُتُو سِی اَکْمَرِی لَے پَر وہ دُکّار کی طرف سے واضح ہدایت یہ ہوں وَ اَمْلِیْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِیْ اور اُس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا نبی وحی الہی کی وجہ سے ہمیشہ واضح راستے یعنی صراطِ مستقیم پر ہی ہوتا ہے اس کا عقیدہ اور عمل بالکل ٹھیک ہے، اس کے اخلاق پاکیزہ ہوتے ہیں اور خصوصی رحمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے نبوت کے عمدہ جلیلہ پر سرفراز فرمایا ہے اور یہ سب سے بڑا انعام خداوندی ہے یہ اونچی صفت اور بہت بڑی فضیلت ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا کرے

فرمایا اگر اللہ کی طرف سے مجھ پر یہ انعامات ہوں فَعَمِلْتَ عَلَيْهِمْ  
 اور یہ پیر تم پر کبھی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ جس کا عقیدہ قاسم اور جس کا عقل ہے  
 اس کے اندر باطنی روشنی ہی موجود نہیں ہے جس کے ذریعے وہ ان انعامات  
 الہی کا مشاہدہ کر سکے۔ اس میں وہ صلاحیت ہی موجود نہیں جس کی وجہ سے  
 اُن کمالات نبوت نظر آسکیں اور وہ نبی کے مرتبہ کو پہچان سکے۔

فرمایا اگر تم میرے واضح راستے اور مجھ پر ہونے والی اللہ کی خصوصی رحمت  
 کا اور ال نہ کرو أَتُكْذِبُكُمْ وَهَذَا وَانْتُمْ كَهَا كَرِهُونَ تو کیا ہم  
 اسے تم پر لازم کر دیں اگرچہ تم اسے ناپسند ہی کہو یعنی تم تو خدا کی ہدایت اور  
 اس کی رحمت کو پسند ہی نہیں کرتے تو ہم کیسے یہ چیزیں زبردستی تمہیں پیش کریں  
 فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ حکم ہدایت اور خدا کی خاص مہربانی کسی کے سینے  
 میں زبردستی نہیں ڈالی جاسکتی۔ اللہ کے ہاں جبر کا کوئی قانون نہیں ہے۔  
 اُس نے انسان کو سارے قوی اور سامانِ زمیت سے نوازا ایمان کی قبولیت  
 کو اُمی پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر اپنی مرضی سے دین حق کو قبول کرے تو فلاح  
 پا جائے گا اور اگر قبول نہیں کرے تو ذلت اٹھانی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ  
 کسی سے زبردستی کوئی چیز نہیں منوانا چاہتا، ماننا یا نہ ماننا خود انسان کی اپنی  
 خواہش پر ہے اور اسی کے مطابق وہ جزایا سزا کا مقدار ہوگا

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے دوسری بات یہ فرمائی  
 کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں نے اپنی کمزور مالی پوزیشن کی وجہ سے تبلیغِ دین  
 کو ذریعہ معاش بنالیا ہے اور میں اس لیے تبلیغ کر رہا ہوں کہ مجھے کچھ  
 دنیاوی مال و منافع حاصل ہو جائے تو خوب سن لو وَلَيَقُومَنَّ لَكُمْ  
عَلَيْكُمْ مَالًا اے میری قوم اے لوگو! میں تم سے اس کام کے بڑے  
 کوئی مال و دولت طلب نہیں کرتا۔ میں تم تک جو خدا کا پیغام پہنچا رہا  
 ہوں، تم سے جو خیر خواہی کر رہا ہوں، اس کا میں تم سے کوئی معاوضہ

تبلیغ  
 دین کا  
 اجر

طالب نہیں کہتا، نہ میں یہ پیاسا ہوں کہ نبوت کا دعویٰ کر کے تمہیں اپنا  
 تابع بنالوں اور خود تم پر حاکم بن کر بیٹھ جاؤں۔ نبوت کے یہو نے دعویٰ کیا  
 تو ایسا ہی کرتے گئے ہیں کہ سید کذاب نے مال و دولت اور سیادت  
 کی خاطر ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ہمارے دور میں قادیانی مدعی نبوت  
 کا بھی یہی مقصد تھا۔ وہ لوگوں سے مال و دولت ہی اکٹھا کرنا چاہتا تھا۔  
 اور ان کے درمیان بڑا بننا چاہتا تھا۔ مگر اللہ کے سچے نبی ہمیشہ یہ اعلان  
 کرتے ہیں کہ تبلیغ دین کے سلسلے میں انہیں کسی مال کی ضرورت نہیں  
 ہوتی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی بات کی اور فرمایا اِنْ اَجْرِي  
 اِلَّا عَلَيَّ اللّٰهِ مِثْرِيْ مُزْدِرِيْ تَوَالِدُ اللّٰهُ تَعَالٰی كَيْسَ ذَمِّهِ۔ ہے میں کسی  
 ملوک سے بچہ نہیں مانگتا۔ میں جس مالک کی خوشنودی اور رضا کی  
 ضرورت ہے تبلیغ انجام دے رہا ہوں، میرا معاوضہ اسی کے پاس ہے اور وہی  
 سب سے بہتر اجر ہوگا۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں تم سے میرا کوئی ذاتی مفاد  
 وابستہ نہیں۔

اہل ایمان  
 کی تفریق

قوم نوح کے سرداروں کا یہ اعتراض بھی تھا کہ نوح علیہ السلام کے  
 پیچھے گئے والے غریب لوگ ہیں، جن کی نہ کوئی رائے ہے اور نہ عقل ہے  
 کہتے تھے کہ ان کی موجودگی میں ہم تمہاری مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے۔ مشرکین مکہ  
 کو بھی یہی اعتراض تھا۔ وہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہمارے ساتھ بات کرنا ہے  
 تو انہی کمی کمین لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں کیونکہ اللہ کے برابر بیٹھنے سے  
 ہماری شہادت ہوتی ہے۔ بہر حال اس یہودہ اعتراض کا جواب حضرت  
 نوح علیہ السلام نے اس طرح دیا وَمَا اَنَا بِطَّائِرٍ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا  
 میں ان لوگوں کو اپنی مجلس سے دھکیلتے والا نہیں ہوں جو ایمان لائے ہیں  
 کہلا میں ان کو اس لیے اپنی مجلس سے سادوں کہ یہ سے تو میری آیت  
 سن سکیں یہ نہیں ہو سکتا۔ تو اسولیٰ علیہ السلام سے جو کوئی اپنی



خوشی سے ایمان قبول کرتا ہے، وہ فیض اٹھاتا ہے اور اٹھاتا ہے گا  
 اُس کو محروم نہیں کیا جائے گا کیونکہ اِنَّهُمْ مُّلقُوا رِیْثَهُمْ وہ  
 اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں۔ وہ اگرچہ غریب ہیں مگر اللہ کے ہاں  
 وہی برگزیدہ ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ زیادتی کریں گے، ان کو حقیر سمجھ کر  
 اپنی مجلس سے اٹھا دیں گے تو وہ اللہ کے حضور ہماری شکایت کریں گے  
 تو اُس وقت ہمارا کیا جواب ہوگا؟

فرمایا وَلَیْکُنّی اَرْسَلْکُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ میں تو تمہیں جاہل لوگ  
 خیال کر رہا ہوں، تم نادان ہو جو اس قسم کے بے ہودہ مطالبات پیش  
 کرتے ہو۔ بنی نوع انسان خصوصاً اہل ایمان کو حقیر سمجھنا جہالت کی علامت  
 ہے۔ ہر قدر سے کام کرنا اور کسی پیشے سے منسلک ہونا تو قابلِ قدر بات  
 ہے۔ عربی کا محاورہ بھی ہے اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ یعنی کسب  
 یا کمائی کرنے والا تو اللہ کا پیارا ہے، اس کو حقیر سمجھنا بڑی نادانی کی بات ہے  
 حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا وَلَیْقَوْمٌ مِّنْ یَّنصُرُنِیْ  
 مِنَ اللّٰہِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اے میری قوم کے لوگو! اگر میں ان کو ہٹا  
 دوں تو کون میری مدد کرے گا۔ میں تو خدا تعالیٰ کے سامنے جواہدہ ہو جاؤں  
 گا۔ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے اگر میں تمہارے غلط  
 مطالبات مان لوں تو خدا کی گرفت میں آجاؤں گا۔ پھر کون ہے جو  
 میری مدد کر سکے گا؟

منکرین کا نوح علیہ السلام کے متعلق یہ بھی اعتراض تھا کہ تم تو ہمارے  
 جیسے انسان ہو، تمہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے اس کے جواب  
 میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہلویا وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ  
 عِنْدِیْ حِزْبًا مِّنْ اَللّٰہِ میں تمہیں یہ بھی نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ  
 کے خزانے ہیں۔ میں تو اس کا بندہ ہوں اور اس کی راہ دکھانے پر مامور

نبی کی  
 شخصیت  
 پر

ہوں۔ میں نے تو اقتدار، حکومت یا مال و خزانے کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ خزانوں اور نصرت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ فَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ اور میں نے غیب دان ہو۔ نہ کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ غیب بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی غیب دان نہیں ہے وہ ہمیں وحی کے ذریعے جو حکم بھیجتا ہے، وہ ہمیں معلوم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ کل کو کسی کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئیگا اور کسی کا کیا انجام ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ بھی اللہ کے علم میں ہے کہ کون آدمی ہدایت قبول کرے گا اور کون اس سے محروم رہے گا۔ میں نے تو بڑی کا دعویٰ نہیں کیا۔ وَلَا أَقُولُ الْحَقَّ صلت اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، جو لہانے پینے، پینے اور بیوی بچوں سے پال ہوں بلکہ مجھے تو تمام لوازمات بشریت کی ضرورت ہے۔

فرمایا، یہ بھی یاد رکھو! وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدِرِي أَعْيُنُكُمْ اور میں نہیں کہتا ان لوگوں کے متعلق جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر جانتی ہیں لَنْ يُوَفِّيَهُمْ اللَّهُ خَيْرًا کہ اللہ انہیں ہرگز بہتری عطا نہیں کرے گا۔ جن لوگوں کو تم اپنی جہالت، غرور اور تکبر کی وجہ سے ادنیٰ خیال کرتے ہو، ان کی بہتری تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جب چاہے اور جس قدر چاہے عطا کرے، میں تو ان کے راستے میں سائل نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے انہیں ایمان کی دولت سے نوازا ہے تو وہ بہتری بھی عطا کرے گا، انہیں کامیابی حاصل ہوگی۔

غریبوں کے اولین ایماندار ہونے کی شہادت ہر قل قیصر روم نے بھی دی تھی۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک ہر قل کے دربار میں پیش کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اگر کوئی عرب کا سب سے والا موجود ہو تو اسے پیش کیا جائے۔ اس وقت ابو سفیان کا تجارتی قافلہ موجود تھا۔

آپ اُس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ آپ کو شاہی دربار میں پیش کیا گیا تو بادشاہ نے ان سے حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوال کیے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، وہ کمزور ہیں یا صاحبانِ ثواب و سفیان نے جواب دیا کہ وہ تو کمزور لوگ ہیں ہر قل نے کہا وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ ابتداء میں انبیاء کے متبعین کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں اور بڑے بول آخر میں اُس وقت ایمان لانے ہیں جب ان کے فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود ابوسفیان مکے کا سردار تھا، اُس نے ایسے سال تک حضور علیہ السلام کی مخالفت کی، جنگیں بھی لڑیں اور آخر کار فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے جب کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے غریب لوگ فوراً ایمان لے آتے ہیں جب تکہ دولت مند کوئی شاذ و نادر ہی راہِ راست پر آتے ہیں تو فرمایا کہ جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقیر جانتی ہیں ان کے متعلق میں نہیں کہتا کہ انہیں بہتری حاصل نہیں ہوگی۔

فرمایا اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ اَنْفُسِهِمْ اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان کے نفسوں میں ہے۔ ان میں اخلاص ہے یا نفاق ان کی نیت کھری ہے یا کھوٹی، یہ اللہ ہی جانتا ہے اور اس کا بدلہ بھی اُسی کے ذمے ہے، میری اس معاملے میں کوئی ذمہ داری نہیں۔ ہم تو ظاہر کو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ضعیف ہے مگر ایمان قبول کرنا ہے، نیکی اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرتا ہے تو ہم اس کو اپنا متبع ہی سمجھیں گے اور آپ کے کہنے پر اُسے اپنی مجلس سے نہیں اٹھائیں گے۔ تاہم اُس کے خلوص، ایمان، دیانت اور صداقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

فرمایا کہ اگر میں اس خیال سے غزباد کو اپنی مجلس سے نکال دوں کہ



اس طرح امیر لوگ ایمان لے آئیں گے تو ایسا کرنے میں اِخْتِیَارِ اِذَا  
لَعْنَةُ الظَّالِمِیْنَ میں تو ظالموں میں سے ہو جاؤں گا نہ تو کسی کو  
دین قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ اہل ایمان کو دھکیلا جاسکتا ہے  
دین کی قبولیت اپنی مشیت اور ارادے سے ہوتی ہے، اس میں  
امیر اور غریب میں کوئی تفاوت نہیں۔ جو قبول کرے گا وہ فیض  
حاصل کرے گا، خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو، وہ اللہ کے نزدیک پسند  
آدمی ہوگا، امیری اور غریبی تو اللہ کی حکمت کے مطابق آتی ہے خدا تعالیٰ  
نافرانوں کو بھی بڑی دولت عطا کر دیتا ہے اور کبھی مخلص بندے تکالیف  
بھی برداشت کرتے ہیں مگر ایمان کی بات ہی سبکے لیے بہتر ہے۔  
ایمان قبول کرنے کے لیے کسی پر جبر نہیں کیا جائیگا۔ سورۃ کہف  
میں موجود ہے ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ“  
جو چاہے ایمان قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے جو کفر کرے گا  
وہ اپنے لیے جہنم کا سامان پیدا کرے گا۔ اگر میں امر کی طرفداری میں عزائم  
کو نظر انداز کر دوں تو ظلم کا مرتکب سمجھا جاؤں گا۔ دوسرے مقام پر آتے ہیں  
کہ آپ ان مخلص مومنوں سے نگاہِ شفقت نہ ہٹائیں، کیا آپ دنیا کی  
لذت کی زینت چاہتے ہیں؟ یہ تو بالکل غیر مناسب ہے۔ آپ ہمیشہ  
غریب پر نگاہِ شفقت رکھیں، ان کو اپنے آپ سے دور کر کے ظلم کی  
حد میں داخل ہو جائیں گے۔ کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ کسی بڑے  
آدمی کے ایمان لانے سے ایمان کی رونق میں اضافہ ہو جائے گا جبکہ  
حقیقی رونق تو ایمان، تقویٰ اور عمل صالح سے ہوتی ہے۔ اسی کے  
ذریعے اسلام کو ترقی حاصل ہوگی عروج اور ترقی کا مدار محض مال و دولت  
پر نہیں ہے۔

قَالُوا يَنُوحُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَكَثُرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا  
 بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۳۲ قَالَ إِنَّمَا  
 يَأْتِيكُمْ بِهِ اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنُتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝۳۳  
 وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنُصَحَ لَكُمْ  
 إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ  
 وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۳۴ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ  
 إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي وَإِنَا بِرِجْءٍ مِّمَّا  
 تَكْفُرُونَ ۝۳۵

۳۵/۱

ترجمہ :- کہا۔ (نوح علیہ السلام کی قوم نے) اے نوح ! تحقیق تو  
 نے جھگڑا کیا ہے ہمارے ساتھ ، پس بہت زیادہ جھگڑا کیا  
 ہے ۔ پس اے آ تو ہمارے پاس جس (عذاب) سے تو  
 ہمیں ڈراتا ہے ، اگر تو سچا ہے ۝۳۲ کہا (نوح علیہ السلام نے)  
 بیشک لائے گا اس کو تمہارے پاس اللہ ، اگر وہ چاہے  
 گا ، اور تم اُس کو عاجز نہیں کر سکتے ۝۳۳ اور نہیں فائدہ دیگی  
 تمہیں میری نصیحت اگر میں تمہیں نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا  
 ہے کہ تمہیں گمراہ کر دے ۔ وہی تمہارا رب ہے اور اُسی کی  
 طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے ۝۳۴ کیا کہتے ہیں یہ لوگ  
 کہ گھڑیا ہے اس (قرآن) کو اس شخص نے ۔ آپ کہہ دیجئے

(لے پیٹیر) اگر میں نے اس کو گھڑا ہے، پس مجھ پر ہی ہے  
میرا گناہ اور میں بری ہوں اُن گناہوں سے جن کا ارتکاب تم  
کرتے ہو (۳۵)

ان دو رکعات میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہوں نے  
اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ میں تو ڈر سنا نے والا ہوں، تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت  
نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو مجھے تمہارے بسے میں خطرہ ہے کہ کہیں تم دردناک دن کے  
غذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ قوم نے آپ کی نصیحت کو قبول نہ کیا اور یہ کھڑکڑال دیا کہ  
تم تو ہم سے جیسے ہی انسان ہو، تمہاری اتباع کرنے والے ہم سے کمی کہیں لوگ ہیں،  
جنہیں کوئی برتری حاصل نہیں، لہذا اُن کی موجودگی میں ہم تمہاری بات سننے کے لیے  
تیار نہیں۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! اگر میں اپنے رب کی طرف سے صحیح  
راستے پر ہوں، اللہ نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور وہ ہدایت اور مہربانی  
تم پر مخفی رکھی گئی ہے تو کیا ہم یہ ہدایت تم پر زبردستی عٹونس دینگے جب کہ تم اسے  
ناپسن کرتے ہو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم جو کچھ تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں  
اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے کیونکہ ہمارا معاوضہ تو اللہ کے پاس ہے۔  
پھر فرمایا کہ جن لوگوں کو تم حقیر سمجھتے ہو میں ان کو دور ہٹانے والا نہیں ہوں۔ یہ ایسا دار  
لوگ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ تم بڑی جہالت میں  
بتلا ہو۔ فرمایا اگر میں ان غریب کو اپنی مجلس سے علیحدہ کر دوں تو کون میری مدد کرے گا،  
کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں۔ فرمایا میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میرے پاس اللہ کے  
خزانے ہیں یا میں غیب جانتا ہوں۔ میں کوئی فرشتہ بھی نہیں جو کھانے پینے اور دیگر  
لوازمات زندگی سے مبرا ہوں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ تمہاری نظروں میں حقیر لوگوں کو  
اللہ تعالیٰ بھلائی عطا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان اور اخلاص کو خوب مانتا ہے  
وہی اُن کو بدلہ عطا کرے گا۔ اگر میں بھی ان کو حقیر جاننے لگوں تو میں ظلم کرنے والوں میں ہواؤں گا



عذاب کا  
مطالبہ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آنے سے پہلے آپ نے نو سو پچاس برس تک قوم کو تبلیغ فرمائی۔ اس طرح وہ تمام تہائی میں اور اجتماعات میں قوم کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی مگر قوم نے یہ جواب دیا قَالُوا يَنْتُحِ قَدْ جَدَّ لَنَا لَعَنَ نُوْحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ آپ نے ہم سے جھگڑا کیا ہے یعنی بحث و تکرار کی ہے فَاَكْثَرْتُمْ كِتَابًا اور اس جھگڑے کو بہت طول دیا ہے ہمیں تبلیغ کرتے کرتے صدیاں بیت گئی ہیں ہم ایسی باتوں کو مزید سننے کے لیے تیار نہیں ہیں انہوں نے تبلیغ حق کو بحث و تکرار سے تعبیر کیا اور کہنے لگے کہ یہ بحث اب بند ہو جانی چاہیئے اور صحتی بات کرو فَاَيْنَا بِهَا تَعِدُّنَا پس ہمارے پاس وہ چیز یعنی عذاب ہے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے سہتے ہو اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ قیامت آنے والی ہے اور عذاب نازل ہونے والا ہے تو وہ عذاب ہم پر ہے ہی آؤ، ہم تمہاری خالی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوتے۔

لوگوں کی بد وضعی کا اندازہ لگائیں کہ نوح علیہ السلام یا اللہ کا کوئی نبی کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتا۔ وہ تو انسانیت کے فائدے کی بات کرتا ہے مگر وہ اسے جھگڑا اور فساد بتاتا ہے۔ نوح علیہ السلام نے تو ہمیشہ ان کے ساتھ خیر خواہی کی بات کی مگر قوم نے تسلیم نہ کیا۔ ان کی طبیعتیں ایسی مسخ ہو چکی تھیں اور دل ایسے ویران ہو چکے تھے کہ خدا کے عذاب کا خود مطالبہ کرتے تھے۔ ایسی بات تو ذمہ کے معکوس ہونے کی انتہائی صورت ہوتی ہے، مشرکین مکہ نے بھی حضور علیہ السلام سے اسی قسم کا مطالبہ کیا تھا۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم پر آسمان کا ٹکڑا اگر اڑے، ہم پر پھر کیوں نہیں برستے یا اگر تو

چاہے تو ہم پر فلاں عذاب کیوں نہیں نازل ہو جاتا: غرضیکہ ضد اور  
ہٹ دھرمی تمام مشرکین کا قدیم شیوہ ہے۔

فوج علیہ السلام  
کا جواب

قوم کے عذاب کے مطالبہ پر فوج علیہ السلام نے فرمایا قَالَ اِنَّمَا  
يَايْتِكُمْ بِاللّٰهِ اِنْ شَاءَ اِسْ عَذَابُ اللّٰهِ تَعَالٰی ہي  
تمہارے پاس لائے گا، اگر وہ چاہیگا، یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے  
فَمَا اَسْتَوْ بِمُعْجِزَيْنِ اور تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے یاد رکھو  
خدا قادر مطلق ہے، تم اس سے بھاگ کر نہیں جا سکتے جب اس کا  
عذاب آجائیگا، تو وہ ٹالائیں جائے گا۔ جب بھی کسی پیغمبر کی قوم نے اس  
قیم کا مطالبہ پیش کیا تو ہر نبی نے یہی کہا کہ یہ چیز ہمارے اختیار میں نہیں  
ہے۔ اگر اللہ کسی کو اس دنیا میں عذاب دینا چاہے گا تو وہ حکمت  
کے مطابق بھیج دیگا، یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے، ہمارا کام تو  
اس کے احکام و فرامین کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے اور ہم اپنا فرض  
انجام دے رہے ہیں۔

فوج علیہ السلام نے قوم کو یہ بھی فرمایا وَلَا يَنْفَعُكُمْ ذُنُوبُكُمْ  
اِنْ اَرَدْتُمْ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اے لوگو! اگر میں تمہیں نصیحت  
کرنے کا ارادہ بھی کروں تو میری نصیحت تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی  
اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُغْوِيَكُمْ اَلَا خَدَّيْكُمْ اگر خدا تعالیٰ تمہیں گمراہ  
کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مشیت خداوندی اُن کے حق میں نہیں  
تو کوئی تبلیغ، نصیحت اور غلط مفید نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں یہ بات  
جگہ جگہ سمجھائی گئی ہے کہ جو لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے  
ہیں، عناد اور تعصب سے کام لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو  
گمراہی سے نہیں بچاتا۔ ہمت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے  
وہ بلا وجہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ اس کے اسباب انسان خود پیدا کرتا ہے



جب کوئی شخص عند اور تکبر کی حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو معکوس کر دیتا ہے اور پھر کسی بنی امرشد، ہادی اور مبلغ کی تبلیغ اس پر کچھ اثر نہیں کرتی۔ اور ایسا شخص گمراہی میں مزید آگے بڑھ جاتا ہے۔

عذاب کے مطالبے کے ضمن میں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ حق پرست کبھی خود عذاب لانے کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی بات تم تک پہنچا دی ہے، ہم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب تمہارے تعصب اور عناد کی وجہ سے خدا کو تمہاری اصلاح منظور نہیں ہے تو ہماری نصیحت کچھ مفید نہیں ہو سکتی، ہماری لاکھ کوشش کے باوجود بھی تم گمراہی اور انجام بد سے نہیں بچ سکتے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ میری نصیحت تم پر کارگر نہیں ہو سکتی، اگر اللہ ہی تمہیں گمراہی میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔ فرمایا هُوَ رَبُّكُمْ وہی تمہارا رب ہے۔ سارا اختیار اسی کے پاس ہے۔ ہدایت اور گمراہی کے کچھ اصول وضو البطل ہیں جن کے مطابق یہ دونوں چیزیں آتی ہیں۔ فرمایا تم ہدایت پر ہو یا ضلالت پر وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ تم سب اسی کی طرف لوٹنے جاؤ گے اور پھر اسی کے پاس جزائے عمل کا سلسلہ ہوگا۔ وہ ہر چیز کا مالک اور مختار ہے۔ تو نوح علیہ السلام نے بہترین انداز میں قوم کو نصیحت فرمائی کہ ہم عذاب نہیں لاسکتے۔ یہ تو تمہارے اعمال اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر مبنی ہے۔ اگر اللہ کے ہاں تمہاری استعداد ہی خراب ہو چکی ہے تو پھر ہماری خواہش اور کوشش بار آور نہیں ہو سکتی۔

آگے ارشاد ہوتا ہے أَمْ يَقُولُونَ أَفْتَرَاهُ کیا وہ منکر لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اس قرآن کو گھڑ لیا ہے۔ قُلْ إِنْ أَفْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ رَاجِحٍ آجٍ آپ کہہ دیں کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو اس کا جرم بھی مجھ پر ہوگا، میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں گا اور اس کا خمیازہ بھگتوں گا۔ وَإِنَّا

افتراء کا  
الزام



بِرَبِّیْ مِمَّا یُخْشَرُ مُؤْنٌ اور میں تمہارے گناہوں سے بری الذمہ ہوں  
 تمہارے گناہوں کا حساب کتاب تمہیں دینا ہوگا، یہ بات اچھی طرح  
 نوٹ کر لو۔

مفسرین کرام اس آیت کریمہ کے دو مختلف مصداق بیان فرماتے  
 ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق بھی نوح علیہ السلام کے ساتھ ہی ہے  
 گذشتہ سے پوسٹہ درس میں گزر چکا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے  
 اس کے متعلق کہا تھا بَلْ نَحْنُ کَاذِبٌ یعنی ہم تو تمہیں جھوٹا  
 خیال کرتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا اے نوح کہ  
 دو کہ اگر تم اُسے افتراء سمجھتے ہو تو اس جرم کا ذمہ دار میں ہی ہوں اور حق  
 کی تکذیب کر کے جن جرائم کا ارتکاب تم کر رہے ہو، اس کے ذمہ دار  
 تم ہو گے، میں ان سے بری الذمہ ہوں۔

بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ  
 نے مشرکین مکہ و عرب کا شکوہ کیا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرکین  
 کا بھی یہی حال تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا۔ وہ بھی کہتے تھے کہ یہ  
 قرآن محمد نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ یہ  
 مستحون اسی سورۃ میں، اس سے پہلی سورۃ یونس اور سورۃ بقرہ میں بھی گزر  
 چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مشرکین کو چیلنج دیا کہ اگر تم اس قرآن پاک  
 کو خمد ساختہ سمجھتے ہو، اُسے انسانی کلام سے تعبیر کرتے ہو تو پھر تم بھی تو  
 آخر النان ہو، اس جیسی کوئی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ، مگر قرآن نے خود ہی  
 واضح کر دیا ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ سارے انان اور  
 جن مل کر بھی قرآن پاک کی نظیر لانا چاہیں تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ فرمایا  
 اگر تم ایسا نہ کر سکو "فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ  
 أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِیْنَ" (البقرہ) تو دوزخ کی اُس آگ سے ڈر جاؤ جس کا

ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو مجبرین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

بات سمجھانے کا یہ نہایت ہی حکیمانہ انداز ہے۔ کہ اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے یا اس کا میں ذمہ دار ہوں اور تمہارے گناہوں کے قہر دار ہو گئے، میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہو گا۔ اگر قہر توحید، رسالت، معاد اور جزائے عمل کا انکار کر رہا ہے ہو تو یاد رکھو اس کی جواب دہی تمہیں کرنی ہے اللہ کے بنی کی طرف سے اس قسم کا جواب حق پرستی کو ظاہر کرتا ہے اس میں کسی قسم کی سختی نہیں کی گئی بلکہ مؤثر طریقے سے بات سمجھا دی گئی ہے کہ معاملہ اس طرح ہے، تم اچھی طرح سوچ سمجھ کر کسی فیصلے پر پہنچو۔

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ  
 قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا بِفَعْلُونِ ③۶  
 وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيُنَا وَلَا تَحْطِئْ فِي  
 الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ③۷ وَيَصْنَعِ الْفُلْكَ  
 وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ  
 قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنِّي فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا  
 تَسْخَرُونَ ③۸ فَسَوْفَ نَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ  
 يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ③۹

ترجمہ :- اور وحی نازل کی گئی نوح علیہ السلام کی طرف کہ  
 بیشک ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم میں سے مگر  
 وہ جو ایمان لائے ہیں ۔ پس آپ غمگین نہ ہوں ان باتوں  
 پر جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ③۶ اور تیار کر کشتی ہمارے سامنے  
 اور ہمارے حکم سے ۔ اور میرے ساتھ مخاطبت نہ کرنا ان لوگوں  
 کے بائے میں جنہوں نے ظلم کیا ۔ بیشک وہ غرق کیے جائیں  
 گے ③۷ اور وہ (نوح علیہ السلام) بناتے تھے کشتی اور جب بھی  
 گزرتا تھا ان پر کوئی گروہ ان کی قوم کا توٹھٹا کرتے تھے  
 ان کے ساتھ ۔ کہا نوح علیہ السلام نے کہ اگر تم ٹھٹھا کرتے ہو



ہم سے ساتھ، پس بیشک ہم بھی تمہاری ہنسی اڑائیں گے جیسا کہ تم ہنسی اڑاتے ہو (۳۸) پس عنقریب تم جان لو گے کہ کس کے پاس آتا ہے رسوا کرنے والا عذاب اور کس پر اترتا ہے ہمیشہ رہنے والا عذاب (۳۹)

وقت انتقام

گزشتہ درس میں حضرت نوح علیہ السلام کے وعظ کے جواب میں قوم کا رد عمل بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس وعظ نصیحت کو جھجکڑے سے تعبیر کیا اور عذاب کا مطالبہ کیا۔ نوح علیہ السلام نے اس بات کا جواب بھی دیا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل کے پیش نظر قوم نوح سے انتقام لینے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حالات خراب ہو چکے تھے۔ قوم کے لوگ نوح علیہ السلام کو سخت ازیتیں پہنچا رہے تھے اسکے متعلق تو رات میں بھی آتا ہے کہ نوح علیہ السلام اللہ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے یعنی اللہ کے حکم کے مطابق فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے مگر زمین ظلم سے بھر چکی تھی اور قوم سے انتقام لینے کا وقت آگیا تھا وَأَوْحِي إِلَىٰ نُوْحٍ جَانِبِ وَحْيِي کی گئی نوح علیہ السلام کی طرف اور اُن پر واضح کر دیا گیا أَنَّهُ كُنْ يُؤْمِنُ مِنْ قَوْمِكَ کہ آپ کی قوم میں سے کوئی فرد بھی ایمان نہیں لائے گا إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ مَعَهُ وہ جو ایمان لایچکے ہیں۔ اور پھر آپ کی کارگزاری کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی بھی دی۔

جب بھی نوح علیہ السلام اپنی قوم کو خدا کا پیغام پہنچاتے تو وہ آپ کو مارنا پیٹنا شروع کر دیتے اور آپ کو سخت ازیت پہنچاتے مثلاً آپ کسی مجلس میں وعظ کر رہے ہیں تو اتنے میں ایک شخص اُٹھ کر آپ کا گلا دبا دیتا ہے اور آپ بیہوش ہو جاتے اس قسم کے واقعات امام بخاری اور صاحب تفسیر منطری وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے ذکر کیے ہیں۔ بعض اوقات آپ کو ادھ مٹا کر کے کسی نمدے میں لپیٹ کر کہیں پھینک دیتے اور سمجھتے کہ اب آپ کی جان نہیں بچ

نوح علیہ السلام کے ساتھ زیادتی

سے گئی مگر دوسرے دن وہ پھر نوح علیہ السلام کو اللہ کا پیغام ملتے ہوئے پاتے۔ ایک دفعہ لائٹی کے سہارے چلنے لگے ایک بوڑھے آدمی نے اپنے جوان بیٹے سے کہا کہ اس بوڑھے دیوانے (نوح علیہ السلام) کی باتوں میں نہ آنا۔ بیٹے نے وہی لائٹی باپ کے ہاتھ سے لے کر آپ کے سر پر اس زور سے ماری کہ آپ لوہان ہو گئے اور بیہوش ہو کر گر پڑے بڑی بڑی تکالیف برداشت کرنے کے بعد جب نوح علیہ السلام ہوش میں آتے تو یہی دعا کہتے رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ خداوند کریم! میری اس قوم کو معاف کر دے کہ یہ نادان ہیں۔

نوح علیہ السلام  
کی دعا

پھر جب حالات زیادہ سنگین ہو گئے، زمین ظلم سے بھر گئی اور کل انٹی یا بیاسٹی افراد کے علاوہ کسی دیگر فرد کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہ رہی اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس بات کی خبر بھی دے دی، تو نوح علیہ السلام کو قتل دیتے ہوئے فرمایا فَلَا تَبْتَغِ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر عملیں نہ ہوں۔ اب ہم عدل کا وقت آچکا ہے اور ان سے انتقام لیا جائے گا اس پر نوح علیہ السلام نے بھی دعا کی اِنْ مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ (القمر) اے پروردگار میں مغلوب ہو چکا ہوں، لہذا میری مدد فرما۔ سورۃ نوح میں آپ کی دعا مذکور ہے رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا پروردگار! زمین پر چلنے پھرنے والے کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ کیونکہ ان میں اب کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ بہر حال یہ دعا نوح علیہ السلام نے اس وقت کی جب اللہ نے بذریعہ وحی بتا دیا کہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

کشتی کی  
تیدی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا وَاصْنَعِ الْفُلَکَ بِأَعْيُنِنَا وَجِئْنَا ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرو اس کشتی کی بہت سی تفصیلات تورات اور قرآن پاک کی تفاسیر میں ملتی

ہیں۔ یہ کشتی اتنی بڑی تھی کہ تمام مومن مرد و زن اور دیگر جاندار اس میں سوار ہو سکے۔ گوراست کے مطابق نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ گو کھڑکی لکڑی سے کشتی تیار کرے۔ عام تفاسیر والے سالوان کا ذکر کرتے ہیں جو کہ بہت مضبوط لکڑی ہوتی ہے۔ ممکن ہے گو کھڑ اور سالوان ایک ہی درخت کے دو نام دو مختلف زبانوں میں ہوں۔ محققین کی تحقیق کے مطابق کشتی ۵۲۵ فٹ لمبی، تقریباً ۸۸ فٹ چوڑی اور ساڑھے باون فٹ پر ۵۲ فٹ اونچی تھی، اس کی تین منزلیں تھیں۔ ایک منزل پر جانور تھے، دوسری پر سامان اور تیسری منزل پر انسان سوار ہوئے۔ لمبائی چوڑائی کے لحاظ سے یہ کشتی اتنی بڑی تھی جتنا بڑا پاکستانی بکری جہاز سفینہ حجاج تھا یہ جہاز جرمنی کا ساختہ تھا اور جرمن فوج اسے نقل و حمل کے لیے استعمال کرتی رہی پاکستان کی تحویل میں آیا تو یہ حاجیوں کی نقل و حمل کے لیے کراچی اور جدہ کے درمیان چلتا رہا۔ کچھ عرصہ قبل اسے ناقابلِ سروس قرار دے کر ضائع کر دیا گیا۔ اس جہاز کی گیارہ منزلیں تھیں جب کہ کشتی نوح صرف تین منزلوں پر مشتمل تھی۔ بہر حال اس کشتی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کھڑکیاں اور روشن دان بھی بنائے گئے۔

اس دنیا میں استعمال ہونے والی بعض چیزوں کی ابتداء وحی الہی سے ہوئی۔ اللہ نے کسی شخص سے ذہن میں کوئی بات ڈال دی، ایک ڈھانچہ تیار ہو گیا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ترقی ہوتی گئی۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں نقل و حمل کے لیے جتنی بھی سواریاں زیر استعمال ہیں ان سب کی بنیاد پیسے پر ہے۔ چنانچہ اس آدمی کا بہت بڑا کمال ہے جس نے سب سے پہلے پیسہ ایجاد کیا۔

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی سو سال میں تیار ہوئی۔ بعض کہتے ہیں اس پر سینکڑوں سال کا عرصہ صرف ہوا



عام مشہور روایت یہ ہے کہ یہ کشتی دو سال کے عرصہ میں تیار ہو گئی۔ پھر حال یہ کشتی تیار ہو گئی اور پھر اس کے ساتھ دو واقعات پیش آئے جن کا ذکر آگے آئے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کے مطابق تھے۔ اس کشتی کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک باعث عبرت بھی بنا دیا اور یہ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

ایمان اور  
اعمال صالحہ  
بطور کشتی

شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ انسان کا جسم مادیت سے پر ہے اور یہ جسم مادیت کے طوفان میں گھبرا ہوا ہے۔ جب مادی جسم ختم ہو جائے گا۔ تو پھر اس کی روح کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے ایمان اور اعمال کی کشتی کی ضرورت پڑے گی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے ملفوظات میں بھی یہ بات آتی ہے کہ اے لوگو! ساری زمین پانی ہے۔ بالآخر انسانی جسم ویران ہو جائے گا لہذا اس وقت سے پہلے ایمان اور اعمال صالحہ کی کشتی تیار کر لو تاکہ اس پر سوار ہو کر کامیابی کی منزل تک پہنچ سکو۔ اگر تمہارے پاس یہ کشتی نہ ہو تو مادیت کے دلدل اور طوفان میں بھنس کر ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جاؤ گے۔ لہذا ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی کشتی تیار کرے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ میرے اہل بیت کی مثال کشتی جیسی ہے اور میرے کشتی کے اہل بیت کی مثال ستاروں جیسی ہے۔ ان دونوں گروہوں کو نظر انداز نہ کرو۔ اہل بیت کی کشتی پر سوار ہو جاؤ یعنی اہل بیت کے ساتھ بل جاؤ جیسا کہ نوح علیہ السلام کی امت کے مومن آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر مل گئے تھے۔ جس طرح تاریکی میں ستاروں سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح تم میرے صحابہ سے راہنمائی حاصل کرو۔ یہ بات امام رازیؒ نے لکھی ہے۔ غرضیکہ انسان کو چاہیے کہ وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی کشتی تیار کر کے اس پر سوار ہو جائے۔ جسم تو ایک دین خراب ہو جائے گا

پھر اگر یہ کشتی ہوگی تو اس طوفان سے پار ہو کر ہمیشہ کے لیے کامیاب  
ہو جائے گا۔

سفارش  
کی ممانعت

نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ہمارے حکم سے ہمارے سامنے کشتی تیار  
کر دو وَلَا تَخَاجِلْنِي فِي الدِّينِ فَتَكْمُوا اور ظلم کرنے والوں کے  
بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا۔ جن لوگوں نے آپ کی نبوت و رسالت  
کو تسلیم کرنے اور آپ کی اطاعت سے انکار کر دیا ہے، وہ ظالم لوگ  
ہیں کفر و شرک میں مبتلا ہیں، آپ ان کی بہتری کے لیے مجھ سے کوئی  
سفارش نہ کرنا۔ اس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔ جب قوم لوط پر  
غذاب کا وقت آیا تو ابراہیم علیہ السلام کی خواہش تھی کہ یہ مذاب سی طرح  
ٹل جائے مگر اللہ نے فرمایا يَا اِبْرَاهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا  
اے ابراہیم علیہ السلام! اس بات کو چھوڑ دیں اِنَّا قَدْ جَاءَ اَمْرُ  
رَبِّكَ اَبِیْكَ کے رب کا حکم آچکا ہے وَ اَتَتْهُمْ عَذَابُ  
غَيْرِ مَرْدُوْدٍ (ہود) ان کے پاس نہ ٹلنے والا عذاب آچکا ہے اور  
اَتَتْهُمْ مَحْضُ قُوْنٍ یہ غرق ہو جانے والے ہیں۔

نوح علیہ السلام  
کے ساتھ  
ٹٹھکا

پھر اللہ کے حکم کے مطابق وَ یَصْنَعُ الْفُلَ نوح علیہ السلام  
کشتی بنا رہے تھے اور اس دوران وَ کَلَّمَا مَرْءٌ عَلَیْهِ مَلَأٌ  
مِّنْ قَوْمِهِ جب بھی آپ کی قوم کے مرد آپ کے پاس سے  
گزر رہے تھے سَجِرُوا مِنْهُ تو نوح علیہ السلام کے ساتھ ٹٹھکا کرتے  
تھے، کہتے، نبوت کے دعویٰ کے بعد اب یہ بڑھئی بن گیا ہے۔ ابن  
عربی اور بعض دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ جس طرح قوم نوح کے لوگ  
آپ کے ساتھ ٹٹھکا کرتے تھے اسی طرح ہر زمانے کے شاطر لوگ ایسا  
ہی کرتے ہیں کسی داڑھی والے آدمی کو دیکھتے ہیں تو مغرب زدہ لوگ طرح  
طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ کسی نے ٹٹھنوں سے اوپر سنت کے مطابق پانچ

ہیں لیا تو اُسے مذاق کرتے ہیں کسی نے شادی سنت کے مطابق کی، خرافات سے بچا رہا تو بھی تضحیک کا نشانہ بنتا ہے۔ لیکن یہ سب ناکامی کے ذرائع ہیں۔ غرضیکہ نوح علیہ السلام قوم کو عذاب الہی سے بچانے کی کوشش کرتے تھے مگر قوم ان کی ہنسی اڑاتی تھی۔

جب منکرین کی طرف سے ٹھٹھا اُڑا دیا گیا قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا نَحْنُ نَسْخَرُ مِنْكُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ تو ہم بھی تمہاری اسی طرح ہنسی اڑائیں گے جس طرح تم ہنسی اڑا رہے ہو۔ اور پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کفر اور شرک کا کیا انجام ہوتا ہے۔ مشرکین مکہ کے متعلق بھی آتا ہے کہ جب سردارانِ قوم کسی غریب ایماندار کے پاس سے گزرتے "وَ اِذَا مَرُّوا بِهٖمْ يَتَّبِعُوْنَ الْمُبْطِغِیْنَ" تو ایک دوسرے کو کن آنکھوں سے اشارے کرتے اور جنتے ہوئے نکل جاتے۔ کہتے دیکھو یہ جنت کے وارث جا رہے ہیں جن کے پاس نہ پسنے کو کپڑا ہے نہ بننے کو مکان اور نہ معاش کے لیے کوئی کاروبار۔ اللہ نے فرمایا "قَالِیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْکُفَّارِ یَضَعُکُوْنَ (المطفئین) ایک دن آئے گا جب ایمان والے کافروں کی ہنسی اڑائیں گے۔ تو فرمایا کہ اگر تم ہمارے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو فَسَوْفَ نَعْلَمُوْنَ تم غنقریب جان لو گے مَنْ یَّاتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ کہ کس کے پاس رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے وَ یُحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقْتَدِرٌ اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے اور تمہیں جلدی ہی اس کا پتہ چل جائے گا۔



حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا  
 مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ  
 الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝  
 وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُرسِهَا  
 إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝  
 مَوْجٌ كَالْجِبَالِ تَوَّادِي نُوحٌ ابْنُهُ وَكَانَ فِي  
 مَعِزٍ يُبْنَىٰ أَرْكَبُ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ  
 الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَاوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ  
 الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ  
 رَحِمَهُ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ  
 الْمُغْرَقِينَ ۝

درجہ بہ دریاں تک کہ جب آیا جہاز حکم اور تنور نے جوش  
 مارا تو ہم نے کہا (نوح علیہ السلام سے) چڑھا لے اس (کشتی) میں  
 ہر قسم کے جوڑے کو اور اپنے گھر والوں کو مگر وہ کہ جن  
 پر پہلے بات ہو چکی ہے۔ اور (ان کو بھی) جو ایمان لائے  
 اور نہیں ایمان لائے اس کے ساتھ مگر بہت تھوڑے  
 لوگ ۝ اور فرمایا اس نے سوار ہو جاؤ اس کے اندر التَّنُّورُ

کے نام کے ساتھ ہی ہے اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا بیشک میرا پروردگار بہت بخشش کرنے والا اور ازحد مہربان ہے (۴۱) اور وہ کشتی ان کو لے کر چل رہی تھی۔ موحیوں کے اندر جو پہاڑوں جیسی تھیں۔ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اور تھا وہ دور کنائے پر۔ فرمایا اے بیٹے! سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ اور نہ ہو کفر کرنے والوں کیساتھ (۴۲) تو کہا اُس نے کہ میں پناہ پکڑوں گا اس پہاڑ کی طرف جو مجھے بچا لے گا پانی میں ڈوبنے سے۔ فرمایا (نوح علیہ السلام نے) نہیں ہے کوئی بچانے والا آج کے دن اللہ کے حکم سے مگر وہ جس پر رحم کیا اُس نے۔ اور حامل ہو گئی اُن کے درمیان ایک موج، پس تھا وہ ڈوبنے والوں میں (۴۳)

رابطہ آیات

حضرت نوح علیہ السلام نے طویل عرصہ تک قوم کو تبلیغ کی مگر اُن کے مسل انکاد کی وجہ سے مایوس ہو گئے۔ پھر آپ کو وحی الہی کے ذریعے پتہ چل گیا کہ اب مزید کوئی فرد ایمان نہیں لائیگا، لہذا آپ نے اللہ کی بارگاہ میں قوم کے خلاف دُعا کی۔ پھر اللہ کے حکم سے آپ نے کشتی تیار کی۔ اس دوران نوح علیہ السلام قوم کو ظلم و زیادتی سے منع کرتے رہے اور اُن کو آگاہ کرتے تھے کہ نافرمانی سے باز آ جاؤ اللہ کے عدل و انصاف اور انتقام کا وقت آچکا ہے اور اب تم بچ نہیں سکو گے۔ ارشاد ہوتا ہے حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَمْرُنَا بِهَاں تَمَّکَ کہ جب ہمارا حکم آ گیا کہ اس قوم کو اب سزا ہی دینی ہے اور کسی کافر کو زندہ نہیں چھوڑنا تو پھر اُس عذاب الہی کی علامت بھی ظاہر ہو گئی وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور تنور نے جوش مارا۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو آگاہ کر رکھا تھا کہ اُس کے عذاب کی نشانی یہ ہے کہ فلاں مقام سے پانی اُبلنے لگے گا، جو بڑھتے بڑھتے پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لیکر انہیں غرق کر دیگا۔

طوفان کی علامت

عربی، فارسی، اردو، پنجابی وغیرہ میں تنور اُس بھٹی کو کہتے ہیں جس میں آگ جلا کر روٹیاں پکائی جاتی ہیں۔ بعض مفسرین اس سے عام روٹی پکانے والا تنور ہی مراد دیتے ہیں۔ جب کہ بعض فرماتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام کے گھر میں ایک تنور تھا جس میں حضرت حوا روٹیاں پکایا کرتی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اسی تنور کو عذاب کی علامت قرار دیا تھا کہ جب اس تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ اللہ کا عذاب آگیا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تنور کے جوش مارنے سے مراد طلوع فجر ہے کیونکہ عام طور پر اسی وقت اکثر قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے جب قوم کو طہر عذاب آیا تو صبح کا وقت ہی تھا آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے اِنَّ مَوْْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ان کا وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح اب قریب نہیں ہے؟ اسی طرح قوم عاد اور ثمود پر بھی صبح کے وقت ہی عذاب آیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تنور سے مراد سطح ارض ہے۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ جب سطح ارض سے پانی پھوٹنے لگے تو سمجھ لینا کہ اب طوفان آگیا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ بہر حال تنور سے مراد خاص تنور ہو، کوئی خاص چشمہ ہو یا سطح ارض ہو، مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کی آمد کے لیے جو بھی نشانی مقرر کی تھی، اس سے پانی ابلنے لگا۔ اور اسی وقت کے لیے نوح علیہ السلام کو اللہ کا حکم تھا کہ جب یہ نشانی ظاہر ہو جائے تو فوراً کشتی میں سوار ہو جانا۔

جب عذاب کی علامت ظاہر ہو گئی تو اللہ نے فرمایا قُلْنَا اٰحْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اِثْنَيْنِ ہم نے نوح علیہ السلام کو فرمایا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا جوڑا جوڑا سوار کر لو۔ بائبل کے بیان

ہر قسم کے جانور



کے مطابق اس سے ہوئے زمین کے تمام جانور مراد ہیں مگر ایسا نہیں ہے  
نوح علیہ السلام نے وہ مویشی وغیرہ اپنے ساتھ سوار کیے تھے جو عام طور پر  
پالے جاتے ہیں اور بذریعہ عمل تناسل پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں اونٹ،  
بھیڑ بکری، بلی، کتا وغیرہ اور بعض پرندے شامل ہیں۔ البتہ ان میں کیڑے  
مکڑے شامل نہیں تھے۔ جن کی پیدائش بغیر سلسلہ تولید کے ہوتی ہے۔  
بہر حال جن کو طوفان سے بچانا مقصد تھا، ان انسانوں اور جانوروں کو کشتی  
پر سوار کرا لیا گیا اور باقی طوفان میں غرق ہو گئے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان تو اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے  
ہلاک ہوئے مگر جانور، پرند، پرند وغیرہ کس جرم کی پاداش میں ہلاک کر  
دیے گئے۔ وہ تو بچائے بے گناہ تھے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام  
فرماتے ہیں کہ جانوروں کی ہلاکت سزا کے طور پر نہیں بلکہ طبعی تھی اللہ تعالیٰ  
نے جانوروں کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے وہ اس مقصد کی تکمیل کے  
بعد ختم ہو جاتے ہیں اور یہ ان کی طبعی موت ہوتی ہے۔ دنیا میں بھیڑ بکری  
گلے بیل وغیرہ ہر روز کتنی بڑی تعداد میں ہلاک ہوتے ہیں۔ اگر بنظر غور  
دیکھا جائے تو آج کی دنیا میں جتنے جانور ایک دن میں اپنی طبعی موت  
کو پہنچتے ہیں اتنے جانور طوفان نوح میں بھی ہلاک نہیں ہوئے ہوں گے  
بہر حال جانوروں کی موت طبعی تھی جب کہ انسانوں کی ہلاکت ان کے  
اعمال بد کی پاداش میں واقع ہوئی۔

فرمایا ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اس کشتی میں سوار کر لو۔ جیسا کہ پہلے  
عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کشتی کے اوپر تین تین منزلیں تھیں۔ پچھلے حصے  
میں جانور تھے، درمیانے حصے میں انسان اور ان کا سامان تھا اور  
اوپر والے حصے میں پرندے تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ انسان اوپر والی  
منزل میں تھے، درمیان میں سامان تھا اور پچھلے حصے میں جانور وغیرہ تھے۔

تفسیر دالے  
اور اہل ایمان

فرمایا ایک توبہ بانہروں کو سوار کر لو وَاَهْلَكَ الْاَمَنَ سَبَقَ  
عَلَيْهِ الْقَوْلُ اور اپنے گھروالوں کو بھی سوار کر لو سوائے ان کے جن  
کے متعلق بات ہو چکی ہے کہ ان کی ہلاکت لازمی ہے۔ ان افراد خانہ  
میں ایک بیوی اور ایک بیٹا کنعان شامل ہیں۔ اس کے متعلق سعدی صاحب  
کہتے ہیں ۔

طبع ناموزون بود پیغمبر زادگی قدر نہ افزود

یعنی کنعان کی طبیعت ناموزون تھی اور اس نے پیغمبر زادہ ہونے کی بھی کوئی  
قدر نہ کی۔ بعض کہتے ہیں کہ کنعان نوح علیہ السلام کا حقیقی بیٹا نہیں تھا۔  
بلکہ آپ کی بیوی کا بیٹا تھا مگر اکثر کہتے ہیں کہ یہ آپ کا حقیقی بیٹا ہی تھا  
مگر کافرہ بیوی کے بطن سے تھا۔ سورۃ النحر میں موجود ہے ”كَفَرُوا  
اُمْرَاةً نُّوحٍ وَامْرَاةً لُّوطٍ“ یعنی نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام  
دونوں کی بیویاں کافرہ تھیں اور اسلئے ان کو جہنم رسید کیا، اسی طرح بیٹا  
بھی نافرمان تھا اور کافروں سے بلا ہوا تھا، اسی لیے فرمایا کہ اپنے گھر  
والوں کو سوار کر لیں سوائے بیوی اور بیٹے کے جن کے متعلق پہلے فیصلہ  
ہو چکا ہے کہ وہ غرق ہی ہوں گے۔ ان کے علاوہ وَهْنُ اَمَنَ  
ان کو بھی کشتی میں سوار کر لیں جو ایمان لا چکے ہیں۔ یعنی تمام اہل ایمان مرد و  
کو بھی کشتی میں بٹھالیں جن کی تعداد بعض روایات کے مطابق اسی یا بیاسی تھی  
فرمایا وَمَا اَمَنَ مَعَهُ اِلَّا قَلِيلٌ اور نہیں ایمان  
لائے تھے نوح علیہ السلام کے ساتھ مگر تھوڑے آدمی۔ اہل ایمان میں نوح  
علیہ السلام کے تین بیٹے حام، سام اور یافث اور ان کی بیویاں بھی تھیں۔  
ان کے علاوہ نوح علیہ السلام کی ایک بیوی بھی تھی جو ایمان لا چکی تھی بعض  
فرماتے ہیں کہ کشتی میں سوار تمام افراد میں سے آئندہ نسل انسانی صرف نوح  
علیہ السلام کے تین بیٹوں سے ہی چلی، اور کسی انسان کی اولاد آگے نہیں



چلی۔ اسی لیے نوح علیہ السلام کو آدم نامی بھی کہا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت میں یہی تھا۔

سورہ نوحی  
دعائیں

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيْهَا نوح عليه السلام نے کہا، اس میں سوار ہو جاؤ۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِدِهَا وَمُرْسِلَهَا اللّٰهُ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی ہے اس کا چلنا اور ننگہ انداز ہونا۔ اس کی قرأت مجرّدِهَا وَمُرْسِلَهَا بھی آتی ہے اور یہ معنی بھی ہے۔ چربی کا معنی چلنا اور رسی کا معنی کھٹنا یا ننگہ انداز ہونا ہے۔ گویا کشتی کا چلنا بھی اللّٰہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے ہے اور اس کا ٹک جانا بھی اسی کے نام سے ہے۔ اِنْ رَّحِيْمٌ لَّغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بیشک میرا پروردگار البتہ بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہو کر یہ دعا پڑھی۔ اس امت کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی یہ ہے کہ کشتی یا جہاز میں سوار ہوتے وقت یہی دعا پڑھیں تو اللّٰہ تعالیٰ غرق ہونے سے ان کو محفوظ رکھے گا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِدِهَا وَمُرْسِلَهَا اِنْ رَّحِيْمٌ لَّغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اگر زائد حصہ یاد نہ ہو قرآن پاک کی آیت والا حصہ ہی کافی ہے۔ دوسری سورۃ میں خشکی کی سواری پر پیٹھ کر پڑھنے کی دعا بھی موجود ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِبِیْنَ ؕ وَلَآ اَنَا الْخَآلِفَ رَبِّنَا كَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف) کسی بھی سواری پر بیٹھیں موٹر گاڑی، اونٹ، گھوڑا وغیرہ یہ دعا پڑھنا سنت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے تابع بنایا اور ہم ان کو تابع کہہ نہ سکتے اہل نہ تھے۔

ہر صنعت کی تیاری میں اللّٰہ تعالیٰ ہی کا فضل شامل حال ہے



سائنسدان اور انجینئرز اسی مادہ کی عطا کی ہوئی عقل اور سمجھ کے ذریعے ایجاد کرتے ہیں مگر ان ایجادات کے لئے جن عناصر (ELEMENTS) الیمینٹس کی ضرورت ہے وہ خالق کائنات ہی کے پیدا کردہ ہیں اور انجینئر یا سائنسدان ایک تولد لود یا ایک قطرہ پٹرول پیدا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے خام مواد دیا کر کے لوگوں کو سمجھ عطا فرمائی تو انہوں نے انسانی سروریاست کی یہ سب چیزیں بنالی ہیں۔ سائنسدان بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر انکمالی کے فضل کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے، بہر حال ہر قسم کی سواری پر بیٹھ کر دعائے مسنونہ پڑھنی چاہیے اور محض گپ بازی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

فرمایا وہی بھری بہم موج کالجبال وہ کشتی  
ان سب کو یکہ پاڑوں جیسی بلند موجوں کے درمیان چل رہی تھی، قرآن پاک اور بائبل میں بھی ہے کہ اللہ کے حکم سے زمین کے سارے چشموں نے پانی اگل دیا اور اُورپ سے بارش بھی برسنے لگی، تورات کی روایت کے مطابق چالیس دن تک مسلسل بارش ہوتی رہی، یہاں دس بارہ گھنٹے تک بارش نہ آئے تو کھرم مچ جاتا ہے، مکان گرنے لگے ہیں اور لوگ بے بس ہو جاتے ہیں مگر جب چالیس دن تک متواتر بارش ہوتی رہی اور زمین کے پنوں کا سارا پانی بھی باہر آگیا تو دہاں ہلاکت کے سوا کیا ہو سکتا تھا، تفسیری روایات میں آتا ہے کہ روئے زمین پر پانی کی سطح اس قدر بلند ہو گئی کہ اونچی سے اونچی پہاڑیوں سے بھی پانی بیس یا تیس ہاتھ اُور چلا گیا، بعض نے پندرہ ہاتھ کا ذکر کیا ہے جو کہ پچیس فٹ بنتا ہے۔ بہر حال اللہ نے اپنی قدرت کا کھمبہ دکھانا تھا اور کفار کو نیست و نابود کرنا تھا جس کے لئے پانی کو ان پر مسلط کر دیا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی چلتی رہی حتیٰ کہ بائبل کی روایت میں آتا ہے کہ مومن لوگ ایک سو پچاس روز تک کشتی میں سوار رہے پھر وہ کشتی ایک پہاڑ کے ساتھ جا لگی۔

کشتی کی  
روایتی

ارشاد ہوتا ہے وَكَانَ فِي مَعْبَرٍ اور ادھر نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو آواز دی جو کہ کنارے پر کھڑا تھا فرمایا اِیُّیْكَ اَرْکَبُ مَعَنَا بیٹے! کشتی پر ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِیْنَ اور کفر کرنے والوں کے ساتھ مت رہو۔ بیٹا نافرمان تھا قَالَ سَاوِنِیْ اِلٰی جَبَلٍ كُنْ لِّکَاۤیِمْ اَوْپنچے پاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ لِعَصْمَنِ مِنْ الْکَاۤیِمْ وہ مجھے پانی میں ڈوبنے سے بچالیکا۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو بچھڑھمایا قَالَ لَا عَصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ آج کے دن اللہ کے حکم یعنی اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا اِلَّا مَنْ تَرَ حِمًّ سَوَّیْتُ اس کے کہ جس پر رحم کیا گیا۔

جس پر رحم کیا جائے وہ تو معصوم کہلاتا ہے مگر یہاں پر عاصم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ فاعل کا صیغہ ہے۔ اس کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر عاصم کا معنی معصوم ہی ہے اور اس قسم کی مثالیں قرآن پاک میں دوسری جگہ میں موجود ہیں مثلاً سورۃ الطارق میں ہے خَلَقَ مِنْ مَّکَّاءٍ کَرِیْمٌ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹپکائے ہوئے پانی سے پیدا کیا۔ یہاں دافع مرفوق کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اسی طرح سورۃ فجر کے آخر میں نفس النانی کے متعلق آتا ہے اَرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً اے جان اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حالت میں کہ تو خوش بھی ہوگی اور خوش کی ہوئی بھی۔ یہاں پر بھی راضیۃ واصل مرضیۃ ہی ہے۔ عربی زبان میں کہتے ہیں سِرُّ کَرِیْمٌ پوشیدہ راز۔ یہ بھی دراصل کاتم نہیں بلکہ مکتوم کا معنی دیتا ہے۔ اسی طرح اس آیت کرمیہ میں عاصم معنی معصوم ہے اور اگر اسے فاعل کے معنوں میں ہی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا

کہ آج کے دن اللہ کے حکم سے کوئی نہیں بچانے والا مگر وہی جو رحم کرنا  
یعنی خود خدا ہے۔ یعنی فرمانے میں لَا عَاصِيَ إِلَّا لَنَا کا معنی یہ ہے  
کہ آج کے دن بچانے والا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ مجرموں کو اللہ کے  
عذاب سے کوئی ٹھکانا، کوئی مکان نہیں بچا سکتا وہی ٹھکانا کہ جس پر  
اللہ نے رحم کیا ہے اور یہ ٹھکانا کشتی ہے کہ نہ کھنکھائے اس کشتی کے  
ٹھکانے پر ہی بچ سکیں گے اور باقی سب کے سب غرق ہو جائیں گے  
امام ابن کثیرؒ اور بعض دیگر مفسرین کہہ سکتے ہیں کہ ایک نافرمان عورت  
طوفان میں گھری ہوئی تھی۔ جوں جوں پانی آتا رہا وہ بلند پہاڑی پر چڑھتی گئی۔  
اس کے پاس شیر خوار بچہ بھی تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ  
رحم فرماتا تو اس بچے پر غرور کرتا مگر خدا تعالیٰ کے علم اور قدرت میں یہ بات  
طے ہو چکی تھی کہ ان سب کو ہلاک کرنا ہے۔ چنانچہ جب پانی اس عورت  
کے پاس پہنچ گیا تو اس نے بچے کو کندھے پر بٹھالیا۔ پھر جب پانی اسکی  
گردن تک پہنچ گیا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے بچے کو اُپر اٹھا  
لیا، مگر بالآخر ایک موج آئی اور دونوں ماں بیٹے کو ہلاک کر دیا گیا۔  
فرمایا آج بچانے والی کوئی جگہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ جس  
پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور وہ رحم والا مقام کشتی ہی تھا۔ حضرت نوح  
علیہ السلام اور ان کے بیٹے کے درمیان مذکورہ مکالمہ جاری تھا وَحَالِ بَيْنَهُمَا  
الْمَوْجُ کہ ان دونوں کے درمیان پانی کی ایک موج حائل ہو گئی۔  
ایسی زبردست لہرائی جس نے کنعان کو نشانہ بنایا فَكَانَ مِنَ  
الْمُعْرِقِينَ پس تمہارے ڈوبنے والوں میں سے۔ وہ بھی باقی قوم  
کے ساتھ ہی طوفان کی نذر ہو گیا۔

قوم کی  
غرقابی



وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَبِسْمَاءِ أَقْلَعِي وَغِيَضَ  
 الْمَاءَ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ  
 بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٣﴾ وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ  
 إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ  
 الْحَكِمِينَ ﴿٤٤﴾ قَالَ يُنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ  
 غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي  
 أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْبَهِيلِينَ ﴿٤٥﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي  
 أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي  
 وَتَرْحَمْنِي أَكُنُ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿٤٦﴾

ترجمہ :- اور حکم دیا گیا (زمین کو) اے زمین ! چل جا تو اپنے  
 پانی کو اور (آسمان کو حکم دیا گیا) اے آسمان ! اب تھم جاؤ تم  
 (بارش برسانے سے) اور خشک کر دیا گیا پانی اور فیصلہ کیا گیا  
 معافے کا اور جا ٹہنی وہ کشتی جو دری پہاڑ پر اور کہا گیا کہ  
 دوری (اور ہلاکت) ہے اُن لوگوں کے لیے جو ظلم کرنے والے  
 ہیں ﴿۴۳﴾ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو ، بیشک  
 میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور  
 تو سب ماکوں سے بڑھ کر ماکم ہے ﴿۴۴﴾ فرمایا اُس نے

اے نوح! بیشک وہ نہیں تیرے اہل سے۔ بیشک وہ سرپا  
غیر صالح عمل ہے۔ پس نہ سوال کر مجھ سے اس چیز کا  
جس کا تجھے علم نہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو اس  
بات سے کہ ہو جائے تو نادانوں سے (۴۶) عرض کیا، اے  
اے پروردگار! بیشک میں پناہ پکڑتا ہوں تیری ذات کے ساتھ  
اس بات سے کہ میں سوال کروں آپ سے اس چیز کا  
جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر تو نہیں سماعت کریگا مجھ کو  
اور رحم نہیں کریگا، تو ہو باؤں گلا میں نقصان اٹھانے والوں  
میں سے (۴۷)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کی شکل میں عذاب نازل فرمایا  
اور ساری نافرمان قوم کو اس طوفان میں غرق کیا۔ پھر یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ آپ  
کی قوم کے اہل ایمان کو اللہ نے کشتی کے ذریعے نجات دی۔ یہ طوفان تقریباً سات ماہ  
تک اس قوم پر مسلط رہا۔ چالیس دن تک متواتر بارش ہوتی رہی اور زمین کے چشے بھی پھوٹتے  
رہے حتیٰ کہ پوری سطح ارض بلند ترین پہاڑوں سے بھی بیس ہاتھ اُدپر تک پانی سے بھر گئی  
جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ زمین پر پہاڑوں جتنی بلند موبیں اٹھ رہی تھیں اور  
نوح علیہ السلام کی کشتی اُن کے درمیان چل رہی تھی۔ وہ منظر کتنا خوفناک ہو گا۔ اس پریشانی  
کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور اُن کے ایماندار ساتھیوں کو بچالیا۔

طوفان  
تعمیم گیا

جب پوری قوم غرق ہو گئی وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ لِئَلَّا يَكُنَ طَافُ  
سے۔ بارش اور چشموں کا جو پانی سطح زمین پر جمع ہو گیا تھا اُس کے متعلق زمین کو حکم ہوا کہ اس  
سارے پانی کو اپنے اندر جذب کرے۔ سورۃ زمر میں "فَسَلَكْنَا يَمْنَابِيعَ رِفِّ الْأَرْضِ"  
اللہ تعالیٰ نے نالیوں اور چشموں کی صورت میں پانی کو زمین کے اندر ذخیرہ کر دیا ہے۔  
چنانچہ پانی کی عام ضروریات بارش کے علاوہ زمینی پانی سے بھی پوری کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے زمین کی تہ میں پانی کو محفوظ کر دیا ہے۔ جو کنوئیں، ہینڈ پمپ اور ٹیوب ویل کے ذریعے نکال کر انسانی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے پانی کو کہیں سطح ارض سے قریب رکھا ہے جہاں سے ہمیں تیس فٹ کی گہرائی سے پانی مل جاتا ہے جبکہ بعض خطے ایسے ہیں جہاں پر بارہ بارہ سو میٹر کی گہرائی سے پانی نکالنا پڑتا ہے بہر حال بارشیں اور ان چشموں کا جو پانی اللہ کے حکم سے زمین کی سطح پر آگیا تھا اس کے متعلق حکم ہوا کہ اے زمین اس سائے پانی کو اب واپس اپنے اندر چشموں کی صورت میں جذب کر لے۔ اور ساتھ یہ بھی حکم ہوا۔

وَلْيَكْمَمْ مَاءٌ أَفْلَحِيْ اور اے آسمان تمام جاؤ یعنی بارش برسانے سے رک جاؤ۔ وَغِيْضُ الْمَاءِ اور جو پانی زمین پر موجود تھا اُسے بند کر دیا گیا۔ خشک کر دیا گیا۔ مطلب یہ کہ طوفان کے تمام ذرائع کو ختم کر دیا گیا وَقَضَى الْأَمْرَ اور معاملے کا فیصلہ کر دیا گیا یعنی جن نافرمانوں کو ختم کرنا مقصود تھا ان کو پانی میں غرق کر دیا گیا۔

جو دی  
پھاڑ

اور کشتی تو پانی پر چل رہی تھی جب پانی اتر گیا واستوت حلق  
المبودی تو کشتی جو دی پھاڑ پر جا کر رک گئی۔ تو رات میں اس پھاڑی کا نام  
اروط یا ارراط آیا ہے۔ تاہم اس بات کی وضاحت کہیں نہیں ملتی کہ  
زمین کا پانی کتنے عرصہ میں خشک ہوا جس کے بعد لوگ کشتی سے باہر  
آئے۔ البتہ تفسیری روایات سے یہ بات واضح ہے کہ نوح علیہ السلام  
طوفان کے بعد بھی ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ  
نے نوح علیہ السلام کی اولاد کو خوب پھیلایا۔ روایات سے یہ بھی پتہ  
چلتا ہے کہ کشتی میں سوار انسانوں میں سے نوح علیہ السلام کے صرف  
تین بیٹوں سام، حام اور یافث سے نسل انسانی آگے بڑھی اور زمین  
پھر انسانوں سے آباد ہو گئی۔



جودی پہاڑ آرمینیا کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ یہ سلسلہ کوہ  
 جلیج دارس سے لے کر کردستان تک پھیلا ہوا ہے اور یہیں ایک پہاڑ  
 جودی بھی ہے جس طرح ہمارے ہاں کوہ ہمالیہ اور قراقرم اڑھائی تین ہزار  
 میل میں پھیلا ہوا ہے، اسی طرح آرمینیا کا پہاڑی سلسلہ بھی ہزاروں میلوں میں  
 موجود ہے۔ بہر حال نافرمان قوم کی ہلاکت کے بعد طوفان کو روک دیا گیا۔  
 وَقِيلَ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الظَّالِمِينَ اور کہا گیا کہ ہلاکت ہے ظالم قوم  
 کے لیے جن لوگوں نے اللہ کی توحید کا انکار کیا، حضرت نوح علیہ السلام  
 کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کیا۔ قیامت کا انکار کیا، اللہ کے نبی کو بیحد  
 تکلیفیں دیں حقیقت میں انہوں نے بڑا ظلم کیا اور اللہ نے ان کے لیے  
 ہلاکت و تباہی کا حکم صادر فرمادیا۔

پچھلے درس میں نذر چکا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنے ناستران  
 بیٹے کنعان کو بھی کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی مگر اُس نے یہ کہہ  
 کر انکار کر دیا کہ میں غرق ہونے سے بچنے کے لیے کسی پہاڑ پر چڑھ  
 جاؤں گا۔ مگر اسی دوران میں پانی کی ایک زبردست لہر آئی جو کنعان کو  
 بہا کر لے گئی۔ اس موقع پر نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس بیٹے  
 کے حق میں دعا بھی کی تھی جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے وَنَادَىٰ  
نُوحٌ رَّبَّهُ اور نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا فَتَكَالَ  
رَبِّ اِنَّكَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اور کہا اے پروردگار! میرا بیٹا میرے  
 اہل میں سے ہے وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ وَعَدَكَ الْحَقُّ اور تیرا وعدہ بھی برحق  
 ہے۔ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ اور تو سب حاکموں سے  
 بڑے حکم ہے۔ اللہ کا وعدہ یہ تھا کہ کشتی میں اپنے گھر والوں کو سوار کر  
 سوائے ان کے کہ جن کے متعلق بات ہو چکی ہے۔ اس کے ساتھ  
 اہل ایمان کو اور ہر جانور کا جوڑا جوڑا بھی لادو، اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھے

بیٹے کے  
 لیے دعا

گنا اور باقی سب کو ہلاک کر دیگا۔ تو وَجَدَكَ الْهَقُّ سے یہی مراد ہے  
 کہ مولا کریمؑ اللہ نے خود فرمایا تھا کہ اپنے اہل کو سوار کرے مگر یہ نافرمان بیٹا  
 خود انکار کر رہا ہے۔ تیسرا وعدہ بھی برحق ہے اور یہ سوار بھی نہیں ہوتا۔ آخر  
 اس میں نیرمی کیا حکمت ہے؟

اللہ تعالیٰ  
 کا بہت  
 جواب

نوح علیہ السلام کی اس دعا کا اللہ تعالیٰ نے ٹہری سمجھنے کے ساتھ جواب  
 دیا قَالَ يٰ نُوحُ إِنَّكَ لَكَيْسٌ مِنْ أَهْلِكَ فرمایا، اے  
 نوح علیہ السلام! یہ بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ إِنَّكَ  
 عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ یہ ستر پابے عمل ہے، ایسا شخص تیرے اہل  
 میں سے کیسے ہو سکتا ہے؟ تیرے اہل میں سے تو ایمان دار ہی ہو سکتے  
 ہیں مگر یہ تو حکمت بے عمل ہی بے عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مبالغے کے  
 طور پر یہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے  
 إِنَّكَ لَكَا عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ اس کے اعمال اچھے نہیں ہیں۔  
 بعض نے اس قرأت میں بھی پڑھا ہے إِنَّكَ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ  
 اس نے بُرا کام لیا ہے۔ بد اعتقادی اور بد عملی کو یکجا کہہ دیا ہے بعض  
 اس کا معنی یہ بھی کرتے ہیں إِنَّكَ ذُو عَمَلٍ غَيْرُ صَالِحٍ یہ تو ایسے عمل  
 کا مالک ہے جو صالح نہیں، بہر حال اللہ نے فرمایا یہ تیرے اہل میں  
 سے نہیں کیونکہ اس کے اعمال بہتر نہیں فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ  
 لَكَ بِهِ عِلْمٌ پس نہ سوال کر مجھ سے اس چیز کے بارے میں  
 جس کا تجھے علم نہیں۔ اَلْهٰبُ اَعْطٰكَ اَنْ تَكُوْنُ مِنَ  
 الْجَاهِلِيْنَ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو نادانوں میں سے ہو جائے  
 گا۔ جس چیز کے متعلق تجھے علم نہیں اس کا کیوں سوال کرتے ہو؟

خالی نالی  
 قربت  
 مفید  
 نہیں

اس سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کے ساتھ خالی نالی  
 قربت مفید نہیں جب تک کہ ایمان موجود نہ ہو خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم





دیا۔ مولانا سید احمد رضا بجنوری ابھی بقیہ حیات ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مولانا صاحب کی تفسیر کا مطالعہ کیا ہے اور میں نے اس میں علمی، اعتقادی، فقہی اور تفسیری ایک سو غلطیاں نوٹ کی ہیں۔ چنانچہ مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

۵۔ اس ارشاد کو نہ بچھ کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے۔ کہ حضرت نوح کے اندر روح ایمان کی کمی تھی، یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی شاہد تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں، اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اُس بلند ترین معیارِ کمال پر قائم رہے جو مومن کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا اوقات کسی نازک انفیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشراف انسان بھی محسوس دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے، لیکن جو نبی کہ اُسے یہ احساس ہوتا ہے، یا اللہ کی طرف سے احساس کرا دیا جاتا ہے کہ اس کا قدم معیارِ مطلوب سے نیچے جا رہا ہے، وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے میں اُسے ایک لمحہ کے لیے بھی تاہل نہیں ہوتا۔ حضرت نوح کی اخلاقی رفعت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا، کہ ابھی جانِ جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے عرق ہو رہا ہے اور اس نظارہ سے کلیجہ نہ کو آ رہا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلیب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے، تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پردا ہو کر اُس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضی ہے۔

دیکھو کتنی غلط بات کہہ رہے ہیں کہ نبی اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو کر معیارِ کمال سے گمراہ ہوا ہے۔ حالانکہ نبی اس کمال کو ہر وقت قائم رکھتے ہیں جو اللہ نے اُن کے لیے رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ اُن سے کوئی گناہ نہیں ہونے دیتا کیونکہ یہ عصمتِ انبیاء کے خلاف بات ہے۔ مودودی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک آدمی جذبہ سے مغلوب ہو کر کوئی بات کرتا ہے، اسی طرح نبی بھی ایسی بات کرتا ہے۔ اس طرح تو نبی مقتدا کیسے بنے گا اور اس کی بات کا ہر وقت یقین کیسے ہوگا؟

اسی طرح آگے آپ نے نوح علیہ السلام کے یہ جذبہ جاہلیت ثابت کیے ہیں۔ یہ فحش غلطی ہے۔ نوح علیہ السلام میں نہ جذبہ جاہلیت تھا اور نہ وہ بشری کمزوری میں مبتلا ہو کر معیارِ کمال سے نیچے گریسے تھے۔ یہ نہ تو گناہ کبیرہ تھا اور نہ جبرہ، بلکہ صرف ایک اجتہادی لغزش تھی اور نبی سے اجتہادی لغزش ہو سکتی ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام سے بھی ہوئی۔ ہر نبی سے کچھ نہ کچھ معمولی لغزش ہو جاتی ہے جو کہ عالم آدمیوں کے اعتبار سے گناہ ہی نہیں ہوتا لیکن نبی کی ذات چونکہ بلند ہوتی ہے، اس لیے وہاں معمولی سی بات پر بھی بڑی گرفت ہوتی ہے۔

امام ابو منصور مائتیدیؒ امام ابو حنیفہؒ کے دو واسطوں سے شاگرد تھے۔ وہ تفسیر میں لکھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ایمان کے بارے میں علم ہی نہیں تھا۔ وہ آپ ہی کے گھر میں منافقوں کی طرح رہتا تھا مگر کافروں کے ساتھ ملا ہوا تھا، بیوی کا بھی یہی حال تھا۔ یہ دونوں درپردہ کافروں کے ساتھ تھے مگر نوح علیہ السلام کو علم نہیں تھا کہ یہ حقیقت میں ایمان سے خالی ہیں۔ یہ بات تو قرین قیاس ہے کیونکہ نبی عالم الغیب تو ہوتا نہیں کہ اسے معلوم ہو کہ فلاں فلاں منافق

مائتیدیؒ  
کی توضیح

آدمی ہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے کہ مدینہ اور اردگرد میں کتنے منافق ایسے ہیں "لَا تَعْلَمُوهُمْ" جن کو آپ نہیں جانتے بلکہ ہم انہیں جانتے ہیں۔ وہ لوگ آپ کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں آپ کی مجلس میں آتے ہیں اور بعض اوقات جہاد میں شریک ہوتے ہیں مگر جب تک وحی کے ذریعہ اطلاع نہ دی جائے ان کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو بھی بیٹے کے کفر اور نفاق کا علم نہ ہو مگر اللہ نے اس صاحبِ سختی اس لیے کی کہ آپ کا بیٹا آپ کی دعوت کے باوجود آپ کے ساتھ کشتی میں سوار نہ ہوا اور نبی کی فرست بھی غیر معمولی ہوتی ہے تو آپ کو بیٹے کے کفر کا اندازہ ہو جانا چاہیے تھا اور خدا کی بارگاہ میں اس لیے دعا نہیں کرنے کی چاہیے تھی، کیونکہ یہ بات خدا کی مرضی کے خلاف تھی۔ یہ نہ تو جذبہ جاہلیت تھا اور نہ نوح علیہ السلام اپنے مقام عصمت سے گمراہ تھے۔ یہ تو چھوٹی سی لغزش تھی۔ نبی معصوم ہوتا ہے، خدا اس سے گناہ نہیں سرزد ہونے دیتا بلکہ اسے گارنٹی حاصل ہوتی ہے۔ نبی خواہ خوشی کی حالت میں ہو یا غمی کی حالت میں یا غصے کی حالت میں، اس کی ہر بات حق اور واجب التعمیل ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ میں جو کچھ زبان سے کہتا ہوں۔ وہ حق ہوتا ہے، چاہے میں کوئی بات منہ ہی مذاق میں ہی کیوں نہ کروں۔ تو امام ابو منصور ماتریدیؒ کی توجیہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو علم نہیں تھا کہ ان کا بیٹا کافر ہے۔ آپ سوال کریں تو اللہ نے سخت ڈانٹ پلائی۔ آپ کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے اللہ نے اتنی سی لغزش بھی معاف نہ فرمائی۔ خود حضور علیہ السلام نے نابینا آدمی سے ذرا بے اعتنائی برتی تھی تو سورۃ عبس کی آیات نازل ہو گئیں عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ۚ اَنْ جَاءَهُ الَّذِي يَدْعُوْهُ اِلٰى الْعِبَادَةِ ۚ اَلَا يَعْلَمُ اَنَّ اَبْنٰ



آدمی سے روگردانی کی۔ یہ کوئی گناہ نہیں تھا بلکہ ذرا سی بے توجہی کی  
تو فوراً گرفت آگئی۔

شیخ الاسلام  
کی توجہ

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اگر نوح علیہ السلام کو بیٹے کے کفر کا  
علم تھا تو پھر سوال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام اس معاملہ  
میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کو سمجھنا چاہتے تھے کہ اے پروردگار! تیرا وعدہ  
تو یہ تھا کہ تیرے اہل کو بچاؤں گا مگر میرا بیٹا ڈوب رہا ہے، مجھے خبر  
دے کہ اس کی حکمت کیا ہے۔ آپ کے سوال کرنے کا یہ مطلب نہیں  
تھا کہ اس کو کیوں غرق کیا یا اس کو ضرور ہی بچا لیا جائے تاہم شاہ  
عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اگر حقیقت حال ہی معلوم کرنا مطلوب تھی، تو  
بڑے آدمیوں کو پہلے مالک کی مرضی معلوم کرنی چاہیے کہ وہ ایسے  
سوال سے ناراض تو نہیں ہوگا، مگر نوح علیہ السلام نے بدادہ راست  
بیٹے کے متعلق سوال کر دیا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھا، اس لیے اس  
نے تنبیہ فرمائی۔ نوح علیہ السلام کو بیٹے کے کفر کے بارے میں علم نہیں  
تھا اور جس بات کے متعلق علم نہ ہو، اس کو ابہام پر ہی رہنے دینا چاہیے  
تھا۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مخفی رکھنا چاہتا ہے اور اگر کوئی  
اس کے متعلق سوال ہوگا تو اللہ تعالیٰ ناپسند کرے گا۔

معافی کی  
درخواست

جب نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ بیٹے کے متعلق ان کا سوال اللہ  
تعالیٰ کو پسند نہیں آیا تو انہوں نے فوراً رجوع کر لیا۔ قَالَ رَبِّ رَافِعِي  
أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ اے پروردگار  
میں تیری ذات کے ساتھ نہ چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی چیز کے بارے  
میں سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں۔ یہی آپ کے کمال کی علامت ہے  
جب آدم علیہ السلام کو اپنی لغزش کا احساس ہوا تو انہوں نے بھی فوراً  
اقرار کر لیا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا اے پروردگار! بیشک ہم

نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ "وَإِنْ كُنْتُمْ تَعْفُونَ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ  
 مِنَ الْخَاسِرِينَ (اعراف) اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم  
 پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے یہی  
عاجزی اور اہمال نوح علیہ السلام نے اللہ کے سامنے کی۔ وَالَا تَعْفُرْ لِي  
وَتَرْحَمْنِي أَكُنُ مِنَ الْخَاسِرِينَ اور اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گا اور  
 مجھ پر رحم نہیں فرمائے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا  
 آپ نے یہ نہیں کہا کہ باری تعالیٰ! میں آئندہ ایسا نہیں کریں گا بلکہ  
 لغزش کی معافی طلب کر لی اور یہی عاجزی اللہ کے نزدیک سب سے  
 بڑا کمال ہے۔

---

وما من دابة

سورة هود ۱۱

درس چار و ہجتم ۱۴

آیت ۴۸ تا ۴۹

قَبْلَ نُوحٍ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَى  
 أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ  
 مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا  
 إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ  
 هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾

موانع ۱۲  
 الوقف علی وفا صبر اجتناب والیق ۱۲

ترجمہ :- کہا گیا (نوح علیہ السلام سے) اے نوح! اتر جاؤ سلامتی کے  
 ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو تجھ پر ہوں گی اور اُن  
 امتوں پر ہوں گی جو اُن میں سے ہیں جو تیرے ساتھ ہیں۔ اور  
 کچھ امتیں ایسی ہیں کہ ہم اُن کو فائدہ پہنچائیں گے، پھر پیچھے  
 گا اُن کو ہماری طرف سے دردناک عذاب ﴿۴۸﴾ یہ باتیں غیب  
 کی خبروں میں سے ہیں، ہم وحی کے ذریعے ان کو آپ تک  
 پہنچاتے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی  
 قوم کے لوگ اس سے پہلے، پس آپ صبر کریں، بیشک انجام  
 متقیوں کے لیے ہی ہے ﴿۴۹﴾

در باب آیات

اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور محنت کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے  
 آپ کی قوم کا کچھ حال بیان کیا اور ساتھ آپ کے بیٹے کی نافرمانی کا ذکر بھی کیا۔ پھر آخر  
 میں نافرمانوں پر مسلط ہونے والے عذاب اور اس میں قوم کی ہلاکت کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ  
 کے حکم سے نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کی اور اس میں اپنے اہل اور مؤمنوں کو سوار کیا۔ اس کے



ساتھ ہر جانور کا ایک ایک جوڑا بھی لا دیا۔ پھر اللہ نے طوفان کا ذکر کیا کہ طوفانی پانی اونچے سے اونچے پہاڑ سے بھی تیس ہفتے اور پتھک پہنچ گیا جس میں نوح علیہ السلام کی کشتی چلتی رہی اور پھر ایک سو پچاس دن کے بعد جو دری پہاڑ پر جا کر ٹک گئی۔ اس کے بعد اللہ نے حکم سے پانی اتر گیا، بارش ختم گئی اور زمین خشک ہو گئی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ طوفان کے عہم جانے اور کشتی والوں کے زمین پر قدم رکھنے کے درمیان ایک سال کا وقفہ گزر گیا۔ یہ کشتی محرم کی دس تاریخ کو جو دری پہاڑ پر جا کر ٹکی تو نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے اس دن شکرانے کا روزہ رکھا۔ جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے نجات پائی، اس دن بھی یہی تاریخ معنی اور بنی اسرائیل نے نجات حاصل ہونے پر روزہ رکھا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل ہمیشہ دسویں محرم کا روزہ رکھتے تھے۔ ہماری امت کے لیے اس دن کا روزہ مستحب ہے اور باعث اجر ہے۔ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے اس دن کا روزہ فرض تھا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس دن کا روزہ نفلی ہو گیا حضور علیہ السلام نے دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کو بھی شامل کر لیا اور دو دن کا نفلی روزہ رکھنے کی ترغیب دی۔

جب کشتی کو رُکے ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا قِيلَ يٰ نُوحُ اهْبِطْ كَمَا كُنْتَ اَتْرَا جَاوِزًا کشتی سے بھی ہو سکتا ہے اور جو دری پہاڑ سے بھی کیونکہ آپ کشتی پر سوار تھے اور کشتی پہاڑ پر جا کر ٹکی تھی۔ تو اللہ کا حکم ہوا کہ اب زمین بہنے کے قابل ہو گئی ہے لہذا آپ اتر کر معمولات زندگی میں دوبارہ مصروف ہو جائیں۔ اور اترنے کی صورت کیا ہے يَسِّرْ لِيْ مَخْرَجًا ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ۔ وَبِكَيْتٍ عَلَيْنَا اور آپ پر برکتوں کے ساتھ

کشتی سے  
اترنے کا  
حکم



نصیب ہو اور اچھے طریقے سے عبادت کرنے کا ذوق و شوق پیدا ہو۔  
 یہاں پر مطلق سلامتی کا ذکر کیا گیا ہے جس سے مادی اور روحانی دونوں قسم  
 کی سلامتی مراد ہے۔ قرآن پاک میں یہ بھی موجود ہے کہ ہم ہر شخص کو آزمائش  
 گئے۔ اس آزمائش کے دوران میں اگر مادی سلامتی کسی وقت نہ بھی حاصل  
 ہو تو روحانی سلامتی بہر حال نصیب ہوتی ہے۔ سلامتی کو عافیت سے  
 بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اور حضرت علیہ السلام کا ارشاد ہے سَلِّ اللّٰهُ الْعَافِيَةَ  
 یعنی اللہ سے ہمیشہ عافیت ملے۔ کیا کرو۔ عافیت انسانی جسم میں سعادت  
 کی طرح ہوتی ہے یہ انسان کی جسمانی سعادت ہے کہ اُسے عافیت نصیب  
 ہو اور وہ آفات سے محفوظ ہے۔ یہ سب چیزیں عافیت میں داخل  
 ہیں تاہم جسمانی عافیت ہمیشہ نہیں رہتی۔

عَرَأَمَرُوْا مَنَ شَاءَ نَفْسِكُمْ اَنْ تَدُوْمَ لَهُ السَّلَامَةُ

— اُس آدمی کے نفس نے اُسے

دیکھو کہ دیا جو یہ چاہتا ہے کہ سلامتی اس کے لیے ہمیشہ رہی۔ تندرستی مال  
 اقدار وغیرہ دائمی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ دنیا دار الابطلا ہے۔ اگر انسان کو  
 عافیت نصیب ہو تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے کیونکہ بڑھاپا آنے  
 والا ہے جو اس کی سلامتی میں کمی کر کے اُسے امراض کا شکار بنائے گا  
 گویا اس دنیا میں ہمیشہ کی سلامتی ناممکن ہے، یہ تو صرف دارالسلام میں  
 پہنچ کر ہی نصیب ہو سکتی ہے۔

سلامتی  
 عربی ادب  
 میں

جس طرح ہمارے ہاں ڈاکٹر اقبال قومی شاعر تصور کیے جاتے ہیں  
 اُسی طرح مصر کے شوقی بڑے مشہور شاعر ہیں۔ جاپان میں جب قیامت  
 خیز زلزلہ آیا تھا تو شوقی نے اس کا ذکر یوں کیا تھا۔

قِفْ يَتَوَكَّمُوْا وَتَفْ عَلٰى يُوْكُوْهُمَا مَّة

وَسَلِّ الْقَرْنَيْنِ كَيْفَ الْتَبَا مَّة

جاپان کی دو بستیوں کو کیو اور یو کو ہا میں جا کر بٹھرو اور ان سے پوچھو



کہ قیامت کیسی ہوتی ہے۔ یہ زلزلہ بالکل قیامت کا نمونہ تھا جس میں  
ڈیڑھ لاکھ آدمی ہلاک اور اڑھائی لاکھ زخمی ہو گئے زمین میں بڑی بڑی  
دارڑیں پھٹ گئیں اور ملک کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ پھر شاعرانان کہ  
خطاب کر کے کہتا ہے۔

رَفِيقٌ رِيْمًا شَدَّتْ مِثْرَ زَمَانِكَ

إِلَّا صُحْبَةَ الْعَيْشِ أَوْ جَوَارِيَ السَّلَامَةِ

اپنے زمانے کی ہر چیز پر اعتماد کرو مگر دائمی عیش اور سلامتی کی امید نہ  
رکھو۔ انسان کو سلامتی اور عافیت کا جتنا وقت نصیب ہو جائے۔  
اسی کو غنیمت جانے کیونکہ یہ ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اسی  
طرح ایک شاعریوں کہتا ہے

كُلُّ ابْنِ آثْنَى وَابْتِ طَالَتْ سَلَامَتُهُ

لَا بُدَّ يَوْمًا عَلَى إِلَهٍ الْخَدْبَاءِ مَحْمُولٌ

ہر عا کا بیٹا ایک دن ٹیڑھی چارپائی (جنارے والی چارپائی) پر  
سوار ہونے والا ہے اگرچہ اُس کی سلامتی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو۔  
بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں کی  
امتوں پر سلامتی ہوگی۔ ان میں سے روحانی سلامتی تو ہمیشہ قائم رہے گی  
مگر مادی سلامتی اسی دنیا میں بعض کو نصیب ہو جاتی ہے تاہم یہ دیر پا  
نہیں ہوتی اور کسی وقت بھی چھین سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے لیے سلامتی  
کے علاوہ برکت کا ذکر کیا ہے۔ امام راغب اصفہانی "مفردات القرآن"  
میں فرماتے ہیں کہ برکت ایسی بہتری اور زیادتی کو کہتے ہیں جس میں تقدیس  
کا مادہ پایا جاتا ہے۔ برکت دنیا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے کسی کی  
عمر میں برکت ہوتی ہے، کسی کے مال میں، کسی کی اولاد میں، کسی کی عبادت

اللہ کی  
طرف سے  
برکت

میں اور کسی کے اوقات میں۔ یہ اوقات بعض لوگ بتورے وقت میں بہت زیادہ کام کر جاتے ہیں یہ اوقات میں برکت ہوتی ہے بعض اوقات اللہ تعالیٰ بتورے سی چیز میں برکت عطا کرتا ہے تو وہی چیز بہت زیادہ لوگوں کی پیٹ پروری اور سیرابی کا باعث بن جاتی ہے۔ بعض اوقات بڑی سے بڑی چیز میں بھی بے برکتی ہوتی ہے جس سے نہ پیٹ پروری ہوتی ہے اور نہ سیرابی۔

عذاب کے متعلق

بعض امتوں کے لیے سلامتی اور برکات کے ذکر کے بعد فرمایا وَأَمَّا سَأْمَنَعَهُمْ كَيْدَ امْتِنِ، جَاهِلِينَ، كَرُودَ، خَائِدِينَ اور نہیں ایسی ہیں، جن کو ہم فائدہ پہنچائیں گے ثُمَّ يَصْهَرُهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ نافرمان، کافر، مشرک، منافق اور ملحد۔ لوگوں کا ذکر ہے جن کے متعلق فرمایا کہ دنیا میں ان کو فائدہ پہنچے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق دنیا میں ہر انسان کو دولت دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مال و دولت اور اقتدار دیتا ہے مگر جب وہ امتحان میں پورے نہیں اترتے تو عذاب الیم کے مستحق بن جاتے ہیں۔ یہ قانون قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت نوح علیہ السلام کو بتلایا رَبِّهَا۔

غیب کی خبریں

نوح علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اگلی آیت میں حضور علیہ السلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جس قسم کے حالات نوح علیہ السلام کو پیش آئے وہی حالات آپ کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں نوح علیہ السلام کا واقعہ حضور علیہ السلام کی عداقت و حقانیت کی دلیل ہے ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ یہ غیب کی خبریں میں نہیں ہم نے جی کے ذریعے آپ پر نازل کیا ہے۔ نوح علیہ السلام کے واقعات

کہ ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا کیا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ نہیں ہے  
 جس ہستی نے نہ سکول میں پڑھا، نہ کسی انسان سے درس لیا، نہ تعلیم یافتہ  
 سوسائٹی میسر آئی، نہ تاریخ پڑھی بلکہ ایک اُمّی ہونے کے باوجود ہزاروں  
 سال پہلے واقعات بلا کم و کاست بیان کرنا ہی آپ کی نبوت و  
 رسالت کا ثبوت ہے۔ فرمایا یہ واقعات — ہم نے آپ کو وحی کے  
 ذریعے بتائے ہیں مَا كُنْتُمْ تَعْلَمُهَا اَنْتُمْ لَا اِنْ واقعات  
 کو جانتے تھے وَلَا قَوْمُكَ اور نہ آپ کی قوم کے لوگ مِنْ قَبْلُ  
 هَذَا اس سے پہلے جانتے تھے۔ آپ کی قوم کی غالب اکثریت  
 بھی اُمّی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ڈیڑھ ہزار سال تک  
 وہ صحیح دین پر تھے۔ پھر حضور علیہ السلام کی بعثت سے سارے پار سال  
 قبل دین میں بگاڑ پیدا ہوا اور دین کا کچھ کا کچھ بن گیا یہود و نصاریٰ کے پاس  
 تو کسی نہ کسی صورت میں کتابیں موجود تھیں مگر عربوں کے ہاں تو علم کا کوئی  
 ذریعہ ہی نہیں تھا۔ لہذا وہ ان واقعات سے بالکل بے بہرہ تھے، مگر  
 وحی کے ذریعے علم ہونے پر آپ نے یہ سارے واقعات بیان کر دیے۔  
 معلوم ہوا کہ اللہ کا نبی بھی غیب دان نہیں ہوتا۔ غیب دان صرف  
 ذات خداوندی ہے۔ قرآن پاک ایسی آیات سے بھر پڑا ہے جن میں  
 بتایا گیا ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مخلوق میں  
 سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اللہ تعالیٰ  
 ہی کی ذات ہے لَا يَعْزُبُ عَنْهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
 الْغَيْبُ اِلَّا اللّٰهُ اَسْمَانِ وَرَمِنْ مِیْنِ اللّٰهِ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔  
 فَكُلُّ شَيْءٍ الْغَيْبِ لِلّٰهِ اَنْتُمْ کہہ رہے ہیں کہ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے  
 لیے ہے جو چیزیں مخلوق کی نگاہ سے غائب ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب  
 کو جانتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ تعلیم کل صرف ذات

نبی عالم  
 الغیب  
 نہیں ہوتا



خداوند ہی ہے۔ علم محیط، قدرت نامہ اور تصرف نامہ اللہ تعالیٰ کی صفات  
مختصہ ہیں، ان میں اس کا کوئی شریک نہیں، معبود بھی وہی ہے، نافع،  
منار، ما فوق الاسباب منصرف۔ علم کل، محیط کل صرف اللہ تعالیٰ ہے  
کوئی فرشتہ، جن یا انسان غیب نہیں جانتا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ  
وسلم مخلوق میں سے زیادہ علم والے ہیں جن پر اللہ نے قرآن جیسی کتاب نازل  
فرمائی، مگر اُن کا علم بھی محدود ہے، لہذا عالم الغیب کا اطلاق آپ پر بھی  
جائز نہیں۔ ہاں جوابات آپ کو وحی کے ذریعے بتلا دی جاتی ہیں آپ  
جلستے ہیں۔ شریعت ساری کی ساری غیب کے علم پر مشتمل ہے جس کا  
آپ کو مکمل علم ہے اس کے علاوہ بھی تکوینی طور پر آپ نے بیشمار باتیں  
بتلائی ہیں جن کا علم آپ کو بذریعہ وحی ہوا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا  
ہے کہ ایک یہودی عالم نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں سوال کیا کہ  
شکم مادر میں بچے یا بچی کی شکل و شباہت ماں یا باپ پر کیسے بنتی ہے؟  
حضور نبی اکرمؐ نے محوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ عورت اور  
مرد میں جس کا مادہ منویہ سبقت کرتا ہے، پیدا ہونے والے بچے بچی کی شکل  
و شباہت اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ جب سوال کرنے والا چلا گیا تو  
حضور نے عسیبہؓ سے فرمایا کہ جب اس شخص نے سوال کیا تو اس وقت  
مجھے اس کے جواب کا علم نہیں تھا۔ پھر جب جبریل علیہ السلام نے  
اگر خبر دی تو میں نے اس شخص کو جواب دیا۔ غرضیکہ عالم الغیب نبی کی  
ذات بھی نہیں ہوتی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ  
انبیاء میں پائے جانے کی نفی کرنا واجب ہے، یعنی یہ کہ نبی مخلوق ہے  
اُس کا علم محدود ہے، نہ وہ علم کل ہے اور نہ قادر مطلق۔ ایسا کہنا نبی کی توہین  
نہیں بلکہ تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا علم آپ کو دیا، اُس کو آپ

جانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی منسلحت کے مطابق جن چیزوں کا علم آپ کو نہیں دیا گیا، آپ اس کو نہیں جانتے بعض لوگ بعض آیات سے غلط استدلال کرتے ہیں اور انبیاء کے علاوہ اولیاء اللہ کو بھی غیب ان مانتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ ہاں اگر اللہ کسی نبی یا ولی کے ہاتھ سے کوئی معجزہ یا کرامت ظاہر کرے تو یہ اس کا کام ہے اور اُسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ کسی نبی یا ولی کو از خود معجزے یا کرامت کے اظہار کا اختیار نہیں ہوتا۔

فرمایا فاصبروا آپ کفار و مشرکین کی ایذا رسانی پر صبر کریں حضرت نوح علیہ السلام نے تقریباً ایک ہزار برس تک تکالیف برداشت کیں، اسی طرح آپ بھی صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ صبر بھی اللہ ہی کی توفیق سے حاصل ہوتا ہے آپ تکالیف برداشت کرنے کے بھی اپنے مشن کو جاری رکھیں۔ صبر ملت ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ اللہ کا ذکر، شکر، صبر، شغائد اللہ کی تعظیم اور نماز وغیرہ بڑے بڑے اصول ہیں جو ہماری امت کے لیے بھی واجب التحیل ہیں۔ لہذا تکلیف کے وقت برداشت کرو اور ناشکری کا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالو۔

فرمایا پس آپ صبر کریں إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ بیشک نیک انجام متقیوں کے لیے ہی ہے۔ جو لوگ ایماندار ہیں اللہ کی مدد نیت کے قائل ہیں، کفر اور شرک سے بیزار ہیں، وہی لوگ متقی ہیں اور وہی اچھے انجام کے حقدار ہیں۔ پھر حال نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی ہے۔ آگے دوسرے انبیاء کا حال بیان ہوگا۔

صبر کی  
تکلیفیں

وما من دآبۃ ۱۲

سورة هود ۱۱

دس پانزدہم ۱۵

آیت ۵۰ تا ۵۲

وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا  
 لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَیْرُهُ ۚ إِنِ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿۵۰﴾  
 یَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا ۚ إِنِ أَجْرِی إِلَّا عَلَى  
 الَّذِی فَطَرَنِی ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۱﴾ وَلِیَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا  
 رَبَّكُمْ ثُمَّ تَوَلَّوْا إِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْكُمْ  
 مِدْرَارًا وَیَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا  
 مُجْرِمِیْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ :- اور قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو  
 رسول بنا کر بھیجا (انہوں نے اپنی قوم کے سامنے اس طرح تقریر کی  
 کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، نہیں سے تمہارے  
 لیے اس کے سوا کوئی معبود۔ نہیں ہو تم مگر افتراء باز مٹنے  
 والے ﴿۵۰﴾ اے میری قوم کے لوگو! میں نہیں مانگتا تم سے  
 اس پر کوئی بدلہ۔ نہیں ہے میرا بدلہ مگر اُس ذات پر جس  
 نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم نہیں سمجھتے ﴿۵۱﴾ اور اے  
 میری قوم کے لوگو! بخشش طلب کرو اپنے پروردگار سے  
 پھر توبہ کرو اس کے سامنے، وہ چھوڑ دے گا آسمان کو تمہارے  
 اوپر بارش برسانے والا، اور زیادہ کریگا تمہارے لیے طاقت کو تمہاری  
 طاقت کے ساتھ۔ اور نہ روگردانی کرو مجرم (گنہگار) بن کر ﴿۵۲﴾



رابطہ آیت

اپنی توحید کو بیان کرنے، اپنے پیغمبر آخر الزمان کو تسلی دینے اور صبر کا قانون سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ ہود میں بعض سابقہ انبیاء کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ سورۃ حضرت ہود علیہ السلام کے نام پر ہی مسموم ہے۔ آج کے درس میں آپ ہی کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ کی دعوت کے جواب میں آپ کی قوم کی نافرمانی اور کفر اور شرک کا تذکرہ ہے اور پھر ان کا شرعی بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے اس قوم کو عبرتناک منادی۔ پلٹے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر کیا، اب ہود علیہ السلام اور ان کی تقریر نصیحت کا کچھ حصہ ان آیات میں بیان کیا جا رہا ہے۔ پھر لگے قوم کا جواب آئے گا اور آخر میں ان پر نازل ہونے والے عذاب کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو تبدیل قرآن اور بعد کے زمانے والے لوگوں کے لیے باعث عبرت بنا دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَالْحَالِ عَاقِبَةُ الْأُمَمِ ۚ ہُوْد اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس آیت کا عطف حضرت نوح کے واقعہ کی ابتدائی آیت "وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ آلِهِ فَاتَّخَذَ لَهُمْ وَجْهًا فَأَنفَرُوا مِنْهُ فَمَا يَسْمَعُونَ" سے ملتا ہے۔ یہ قوم سام ابن نوح کی اولاد میں سے ہے اور ہود علیہ السلام بھی اسی قوم کے فرد تھے۔ قوم عاد کے لوگ جسمانی طور پر بڑے مضبوط تھے وہ خود کہتے تھے مَنْ أَشَدُّ صِلَافًا قُوَّةً (حکم سجدہ) ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے اس کے علاوہ یہ لوگ بہت زیادہ متکبر تھے جس کا ذکر سورۃ شعراء میں موجود ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم

ہود علیہ السلام  
اپنی قوم

اور اس کے بعد والی قوموں میں پائی جانے والی کفر و شرک کی بیماری قوم  
میں بھی پائی جاتی تھی۔ بہر حال ہود علیہ السلام کا تعلق بھی اسی قوم سے تھا  
آپ کا شجرہ نسب ہود ابن عبد المذابن ربیع اور پھر آخر میں سام ابن  
نوح سے جا ملتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی تباہی کے بعد دنیا میں جس قوم  
کو عروج حاصل ہوا، وہ قوم عاد تھی۔ یہ قوم جنوبی عرب میں یمن اور اس  
کے اطراف، حضرموت، مکہ، عمان اور خلیج فارس کے بہت  
بڑے حصے پر آباد تھی اور دوسری طرف مصر تک ان کو اقتدار حاصل تھا  
تاہم ان کا پایہ تخت یمن تھا۔

عربی زبان میں عادی پرانی چیز کو کہتے ہیں جیسے عادی الارض۔  
(خبر زمین) یا شئی عادی (پرانی چیز)۔ چونکہ یہ پرانے لوگ ہیں اس لیے ان  
کا نام عاد پڑ گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کا زمانہ عروج کون سا ہے۔ تو  
اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام  
کے دو سو سال بعد اس قوم کو عروج حاصل ہو گیا تھا مگر یہ بات زیادہ  
قرین قیاس نہیں بعض ان کا زمانہ عروج نوح علیہ السلام کے نو سو سال  
بعد بتاتے ہیں۔ البتہ امام جلال الدین سیوطی مفسر قرآن کی رائے مختلف  
ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو تک پہنچتی ہے جن میں تفسیر  
حدیث، تاریخ اور دیگر فنون شامل ہیں۔ آپ اپنی مشہور زمانہ دو جلدوں  
پر مشتمل تاریخ کی کتاب "حسن المحاضرة في احوال المص  
والقاهرة" ہیں لکھتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کی بعثت مصر ابن بصر  
بادشاہ کے زمانے میں ہوئی اور بادشاہ طیفان نوح کے ۶۶۰۰ سال  
بعد ہر اقتدار تھا۔

مصر ابن بصر کا زمانہ حکومت ۴۸۰ برس ہے جب کہ ہود علیہ السلام صابی

کی عمر مبارک ۴۶۴ سال تھی۔ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام سے پہلے ایک صابی دور گزرا ہے، جس کے چار مشہور اصول توحید، طہارت، نماز اور روزہ تھے۔ ابتداء میں یہ مذہب بھی ٹھیک تھا مگر بعد میں لوگوں نے اس میں بگاڑ پیدا کر دیا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اصل مذہب تو سارے ہی درست تھے حتیٰ کہ زرتشت مذہب بھی ٹھیک تھا مگر بعد میں مجوسیوں نے اس کو بگاڑ کر ستارہ پرستی کی طرف موڑ دیا۔ یہود و نصاریٰ کا بھی یہی حال ہے۔ اصل مذہب اپنے زمانہ میں حق پر تھے مگر بعد میں آنے والوں نے ان کو بالکل مسخ کر دیا۔ بہر حال صابی مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک چلتا رہا۔ پھر آپ کے زمانہ میں توحید کا تصور بالکل ختم ہو گیا۔ حضور علیہ السلام کی بعثت کے وقت بھی توحید خالص ختم ہو چکی تھی۔ گزشتہ پانچ سو سال میں دین کا علیحدہ بگڑ چکا تھا اور توحید کا تصور ایک فیصد بھی باقی نہیں رہا تھا آپ کے زمانہ بعثت میں توحید کا تصور کھٹنے والے چند آدمیوں کا ذکر ملتا ہے، وگرنہ سارے کے سارے شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مصر کے سہ گوشہ مینار بہت پرانے زمانے کے بنے ہوئے ہیں جن میں قوم عاد کا زمانہ بھی شامل ہے فرماتے ہیں کہ ان میں سے دو مینار تو نوح علیہ السلام سے بھی پہلے کے ہیں اور ان کے نیچے حضرت ثلث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کی قبریں ہیں، اور باقی میناروں کے نیچے فرعون کی قبریں ہیں۔ یہ سہ گوشہ مینار بڑے بڑے پتھر جوڑ کر نہایت پختہ چھ طریقہ سے بنائے گئے ہیں، ساڑھے چھ ہزار سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی یہ مینار قائم ہیں۔ آج کا انسان انہیں دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ اتنے وزنی پتھر ایک دوسرے کے اوپر کن ذرائع کے ساتھ رکھے گئے جب کہ اس وقت کوئی مشینری

اہرام  
مصر



یا کرین وغیرہ بھی نہیں تھی۔ پھر ان پتھروں کو جو ٹٹنے کے لیے عجیب و غریب  
سالہ استعمال کیا گیا جس کی وجہ سے ابھی تک شکستگی کے آثار پیدا نہیں ہوئے  
ان میں سب سے بڑا مینار چار سو فٹ سے بھی زیادہ بلند ہے۔ بہر حال  
اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی طاقت عطا فرمائی تھی کہ اتنے بڑے بڑے کام انجام  
دیتے تھے۔

قوم عا  
کا مسکن

قوم نادر کا مسکن عرب کے ربع خالی میں وادی دہنا ہے۔ جزیرہ  
نمائے عرب کے جنوبی حصے میں ہزاروں میل کا خطہ ہے آباد ریگستان ہے  
جب وہاں پر ہوائیں چلتی ہیں تو ریت کے طوفان اٹھ کر بڑے بڑے ہوتے  
ہیں۔ وہاں پر ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں۔ پہاڑوں جتنے بڑے  
ٹیلے دیکھتے ہی دیکھتے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔  
اور پھر ان کی زد میں آنے والے قافلے جمع اونٹ اور ساز و سامان سرخ  
درخیز ریت کے پہاڑوں میں دب کر رہ جاتے ہیں۔ قوم عاد یہیں آباد  
تھی۔ تفسیر حقانی وائے رکھتے ہیں کہ قوم عاد کے لوگ عمارت کی تعمیر میں بڑا  
کمال رکھتے تھے ان کا بنایا ہوا ایک ایک مکان سات سات منزلہ ہوتا  
اور ہر منزل کے درمیان چالیس گز کی مسافت ہوتی۔ اس قسم کی بعض عمارتیں  
حضرت عثمان کے دور خلافت تک موجود تھیں۔ بہر حال یہی وہ قوم عاد  
تھی جس کی طرف اللہ نے ان کے بھائی مومنین کو رسول بنا کر بھیجا۔

اخوت  
کی مختلف  
صور میں

اخوت کی مختلف صورتیں ہیں۔ حقیقی بھائی تو وہ ہوتے ہیں جو نسل  
اور خاندان کے اعتبار سے بھائی ہوتے ہیں، تاہم کسی ایک دین کے  
پیروکار دینی بھائی بھی ہوتے ہیں۔ جیسے خود مومنین کے متعلق قرآن  
پاک میں ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (المحجرات) سارے  
مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لیے اگر ایک مومن خود کو دوسرے  
سے برتر سمجھتا ہے تو وہ شیطان کا مرید ہے کیونکہ دین میں کوئی اونچ

نیچ نہیں بلکہ سارے مسلمان برابر ہیں۔ پھر زبان کے لحاظ سے بھی اخوت ہوتی ہے۔ ہم زبان بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں قومیتوں کی بنیاد وطن پر ہے۔ اس لیے کسی ایک ملک کے باشندے رشتہ اخوت میں منسلک ہوتے ہیں۔ ذرائع نقل و حمل کی فراوانی کی وجہ سے آج کل دنیا بھر کا سفر نہایت آسان ہے۔ جب کسی ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک میں جاتا ہے تو وہ اپنی ملکی قومیت کے اعتبار سے پہچانا جاتا ہے جیسے فلاں پاکستانی ہے اور فلاں ہندی، ملائی، امریکن یا جرمن ہے۔ پاسپورٹ پر بھی شہریت کا اندراج ملکی اعتبار سے ہی ہوتا ہے اگرچہ ایک ملک میں کئی صوبے ہوتے ہیں اور کئی زبانیں بولی جاتی ہیں مگر قومیت ایک ہی ہوتی ہے۔

میں پرہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی نسلی اعتبار سے کہا گیا ہے۔ آپ اپنی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اگرچہ آپ اللہ کے رسول تھے اور ساری قوم کافر تھی۔ اس دینی تفاوت کے باوجود وہ نسلی اعتبار سے بھائی تھے۔ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف مذاہب رکھنے کے باوجود لوگ ایک ہی خاندان اور برادری سے متعلق ہوتے ہیں مثلاً ہمارے ر بہوت مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ ان کا عبد امجد ایک ہی تھا۔ پھر خواجہ فرید الدین گنج شکر کی تبلیغ کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے اور دوسرے ہندو ہی رہے، چنانچہ آج بھی ہندوستان میں ہندو راجپوتوں کی بڑی آبادی موجود ہے۔

بہر حال پرہود علیہ السلام کی قوم کے ساتھ اخوت نسلی اعتبار سے بھی محنتی اورسانی لحاظ سے بھی، کیونکہ وہ سب عربی زبان بولتے تھے اور قدیم عرب کہلاتے ہیں۔ یہ عرب بائبل کہلاتے ہیں جو اللہ کے مذاہب کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔ دوسرے نمبر پر قحطانی نسل آتی ہے اور





کی تبلیغ کا لب لباب بھی یہی تھا اور ہود علیہ السلام نے بھی قوم کو یہی سبق دیا۔ لوگو! اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مَفْرُوعُونَ تم تو افترار باندھنے والے ہو۔ اللہ کے علاوہ اپنی عبادت میں دوسروں کو پکارنا ہی شرک اور افترار علی اللہ ہے۔ پیچھے گزر چکا ہے فَتَعَلٰی اللّٰهُ عَمَّا يَكْفُرُ كُفْرًا اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں اور پھر مختلف طریقوں سے ان کی عبادت بھی کرتے ہیں۔

شرک  
کی بنیاد

اہم محمد ابن عمر رازیؒ ایران کے علاقے کُے کے سہنے والے تھے آپ محمد غوری کے زمانے میں ہوئے ہیں اور آپ کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔ آپ عظیم عالم باپ کے بیٹے تھے، اولاد بھی عالم فاضل تھی۔ آپ نے تفسیر کبیر کے حوالے سے شہرت پائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہندوستان کا سفر بھی کیا۔ وہاں میں نے کسی کو خدا تعالیٰ کی ذات میں شریک بناتے نہیں دیکھا۔ سب یہی کہتے تھے کہ واجب الوجود صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ کے وجود میں کوئی شریک نہیں مگر عبادت میں آکرہ اللہ کے شریک ٹھہرا لیتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی فرماتے ہیں کہ توحید کے دو درجات تو سارے مشرک بھی تسلیم کرتے ہیں، یعنی واجب الوجود صرف اللہ ہے، اور خالق بھی وہی ہے۔ مگر جب عبادت کی باری آتی ہے تو اس میں غیروں کو بھی شریک کہتے لگتے ہیں اس کے علاوہ صفات میں بھی پھسلتے ہیں۔ اللہ کی صفات بندوں میں ثابت کی جائیں یا بندوں کی صفات اللہ میں مانی جائیں تو یہ شرک فی الصفات ہو گیا۔ اسی طرح خدا کے لیے اولاد کی صفت ثابت کرنا عقیدہ نبیہ سب سے جو کہ کفر ہے۔ اللہ کی صفات بندوں میں اس طرح ثابت کی جاتی ہیں کہ

فلاں بھی سب کچھ جانتا ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے، وہ ہمارے دل کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی طرح اللہ بر چیز پر گواہ اور حاضر ہے۔ مگر یہ صفت غیروں میں بھی ثابت کی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ نبی اور ولی بھی حاضر ناظر ہیں اور یہی شرک ہے۔ عبادت میں شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی غیر کی انتہائی تعظیم اس نیت کے ساتھ کی جائے کہ اس ہستی کو مافوق الاسباب تصرف حاصل ہے۔ اس کو نافع اور ضار سمجھا جاتا ہے اس کے سامنے رکوع و سجود کیا جاتا ہے، اس کے نام کی نیازی جاتی ہے، اس کے نام کا ورد کیا جاتا ہے اور اس کے سامنے مناجات پیش کی جاتی ہے یہ سب عبادت ہے کوئی قولی ہے، کوئی فعلی اور کوئی مالی۔

ہود علیہ السلام نے قوم سے یہ فرمایا یَقُومُوا لِرَبِّکُمْ عَلَیہِ  
 اَجْرًا اے میری قوم کے لوگو! میں اپنی اس تبلیغ کا تم سے کوئی بدلہ  
 طلب نہیں کرتا۔ اِنَّ اَجْرِیْ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَ فِیْہِ اَجْرًا  
 تو اس ذات کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میرے کام  
 کی مزدوری وہی ہے گا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے  
 حضرت ہود علیہ السلام نے یہ بھی کہا وَ یَقُومُوا لِرَبِّکُمْ  
 اے میری قوم کے لوگو! اللہ سے معافی طلب کرو۔ ثُمَّ تَوَلَّوْا اِلَیْہِ  
 پھر اس کے سامنے توبہ کرو۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ استغفار  
 صابن کی طرح روح کی میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور تبیح و تہلیل بمنزلہ  
 خوشبو ہے۔ چونکہ لوگوں سے اکثر گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں، اس لیے  
 حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بہتر لوگ وہی ہیں جو معافی مانگتے رہتے ہیں۔  
 اور توبہ کرتے رہتے ہیں۔ خود حضور علیہ السلام ایک ایک مجلس میں سو سو  
 مرتبہ اپنی زبان سے استغفار کے کلمات ادا فرماتے تھے کہ اے اللہ

استغفار  
 کی برکات

جو غلطی ہو گئی ہے اُسے معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اس کے سامنے توبہ کرنا مومن کی سات منزلوں میں سے پہلی منزل ہے سو قرآن میں یہ سات منزلیں گنبدِ حق ہیں **التَّائِبُونَ الْعَبِيدُونَ الْحَصِيدُونَ الشَّائِحُونَ الرَّكْعُونَ السُّجِدُونَ الْأُمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ** مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اس قوم نے نافرمانی کی تو تین سال تک بارش بند رہی اور اس عرصہ میں عورتیں بھی بائجنہ ہو گئیں، کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا، تو ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! اسے تقفار اور توبہ کرو، جس کے نتیجے میں **يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا** اللہ تعالیٰ آسمان کو تم پر بارش برسانے کے لیے چھوڑ دے گا۔ قحط سالی دور ہو جائیگا **وَيَزِدْكُمْ مِّنْ قُوَّةٍ إِلَىٰ قُوَّةٍ** اللہ تعالیٰ تمہیں جہانی قوت کے ساتھ قوت عطا کرے گا۔ تمہاری طاقت میں اضافہ ہو جائے گا اور اولاد بھی ہونے لگے گی **وَلَا تَتَوَلَّوْا الْبَحْرَ مَهِينًا** تم مجرم بن کر پشت نہ پھيرو۔ ہود علیہ السلام کی تقریر کا یہ پہلا حصہ ہے جو آپ نے قوم کے سامنے پیش کیا۔



وما من دآبۃ ۱۲

سورة هود ۱۱

درس شانزدہم ۱۶

آیت ۵۳ تا ۵۷

قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي  
 آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝۵۳  
 اِنْ نَقُولُ اِلَّا اَعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوْءٍ قَالَ اِنِّي  
 اَشْهَدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اِنِّي بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۵۴  
 مِنْ دُوْنِهِ فَيَكْذِبُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ ۝۵۵  
 اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ  
 اخِذٌ بِعَاصِيَتِهَا ۝۵۶ اِنْ رَبِّيْ عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۵۷  
 فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَا ارْسَلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ  
 وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا  
 اِنَّ رَبِّيْ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝۵۸

ترجمہ :- انہوں نے کہا ، اے ہود علیہ السلام ! نہیں لایا تو ہم سے  
 پاس کوئی کھلی دلیل (نشانی) اور نہیں ہم چھوڑنے والے اپنے معبودوں  
 کو تیری بات کی وجہ سے اور نہیں ہم تیری بات کی تصدیق کرنے  
 والے ۵۳ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تمہیں برائی  
 پہنچائی ہے ۔ کہا ہود علیہ السلام نے بیشک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں  
 اور تم بھی گواہ بن جاؤ ۔ بیشک میں بیزار ہوں ان چیزوں سے  
 جن کو تم شریک بناتے ہو ۵۴ اس کے سوا ، پس کر لو تم سب

کے سب تدبیر میرے خلاف اور پھر حملت بھی نہ دو ⑤۵  
 بیشک میں بھروسہ رکھتا ہوں اللہ کی ذات پر جو میرا بھی رب  
 ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ نہیں ہے کوئی چلنے پھرنے  
 والا جانور مگر یہ کہ اللہ اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے۔ بیشک  
 میرا پروردگار سیدی روش پر ہے ⑤۶ اور اگر تم روگردانی کرو  
 گے، پس تحقیق میں نے پہنچا دیا ہے تمہیں وہ پیغام جو مجھے  
 دے کر بھیجا گیا تھا تمہاری طرف۔ پھر ہانپیں بنائیں میرا پروردگار  
 کسی قوم کو تمہارے سوا، اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا  
 سکو گے۔ بیشک میرا پروردگار ہر ایک چیز پر نگہبان ہے ⑤۷

رہنمائی کے درس میں حضرت ہود علیہ السلام کی تقریر اور قوم کی نصیحت کا پہلا حصہ  
 بیان ہوا تھا۔ انہوں نے لوگوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا کیونکہ اُس کے سوا کوئی مستحق عبادت  
 نہیں۔ حاجت روا، مشکل کشا، نفع اور ضار، علیم کل، محیط کل اور متصرف اس کے سوا  
 کوئی نہیں۔ آپ نے قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بٹھا کر اُس پر افترا باندھ  
 رہے ہو۔ پھر ہود علیہ السلام نے اپنی بے لوث خدمت کا ذکر بھی کیا کہ میں اس معظمت نصیحت  
 کا تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا کیونکہ میرا بار تو اللہ تعالیٰ کے فرائض ہے۔ صرف  
 اللہ کی عبادت کرو، اس کے سامنے استغفار اور توبہ کرو، وہ تم پر مہربانی فرمائے گا، تمہیں  
 قوت بھی زیادہ دے گا اور بارش برسا کر قحط کو بھی دور کر دیگا، تم روگردانی کر کے مجرم نہ  
 بنو۔ غرضیکہ ہود علیہ السلام نے نہایت عمدہ طریقے سے قوم کو سمجھایا مگر انہوں نے ایک  
 نہ مانی اور آپ کو الٹا جواب دیا۔

قَالُوا كُنْ عَلَيْنَا يَدِينَا بِبَيِّنَاتٍ ۖ اے ہود علیہ السلام! آپ  
 تو ہم سے پاس کوئی نشانی لے کر نہیں آئے۔ بینہ نشانی اور واضح چیز کو کہتے ہیں۔ بعض فرماتے  
 ہیں کہ اس سے مراد معجزہ ہے۔ یعنی آپ ہمارے پاس کوئی معجزہ لے کر نہیں آئے، حالانکہ

رہنمائی کے

معجزے کا  
 مطالبہ

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے ہاتھ پر کوئی نہ کوئی معجزہ ظاہر فرمایا ہے مگر مشرک لوگ اپنی مرضی کا معجزہ چاہ کر نہ پڑے۔ قرآن میں مختلف مقامات پر آتا ہے "لَوْ لَا أَنْزَلْ عَلَيْهٖ آيَةً" اس پر باری مرضی کی کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی۔ اللہ کے نبیوں نے اس کے جواب میں ہمیشہ یہی کہا ہے کہ معجزہ ظاہر کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی نشانی دی ہے جسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے۔ فرمایا، اللہ نے مجھے جو خصوصی معجزہ عطا فرمایا ہے وہ قرآن ہے جو وحی الہی کے ذریعے نازل ہوا۔ یہ لوگ معجزات کا مطالبہ محض ضد اور غناہ کی وجہ سے طلب کرتے ہیں، مگر نہ نبی کا وجود، اس کی نصرت، اس کا چہرہ آواز اور عمل سب معجزات ہیں۔ پیچھے اسی سورۃ میں اور سورۃ النعام اور بعض دوسری سورتوں میں بھی ہے کہ تم نشانیاں طلب کرتے ہو، تمہارے اپنے وجود میں اور تمہارے ارد گرد قدرت کی ہزاروں نشانیاں بکھری پڑی ہیں۔ ذرا ان درختوں اور پودوں کو ہی دیکھو، اللہ کی قدرت کے کمال نمونے نظر آئیں گے۔ کیا یہ خدا کی قدرت کی نشانیاں نہیں ہیں جو مزید نشانیاں طلب کرتے ہو۔ نبی کی ہر چیز جینہ ہوتی ہے مگر جس نے نہیں مانا وہ اپنی مرضی کی نشانی طلب کرتا ہے۔ مشرکین مکہ نے ثقی القفر کا معجزہ خود طلب کیا تھا مگر جب چاند بڑھ کر ٹسے ہو گیا، ایک ٹکڑا ہوا کی ایک طرف نظر آ رہا تھا اور دوسرا دوسری طرف، تو وہ پھر بھی کہنے لگے، "يَسْحَرُ مَا نَحْنُ بِهٖ" یہ تو جیتا ہوا جادو ہے۔ بہر حال ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے معجزہ طلب کیا۔

معبودان  
باطلہ  
اعزاز

اور دوسری بات یہ کہ وَمَا خَنُّ بِتَارِكِ الْهَيْثِنَا عَنْ قَوْلِكَ ہم تیری بات کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے





محبلا ان کو ہم کیوں چھوڑ دیں۔ کہنے لگے اِنْ تَقُولُ اِلَّا اَعْتَرَاكَ بَعْضُ  
 الْهَيْئَةِ بِسُوءٍ ہم تو کہیں گے کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں برائی پہنچانی  
 کسی معبود نے تمہیں مجنوں الحواس بنا دیا ہے۔ تم ان کی برائی بیان کرتے تھے  
 ان کی توہین کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی معبود کی تم پر مار پڑ  
 گئی ہے۔ تم بھی بھی باتیں کرنے لگے ہو۔ ہر زمانے میں مشرکین ہم طور  
 پر اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں اور توحید کے انکار کے لیے اسی قسم کی تادیب  
 کرتے ہیں۔

قرم کی ان باتوں کے جواب میں ہور علیہ السلام نے فرمایا قَالَ اِنِّي  
 اَشْهَدُ اللّٰهَ فَرَمَا لے لوگو! میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں وَاَشْهَدُ فَا  
 اَقْتُ بَرِيءًا مِّمَّا تَشْرِكُوْنَ اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ بیشک  
 میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو۔ مَنْ  
 دُونَهُ خدا کے درے یا خدا کے سوا تم جن کو بھی شریک ٹھہراتے ہو  
 میں ان سب سے بیزار ہوں یعنی میں ان سے نفرت کرتا ہوں۔ یہ حقیقت  
 چیزیں ہیں۔ نرا جھوٹ اور افتراء ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی بات  
 فرمائی تھی اِنِّیْ بَرِءٌ مِّمَّا تُعْبُدُوْنَ (الزخرف) میں  
 تو ان سب سے بیزار ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ یہ سب میرے  
 دشمن ہیں اور میرا دوست صرف رب العلمین ہے۔ اِنَّهُمْ اَصْلَکُنْ  
 کَثِیْرًا مِّنَ السَّائِسِ مَعْبُوْدِیْنَ باطلہ بہت سے لوگوں کی ٹمراہی کا  
 باعث بنے ہیں اور ایسا کام کوئی دشمن ہی کر سکتا ہے، میں ان معبودوں  
 کے بارے میں کسی قسم کی نرمی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گویا  
 تمام باطل ادیان، کفر اور شرک سے بیزاری کا اعلان بھی ضروری ہے۔  
 تَبَرَّأْتُ مِنَ الْکُفْرِ وَ الشِّرْکِ وَ النِّفَاقِ اے اللہ! میں  
 کفر، شرک، نفاق اور ہر باطل دین، یودیت، نصرانیت وغیرہ سے



بیزار ہوں۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت، ملائکہ، انبیاء و کتب کا  
معاد اور تقدیر یہ خیر و شر پر تو ایمان رکھتا ہے مگر کفر و شرک سے اظہار  
بیزاری نہیں کرتا تو اس کا ایمان قابل قبول نہیں ہے اگر ایک یہودی  
خدا تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتا ہے، حضور علیہ السلام کو سچا رسول مانتا ہے  
مگر یہودیت سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتا تو اس کا ایمان قابل قبول  
نہیں ہوگا۔ گاندھی بھی کہتا تھا کہ اسلام سچا مذہب ہے مگر ہندومت  
کو بھی برحق خیال کرتا تھا، اس سے برأت کا اعلان نہیں کرتا تھا لہذا  
وہ کافر ہی رہا۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر کفر، شرک اور باطل  
دین سے برأت کا اظہار کرے۔

توحید پر  
نہایت قوی

الغرض! ہود علیہ السلام نے بھی یہی بات کی کہ اے لوگو! میں اس  
بات میں خدا تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ بن جاؤ کہ میں ان چیزوں  
سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو۔ فرمایا اس معاملے  
میں فَکَيْدٌ وَفِتْنَةٌ حَمِيْمَةٌ تم سب بل کر میرے خلاف تدبیر کر لو  
ثُمَّ لَا تَنْظُرُوْنَ پھر مجھے ملت بھی نہ دو۔ دیکھو اللہ کا نبی  
توحید اور توکل کے کس اعلیٰ مقام پر کھڑا ہے کہ اِنْ تَوَكَّلْتُ  
عَلَى اللَّهِ بیشک میں تو اللہ ہی پر عبور دے کرتا ہوں بَرِّئٌ مِّنْكُمْ  
جو میرے بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ یہ درجہ کمال ایک نبی کو  
ہی حاصل ہو سکتا ہے، ایک عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اللہ  
کے سارے نبیوں نے یہی کہا وَمَا كُنَّا اِلَّا نَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ  
هَدٰنَا سُبُلَنَا (ابراہیم) ہم خدا کی ذات پر کیوں توکل نہ کریں کہ  
اس نے ہمیں صراط مستقیم پر فائز فرمایا ہے۔ ہمیں ہدایت کا راستہ اسی  
نے بتلایا ہے اور اسی نے اس کو آگے پھیلانے کا حکم دیا ہے تمام  
اہل ایمان کے متعلق بھی یہی آتا ہے وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ



الْمُؤْمِنُونَ (ابراہیم) کہ وہ بھی اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ کرتے  
 ہیں اہل ایمان اسباب کو اختیار تو کرتے ہیں مگر بھروسہ خدا کی ذات  
 پر ہوتا ہے۔ جب وہ چاہتا ہے کسی چیز میں اثر پیدا کر دیتا ہے  
 نہیں چاہتا تو سارے اسباب دھڑکے دھڑکے رہ جاتے ہیں۔  
 اختیار سارا اللہ کے پاس ہے۔ اگر وہ نقصان پہنچانا چاہے گا تو پہنچے  
 گا، ورنہ کوئی کسی کا بال بیکانہ نہیں کر سکتا کیونکہ مَا صَدَقَ دَآئِمًا إِلَّا  
 هُوَ اخَذَ بِكَ صَبِيحَتَهُكَ زَمِينَ میں کوئی چلنے پھرنے والا جاندار  
 نہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے وہ جب چاہے  
 پکڑ کر گھسیٹ لے۔ ہود نے فرمایا تم مجھے کن چیزوں سے ڈراتے  
 ہو، ہر چیز پر اختیار تو میرے رب کا ہے۔ ڈرنا تو تمہیں چاہئے جو کفر  
 و شرک کی غلاظت میں پھنسے ہوئے ہو اور بالآخر پکڑے جاؤ گے۔  
 فرمایا اِنَّكَ رَبِّيْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بیشک میرا پروردگار  
 صراطِ مستقیم پر ہے۔ یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے  
 کا حکم تو خود اللہ نے اپنے بندوں کو دیا ہے اور ہم خود اپنی دغا میں گمستے  
 ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ  
 عطا فرما اور اللہ بھی کہتا ہے هٰذَا صِرَاطٌ عَلٰی مُّسْتَقِيْمٍ (الحجر)  
 قرآن کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے جو صحیحہ تک پہنچنے والا ہے۔ تو محض  
 اللہ تعالیٰ کے صراطِ مستقیم پر پہنچنے کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کہہ رہے  
 فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا پروردگار عدل کے یہی  
 راستے پر ہے۔ وہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ وہ  
 مجرموں کو سزا دے گا اور مومنوں کو بہترین اجر سے نوازے گا، کہ عدل  
 کا یہی تقاضا ہے

عدل و  
 انصاف  
 کا راستہ

فرمایا اس کے باوجود فَإِنْ تَوَلَّوْا اَکْرَمُ رُوْكَ دَانِي کرم کے، اس

کی وہ انہیں کو تسلیم نہیں کرو گے، کفر اور شرک پر اڑے رہو گے، تو یاد رکھو!  
فَقَدْ ابْلَغْتُكُمْ مَا ارْسَلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ جو چیز مجھے دیکھ تمہاری  
 طرف بھیجا گیا تھا۔ وہ میں نے تم تک پہنچا دی ہے۔ میں نے تمہیں آگاہ  
 کر دیا ہے کہ لوگو! عبادت صرف خدا تعالیٰ کی کرو، اس کے سوا کوئی موجود  
 نہیں۔ اس سے معافی مانگو اور اس کے سامنے توبہ کرو۔ یہ پیغام تمام  
 انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو پورے طریقے سے پہنچا دیا ہے اور میں ابھی  
 تم تک پہنچا رہا ہوں۔ فرمایا اگر تم نافرمانی سے باز نہیں آؤ گے وَكَيْفَ تَحْلِفُ  
بِئْسَ قَوْمًا عَيْنُكُمْ تو میرا رب تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو  
 تمہارا قائم مقام بنا دیگا، تمہاری بُری روش کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں  
 ہوگا۔ وَلَا تَحْضُرْ وَدَّ شَيْئًا اور تم خدا تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے  
 یاد رکھو! إِنَّ رَحِيبَ عِلَیَّ کُلَّ شَيْءٍ حَفِيفٌ میرا پروردگار  
 ہر چیز پر نگبان ہے۔ تمہاری نافرمانی، کفر اور شرک اس سے مخفی نہیں  
 ہے، ہماری نیکیاں اور کوششیں بھی خدا سے پوشیدہ نہیں، وہ ہر چیز  
 کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کی حفاظت کر رہا ہے۔ یاد رکھو! جزائے  
 عمل پیش آنے والی ہے جب تمہیں اس بُری روش کا بدترین  
 بدلہ دیا جائے گا۔

وما من دآئۃ ۱۲

سورۃ صود ۱۱

درس ہفتم ۱۷

آیت ۵۸ تا ۶۰

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ  
 مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝۵۸ وَتِلْكَ عَادُتُ  
 حَمْدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ  
 جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝۵۹ وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ إِلَّا إِنَّا عَادُوا كَفَرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا لِبُعْدٍ لِّعَادِهِ  
 قَوْمٌ هُودٍ ۝۶۰

ترجمہ

ترجمہ :- اور جس وقت آیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دی ہود  
 علیہ السلام کو اور اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے ، اپنی  
 خاص رحمت کے ساتھ ۔ اور ہم نے بچایا اُن لوگوں کو گھاڑ سے  
 عذاب سے ۝۵۸ اور یہ عاد ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب  
 کی آیتوں کا اور جنہوں نے نافرمانی کی اُس کے رسولوں کی ، اور  
 پیروی کی انہوں نے ہر جبار سرکش کے حکم کی ۝۵۹ اور اُن  
 کے پیچھے لگائی اس دنیا کے اند بھی لعنت اور قیامت ملے  
 دن بھی ۔ سنو ، بیشک عاد نے کفر کیا اپنے پروردگار کے ساتھ  
 آگاہ ہو ، ہلاکت ہے عاد کے لیے جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی ۝۶۰

رابطہ آیات

اس سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے ساتھ تقریر ، اُن کی نسبت  
 وعظ ، تبلیغ اور اس ضمن میں کی جانے والی محنت اور کوشش کا ذکر ہو چکا ہے ، اللہ نے  
 آپ کی قوم کی نافرمانی اور سرکشی کا ذکر بھی فرمایا ۔ قوم ہود کا ذکر قرآن پاک کی مختلف سورتوں



میں آیا ہے۔ سورۃ احقاف میں آپ کا بیان ہے اور سورۃ اعراف میں زیادہ تفصیل ہے۔ وہاں پر کفر و شرک کی مختلف باتوں کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے مختلف مقاصد کے حصول کے لیے مختلف معبود بنائے تھے۔ ہود علیہ السلام کی تبلیغ کے جواب میں قوم نے آپ کو بیوقوف کہا، یہاں بھی گزر چکا ہے کہ وہ کہتے تھے اے ہود! تمہارا دماغ غراب ہو گیا ہے اور تم پر ہمارے معبودوں کی مار پڑ گئی ہے تم ہمیں خواہ مخواہ ڈرا رہے ہو کہ اگر ان معبودوں کی عبادت نہ چھوڑی تو ہلاک ہو جائیں گے ہم تمہاری باتوں سے خوف نہیں کھاتے "فَاٰتِنَا بِمَا نَعْبُدُ نَاْتَم" ہمیں جس نذر سے ڈرا رہے ہو۔ اُسے لے آؤ۔ ہم تمہاری کسی بات کو تسلیم نہیں کرتے۔

حضرت ہود علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ جیسا بالعموم اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ آپ نے کل ۶۴ سال عمر پائی اور اس سارے عرصہ میں خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے اور تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ تمہارے جو کچھ میرے ساتھ کہنا ہے، کر گزرو، مجھے کسی چیز کا خوف نہیں، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہوں جو میرا رب اور تمہارا سب کا پروردگار ہے ہر باندہ کی پشانی اُس کے ہاتھ میں ہے، وہ جیب چاہے کسی قوم کو ہلاک کرے کسی دوسری قوم کو کھڑا کرے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ قوم عاد کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر طغیانی ڈالی قحط پڑ گیا اور ان کی عورتیں بھی بالکھج ہو گئیں۔

قوم عاد کے دو خاندان

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق اہم بیضاوی اور بعض دیگر مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگوں کی تعداد صرف چار ہزار تھی جب کہ باقی ساری قوم مشرک ہی تھی اس دور

میں مکے کے اطراف میں بھی قوم عادی آباد تھی، البتہ وادی دہنا اور مکے کے قریب دہوار میں بہنے والے سامی نل سے ہی دو مختلف خاندان تھے جو ایک نئے خاندان کا سردار معاویہ ابن بکر تھا جب کہ یمن والے خاندان کا امیک ابن اعمر تھا۔ دونوں خاندانوں کی آپس میں رشتہ داریاں اور میل ملاقات تھی مگر یہ فرماتے ہیں کہ اُس دور میں خانہ کعبہ کی عمارت تو سیلاب کی نظر ہو چکی تھی، البتہ اس مقام پر ایک سرخ ٹیلہ تھا، جسے سترک سمجھا جاتا تھا اور لوگ وہاں جا کر دُما میں کھرتے تھے۔

یمن کے علاقے میں جب عرصے تک بارش نہ ہوئی تو ربانی کی قیامت پیدا ہو گئی اور قحط کے آثار پیدا ہونے لگے، ان حالات میں قوم عادی نے فیصلہ لیا کہ اپنا ایک وفد مکے بھیجا جائے جو وہاں جا کر بارش کے لیے دعا کرے تو شاید اللہ تعالیٰ قحط کو دور کر دے اور خوشحالی لوٹ آئے چنانچہ ستر آدمیوں کا ایک وفد سرداروں کیل اور مرثد کی قیادت میں مکے روانہ ہوا۔ وہ لوگ مکے کے قریب وہاں کے سردار معاویہ ابن بکر کے ہاں جا کر اترے۔ میزبان نے اُن کی بڑی ادبگت کی اور وہاں کے رواج کے مطابق ان کے خور و نوش اور عیش و آرام کے لیے خوب انتظام کیا حتیٰ کہ اُن کی تفریح طبع کے لیے گانے والی لڑکیوں کا بندوبست کیا۔ وہ لوگ جینہ بھر دعوتیں اڑاتے رہے اور جس مقصد کے لیے آئے وہ بھول ہی گئے۔ میزبان خود بھی ان کے قیام کی طوالت سے تنگ آ گیا تھا مگر انہیں کہہ نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ عرب کے اصول میزبانی کے خلاف تھا۔ بالآخر مہمان سردار مرثد کو خیال آیا کہ ہم تو خوشحالی کی دعا کرنے آئے ہیں مگر یہاں عیش و آرام میں پڑ کر اسے بھی بھول گئے اُس نے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ اب انہیں ————— یہاں سے رخصت ہو کر اصل مقصد کی طرف آنا چاہیے اُس نے یہ بھی کہا کہ میرا دل یہ گواہی دیتا ہے

قوم عاد کا وفد

کہ جب تک تم اللہ کے رسول ہو و علیہ السلام پر ایمان نہیں لاؤ گے، یہاں  
پر دعائیں کہنا بھی تمہیں کچھ مفید نہیں ہوگا۔ دوسرے ساتھیوں نے سمجھی کہ  
مرثد ہو و علیہ السلام پر ایمان لا چکا ہے، لہذا وہ اس سے ناراض ہو گئے  
اور کہنے لگے کہ اے ہم دعا کے مقام پر اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے  
اُدھر جب میزبان اُن کے قیام سے تنگ آ گیا تو اس نے ایک  
ترکیب سوچی اور گانے والی لونڈی کو کہا کہ جب گانے کی محفل قائم ہو تو  
اس میں تم یہ شعر گانا۔

اے قیل اٹھو! اور کچھ مناجات اور  
الہیہ کرو، شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بارش  
سے سیراب کر دے۔

فَیَسْقِیْ اَرْضَ عَادٍ زَیْنًا عَادًا  
قَدْ اَمْسَوْا لَا یُبْدِیْنَونَ الْکَلَمَا

جب لونڈی کی زبان سے مہانوں نے یہ شعر سنے تو پھر انہیں ہونٹ  
آیا کہ ہم نے تو یہاں بہت دیر کمر دی ہے۔ ہمیں فوراً اپنے مقصد کی  
طرف جانا چاہیئے۔ چنانچہ بیت اللہ شریف کے مقام پر واقع ٹیلے  
پر جا کر انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار! ہم بڑی پریشانی میں مبتلا ہیں  
جس طرح تو پہلے قوم عاد کو سیراب کرتا تھا، اب بھی ان کے لیے پانی  
نازل فرما۔

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس دعا کے بعد تین قسم کے بادل اٹھے  
یعنی سفید، سرخ اور سیاہ۔ غیب سے کیل سردار کے نام آواز آئی کہ  
ان بادلوں میں سے جو چاہا ہو پسند کر لو۔ چونکہ عموماً کالی گھٹائیں زیادہ  
سے زیادہ بارش کا سبب بنتی ہیں، اس لیے قیل نے سیاہ بادلوں کو

قوم عاد  
پر عذاب



پنہ کیا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آواز آئی اچھا پھر اسی کو اختیار کر لو لا تَبْقَىٰ هَٰذَا الْعَادِ أَحَدًا یہ قوم عاد میں سے کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑیں گے۔ جب سیاہ بادل دایوں پر نمودار ہوئے تو وہ لوگ بڑے خوش ہوئے کہ اب خوب بارش ہوگی اور قحط دور ہو جائے گا۔ سورۃ احقاف میں ہے فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا پھر جب انہوں نے دیکھا کہ بادل ان کے میدانوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ مگر اللہ نے فرمایا یہ بارش برسانے والے بادل نہیں بلکہ ہوا کا استعجاب ہے بلکہ یہ تو وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے رِيحٌ فِيْهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ اس میں آندھی ہے جس میں دردناک غلاب بھرا ہوا ہے۔ تَذَقُّرٌ كُلِّ شَيْءٍ بِأَمْرٍ رَّجَّهَآ۔ یہ ایسی چیز ہے جو ہر چیز کو لمبا میٹ کر کے رکھ دیتی۔ چنانچہ جب بادل آئے تو ان میں سے ایسی زہریلی ہوا خارج ہوئی جس نے پوری قوم کو تباہ کر دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ ہوا مغرب کی جانب سے آئی تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے کہ قوم عاد کو مغرب کی طرف سے چلنے والی گرم ہوا سے ہلاک کیا گیا۔ جب کہ اللہ نے میری مدد مشرق سے چلنے والی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ کی۔ غزوہ احزاب کے موقع پر بھی مشرق کی جانب سے ٹھنڈی ہوا چلی تھی جس کی وجہ سے مشرکین کے خیمے اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے محاصرہ اٹھا کر واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ بہر حال قوم عاد پر ایسی خطرناک ہوا چلی کہ اس نے ہر چیز کو تہ و بالا کر دیا۔ درخت گرا دیے، عمارتیں منہدم ہو گئیں، انسانوں کو اچھال اچھال کر اور آپس میں ٹکراتے ہوئے ہلاک کیا گیا۔ گرم اور تیز ہوا لوگوں کے ناک میں

داخل ہو کر دوسری طرف نکل جاتی تھی اور اعضا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ سورۃ النحاسہ میں ہے "سَخَّرْنَا هَآءِ عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَآئِلٍ وَتَمْنِيَةً أَيَّامٍ حُسُومًا" یہ تندر تیز ہوا سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلسل چلتی رہی اور پوری قوم کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا، بڑے بڑے جہیم آدمی اپنے پڑے تھے جیسے لیموزن کے تنہوں۔ اللہ نے فرمایا فَاھْلُ تَرَىٰ نُهُمْ صُرْتُ بَاقِيَةٍ کیا ان میں سے ایک بھی زندہ بچا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر ایسا سخت عذاب نازل فرما کر پوری قوم کو مٹا دیا۔

اللہ نے فرمایا وَكَمَا جَاءَ أَمْرُنَا جِب هَارَ حَكَمَ آگیا نَجِيَّتَنَا هُوَذَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا هَم لے ہو علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی خاص مہربانی سے بچالیا، ان کی تعداد چار ہزار تھی کہتے ہیں کہ جس مکان میں اہل ایمان موجود تھے وہاں مسموم ہوا نہیں پہنچتی تھی، باقی ساری قوم کا خاتمہ ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا وَتَمْنِيَّتُهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ہم نے انہیں گاڑھے عذاب سے نجات دی۔ اگر عذاب غلیظ سے دنیوی عذاب مراد ہے تو پھر یہ ذہنی گمراہی ہے جو کافروں پر متواتر ہفتہ بھر چلتی رہی اور بالآخر سب کو ہلاک کر دیا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ انکی آیت میں قیامت کا ذکر بھی ہے اور اس لحاظ سے عذاب غلیظ سے آخرت کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے۔ یہاں پر نَجِيَّتَنَا کا لفظ دو دفعہ آیا ہے تو اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اہل ایمان کو ایک دفعہ ہم نے اس دنیا کے عذاب سے نجات دی اور پھر آگے چل کر قیامت کے دن کے عذاب سے بھی نجات دیں گے۔

فرمایا وَتِلْكَ عَادٌ یہ ہے قوم عاد کہ جن کی کارگزاری بیان ہوئی

اہل ایمان  
کی نجات

آیات اور  
رسولوں کا  
انکار

ہے۔ تَجِدُوا بَابَ رَيْطِهِنَّ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا وَعَصَوْا رُسُلَهُ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ ان کو جھوٹا اور مجنوں کہا اور ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ذکر تو صرف ہود علیہ السلام کا ہو رہا ہے مگر ٹیل جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اس وقت ہود علیہ السلام کے مدوہ بعض رؤسکے رسول بنی تہجد ہوں کیونکہ ایک ایک وقت میں کسی کئی انبیاء کا ذکر بھی تو ملتا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل کے دور میں ہوتا رہا ہے۔ یونس علیہ السلام کے زمانے میں بھی بیک وقت پانچ رسول موجود تھے جن میں سے آپ کو منتخب کر کے ینوری کی بستی کی طرف بھیجا گیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ جمع کا صیغہ رسولوں کے متعلق دیگر مقامات پر بھی استعمال ہوا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار تمام رسولوں کے انکار کے مترادف ہے کیونکہ دین اور پیغام تو سب کا ایک ہی رہا ہے۔ سارے پیغمبر ہی کہتے ہیں۔ أَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

سرکشوں کی پیروی

فرمایا قوم عادی نے آیات الہی کا انکار کیا، رسولوں کی نافرمانی کی وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كَلْبِ جَبَّارٍ عَنِيدٍ اور ہر سرکش اور عنادی آدمی کی پیروی کی۔ ہر اس سردار اور چوہدری کے پیچھے لگے جو حق کے ساتھ عناد رکھتا تھا اور حکم الہی کی سرطانی کرتا تھا۔ بالعموم مفاد پرست اور اغراض کے بندے ایسے ہی لوگوں کا اتباع کرتے ہیں اور اچھے لوگوں کی بات نہیں مانتے۔ فرعون نے بھی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بات نہ مانی بلکہ اپنے عنادی سردار کا کہا مانا۔ قوم عاد نے بھی یہی کیا کہ اللہ کے رسول ہود علیہ السلام کی بات پر غور نہ کیا بلکہ عناد اور تعصب کے پیچھے چلتے رہے۔



لعنت کا  
طوق

اس کا نتیجہ یہ ہوا وَأَتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً  
اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس دنیا  
میں بھی قوم فرعون، عاد، ثمود یا قوم لوط کو اچھے لفظوں سے یاد نہیں  
کیا جاتا ہے تاریخ میں ان کا ذکر افران اور عذاب زدہ قوموں کی  
حیثیت سے آتا ہے اور انہیں ہمیشہ کے لیے لعنت کا مقعہ لگا  
دیا گیا ہے۔ یہ تو اس دنیا کا حال ہے وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ اور قیامت  
کے دن بھی یہ لوگ لعنت میں گرفتار رہیں گے۔ وہاں ان کو اس دنیا  
سے بھی زیادہ ذلت اٹھانا پڑے گی۔

آگے عام لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے إِنَّ عَادًا كَفَرُوا  
رَبَّهُمْ بِرِجْهٍ عادیوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا۔ اپنے وجود  
نہننے والے نعمتیں عطا کرنے والے اور ہر آسائش مہیا کرنے والے رب  
کا انکار کیا، اس کی توجید اور اس کے رسولوں کو تسلیم نہ کیا اور اس کا  
حکم نہ مانا۔ فَرَمَا آتَا سُنُو! بُدَّ الْعَادِ قَوْمٌ هُوِدِ قوم ہود کے لیے ہلاکت  
اور بربادی ہے بعد کا معنی دوری ہوتا ہے اور یہاں مراد اللہ کی  
رحمت سے دوری ہے لعنت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ لعنتی آدمی اللہ  
کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔ بعد کا دوسرا معنی ہلاکت ہوتا ہے۔  
اور اس مقام پر یہی موزوں ہے۔ اس لفظ کو ایک شاعر نے اپنے  
شعر میں اس طرح استعمال کیا ہے۔

إِخْوَتِي لَا تُبْعَدُوا

بَلَى وَاللَّهِ قَدْ بَعُدُوا

اے میرے بھائیو! خدا کرے تم ہلاک نہ ہو۔ مگر میں یہ بات کیسے  
کروں کیونکہ وہ تو ہلاک ہو چکے ہیں یعنی سارے کے سارے لڑائی  
میں مارے جا چکے ہیں۔ تو فرمایا سنو! ہلاکت ہے قوم عاد کے

یہ ہے جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ انہوں نے اپنے مخلص اور خیر خواہ نبی کی  
 بات نہ مانی بلکہ سرکش اور مخالف لوگوں کا اتباع کیا جس کی وجہ سے وہ  
 تباہی و بربادی کا شکار ہوئے۔

---

وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ⑥۱ قَالُوا يَصْلِحْ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ⑥۲ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَأَتْلِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ⑥۳

ترجمہ :- اور قوم ثمود کی طرف رہم نے بول بنا کر بیجا ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو۔ انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگ! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی، نہیں ہے تمہارے لیے اُس کے سوا کوئی معبود۔ اُسی نے تمہیں پیدا کیا ہے زمین سے اور اُسی نے تمہیں آباد کیا ہے اس (زمین) میں۔ پس اُسی سے بخشش طلب کرو، پھر توبہ کرو اُس کے سامنے۔ بیشک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ہے (دعا کو) ⑥۱ کہا اُن لوگوں نے اے صالح علیہ السلام! تحقیق تمہارا تو ہمارے



درمیان اُمید کیا گیا (ہونہار) اس سے پہلے کیا تو روکتا ہے  
 ہیں اس بات سے کہ ہم عبادت کریں اُن کی جن کی ہمارے  
 باپ دادا عبادت کرتے تھے اور بیشک ہم تمدد (شک)  
 میں ہیں، اس چیز کی طرف سے جس کی طرف تو ہمیں دعوت  
 دینا ہے (۶۲) کا صلح (علیہ السلام) نے، اے میری قوم کے  
 لوگو! بتاؤ اگر میں کھلی بات پر ہوں پہلے ب کی طرف سے  
 اور اُس نے دی ہو مجھے اپنی طرف سے مہربانی پس کون میری  
 مدد کرے گا اللہ کے سامنے اگر میں اُس کی نافرمانی کروں۔ پس  
 نہیں زیادہ کرتے تم میرے لیے سوائے نقصان کے (۶۳)

مثلاً توحید کو سمجھانے اور اُس پر ایمان لانے کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے  
 حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا اور پھر آپ کی قوم کی نافرمانی اور غرقابی کا حال بیان  
 کیا۔ اس کے بعد ہود علیہ السلام کی غلط نصیحت اور اُن کی قوم کا ذکر بھی کیا۔ اللہ کے دونوں  
 پیغمبروں کی تبلیغ کا موضوع ایک ہی تھا کہ اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا  
 تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم سے صرف وہی لوگ بچے جو ایمان لا کر  
 کشتی میں سوار ہو گئے اور ہود علیہ السلام کی قوم کے بھی صرف ایمان دار ہی بچے اور کافروں  
 میں سے فرد واحد بھی زندہ نہ بچا۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کا ذکر فرمایا ہے یہ قوم عابدانہ بھی  
 کہلاتی ہے۔ عادی کی طرح یہ لوگ ارم میں سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت نوح  
 کے بعد قوم عاد کو ۸۰۰ سال بعد یا ۲۶۰۰ سال بعد عروج حاصل ہوا۔ اور پھر عاد کے ایک سو یا  
 دو سو سال بعد قوم ثمود برسرِ اقتدار آئی۔

جیسا کہ پہلے درس میں بیان ہو چکا ہے قوم عاد جزیرہ نمکے عرب کے جنوب میں قوم ثمود  
 بعل خالی کی وادی دہنا میں آباد تھے جب کہ قوم ثمود شمال میں تبوک سے لے کر وادی قسریٰ

تک کے درمیان بہت تھے۔ شاہ عبدالعزیز مفسر قرآن لکھتے ہیں کہ اس سٹیج میں قوم کے ایک ہزار سات ٹھودیات، قصبات، اور شہر آباد تھے۔ یہ لوگ بڑے تمدن تھے، رنگ تراشی کے بڑے ماہر تھے، پہاڑوں کو کمان کاٹ کر بڑے عالیشان نقش و نگار والے مکان تعمیر کرتے تھے، سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ گھلی جگہوں پر یہ لوگ بڑے عالیشان محلات تعمیر کرتے تھے۔ ان کے بنائے ہوئے مکانات ہزاروں سال گزرنے کے بعد آج بھی موجود ہیں۔ ان پر بنے ہوئے نقش و نگار ان لوگوں کی صناعی کامنہ لولتا ثروت میں دنیا بھر کے سیاح ان تعمیرات کو دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ ان عمارت کے کھنڈرات پٹھودی، سامی یا آرامی زبان میں لکھے ہوئے کتبے بھی موجود ہیں۔ ہندوستان میں ہاتما بدھ کے دور میں بھی تعمیرات کے بڑے بڑے ماہر موجود تھے۔ اُس زمانے میں موجودہ ٹیلیکلا بہت بڑا شہر تھا جو چار پانچ میل کے فاصلے میں پھیلا ہوا تھا۔ اس دور کے بعض برتن اور مجسمے وغیرہ ٹیلیکلا میوزیم میں موجود ہیں۔ برصغیر میں صوبہ بہار اور دکن میں ایچٹا اور الورا کی تہذیبوں کے اثرات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ پہلی قوموں کے لوگ بڑے سمجھدار تھے مگر دنیاوی معاملات میں۔ وہ لوگ معاد کے اعتبار سے بالکل اندھے تھے اور وہ اخروی عقل سے محروم تھے، خدا کے دین اور ایمان کی بات کو نہیں سمجھتے تھے۔

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کا حال بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے کس طرح الشّر کے نبی صالح علیہ السلام کی مخالفت کی، اُن کو جھٹلایا اور پھر آخر کار قوم کا کیا حشر ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے وَاللّٰی تَسْمُوْدُ اَخٰھُمْ صٰلِحًا اور قوم ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہاں پر بھی فَلَقَدْ اَرْسَلْنَاكَ الْغَاظِ مُحَمَّدٌ وَفِیْہِ الْغَاظِ نُوْحٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ کے واقعہ کے ساتھ آئے ہیں

صالح علیہ السلام  
کی بعثت

اور ان کا اطلاق ہود علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ اور اب صالح علیہ السلام کے بیان کے ساتھ بھی کیا گیا ہے۔ آپ کی قوم کا تعلق بھی سامی نسل سے ہے۔ آپ کا شجرہ سلح ابن عبید اور چاکر سام ابن نوح سے جاتا ہے بعض اقوام کی طرف رسول باہر سے آکر تبلیغ کرتے رہے ہیں جیسے لوط علیہ السلام ہیں۔ وہ عراق کے رہنے والے تھے جب کہ انہیں تبلیغ کے لیے شرق اردن کی طرف مبعوث کیا گیا۔ حضرت سلوانس علیہ السلام بھی شام سے ینونی کی بستی میں آئے۔ تاہم ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام اپنی اپنی اقوام کی طرف ہی مبعوث ہوئے۔ صالح علیہ السلام اپنی قوم قوم ثمود ہی کے ایک فرد تھے اور اللہ نے انہیں اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔

دعوت  
الی التوحید

صلح علیہ السلام نے بھی اپنی تبلیغ کا آغاز دعوت الی التوحید سے ہی کیا جیسا کہ دو ستر ابناء کرتے رہے ہیں۔ قَالَ لِقَوْمِمْ اَعْبُدُوا اللَّهَ فَرَّيَا لے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو۔ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ اَمْسَ لے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس قوم نے بھی بہت سے معبود بنا رکھے تھے۔ ہر کام کا علیحدہ علیحدہ معبود تھا۔ ان کے سامنے سجدہ کیا جاتا، ان کے نام کی نذر و نیاز دی جاتی، ان پر چادریں اور چڑھات چڑھات۔ یہ دیکھ کر اللہ کے نبی نے فرمایا لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت روا نہیں۔ عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے جو اس اعتقاد کے ساتھ کی جاتی ہے کہ جبکی تعظیم کی جا رہی ہے وہ ہماری حالت کو مانتا ہے، ہماری مشکلات کو حل کر سکتا ہے، عالم اسباب پر اس کا کنٹرول ہے اور وہ نفع نقصان کا مالک ہے۔ بشرک لوگ ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اختیار دے رکھا ہے کہ جس کی چاہو حاجت براری کرو مگر وہ اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے تو بڑی دھماکت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کر دیا ہے يُدَبِّرُ الْأَمْرَ



مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (السجده) آسمان سے لیکر زمین تک کے ذریعے ذرے کی تدبیر تو خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اور فی اسے ادنیٰ مخلوق کے اسباب حیات اور رزقِ ربانی کی ذمہ داری اُس نے اٹھائی رکھی ہے۔ ترقی و تنزل کے تمام تصرفات وہ خود انجام دیتا ہے، اُس نے کسی کو کساں اختیار نہ رکھا ہے کہ میرے حکم کے بغیر جو بپا ہو کر نئے پھنڑے۔ یہ تو مشرکین کا زعمِ باطل ہے، لائقِ عبادت وہی ذاتِ ہموں کی ہے جو واجبِ الوجود، خالقِ ہمتصرف اور ربِ ہموں، اس کے بغیر کوئی ذات کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔

مگر توحید کے دلائل کے طور پر صالح علیہ السلام نے بعض باتیں قوم کو بتلائیں۔ فرمایا هُوَ أَشْأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ یہ وہی ذاتِ خداوندی ہے جس نے تمہیں مٹی سے یعنی زمین سے پیدا کیا۔ مٹی سے انسانی تخلیق کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ تمام انسانوں کے جدِ امجد آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست مٹی سے پیدا فرمایا جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے خَلَقْنَاهُ مِن طِينٍ ثَرَابٍ ثُمَّ ذَاكَ كُنُفِيكُونُ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اس میں روحِ ڈالی اور کہا ہو جا، تو وہ ہو گیا۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ مٹی کو گوندہ کر اُس کا خمیر بنایا گیا، پھر اس کا مجسمہ بنایا اور اس میں روحِ ڈالی۔ مطلب یہ کہ جب اولین انسان کی پیدائش براہِ راست مٹی سے ہوئی تو باقی انسان بھی بالواسطہ مٹی ہی کی پیدائش تصور کیے جائیں گے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو یاد دلایا کہ ان کی تخلیق حقیر مٹی سے ہوئی اس لیے وہ ایک دوسرے پر نسلی فوقیت پر فخر نہ کیا کریں فرمایا لَا يَفْخَرُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ہم میں سے بعض لوگ بعض دوسروں پر فخر نہ کیا کریں، كُلُّكُمْ آدَمُ آدم و ارحم صنفِ قرابتم سب اکبر محمد السلام کی اولاد و اولادِ ارحم

مٹی سے  
انسانی تخلیق

علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔

نسلی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کا یہ انتظام فرمایا ہے کہ جب مرد و زن آپس میں ملتے ہیں تو رحم مادر میں ان کا مادہ مغزی اکٹھا ہو کر انسان کی پیدائش کا سبب بنتا ہے۔ اب عورت اور مرد کے جہانی مواد جو بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتے ہیں وہ اس خوراک سے ملتے ہیں جو انسان کھاتا ہے اور انسانی خوراک کا سارا دار و مدار زمین یعنی مٹی پر ہے۔ ہر چیز زمین سے پیدا ہوتی ہے، اجناس، سیریات، حتیٰ کہ نمک اور دیگر معدنیات جو انسانی جسم کا حصہ ہیں اسب زمین کی پیداوار ہیں۔ تو گویا اولین انسان براہ راست مٹی سے پیدا ہوا اور پھر نسلی اعتبار سے پیدا ہونے والے تمام انسان مٹی سے حاصل ہو سکی خوراک کے بل بوتے پر پیدا ہو کر اپنی مدت العمر تک زندہ رہتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین یعنی مٹی سے پیدا کیا۔

وَاسْتَعْمَرَ كُمْ فِيهَا اور اسی زمین میں تمہیں آباد کیا، استعمار کا  
معنی مدت العمر تک آباد کرنا ہے۔ جب تک تمہاری زندگی ہے تمہارے  
تمام مفادات اور ضروریات، اسی زمین سے وابستہ ہیں، جیسا کہ پہلے  
بیان ہو چکا ہے۔ انسانی خوراک اور اس کی ضروریات کی تمام چیزیں اللہ  
تعالیٰ زمین ہی سے پیدا کر آئے ہیں، بعض فرماتے ہیں وَاسْتَعْمَرَ كُمْ  
میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم لوگو! تم اس زمین کو آباد کرو۔ اس  
میں کھیتی باڑی کر کے غلہ لگاؤ، باغات لگا کر پھل پیدا کرو اور زمین کی تہ  
سے پانی اور معدنیات نکالو اور ان چیزوں کو اپنے استعمال میں لاؤ زمین  
کی آباد کاری کا یہی مطلب ہے چنانچہ فقہاء کے کلام اس بات پر بحث  
کرتے ہیں کہ جو شخص زمین کا مالک ہے اور اسے آباد نہیں کرتا تو  
ایسی صورت میں حکومت کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس زمین کو آباد کر دے

زمین کی  
آباد کاری

یہ مدت مقرر کرے اور اگر پھر بھی ملک اسے آباد کرنے سے قاصر ہے تو زمین چھین لی جائے اور کسی آباد کرنے والے کو دے دی جائے کیونکہ اس آیت کی رو سے زمین کی آباد کاری واجب ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کسی ملک کی آبادی زراعت سے ہوتی ہے۔ انسانی ضروریات کے سلسلے میں زراعت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے لہذا ہر ملک کا اسٹی فیصد زراعت میں اور باقی بیس فیصد صنعت و صرقت میں استعمال ہونا چاہیے۔ اگر تمام لوگ کارخانوں میں کام کرنے لگیں یا فوج کی ملازمت اختیار کر لیں تو زراعت کا کام کون کرے گا۔ اگر زراعت رک گئی تو ملک ویران ہو جائے گا، لہذا حکومت اور خود مالک اراضی کا فرض ہے کہ زمین کو آباد کریں تاکہ لوگوں کی خوراک کا بندوبست ہو سکے۔

عمرہ کا لفظ بھی اسی لفظ واستغفر سے مشتق ہے اگر کوئی شخص اپنا مکان یا زمین عمرہ صبر کے لیے کسی دوسرے شخص کو دے دیتا ہے تو وہ ہبہ یا صدقہ ہو جائے گا۔ ایسی جائیداد دوسرے شخص کی ملکیت میں چلی جائے گی اور پھر واپس نہیں ہو سکے گی۔ اس شخص کی وفات کے بعد وہ جائیداد اس کے وارثان میں تقسیم ہوگی اور اصل مالک کو واپس نہیں ہو سکے گی۔ اگر کوئی شخص ہبہ کرتے وقت کسی خاص مدت کے بعد واپسی کی شرط لگانے کا تو ایسی شرط باطل سمجھی جائے گی۔

فرمایا اللہ نے تمہارے لیے اس زمین میں آبادی کا سامان پیدا کیا ہے۔ اب تمہارا بھی فرض ہے کہ فاستغفر وہ اس پر وردگار سے بخشش طلب کرتے رہو، اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ استغفار بہت بڑی حقیقت اور بڑی ضروری چیز ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے استغفار بمنزلہ صابن کے ہے۔ انسان کے دل پر مٹی

استغفار  
کی تلقین



زیادہ میل کچیل ہوگی اتنی زیادہ استغفار کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بعد تسبیح و تحمیل بمنزلہ خوشبو کے ہے اور استغفار کے بعد تسبیح و تحمیل انسان کی روح کو نکھار دیتی ہے۔ اسی لیے بزرگوارانِ دین ان وظائف کی بڑی تہنیت کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں استغفار کے کئی کلمات آئے ہیں مثلاً  
 اسْتَغْفِرُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَاتُوبُ  
 إِلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ تَعْنِي مَعَانِي طَلَبُ كَرَامَاتِ هُوَ جِسْمِ كَرَامَاتِ مَعْبُودِ  
 نہیں۔ وہ زندہ اور قائم ہے اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔  
 اسْتَغْفِرُ اللّٰهُ رَجَبٌ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاتُوبُ إِلَيْهِ  
 میں ہر گناہ سے اللہ تعالیٰ کی بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع  
 کرتا ہوں۔ غرض اسْتَغْفِرُ اللّٰهُ کا ورد بھی کرتا ہے تو درست ہے  
 صحابہ بیان کرتے ہیں کہ خیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایک مجلس میں  
 سو سو مرتبہ استغفار کے کلمات اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے تھے۔  
 ترمذی اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے كَلَّمَكُمْ خَطَاؤُنَ  
 وَخَيْرُ الْخَطَايَا أَنْ تَتُوبُوا يَعْنِي تَمْنِي مِنْ سَبْعِ مِائَةِ خَطَايَا كَرِهَ  
 اور بہتر خطا کا رد ہے جو غلطی کرنے کے بعد معافی مانگ لیتا ہے اور  
 اس پر اصرار نہیں کرتا۔ جب کوئی شخص صدقِ دل سے تائب ہو جاتا ہے  
 تو حضور علیہ السلام نے فرمایا السَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا  
 ذَنْبَ لَهُ كَمَا هُوَ مِنَ التَّوْبَةِ كَمَا هُوَ مِنَ الْإِسَابِ جِيسَ اس نے کوئی  
 گناہ کیا ہی نہ ہو۔ تو فرمایا ایک تو اللہ سے معافی مانگو اور دوسرے  
 کہ تَوْبُوا إِلَيْهِ پھر اس کے سامنے توبہ بھی کرو کہ آئندہ ایسا  
 غلط کام نہیں کروں گا۔

فرمایا اپنے رب کے سامنے استغفار اور توبہ کرو اور ساتھ ہی یہی  
 نے ابن ماجہ ص ۳۳۳

سمجھ لو ان رَجَبٌ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ جِشک میرا یہ دور دگار میرے قریب  
 بھی ہے اور میری دُعا کو قبول بھی کرتا ہے۔ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ  
 نے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ رب تعالیٰ کہیں دور  
 دراز مقام پر ہے، بلکہ وہ تو انسان کے بالکل قریب ہے قرآن پاک  
 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان موجود ہے نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ  
 الْوَرِيدِ ہم انسان کی شدہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اس وقت  
 درمیان میں حجاب پڑے ہوئے ہیں، جب یہ دور ہو جاتے ہیں، تو  
 انسان کو حضوری نصیب ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ خدا تعالیٰ قریب اور مجیب  
 بھی ہے کہ وہ ہر دُعا کرنے والے کی دُعا کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے  
 مشرک لوگ درمیان میں بلا وجہ واسطہ ڈالتے ہیں کہ ہماری تمنا کے آگے  
 اور تمہاری خدا کے آگے، یہ باطل نظریہ ہے۔ اللہ نے قریب و مجیب  
 کے الفاظ لاکھ اس باطل عقیدہ کی جڑ کاٹ دی ہے۔ مگر مشرک لوگ  
 اُسی عقیدے پر اڑے ہوئے ہیں کہ ہم ان کو راضی کرتے ہیں اور یہ آگے  
 خدا تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ وہ ہر شخص  
 کے قریب ہے اور اس کی دُعا کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

توسل کی  
 حقیقت

ہیں تو سل کہ بزرگانِ دین جائز قرار دیتے ہیں، وہ ایک فردعی بات  
 ہے۔ اس توسل کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ان لوگوں سے ہمیں  
 محبت ہے کیونکہ انہوں نے ہمیں اللہ کا راستہ بتایا ہے۔ دُعا کا قبول و  
 رد تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تاہم ہم التجا کرتے ہیں کہ ان بزرگوں  
 کے طفیل سے ہماری دُعا کو قبول فرما۔ اور اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے  
 کہ فلاں بزرگ اللہ تعالیٰ کو ضرور ہی راضی کرے گا۔ لہذا ہمیں اس کو  
 راضی کرنا چاہیے تو یہی شرک ہے۔

حضرت مولانا حسین علی صاحب واں پشورال فرماتے ہیں کہ

کسی بنی یا ولی کا وسیلہ درحقیقت اعمال ہی کا واسطہ بنتا ہے جو کہ سب کے  
 نزدیک جائز ہے۔ اعمال کا وسیلہ یہ ہے کہ انسان کہے کہ اے مولا کریم!  
 میرے اس نیک عمل کے طفیل میرے گناہ معاف کر دے یا میری دنیا  
 حاجت پوری کر دے، اسی طرح یوں کہنا کہ اے اللہ! علی جویری یا فدا  
 بزرگ کے طفیل سے میری دعا قبول کر دے تو یہ بھی حقیقت میں فعل  
 ہی کا واسطہ ہے لیونکہ کوئی بنی یا ولی بذاتہ متصور نہیں ہوتا بلکہ اس کے  
 ساتھ محبت ہونے کی وجہ سے اس کو ذریعہ بنایا جاتا ہے اور محبت  
 ایک فعل ہے اسی طرح کسی متبع کی اتباع ایک فعل ہے اور اس فعل کی  
 برکت سے وہ دعا کی قبولیت کی درخواست کرتا ہے اس سے زیادہ  
 حیلے کا کوئی مفہوم نہیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ کوئی بنی یا ولی من حیث  
 الذات اس کی مراد پوری کرتا ہے اور وہ اسی کی رضا چاہتا ہے یا وہ سفارش  
 کر کے پہلے گا تو یہ مشرکانہ عقیدہ ہے جس کی عدم معافی کا اللہ نے بار بار  
 اعلان فرمایا ہے۔

آباد ابداد  
 کا طریقہ

صالح علیہ السلام کی یہ تقریر سن کر قَالُوا يٰصَلِّحْ وہ لوگ کہنے لگے  
 کر اے صالح علیہ السلام اَقَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا  
 اس سے پہلے تو ہمارے درمیان امید کیا گیا تھا۔ تمہاری تبلیغ سے پہلے  
 ہم تمہیں بڑا ہونما اور لائق سمجھتے تھے مگر تو اب داد کا نام روشن کر چکا  
 مگر تو تو ان کی راہ سے ہٹ کر اُسی راہ کو مٹانے کے درپے ہے  
 کہنے لگے اَمْ نَحْنُ اَنْتُمْ اَنْ تَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا كَمَا تَوْهَمٰہُمْ  
 ہے ان کی عبادت کرنے سے بن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے  
 آئے ہیں۔ تو ہمارے آباد ابداد کے رسم و رواج ہم سے چھڑانا چاہتا ہے  
 آج کے مشرک بھی یہی کہتے ہیں کہ فلاں کام اور فلاں رسم تو وہ بھی کرتے  
 تھے، وہ کوئی بیوقوف تھے جو ایسا کرتے تھے۔ یہ نئے عالم پیدا ہو گئے



ہیں جو ہمیں تیسرے اور چہلم سے روکتے ہیں۔ قبروں پر گنبد بنانے ان پر پادریں پھیلانے اور چڑھانے سے منع کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ تو ہمارے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں، یہ کون ہیں جو کئے والے مشرک لوگ ہمیشہ اپنے بدلوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جب کہ اللہ نے فرمایا اَوْ كُفَّارًا اَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرہ) اگرچہ ان کے آباؤ اجداد عقل و شعور اور ہدایت سے محروم ہی کیوں نہ ہوں۔ ہاں اگر آباؤ اجداد یا بزرگ صحیح راستے پر ہوں تو پھر ضرور ان کے راستے پر چلو اور اس کی دعوت درمروں کو بھی درود حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی کیا تھا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اَبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ كَوَاسِعٰقٍ وَكَعْقُوْبٍ (یوسف) میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کا اتباع کرتا ہوں کیونکہ وہ حق پر تھے۔ بہر حال اگر آباؤ اجداد توحید الہی پر ہیں تو ان کی مافیہ بے گئی اور اگر وہ گمراہ ہیں تو ان پر فخر کرنا جہنمی ہونے کی علامت ہے۔

تو فرمایا، اے صالح! کیا تو ہمیں ان کی عبادت کرنے سے روکتا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّنْ مَا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُّرِيْبٍ تو ہمیں جس چیز کی دعوت دیتا ہے ہم تو اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں تمہاری بات سچی معلوم نہیں ہوتی۔ مصلیٰ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سب کی حاجات ایک ہی خدا پوری کرے اور ہم سب کو چھوڑ کر اسی ایک کو بھاریں۔ اس کے جواب میں صالح علیہ السلام نے فرمایا قَالَ لِيَقُوْمُوْا اَدْبٰتُ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ ذٰلِكَ لَمِیْرٰی قَوْمِ كَیْ مَحْجُوْبٌ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اُس نے مجھ پر وحی نازل فرمائی اور مجھے صحیح دین عطا کیا وَاسْتَنْصٰی

توحید پر  
استقامت

رَحْمَةً اور اُس الشکر نے اپنی طرف سے مجھے مہربانی بھی عطا کی ہے  
 ہدایت، ایمان، نیکی اور تقویٰ یہ سب الشکر کی مہربانی ہی تو ہے جو اس نے  
 عطا فرمائی ہے۔ فرمایا ان حالات میں فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ  
إِنْ عَصَيْتُهُ اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو اس کے سامنے  
 کون میری مدد کرے گا۔ یہ ایسی واضح بات ہے کہ جس میں کوئی شک اور تردد  
 نہیں۔ فرمایا اگر میں تمہاری بات مان لوں فَمَا تَزِيدُ وَنَنِي غَيْرُ  
 تَحْسِبُنِي پس نہیں زیادہ کرتے تم میرے لئے نقصان کے سوا مطلب  
 یہ کہ اگر میں توحید کا درس چھوڑ دوں اور تمہاری شرکیہ رسوم کی تردید کرنے  
 کی بجائے خود اختیار کر لوں تو مجھے نقصان کے سوا کیا حاصل ہوگا یہ تو میرے  
 لیے سراسر نقصان کا سودا ہوگا، لہذا نہ میں پیغام الہی پہنچانے سے باز  
 آسکتا ہوں اور نہ تمہاری غلط بات کے پیچھے لگ سکتا ہوں اب اگلی  
 آیات میں قوم کی طرف سے نشانی کا مطالبہ آ رہا ہے اور پھر ان کی  
 ہلاکت و تباہی کا تذکرہ ہے۔

وما من دابة

سورة هود ۱۱

درس نوروزم ۱۹

آیت ۶۳ تا ۶۸

وَلَيَقَوْمٌ هَذِهِ نَاقَةٌ لِّلّٰهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ  
 فِيْ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمْسُوْهَا بِسُوْءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ  
 قَرِيْبٌ ۝۶۳ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ  
 اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝۶۴ فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا  
 نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا  
 وَمِنْ خِزْيٍ يَوْمَئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝۶۵  
 وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الصَّيْحَةَ فَاصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ  
 جَثِيْمِيْنَ ۝۶۶ كَاَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَا اِنَّ تَمُوْدًا كَفَرُوْا  
 بِرَبِّهُمُ الْاَبْعَدُ لَشَمُوْدٍ ۝۶۷

ترجمہ :- اور اے میری قوم کے لوگو! یہ اللہ کی اذنی ہے

تمہارے لیے ایک خاص نشانی۔ پس چھوڑ دو اس کو کہ جسے  
 اللہ کی زمین میں اور نہ چھوڑنا اس کو بُرائی کے ساتھ۔ پس پکڑ  
 لے گا تمہیں عذاب جلد ۝۶۴ پھر انہوں نے (نافرمانی کرتے  
 ہوئے) اس اذنی کے پاؤں کاٹ دیے۔ پس کہا (صالح علیہ السلام  
 نے) فائدہ اٹھاؤ اپنے گھروں میں تین دن تک۔ یہ ایسا وعدہ  
 ہے جو چھوڑنا نہیں ہو گا ۝۶۵ پس جب آیا ہمارا حکم تو ہم  
 نے نجات دی صالح علیہ السلام کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان



لائے اُن کے ساتھ اپنی رحمت سے ، اور اس دن کی رسوائی سے ۔ بیشک تیرا پروردگار قوت والا اور غالب ہے (۶۶) اور پکڑا اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا ایک جینے نے ، پس ہو گئے اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے (۶۷) گویا کہ وہ ران میں کبھی بسے ہی نہ تھے ۔ آگاہ رہو ، بیشک ثمود نے کفر کیا چاہے پروردگار کے ساتھ ۔ آگاہ رہو ، دوری (جلاکت) بہ ثمود کیلئے (۶۸)

اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کی تفہیم کے لیے اس سورۃ مبارکہ میں متعدد انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کیا ہے ۔ پہلے حضرت نوح اور ہود علیہما السلام کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم کو یہی دعوت دی : " اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ كُفْرًا مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ "۔ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اُس کے بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں ۔ سورۃ کی ابتدا میں جنہو ظالم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارکہ سے بھی یہی کلمات دہرائے گئے اور صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا لب لباب بھی یہی تھا کہ لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو ، اس سے معافی مانگو اور اُس کی طرف رجوع رکھو ۔ آپ کی قوم نے کہا کہ ہم تو تمہیں بڑا ہونہار سمجھتے تھے کہ تو باپ دوست کا نام روشن کرے گا مگر تو نے ہمیں اپنی کے دین سے ہٹانا شروع کر دیا ہے ۔ جہیں تو تیری بات مشکوک نظر آتی ہے ۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو! اگر میں کھلے اُستے اور واضح دلائل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے جس نے مجھے خاص مہربانی عطا کی ہے اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو اُس کے سامنے میری کون مدد کرے گا ۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ۔ اگر میں تمہاری بات مان لوں تو میرا سر نقصان اٹھاؤں گا ۔

نشانی کا  
مطلبہ

اکثر انبیاء کی اقوام نے اُن سے من مریخی کی نشانی طلب کرنے پر اصرار کیا ہے ۔ اکثر مقامات پر ایسا بھی ہوا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی سے کہلویا کہ نشانی پیش کرنا میرا کام نہیں ہے بلکہ اس کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر ہے ۔ وہ جب چاہے کوئی نشانی ظاہر فرمائے ۔ مگر بعض اوقات اللہ تعالیٰ مطلوبہ نشانی ظاہر بھی فرمادیتا

تھا۔ مکے والوں نے حضور نبی کریم سے شوق القمر کی نشانی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کی ایک طرف چلا گیا اور دوسرا دوسری طرف اس معجزے کو سب لوگوں نے دیکھا پھر بھی ”یسٰٰ حسرا“ مَسْتَحْسِرًا کہہ کر ٹال دیا اور واضح معجزے کا انکار کر دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہمارے سامنے پہاڑوں میں سے بڑی جہامت والی اونٹنی نکالو جو ہمارے سامنے بچہ جے اور اس میں فلاں فلاں خصوصیت ہو تو ہم ایمان لے آئیں گے حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی جسے اللہ نے منظور فرمایا۔ قوم کے میلے کاڑن تھا۔ کھلے میدان میں مشرک کافر اور اہل ایمان ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے۔ اُن سب کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے چٹان سے اونٹنی کو نکالا۔ پھر اس پر درد زہ جیسی کیفیت طاری ہوئی اور سب کے سامنے اُس نے بچہ جہا۔ پھر یہ بچہ بھی بڑا ہو گیا۔ اس اونٹنی کے متعلق اللہ نے بعض پابندیاں بھی عائد کیں جن کا ذکر قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں موجود ہیں۔ اس معجزہ اونٹنی کے متعلق حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے روایت بیان کی ہے جسے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر عزیزی میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اونٹنی کے بیٹھنے والی جگہ کو پیمائش کیا تھا تو یہ ساٹھ ہاتھ یعنی نوے فٹ ہوئی تھی۔

مذاہم کی روایت میں آتا ہے کہ اے لوگو! اپنے منہ سے انشیاں اور معجزے نہ طلب کیا کرو، دیکھو قوم ثمود نے اپنے منہ سے معجزہ طلب کیا تھا اللہ نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کی پاسداری نہ کر سکتے تھے اللہ نے ان پر سخت عذاب نازل فرما کر انہیں ہلاک کر دیا۔

یہ عجیب و غریب اونٹنی کھلی پھرتی تھی، اپنی مرضی سے کبھی اس دُورے میں جاتی کبھی اُس دُورے میں۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ جس

اونٹنی کے  
یہ شراٹھ





فرمایا یہ اللہ کی اذنی سے لکھنا ایک یہ تھا ہے لے ایک خاص نشانی کے طور پر ہے۔ فَذَرُوْهَا پس اس کو چھوڑ دو تَاْكُلْ فِيْ اَرْضِ اللّٰهِ تاکہ یہ زمین میں کھاتی ہے۔ یہ جہاں جاب چرتی پھرتی ہے اس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کر دے وَلَا تَسُوْا بِهَا بِسُوْرَةً اور اس کو بُرائی کے ساتھ مت چھوڑنا یعنی اس کو کوئی گزند نہ پہنچانا۔ اگر ایسا کر دے فَيَاْخُذْكُمْ عَذَابٌ عَرِيْضٌ تو تمہیں اللہ کا عذاب بہت جلدی آکر کھڑے گا اور پھر تمہیں مہلت بھی نہیں ملے گی۔ یہ بات جان لیتی چاہیے کہ یہ اذنی اللہ کی نشانی ہے، اس کا احترام لازمی ہے اور اس کی توہین موجب سزا ہے اللہ کے تمام شعار اللہ کی تعظیم ضروری ہے۔ سورۃ حج میں موجود ہے۔ وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَانْهَضْنَا مِنْ لَقَوٰى الْقُلُوْبِ اور جو کوئی شعار اللہ کی تعظیم نہ کرے تو یہ تو دل کے تقویٰ کی بات ہے یعنی جس کے دل میں خوف خدا ہوگا۔ وہ ضرور اللہ کے شعار کی تعظیم کرے گا۔ اب شعار اللہ میں بہت سی چیزیں آتی ہیں جن میں بیت اللہ شریف اور ساری مسجدیں ہیں، صفا و سروہ کی پہاڑیوں کو اللہ نے شعار اللہ کا لقب دیا ہے۔ قرآن پاک، نماز، آذان، حج اور خود نبی کی ذات شعار اللہ میں داخل ہیں، ان سب کا احترام ضروری ہے، جو توہین کرے گا سزا کا مستحق ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص دنیا کی زندگی میں چند روز سزا بجا دے گا مگر شعار اللہ کی توہین کسی کے کوئی شخص اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔ اہم شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ شعار اللہ کی تعظیم خود اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے برابر ہے کیونکہ شعار اللہ ہی کے حقر کر دہ ہیں۔ اسی لئے —

شعار اللہ  
کی تعظیم

اللہ نے قوم مود کو فرمایا کہ اس اذنی کو بُرائی کے ساتھ مت چھوڑنا، ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تمہیں جلد ہی آکر کھڑے گا۔ اُس قوم نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی سورۃ الشمس میں ہے كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطُغُوْاْهَا قومِ ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر اپنے پیغمبر علیہ السلام کو جھٹلایا اور پھر شدید عذاب



بیت اللہ شریف میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا مگر جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اس پر بھی وہی سزا آئی جو قوم کے دوست افراد پر آئی تھی یہ خسروہ حنین کے بعد جب حضور علیہ السلام طائف کی طرف جا رہے تھے تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس مقام پر ابوہریرہؓ ہلاک ہوا تھا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے پاس سونے کی چھتری تھی جو کہ اسی جگہ پر اس کے ساتھ ہی دفن ہے۔ صحابہؓ نے وہ جگہ اکھاڑی تو وہاں سے چھتری برآمد ہو گئی۔

بدبخت  
آدمی

قوم ثمود کے جس آدمی نے اونٹنی کے پاؤں کاٹے تھے اس کے متعلق حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ حضرت علیؓ سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ اے علیؓ! پہلی امتوں کا بدبخت آدمی احمد ثمود نامی تھا۔ یہ بیچ رنگ اور ٹھنکے قد کا آدمی بڑا بے معاش تھا جس نے اللہ کی اونٹنی کو ہلاک کیا، اور اس امت کا بدبخت آدمی وہ ہو گا جو تمہارے سر کے خون سے تمہاری داڑھی کو رنگین کرے گا۔ یہ عبدالرحمن بن عجم خارجی تھا جس نے حضرت علیؓ کو شہید کیا، شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ احمد ثمودی نے بھی ایک عورت کی خاطر اللہ کی اونٹنی کو ہلاک کیا اور اس خارجی نے بھی عورت ہی کی خاطر حضرت علیؓ کو شہید کیا، آپ خلیفہ علیؓ منہاج النبوة تھے اور یہ خلافت راشدہ آپ کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ بہر حال صالح علیہ السلام نے قوم کو متنبہ کیا کہ اپنے گھروں میں تین دن تک فائدہ اٹھا لو، اس کے بعد تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ فرمایا ذٰلِكَ وَعَدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ اللہ تعالیٰ کا یہ ایسا وعدہ ہے، جو جھوٹا نہیں، بلکہ پورا ہو کر رہیگا اور تم صفحہ ہستی سے ناپید ہو جاؤ گے۔

اہل ایمان  
کی نجات

فرمایا فَلَمَّا جَاءَ امْرُؤُنا بِخبرِ حبیب ہمارا حکم یعنی عذاب آگیا نَحْنُ نَا صَلِحًا وَالَّذِينَكَ امْسُوا مَعَهُ ہم نے بچا لیا صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔ اہل ایمان پر نہ تو



پیچ کا کوئی اثر ہوا اور نہ ہی زلزلے نے انہیں تہ و بالا کیا۔ وہ اللہ کے  
نبی کی ہمراہی میں الگ تھلک سے اور اس عذاب سے بچ گئے۔  
فرمایا ان کا محفوظ رہنا بہ حکمت و مہربانی سے ہوا  
وہ اللہ پر ایمان لائے۔ اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا اور نبی کی اطاعت  
کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمت کی اور عذاب سے بچا لیا اور  
پھر یہی نہیں بلکہ قرصتِ خدیٰ یومہمذیٰ اس دن کی رسوائی سے  
بھی بچ گئے جس دن اللہ نے باقی قوم کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس کا مطلب  
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قیامت والے دن کی رسوائی  
سے بھی محفوظ رکھے گا۔ فرمایا۔ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ بیشک  
تمہارا پروردگار طاقت ور بھی ہے اور غالب بھی۔ وہ جس طرح چاہے  
کسی قوم کو ہلاک کر دے، اُس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن  
سکتی، اُس نے کسی قوم کو طوفان کے ذریعے ہلاک کیا، کسی کو تیز گرم ہوا  
بھج کر تباہ کیا اور کسی کو پیچ اور زلزلہ بھج کر نابود کر دیا۔ وہ ہر چیز پر غالب  
ہے اور جو چاہے کر گزرتا ہے۔

ظالموں  
کی ہلاکت

فرمایا اللہ کی وحدانیت کے انکار اور نبی کی مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا۔ وَ  
أَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ اور پکڑ لیا ظلم کرنے والوں کو پیچ نے۔  
اُمیر سے پیچ آئی اور جیسا کہ دوسری جگہ آتا ہے نیچے سے زلزلہ بھی آیا۔  
فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيمِينَ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں  
میں اونڈھے منہ گرنے والے۔ جب زلزلہ آتا ہے تو لوگوں کے پاؤں اکھڑ  
جاتے ہیں اور وہ اونڈھے منہ گرے پڑتے ہیں۔ قوم مشرک کے ساتھ بھی ایسا  
ہی ہوا۔ اللہ نے فرمایا وہ ایسے ہرگز نہ تھے کہ كَانَ لَكُمْ كَيْفُؤُافِيْهِمْ  
گویا کہ وہ ان بستیوں میں کبھی آباد ہی نہ تھے۔ اُن کی تمام بستیاں ویران  
ہو گئیں اور وہاں کوئی فرد بشر نظر نہیں آتا تھا حالانکہ اُن کے علاقے میں ایک

ہزار سائے، موقعیات اور شہر آباد تھے۔ یہ ظلم کا نتیجہ تھا، ظلم میں کفر و شرک سر فہرست ہیں۔ بنی کی توہین، شعار اللہ کی توہین اور جبرائیل علیہ السلام کے انکار کا نتیجہ ان کی تباہی کی صورت میں نکلا۔ ان کے بڑے بڑے مہلات تھے جو دریائے ہونگے اور ان میں بسنے والا کوئی متنفس وہاں باقی نہ رہا۔ اللہ نے تمام نافرمانوں کو ہلاک کر دیا۔

سامان  
عبرت  
اور تنبیہ

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کے لیے باعث عبرت اور تنبیہ بنا دیا ہے۔ فرمایا اَلَا اِنَّ كَثُوْدًا مِّنْهُمْ قَوْمٌ ثُوْرٌ نَّسِيتُ رَبَّكَ سَامِعًا كُفْرًا، اس کی توحید کا انکار کیا اور بنی کی نافرمانی کی اَلَا اَعِدَّا لِكُثُوْدٍ خَبِرًا! دوری اور ہلاکت ہے قوم ثمود کے لیے۔ بعد کا معنی دُور ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہو گئے اور بعد کا معنی ہلاکت بھی آتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ صفحہ ہستی سے بالکل نابود ہو گئے یہ تو اس دنیا میں ہذاب آیا اور آخرت کا مرحلہ ابھی آگے ہے۔ غرضیکہ تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جو بھی رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے گا وہ بچ نہیں سکے گا۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ منرا صرف قوم عاد یا قوم ثمود کے لیے تھی بلکہ ہر نافرمان ایسی ہی منرا میں پکڑا جا سکتا ہے۔ مالک الملک اپنے قانون اہمال کے مطابق کسی فرد یا قوم کو مہلت دینا رہنما ہے مگر جب وہ مہلت پوری ہو جاتی ہے، تو اس کی گرفت آ جاتی ہے۔

وما من دابة ۱۲

سورة هود ۱۱

درس بستم ۲۰

آیت ۶۹-۷۲

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلًا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا  
 قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيفٍ ⑥۹  
 فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ  
 مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ  
 لُوطٍ ⑦۰ وَأَمْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَقَ  
 وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَقَ يَعْقُوبَ ⑦۱ قَالَتْ يَوَيْلَ لِي وَالِدُوانَا  
 عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ⑦۲  
 قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَتُهُ  
 عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ⑦۳ فَلَمَّا  
 ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى  
 يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ⑦۴ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ  
 أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ⑦۵ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ  
 قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَأَنْتُمْ إِنْتُمْ عَذَابٌ غَيْرُ  
 مَرْدُودٍ ⑦۶

ترجمہ:- اور البتہ سچے آئے ہمارے بھیجے ہوئے  
 ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر۔ انہوں نے کہا  
 سلام۔ ابراہیم علیہ السلام بوسے، سلام ہے پس نہ



مٹھریے (ابراہیم علیہ السلام) کچھ زیادہ مگر یہ کہ سے آئے ایک تولا  
 ہوا بکھڑا (۶۹) پھر جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اُس کی طرف نہیں  
 پہنچ سکتے تو اوپر سمجھا اُن کو اور محسوس کیا اُن کی طرف سے  
 خوف۔ وہ کہنے لگے، نہ خوف کھا، بیشک ہم نیچے ہوئے ہیں  
 قومِ لوط کی طرف (۷۰) اور اُن کی بیوی کھڑی تھی، پس وہ ہنس  
 پڑی اور اُس کو ہم نے خوشخبری دی اسحاق (بیٹے) کی، اور  
 اسحاق کے بعد یعقوب (پوتے) کی (۷۱) وہ کہنے لگی تعجب  
 ہے میرے لیے کہ اب میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں۔  
 اور یہ میرا خاندان بھی بوڑھا ہے، یہ تو البتہ عجیب چیز ہے (۷۲)  
 وہ کہنے لگے، کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم پر، اللہ کی  
 رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت! بیشک  
 وہ تعریفوں والا اور بزرگ ہے (۷۳) پس جب دور ہو گیا ابراہیم  
 علیہ السلام سے خوف اور اُن کو خوشخبری حاصل ہو گئی، تو وہ  
 جھگڑنے لگے بہانے ساتھ قومِ لوط کے ہاتھ میں (۷۴) بیشک  
 ابراہیم علیہ السلام البتہ بڑے بڑبار (زرم دل) اور رجوع نہ کھنے  
 والے تھے (۷۵) (ارشاد ہوا) اے ابراہیم علیہ السلام! جھوٹ دو  
 اس بات کو، بیشک آپکا ہے تیرے رب کا حکم اور  
 ان لوگوں کے پاس آنے والا ہے ایسا عذاب جس کو ٹلایا  
 نہیں جاسکتا (۷۶)

در بط آیات گزشتہ کئی دروس سے مختلف انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا تذکرہ ہو رہا ہے  
 حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام نے قوم  
 کو یہ نصیحت کی کہ لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اپنی غلطیوں کی معافی مانگو

اور اُسی کی طرف رجوع رکھو۔ ان نافرمان قوموں پر عذاب کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ قوم نوح طوفان میں تباہ ہوئی، قوم ہود کو تیز آندھی نے آپکڑا اور صالح علیہ السلام کی قوم کے لیے اُپر سے چٹخ اور نیچے سے زلزلہ آیا جس نے ساری قوم کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح میں یہ تذکیر بایام اللہ ہے۔ یہ لفظ آگے موٹی علیہ السلام کے واقعہ میں آ رہا ہے اور دوسری جگہوں پر بھی موجود ہے۔ تذکیر کا معنی نصیحت پکڑنا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شکر گزار لوگوں کے انعامات اور نافرمانوں کی سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں۔ اسی سلسلے میں لوط علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ آ رہا ہے۔ اس نافرمان قوم کو بھی اللہ نے ہلاک کیا، تاہم واقعہ کی ابتدا میں تمہید کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت اور آپ کے گھرانے کا تذکرہ ہے۔

ابراہیم علیہ السلام  
کو بشارت

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلًا الْبَيْتَ يَحْتَقِ آئُ  
ہمارے بھیجے ہوئے یعنی فرشتے إِبْرَاهِيمَ بِالْبَشْرَى وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے۔ دراصل یہ فرشتے قوم لوط پر عذاب لے کر آئے تھے اور درمیان میں ابراہیم علیہ السلام کو بشارت بھی سنا کر گئے۔ یہاں پر ابراہیم علیہ السلام نے ان کی میزبانی کا جو فریضہ انجام دیا، اس کا ذکر بھی آ گیا ہے۔

رسول انسانوں میں بھی ہوتے ہیں اور ملائکہ میں بھی۔ یہاں جن رسولوں کا ذکر ہے وہ فرشتے تھے اور تفسیری روایات میں ان کی تعداد مختلف بتائی گئی ہے۔ بعض نے تین، بعض نے چار، بعض نے چھ اور بعض نے بارہ فرشتوں کا ذکر کیا ہے مگر کسی صحیح حدیث میں ان کی تعداد ذکر نہیں کی گئی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ

یہ فرشتے جبرائیل، میکائیل، اور اسرافیل تھے۔ بہر حال وہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی کیونکہ یہاں پر جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اور جو بشارت وہ لے کر آئے تھے اس کے متعلق آگے موجود ہے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کو ان کے فرزند کی بشارت تھی۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ قوم لوط کی حرکت کی بشارت تھی جس پر ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو بڑی خوشی تھی کیونکہ اس قوم کے لوگ بڑے غیظ تھے جنہیں دنیا میں باقی رہنے کوئی حق حاصل نہ تھا تاہم صحیح بات یہی ہے کہ یہ خوشخبری اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کی ولادت کی خوشخبری تھی۔ اس ولادت سے آگے بہت بڑی نسل اور قوم آباد ہونے کا فیصلہ ہو رہا تھا، جن میں اللہ کے بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ دوسری طرف ایک ناہنجار اور بد بخت قوم کو تباہ کیا جا رہا تھا۔

فرمایا، ہم آج بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے قَالُوا سَلَامًا انہوں نے کہا سلام۔ اور سلام کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کہے السلام علیکم۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بھیجا تھا کہ جب فرشتوں کی جماعت میں جاؤ تو یا کہہ دو السلام علیکم اور جو پیر و برہنہ آئے وہ آپکا اور آپکی نسل کا قیامت کیلئے جواب ہوگا۔ اور وہ جواب وعلیکم السلام یا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ ربہ فرشتوں کے سلام سے جواب میں قَالَ سَلَامٌ ابراہیم نے کہا سلام ہے۔ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا جواب زیادہ بہتر تھا۔ یہ جملہ اسمیہ ہے جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اور جس کا مطلب ہے کہ ہر لمحہ، ہر دور اور ہر زمانے میں تم پر سلام ہو۔

ارشاد ہوتا ہے فَمَا كَيْفَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ

ابراہیم علیہ السلام کچھ زیادہ دیر نہ بٹھے مگر ایک تھلا ہوا بکھڑا لے آئے ابراہیم علیہ السلام ٹہکے مہمان نواز تھے۔ مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا

ابراہیم علیہ السلام  
کی مہمان نوازی



کھانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مہمان بھی حسین و جمیل نوجوان تھے، آپ نے ان کی خاطر مہارت کے لیے فوری انتظام کیا۔ فَلَمَّا رَأَىٰ أَنَّهُمْ لَا تَقْصِلُ إِلَيْكَ مَعْرَجَ جِبِّ آبٍ نے دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں نَكَرَهُمْ آپ نے اس کو اور پہچان لیا کہ یہ بات سے مہمان کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ اُس دور کا یہ دستور تھا کہ کوئی دشمن اپنے دشمن کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ کسی شخص کا نمک کھانا اُس کے ساتھ دشمنی کرنا درست نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی قسم کا شبہ پیدا ہوا وَ اَوْحَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً اور آپ نے اُن کی طرف سے خوف محسوس کیا۔ کہنے لگے ہم تو ان کو نہایت تکریم کے ساتھ کھانا پیش کر رہے ہیں مگر یہ کھاتے نہیں۔ اگلی آیت میں یہ بھی آ رہا ہے کہ اُس وقت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ بھی مہمانوں کی خدمت تواضع میں مدد کے لیے قریب ہی کھڑی تھیں۔

شاہ عبدالقادر مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا خوف میں مبتلا ہونا طبعی امر تھا کیونکہ فرشتے اللہ کی طرف سے عذاب لے کر اور شان غضب اور انتقام کا منظر منظر کہ قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اور اس کا اثر ابراہیم علیہ السلام کے قلب مبارک پر پڑ رہا تھا۔ جب فرشتوں نے آپ کو خوفزدہ دیکھا فَالَوْ لَا تَخَفُ کہنے لگے ڈرو نہیں۔ ہم فرشتے ہیں اور کھانا نہیں کھاتے إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطِ ہمیں تو قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ انہیں سزا دیں۔

اس موقع پر بعض مفسرین نے کئی باتیں بیان کی ہیں جن کے دلائل قوی نہیں ہیں، تاہم یہ باتیں تفسیری روایات میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک بات اہم ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں سے کھانا نہ کھانے کی وجہ پوچھی

تو وہ کہنے لگے کہ ہم بغیر قیمت ادا کے کھانا نہیں کھاتے۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر اس کھانے کی قیمت ادا کر دو۔ فرشتوں نے قیمت دریافت کی تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانے کی قیمت یہ ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لے یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہو اور کھانا کھانے کے بعد الْحَمْدُ لِلّٰہ کہو۔ اس پر فرشتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ اس شخص کا اخلاق اتنا عالی ہے، جی بھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنا رکھا ہے ایک اور عجیب و غریب بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب فرشتے کھانا کھانے کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے تو جبرائیل علیہ السلام نے اس سے کہے کہ پھر اس کی طرف اشارہ کیا تو اللہ نے اس کو زبردہ کر دیا اور وہ اٹھ کر صحن میں بندھی ہوئی اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ اس قسم کی باتیں بطور معجزہ تو پیش آسکتی ہیں تاہم ایسے واقعات کی کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

اس واقعہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم غیب کی نفی بھی ہوتی ہے۔ آپ ان فرشتوں کو انسان سمجھتے تھے اور اسی لیے انہیں کھانا بھی پیش کیا۔ پھر جب انہوں نے کھانے کی طرف رغبت نہ کی تو آپ کو خوف بھی محسوس ہوا۔ ظاہر ہے کہ ان کے فرشتے ہونے کا علم آپ کو اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ آپ کو بتلایا نہیں گیا۔ آگے لوط علیہ السلام کے واقعہ میں بھی یہی بات آرہی ہے انہوں نے بھی فرشتوں کو انسان ہی سمجھا تو نہ صرف ابراہیم علیہ السلام بلکہ اللہ کے سارے انبیاء، لوہامات بشریت کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور انسانیت کے لوازمات میں یہ ہے کہ کوئی بھی مخلوق علیم کل نہیں ہے۔ مخلوق کو اتنا ہی علم ہوتا ہے، جتنا خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ ذر سے ذرے کا علم تو خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے

مبدء علم  
غیب

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾ وہی ذات ہے جس کو ہر چیز کا علم ہے  
سورۃ یونس میں گزر چکا ہے "وَمَا يَعْزُبُ عَنْكَ رَيْبٌ مِنْ  
مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ تَرَىٰ رَبَّكَ" علم کے علم سے ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی  
چیز غائب نہیں۔ ہر چیز علم الہی میں جی ہے اور لوح محفوظ میں بھی درج  
ہے۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کی شان ہے یہ کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔

بے لوث  
کی بات

جب ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی،  
وَأَمْرًا لَهُ قَائِمَةٌ ﴿۱۱﴾ تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی یاس میں کھڑی تھی جب  
اُسے معلوم ہوا کہ وہاں انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں فَصَحَّكَتُ تُوُوْهُ مَهْنَسٌ  
پڑھی مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت سارہ اس لیے ہنسی تھیں کہ  
انہیں قوم لوط جیسی غلیظ قوم کی ہلاکت کا پتہ چل گیا تھا آگے اللہ نے فرمایا  
فَبَشِّرْهُنَّ بِمَا يَسْتَمِعْنَ ﴿۱۲﴾ پھر ہم نے حضرت سارہ کو اسحاق بیٹے کی بشارت  
سنائی۔ حضرت سارہ ابتدا ہی سے پسندیدہ اور اونٹنے درجے کی خاتون  
تھیں، آپ مقررین الہی میں سے تھیں۔ آپ کو ساری عمر بچے کی  
خواہش رہی یہاں تک کہ آپ کی عمر ننانوے سال کی ہو گئی اور اسوقت  
ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک آٹھ سو بیس سال کی تھی آپ کی دوسری بیوی حاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام  
برس قبل پیدا ہوئے تھے اور اس وقت بھی حضرت سارہ کو اولاد کی شدید خواہش تھی، بہر حال  
اس عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری  
دی اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول ہوگا۔ اور پھر  
فرمایا خوشی در خوشی کی بات یہ ہے کہ وَهَبْتُ ﴿۱۳﴾ وَرَأَيْتُ اسْتَمْعَقَ  
يَعْقُوبُ ﴿۱۴﴾ کہ اسحاق بیٹے کے بعد یعقوب پوتا بھی ہوگا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ  
السلام نے ایک سو پچھتر برس عمر پائی اور اس دوران میں انہوں نے  
یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کو بھی پایا۔  
بیٹے کی خوشخبری سن کر حضرت سارہ کو محنت حیرت ہوئی قَالَتْ



لَوْ يَكُنِيَ الْإِنْسَانُ عَاجِزًا لَّكُنَ مِنْ أَجْلِكُمْ ۚ  
 میں تو بڑھی ہو چکی ہوں اور بانجھ ہوں وہذا کَعْلِي شَيْخًا اور  
 میرا یہ خاوند ابراہیم بھی بڑھا ہے۔ ساری زندگی بے اولاد گزر گئی ہے  
 اِنَّ هَذَا كَشَىٰ عَجِيْبٌ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ اس عمر میں  
 میرے ہاں بچہ پیدا ہو گا۔

ابراہیم علیہ السلام  
 کے اہل بیت

قَالُوا فَرِشْتَوْنَ لَمْ يَكُنْ اَنْتَ عَجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ كَمَا  
 تمہیں ان کے حکم پر تعجب ہے۔ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور اس  
 بڑھی عمر میں بھی اولاد عطا کر سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا انعام تو یہ ہے  
 کہ رَحِمْتُ اللّٰهَ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكَ ۚ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت  
 اور اس کی برکتیں ہیں اَهْلُ الْاَيْمَنِ اِبْرٰهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے اہل بیت  
 پر۔ اہل بیت اور آل سے ابراہیم علیہ السلام کا گھرانہ مراد ہے۔ ہم درود و تعریف  
 میں بھی پڑھتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی  
 اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْنِ اِيْمٍ وَ عَلٰی  
 اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ ۖ فَرِشْتَوْنَ کی بات چونکہ حضرت ماروہؑ سے ہو رہی  
 تھی، اس لیے معلوم ہوا کہ اہل بیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی  
 بیویاں بھی داخل ہیں۔ شیخ حضرات حضور علیہ السلام کی بیٹی فاطمہؑ اور  
 آپ کی اولاد کو اہل بیت میں شامل کرتے ہیں جب کہ حضور کی ازلی بیوی  
 کو اس میں داخل نہیں کرتے۔ یہ غلط نظریہ ہے قرآن پاک کی آیتیں  
 بیویوں کے حق میں نازل ہوئیں اور اولاد تو صلیبی ہونے کی حیثیت  
 سے لیے ہی اہل بیت میں داخل ہے۔ بیوی کو اہل بیت سے  
 خارج کرنا گمراہی کی بات ہے تو فرمایا، اے اہل بیت ابراہیم! تم  
 پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ بیشک  
 اللہ تعالیٰ تعریفوں والا اور بزرگی والا ہے جس نے ابراہیم علیہ السلام

کے گھرانے پر مہربانی فرمائی، ان کو دین کا علم عطا کیا، بزرگی دی، آپ کے خاندان کو وسعت عطا کی اور دنیا کے تمام کمال اس خاندان میں رکھ دیے۔ نبوت اور رسالت اس گھرانے کا طرہ امتیاز ہے اللہ تعالیٰ نے اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں چار پندرہ نبی اہل بیت اور پھر اسی خاندان کی دوسری شاخ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے پانچ آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اس لیے فرمایا کہ اس خاندان پر اللہ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ہیں۔

قوم لوط سے متعلق تشریح

فَإِنَّمَا أَهْبَكَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ جَبَّابِہِمْ  
 علیہ السلام سے خوفزدگی دور ہو گئی وَجَاءَتْهُ الْمُسْتَضِیُّ اور انہیں خوشخبری بھی حاصل ہو گئی یُجَادِلُكَ فِي قَوْلِ لُوطٍ قَوْمُ لُوطِ لَی بَارَہِمْ  
 میں ہماست۔ ساتھ بکڑا کر دے گئے۔ یہاں جھگڑے سے مراد محض بات چیت ہے۔ جو ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کی اور اپنی عرض پیش کی۔ آپ نے فرشتوں سے کہا کہ آپ قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں مگر ان میں تو مومن بھی موجود ہیں۔ فرمایا کیا تم ایسی بستی کو ہلاک کر دے گے جس میں تین سو مومن بھی بستے ہوں۔ فرشتوں نے کہا، ہم ایسی بستی کو تباہ نہیں کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دو سو مومنوں کا ذکر کیا، پھر تیس مومن حتیٰ کہ فرمایا اگر ایک مومن ہو تو فرشتوں نے پھر بھی انکار کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ وہاں تو خود لوط علیہ السلام اور ان کی مومن بیٹیاں بھی ہیں ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا دراصل ابراہیم علیہ السلام کی خواہش تھی کہ کسی طرح غدا بٹل جلے اور اس قوم کو کچھ مزید دولت مل جائے۔ ان کی یہ ہمدردی اس لیے تھی اِنَّ اِبْرٰہِیْمَ لَخَلِیْلٌ تَوَّابٌ کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام بڑے بردبار اور تحمل والے تھے۔ آپ آقاہ یعنی آکر نہ دے والے تھے۔ اس سے

آپ کی نرم دلی کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر آپ پریشان ہو جاتے تھے۔ سورۃ ابراہیم میں آپ کی دعا مذکور ہے فَصَلِّ تَبَعْنِي فَإِنَّهُ يَمُنِّيْكَ جس نے میری اتباع کی وہ میرے گروہ میں شامل ہو گیا۔ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ عَفُوٌّ رَّحِيمٌ اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا نہرہبان ہے۔ یہ آپ کی نرم دلی کا ثبوت ہے۔ نیز فرمایا ابراہیم علیہ السلام مُنِيبٌ بھی تھے، یعنی آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کھنٹے دلتے تھے، آپ ہمیشہ امانت الی اللہ چاہتے تھے، اسی لیے آپ چاہتے تھے کہ کسی طرح قوم بچ جائے آپ لوط علیہ السلام اور ان کی بچیوں کے متعلق خاص طور پر فکر مند تھے۔

اِنَّهٗمُ اللّٰهُ تَعَالٰی کی طرف سے ارشاد ہوا یٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّکَ اِبْرٰهِيْمُ اس خیال کو بھڑو دو۔ اِنَّہٗ قَدْ جَاءَ اَمْرٌ لِّکَ اِنَّ تِیْرَتَیْہِ کَمَا حُکِمَ یعنی فیصلہ آچکا ہے وَلِلّٰہِہُمُ اٰتِیٰہُمُ عَذَابٌ غَلِيْظٌ مَّرْدُوْدٌ ان کے پاس ایسا عذاب آئے والا ہے جس کو لوٹایا نہیں جاسکتا۔ یہ لوگ سرکشی میں حد سے بڑھ چکے ہیں اور آپ ان کے لیے عبرتناک سزا کا وقت آچکا ہے۔ اب آپ ان کی نفارش نہ کریں اور انہیں عذاب کا مزہ چکھنے دیں۔ یہ فرشتوں کا جواب تھا۔



وما من دابة

سورة هود

درس بت یک

آیت ۷۷ تا ۸۳

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سَتَىٰ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ  
 ذَرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝۷۸ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ  
 يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ  
 السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ  
 فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۚ أَلَيْسَ مِنْكُمْ  
 رَجُلٌ رَّشِيدٌ ۝۷۹ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي  
 بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۝۸۰ قَالَ  
 لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝۸۱  
 قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ  
 فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ  
 أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتَكَ ۚ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ  
 مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝۸۲  
 فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا  
 عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ۚ مَّنْضُودٍ ۝۸۳ مُّسَوَّمَةٍ  
 عِندَ رَبِّكَ ۚ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝۸۴

ترجمہ: اور جب آنے والے تھے تو لوط علیہ السلام

کے پاس، نکلے ہوئے وہ اُن کی وجہ سے اور اُن کا دل  
تنگ ہوا، اور کہنے لگے یہ بہت مشکل دن ہے ﴿۷۷﴾ اور  
اُن کی قوم اُن کے پاس دوڑتی ہوئی، اور اس سے پہلے  
وہ کہتے تھے بھائیوں! تو کہا لوط علیہ السلام نے، اے میری  
قوم کے لوگو! یہ میری بھائیاں ہیں، یہ تمہارے لیے پاک ہیں۔  
ڈرو اللہ سے اور نہ سوا کرو مجھے مہانوں کے بارے میں۔  
کیا تم میں کوئی سمجھ والا انسان نہیں ہے ﴿۷۸﴾ کہنے لگے وہ  
ابنہ تحقیق تو جانتا ہے کہ نہیں ہے ہیں تیری بیٹیوں میں  
کوئی رغبت، اور بیشک تو جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں ﴿۷۹﴾  
کہا (لوط علیہ السلام نے) کاش اگر میرے اندر قوت ہوتی یا میں  
پناہ پکڑا کسی مستحکم کھاتے کی طرف ﴿۸۰﴾ کہ (دشمنوں نے)  
اے لوط علیہ السلام! بیشک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے  
ہیں، یہ ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے تیری طرف۔ پس تو اپنے  
گھر والوں کو لے کر رات کے حصے میں نکل جا، اور نہ ٹپٹ  
کر دیکھے تم میں سے کوئی بھی، مگر تیری بیوی۔ بیشک اس  
کو پہنچنے والی ہے وہی منرا ہو اُن کو پہنچے گی۔ بیشک اس  
کے وعدے کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں ہے ﴿۸۱﴾  
پس جب آیا ہمارا حکم، کہ دیا ہم نے اُن (بہنوں) کے اوپر  
دائے حصے کو نیچے، اور ہم نے ہمارے اُن پر پتھر  
کھینک دیا یہ تہ ﴿۸۲﴾ نشان لگائے ہوئے تیرے رب  
کے پاس، اور نہیں تھے وہ نکالوں سے زیادہ دور ﴿۸۳﴾

گزشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی جانے والی بشارت کا ذکر

تھا اور پھر لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تذکرہ تھا، دراصل منہجوں کا  
یہ حصہ ہے جو سابقہ موضوع کے تسلسل میں ہے بعض سابقہ انبیاء اور  
ان کی قوموں کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور پھر ان کی نافرمانی کی  
بنیاد پر ان قوموں پر جو عذاب آیا اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ اب لوط  
علیہ السلام کے واقعہ میں ————— آپ کی قوم پر عذاب  
کی کیفیت بیان ہو رہی ہے۔

بیاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر اکٹھا  
آیا ہے۔ جو فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بشارت لائے تھے۔ وہی  
قوم لوط پر عذاب پہنچانے پر بھی مامور تھے۔ لوط علیہ السلام رشتے میں ابراہیم علیہ السلام  
کے بھتیجے تھے۔ دونوں حضرات اکٹھے ہی بابل سے آئے تھے۔ راستے  
میں اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی اور ان  
کو کجمریت کے کنارے آباد سردس، آمورہ، دوامہ اور سواہ وغیرہ بستیوں  
کے باشندوں کو تبلیغ کرنے پر مامور فرمایا۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب علاقہ  
تھا۔ پانی کی فراوانی، اکھیتیاں اور باغات عام تھے۔ اس علاقے کی کل  
آبادی کم و بیش پچھ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی لوط علیہ السلام نے اس قوم میں  
لمبا عرصہ گزارا، اسی قوم میں شادی کی اور پھر دو بچیاں بھی پیدا ہوئیں۔  
یہیں وہ سن بلوغت تک اکٹھے رہے۔ ان لوگوں کی بدبختی تھی کہ آپ کی دو  
بچیوں کے علاوہ قوم میں سے کوئی فرد بھی آپ پر ایمان نہ لایا، حتیٰ کہ  
بیوی بھی محرم ہی رہی۔ قوم فوج، قوم عمار اور مشور کی طرح اس قوم  
کی عام بیماری کھجی کھجی اور شرک ہی تھی۔

مختلف قوموں میں مختلف اعتداتی بیماریاں بھی موجود رہی ہیں مثلاً  
لوطیت کی بیماری



قوم عاد میں غرور و تکبر تھا۔ قوم ثمود بھی اسی بیماری میں مبتلا تھی جب کہ شعیب  
 علیہ السلام کی قوم ناپ تول میں کمی کی مجرم تھی اسی طرح قوم لوط کی اخلاقی  
 بیماری لواطت تھی۔ یہ لوگ شہوت رانی کے لیے مردوں کی طرف التفات  
 کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو فرمایا اِنَّكُمْ  
 قَوْمٌ عَادُوْنَ (الشعراء) تم حد سے گزر رہے ہو۔ لوگ ہو۔ قصہ ہے  
 شہوت کے لیے جو چیز اللہ نے فطری طور پر مقرر کی ہے تم اسے  
 چھوڑ کر غیر فطری چیز کو اختیار کرتے ہو۔ اللہ کا فرمان ہے کہ لواطت  
 کی بیماری سب سے پہلے اسی قوم میں آئی جسے شیطان نے جاری کیا۔  
 یہ زلمے بھی بڑا جرم ہے کیونکہ یہ بد فطرتی ہے۔ لوط علیہ السلام کے سمجھنے  
 کے باوجود یہ لوگ نہ تو آپ پر ایمان لائے اور نہ ہی اس قبیلح حرکت سے  
 باز آئے بلکہ اس پر اصرار کرتے رہے۔ بالآخر دیگر نافرمانوں کی طرح اس  
 قوم پر بھی خدا تعالیٰ کا قہر و غضب نازل ہوا اور ساری قوم ہلاک ہو گئی  
 ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد کا تذکرہ گذشتہ درس میں  
 ہو چکا ہے۔ ان کا اگلا ہدف لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنا  
 تھا اور آج کی آیات میں اسی بات کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا  
 جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا جِئْنَا بِمَا رَسَّيْصًا يَّهْتَبِيْهِ فَرِشَتٌ لُّوْطَ  
 عَلِيْهِ السَّلَامُ کے پاس آئے۔ یہ فرشتے حسین و جمیل نوجوان لڑکوں کی شکل  
 میں تھے۔ بستی میں آکر انہوں نے لوط علیہ السلام کا پتہ پوچھا کہ ان کے یہاں  
 ہیں جب ان کے پاس پہنچے بستی پہنچے تو لوط علیہ السلام غمگین ہو  
 گئے وَصَاقَ بِهٖمْ ذُرْعًا وَاِنَّ كَا دِلْ تَنَکْ ہو گیا۔ ذرع  
 دراصل بازو کو کہتے ہیں مگر اس کا کنیہ دل پر ہوتا ہے۔ لوط علیہ السلام  
 بڑے تنگدل ہوئے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کی قوم کے لوگ  
 بڑے خبیث ہیں اور یہ مہمانوں پر درست درازی کریں گے۔

فرشتوں  
 کی آمد

یہاں بھی یہی ابراہیم علیہ السلام والی بات کا اعادہ ہو رہا ہے نہ ابراہیم کو علم ہو سکا اور نہ لوط علیہ السلام نے جانا کہ یہ فرشتے ہیں۔ وہ تو انہیں انسان سمجھتے تھے۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں تو آپ کو غلگلیں اور تنگدلی ہونے کی کیا ضرورت ہے معلوم ہوا کہ اللہ کے بنی غیب دان نہیں ہوتے بہر حال لوط علیہ السلام نے قوم کی طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے فرمایا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ یہ تو بڑا مشکل دن آگیا ہے۔ ابھی آپ اسی سوچ و بچار میں تھے وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ کہ آپ کی قوم آپ کی طرف دوڑتی ہوئی آئی۔ يُهْرَعُونَ اگرچہ مجہول کا صیغہ ہے مگر معنی معروف ہی ہے کہ وہ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ نوجوان لڑکوں کی آمد کی خبر ملی تو فوراً برائی کے ارادے سے آگئے اور ان کی امت یہ تھی وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَمْلِكُونَ السَّيِّئَاتِ کہ اس سے پہلے بھی برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ سورۃ العنکبوت میں ہے وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ الْمُنْكَرَ اپنی مجلسوں میں برائیاں کرتے تھے۔ گویا برائی کے کھلے عام ارتکاب یا اس کے علی الاعلان اعتراف کرنے میں بھی انہیں کوئی شرم و حیا نہیں تھی۔ اس خلاف وضع فطری برائی کے علاوہ وہ مسافروں کو لوٹ لیتے تھے، ان پر پتھر پھینکتے تھے، کبوتر بازی کے شوقین تھے اور طرح طرح کی فضول حرکتیں کرتے تھے۔

بائبل کی روایت کے مطابق قوم کے لوگ لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ جو مہمان تمہارے پاس آئے ہیں انہیں ہمارے حوالے کر دو تا کہ ہم اپنی قبیح خواہش کی تکمیل کر سکیں۔ لوط علیہ السلام پریشان ہوئے قَالَ لِقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي کہ لگے اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں۔ هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ یہ تمہارے لیے

لوط علیہ السلام  
کی پیشکش

پاکیزہ ہیں۔ ان سے نکاح کر کے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کر لو کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر بیٹیوں سے لوط علیہ السلام کی اپنی بیٹیاں مراد ہیں تو قوم کو برائی اور سہارا سے بچانے کے لیے یہ پیش بھی درست تھی بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے لوط علیہ السلام کی اپنی بیٹیاں مراد نہیں تھیں کیونکہ آپ کی تو صرف دو ہی بیٹیاں تھیں اور وہ لوگ بہت زیادہ تعداد میں تھے تو اس پیش کش سے آپ کی مراد یہ تھی کہ اے ہانیمو! قوم کی بچیاں میری بچیاں ہیں کیونکہ نبی ساری قوم کا باپ ہوتا ہے۔ اللہ نے ان بچیوں کو افضلے شہوت کے لیے پیدا فرمایا ہے، لہذا تم نکاح کر کے ان سے استفادہ حاصل کرو اور غیر فطری کام سے باز آ جاؤ آپ نے فرمایا فَاتَّقُوا اللَّهَ پس اللہ سے ڈر جاؤ اور یہ گناہے کام نہ کرو۔ وَلَا تَخْزَوْنَ فِيهِ ضیعفی اور مجھے مہمانوں کے بارے میں سوا نہ کرو۔ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ زَانٍ کیا تم میں کوئی بی بوجھ والا آدمی نہیں ہے؟ کیا کوئی نیک چلن اور دانا آدمی نہیں ہے؟

قوم کی تکرار

قَالُوا قَوْمُكَ لَوْ كُنْتَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا بِبَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ اے لوط علیہ السلام! آپ جانتے ہیں کہ آپکی بیٹیوں میں ہمارے لیے کوئی رغبت نہیں وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا تُرِيدُ اور آپ ہمارے ارادے کو بھی جانتے ہیں۔ ہم تو اپنی خواہش ضرور پوری کر دیں گے۔ اس پر لوط علیہ السلام سخت پریشان ہو گئے اور قال فَرَايَا لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کیلئے طاقت ہوتی أَوْ أَوْثَارُ الْغَابِ لیکن شدید یا میں مستحکم کنارے کی طرف پناہ پکڑتا۔ چونکہ آپ اُس قوم کے فرو نہیں تھے اس لیے نہ کوئی آپ کی باری تھی اور نہ ہی کوئی اہل ایمان موجود تھے جو آپ کی مدد کرتے، تو اس لیے آپ نے نہایت اضطراب کی حالت میں اپنی زبان سے فرمایا کاش کہ میں تمہارے مقابلے کی طاقت رکھتا۔ محدثین اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اُس وقت لوط علیہ السلام کے



ذہن میں یہ بات تھی کہ خدا نخواستہ اگر ان کے مہمانوں کی تذلیل ہوئی تو وہ دہان  
 اس قوم کے متعلق کیا نظریہ قائم کریں گے۔ چنانچہ یہ بات آپ نے مہمانوں  
 کی دل جوئی کے لیے کی تاکہ وہ سمجھ جائیں کہ ہمارا میزبان ہمارے دفاع کی  
 کوشش کر رہا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے رَحِمَہُ  
 اللہُ لَوْطًا لَّقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى الْمَلِكِ رُكْنٌ شَدِيدٌ لِّلْكَوَالِ  
 لَوْطٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِرَحْمِہِمْ فَرَمَہُ، وہ تو بڑے مضبوط رکن کی طرف پناہ پکڑنے  
 والے تھے، ظاہر ہے کہ آپ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں تھے، مگر یہ  
 کلمات اضطراری حالت میں ادا کر رہے تھے، تاہم انہیں اللہ تعالیٰ  
 کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا۔

سورتہ فمر میں موجود ہے کہ جب قوم کے لوگ ہجوم کر کے آگئے  
 وہ اندر داخل ہونا چاہتے تھے اور لوط علیہ السلام ان کو روک رہے تھے  
 تو جبرائیل علیہ السلام نے حضور لوط علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر انہیں پیچھے  
 ہٹایا حالانکہ آپ کو علم ہی نہیں تھا کہ اُن کا مہمان جبرائیل علیہ السلام  
 ہے۔ پھر جبرائیل نے اپنا ذرا سا پتہ ہلایا تو اللہ نے فرمایا قَطَمَسْنَا  
 اَعْيُنَهُمْ کہ ہم نے اُن کی آنکھیں ہی مٹا دیں اور وہ سب اندھے  
 ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود وہ ٹٹول ٹٹول کر مہمانوں کو تلاش کرتے  
 رہے۔ پھر قافلو فرشتوں نے کہا يٰلُوطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ اِنَّا  
 لَوُطُ اِبْنُكَ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ لٰنْ  
 يَّصِلُوْا اِلَيْكَ یہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ لہذا آپ  
 پریشان نہ ہوں۔ ساتھ ہی اللہ کا حکم ہوا فَاَسْرِ بِاهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ  
 اللَّيْلِ آپ اپنے گھر والوں کو رات کے حصے میں چلے جائیں  
 وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ اِلَّا اَمْرًا تَكُ اور تم میں سے کوئی  
 بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے مگر آپ کی بیوی۔

فرشتوں  
 کی طرف  
 سے تسلی

لوط علیہ السلام  
کی بیوی

بائبل کے بیان کے مطابق لوط علیہ السلام کی بیوی بھی آپ کے ساتھ ہی  
بتی سے نکل کھڑی ہوئی مگر راستے میں اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور  
کہا کہ اللہ نے میری قوم کو اسی وقت مٹ کر دیا۔ اتنی بات تھی کہ وہ عورت  
نہم اور پتھر کا کھمبان لگی۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کی بیوی  
نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو اس پر اللہ کی جانب سے ایک پتھر برسا اور وہ  
ہلاک ہو گئی۔ وہ کافرہ تھی اور درپردہ کافروں کے ساتھ ساز باز کر رہی تھی۔  
اگرچہ وہ لوط علیہ السلام کے نکاح میں تھی مگر ایمان نہیں لائی تھی اور منافقوں  
کی طرح آپ کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں مومن اور کافر  
کا نکاح درست تھا۔ ہماری اُمت کے ابتدائی دور میں بھی ایسا نکاح رواج  
مگر بعد میں اسے ممنوع قرار دیدیا گیا۔ اب کسی مومن آدمی کا نکاح کسی کافرہ یا  
مشرکہ سے نہیں ہو سکتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ کے ساتھ  
نکلی ہی نہیں تھی۔ تاہم اللہ نے فرمایا اِنَّهُ مُصِیْبُهَا مَا اَمَّا لَهَا  
کہ اس عورت پر بھی وہی آفت آنے والی تھی جو باقی قوم کے مقتدرین  
ہو چکی تھی۔ اور عذاب کی آمد کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنَّ مَوْعِدَهُمْ  
الصَّبْحَ فَبَشِّرْ اِنَّ اَنْذَارَهُمْ لَآتٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ صبح مقرر کیا گیا تھا۔ اَلَيْسَ الصَّبْحُ بِقَرِیْبٍ کیا صبح قریب نہیں ہے  
ہے۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ صبح کے وقت ان کی  
مدد پوری ہو جائیگی اور پھر ان پر عذاب نازل ہو جائے گا۔

عذاب الہی  
آگیا

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوط علیہ السلام اپنی بچیوں کو لے کر آت  
کے آخری حصے میں بتی سے نکل گئے اور پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھی جب  
کافی دور چلے گئے تو صبح کا وقت بھی ہو گیا۔ پھر کیا ہوا۔ فَلَمَّا جَاءَ  
اَمْرُنَا جَاءَ ہمارے عذاب کا حکم آگیا جَعَلْنَا عَلَیْہَا سَافِلَہَا  
تو ہم نے ان بٹیوں کے اوپر آگ سے کیڑے اور نیچے کو اوپر کر دیا ساری بٹیوں کو الٹ کر رکھ

دیا کیونکہ وہ لوگ کام ہی اٹے کرتے تھے اسکے علاوہ فرمایا وَأَمَّا نَارُكُمْ فَبِئْسَ الْفَارِغَةُ  
 یعنی بھینٹیل ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برساتی جو سٹی کے پتے ہوئے کھنکروں کی

صورت میں تھے۔ اور مَنْصُوحٌ یہ پتھر تہ در تہ برس رہے تھے مَسْمُومَةٌ  
 وہ پتھر نشان زدہ بھی تھے عِنْدَ رَبِّكَ تیرے پروردگار کی طرف سے  
 ہر پتھر پر اللہ نے نشان لگا دیے تھے یا نام لکھ دیے تھے کہ یہ فلاں سردار  
 کے سر پر گئے گا، یہ فلاں کی پشت میں پیوست ہو جائیگا اور یہ فلاں  
 کا خاتمہ کر دیگا۔ چنانچہ صبح کے وقت سارا علاقہ درہم برہم ہو گیا۔ یہ علاقہ  
 بحیرہ میت کے کنارے پر واقع ہے اور اس کے پانی میں اللہ تعالیٰ نے  
 ایسی خرابی پیدا کر دی کہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود اب تک  
 بھی ٹھیک نہیں ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کفر، شرک اور لواطت کی بیماریوں  
 کی وجہ سے ان کو ایسی ملک سزا میں مبتلا کیا کہ چھ لاکھ کی آبادی میں  
 سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچا۔ سوائے لوط علیہ السلام اور آپ کی بچو بچا  
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَالِهِ مِنَ الظَّالِمِينَ یہ  
 عذاب ظالموں سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ اس سے پہلی اقوام عاد،  
 ثمود، قوم نوح وغیرہ پر بھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت  
 آگئی۔ یہی بات مکے اور عرب کے مشرکین کو بھی سمجھانی جا رہی ہے اور  
 بعد میں آنے والوں کو بھی بتانی جا رہی ہے کہ یاد رکھو! اللہ کی سزا  
 ظالموں سے دور نہیں ہے۔ اگر پہلی قومیں اس قسم کے ظلم کی وجہ سے  
 ہلاک ہوئیں تو ایسی سزا تم پر بھی آسکتی ہے۔ عرب لوگ بحیرہ میت کے  
 کنارے سے تجارتی سفر کے دوران گزرتے تھے، شام، فلسطین یا  
 مصر کے لیے ہی راستہ تھا، تو ان ابطھی ہوئی بٹیوں کو دیکھتے تھے۔  
 اللہ کے ان کو متنبہ کیا کہ دیکھو! ان لوگوں نے نافرمانی کی تو صفحہ ہستی  
 سے ناپید ہو گئے، اگر تم بھی شرک، کفر یا معاصی پر اصرار کر گئے تو خدا کا عذاب  
 دور نہیں ہے وہ کسی دقت بھی نازل ہو سکتا ہے۔



وَالۡیَٰ مَدِّیۡنَ اَخَاهُمۡ شَعِیۡبًا قَالِ یُقۡوۡمُ اَعۡبُدُوا  
 اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُهٗ وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِکۡیَالَ  
 وَ الۡمِیۡزَانَ اِنِّیۡ اَرِیۡکُمۡ بِخَیۡرٍ وَّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ  
 عَذَابَ یَّوۡمٍ مُّحِیۡطٍ ۝۸۴ (۸۴) وَ یُقۡوۡمُ اَوْفُوا الۡمِکۡیَالَ  
 وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِیۡسِ وَلَا تَبۡخُسُوا النَّاسَ اَشِیَآءَهُمۡ  
 وَلَا تَعۡتَوۡا فِی الْاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ۝۸۵ (۸۵) بِقِیَّتِ اللّٰهِ خَیۡرٌ  
 لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمْ مُّؤۡمِنِیۡنَ ؕ وَمَا اَنَا عَلَیۡکُمۡ  
 بِحَفِیۡظٍ ۝۸۶ (۸۶)

ترجمہ :- اور مین کی طرف اُن کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو (ہم نے رسول بنا کر بھیجا) انہوں نے کہا ، اے میری قوم کے لوگو ! عبادت کرو اللہ کی ، نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اُس کے سوا ۔ اور نہ کبھی کرو ماپ اور تول میں بیشک میں دیکھتا ہوں تم کو بہتری میں ۔ اور مجھے خطرہ ہے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا (۸۴) اور اے میری قوم کے لوگو ! پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ ، اور لوگوں سے اُن کی چیزوں کو کم نہ کرو ۔ اور زمین میں فاد کمتے ہوئے مت چلو (۸۵) اللہ کا چھوڑا ہوا بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان والے ہو ۔ اور نہیں ہوں میں تم پر کوئی نگہبان (۸۶)

ربط آیا

اس سورۃ مبارکہ میں تاریخ اذیاء علیہم السلام کے ضمن میں حضرت است  
نوح، ہود، صالح اور لوط علیہم السلام اور ان کی قوموں کا حال بیان ہو چکا  
ہے اس بات کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے کہ اللہ کے نبیوں نے حق تبلیغ  
ادا کرنے اور اپنی اپنی قوموں کو سمجھانے میں کتنی محنت اور کوشش  
کی اور پھر ان قوموں کا رد عمل کیا ہوا، اور وہ کس طریقے سے در دناک عذاب  
میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ اب اسی سلسلے کی کڑی کے طور پر حضرت  
شعیب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ آپ کا ذکر اس سورۃ مبارکہ کے  
علاوہ سورۃ اعراف میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ شعراء اور بعض دوسری  
سورتوں میں بھی آپ کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

حضرت  
شعیب علیہ السلام

ارشاد ہوتا ہے وَاللّٰبِ مَذِیْنٍ اَخَاهُمْ شَعِیْبًا اور مدین  
کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ وَ  
الّٰبِ مَذِیْنٍ کا عطف بھی حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے ابتدائی  
الفاظ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا کے ساتھ ہے۔ گویا یہاں یہ یہ الفاظ منخوڑت  
ہیں اور پورا مفہوم یہی ہے کہ ہم نے شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف  
رسول بنا کر بھیجا۔

مدین حجاز سے شمال مغرب اور فلسطین سے جنوب کی طرف خلیج  
عقبتہ اور بحر احمر کے کنارے ایک مشہور شہر اور تجارتی منڈی تھا۔ یمن یا  
مکے سے شام یا مصر کو جانے والے قافلے یہیں سے گزرتے تھے کیونکہ  
یہ بستی ایک بڑی شاہراہ پر واقع تھی مدین کی بستی دراصل ایک شخص  
مدین ہی کے نام پر موسوم تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے آپ کی  
بیویاں سارہ اور لاجرہ تو مشہور ہیں تاہم آپ کی دیگر بیویاں بھی تھیں  
جن میں سے مدین اپنی ماں قطویا کے بطن میں سے تھے۔ پھر سی نام  
سے شہر، قبیلہ اور قوم بھی مشہور ہو گئی جیسا کہ اس زمانہ میں اکثر ایسا ہوا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اسی قوم مدین کے فرد تھے۔ بائبل میں آپ کا نام حباب اور پیر وہبی ذکر کیا گیا ہے تاہم قرآن نے آپ کا نام شعیب بتایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو قوموں کی طرف مبعوث فرمایا تھا ایک اصحاب مدینہ دوسرے ایک قریہ۔ ایک جنگل کو کہتے ہیں اور یہ مدین کے قریب ہی واقع تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک اور مدین تھے ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے تاہم زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ مدین اور ایک قریہ الگ الگ خاندان تھے اور اللہ نے شعیب علیہ السلام کو ان دونوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

مؤرخین اور مفسرین میں شعیب علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام اللہ کے وہی نبی ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس برس تک قیام کیا تھا اور پھر ان کی بیٹی سے نکاح بھی کیا تھا۔ تاہم بعض کہتے ہیں کہ جن کی خدمت میں موسیٰ علیہ السلام آئے تھے، وہ خود شعیب علیہ السلام نہیں تھے بلکہ آپ کے بھتیجے یا بھانجے تھے تاہم مشہور یہی ہے۔

شعیبی سے کبھی دو قدم ہے

۴۔ شعیب سے کہی دو قدم ہے  
کہ آپ شعیب علیہ السلام ہی تھے جو اللہ کے برگزیدہ نبی ہوئے ہیں۔  
بہر حال موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر حسین مقام پر آکر کنوئیں پر بیٹھے تھے  
اور پھر آپ نے شعیب علیہ السلام کے جانوروں کو پانی بھی پلایا تھا ابتداء  
میں اُسے مقدس مقام خیال کیا جاتا تھا۔

فرمایا ہم نے شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔  
 تو باقی انبیاء علیہم السلام کی طرح آپچی تبلیغ کا سرکاری نقطہ بھی دعوت الی التوحید  
 تھا۔ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا

شیخ علیہ السلام  
کی دعوت



کہ اللہ کی عبادت کرو مَا لَكُمْ مِّنَ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ كَيْتُوْنِ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارا خالق، مالک، مربی، نافع، غنا، متصرف فی الامور، علیم کل، قادر مطلق صرف اللہ ہے، لہذا عبادت بھی اسی کی رہا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت قطعی حرام، شرک، اور خدا کے ساتھ بغاوت کے مترادف ہے۔ اگلی آیات میں قوم کا جواب بھی آیا ہے کہ انہوں نے تعجب علیہ السلام کی زیر خواہی کا جواب کس جھوٹے طریقے سے دیا۔ ہر حال اس واقعہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے مٹنے والوں کے لیے تسلی کا پہلو بھی ہے اور دوسری طرف توحید کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے حوصلہ افزائی بھی کی جا رہی ہے شرک کی بیماری ساری قوموں میں پائی گئی ہے اور آج بھی دنیا کے اکثر و بیشتر لوگوں میں موجود ہے۔ اسی لیے سب سے پہلے اسی بنیادی عقیدے کی بسترگی کی سعی کی گئی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی زندگی کا اکثر حصہ ایسے ہی حالات میں گزارا۔ آپ بھی لوگوں کو یہی دعوت دیتے قُولُوا لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ تَقْلِحُوا لِي رُكُوبًا کہ دو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، فلاح یا جلاؤ گے۔ آپ علیہ السلام نے ہر مقام اور ہر مجلس میں یہی بات کی۔ باقی انبیاء کی دعوت بھی یہی تھی۔ کیونکہ جب تک بنیادی عقیدہ توحید درست نہیں ہوگا، دین کی عمارت قائم نہیں ہو سکتی۔ لہذا تمام انبیاء نے مسئلہ توحید کو ہی سمجھانے کے لیے سب سے اولین کوشش کی ہے اللہ کا فرمان ہے "فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ" (الانبياء) جو کوئی نیک اعمال کرے گا بشرطیکہ ایمان موجود ہو تو اس کی نافرمانی نہیں کی جائیگی۔ غرضیکہ دین اور شریعت کی بنیاد ایمان اور توحید پر قائم ہے۔ اگر ایمان ہی غائب ہے، اس میں کفر اور شرک کی ملاوٹ ہے

توجہ نہ دیا۔ انہی کو کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اس کا نتیجہ انہی کے لئے ہے۔  
 شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے عبادت نہ کرو، اس کے  
 بغیر کوئی بھی مستحق عبادت نہیں۔

ماپ تول  
 میں تمہی

م شروع ہی سے ہر قوم میں کوئی نہ کوئی اخلاقی برائی ہی رہی ہے جس  
 سے اللہ کے نبی روکتے رہے۔ بعض قوموں میں غرور و تکبر کی بیماری عقی  
 بعض میں فضول خرچی کی اور بعض میں لواطت کی، قوم شعیب چونکہ تجارت  
 پیشہ لوگ تھے، ان کی اخلاقی برائی ماپ تول میں کمی تھی۔ اللہ کے نبی نے  
 ایک طرف تو شرک اور کفر کی بیماری سے روکا اور توحید کا درس دیا، تو  
 دوسری طرف ان کو تجارتی برائیاں سے بھی منع فرمایا۔ آپ نے واضح کیا  
 کہ لین دین میں بندوں کے حقوق کا معاملہ ہونا ہے جن پر راکھ ضروری ہے  
 اور کسی کی حق تلفی بہت بُرے نتیجے کا باعث بنتی ہے۔ یہ ایسی برائی ہے  
 کہ اس کو اللہ بھی اُس وقت تک معاف نہیں کرے گا، جب تک  
 وہ بندہ راضی نہ ہو جائے جس کی حق تلفی ہوئی ہے۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام  
 نے قوم کو تلقین فرمائی وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ لَكُمْ لَوْ كُنَّا  
 ماپ اور تول میں کمی نہ کرو یعنی تجارتی لین دین میں ڈنڈی نہ مارا کرو۔ ایک  
 دفعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار میں تشریف لے گئے تو آپ نے  
 تابعروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا لِمَعْشَرِ النَّبَاتِ قَدْ وَلِيَكُمْ  
 أَمْرَيْنِ هَكَكَتَ فِيهِ الْأَمْرُ السَّافِلَةُ قَبْلَكُمْ لَمْ يَكُنْ  
 کے گروہ! تمہیں دو چیزوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے جنکی وجہ سے پہلی کمی  
 تو میں تباہ ہوئیں۔ وہ دو چیزیں الْمِكْيَلُ وَالْمِيزَانُ ماپ اور تول  
 ہیں۔ حضور علیہ السلام نے جمع کا صیغہ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے  
 کہ قوم شعیب سے پہلے بھی کئی قومیں ماپ تول میں کمی کی بیماری میں مبتلا تھیں  
 سورۃ مطففین میں بھی یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ ماپ تول میں کمی کرنے

والوں نے یہ جواب دیا۔ "تو ہاں۔۔۔ مورتی الجھٹلاؤں میں توڑتے ہو، تو کمال  
مقصد ہی یہ بیان فرمایا ہے اَلَا فَطَعُوا فِي الصِّانِ لَكُمْ فِي  
تجاوِزِہِ لَمْ يَعْنِ مَا پُرل میں بھی نہ کر دو۔"

خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی کو کوئی چیز دیتے تو تولیے کے لئے  
کو کہہ دیتے "زَنُّوْا رُجْعَ یَّغْنِیْ جِبِّ" تو لو تو کچھ زیادہ ہی دو، کبھی نہ کہہ دو۔  
ماپ تول میں کمی کی بیماری آج کے معاشرے میں بھی موجود ہے۔ ٹول گزر اور  
میٹر لے چکر میں کم ناپتے ہیں۔ بھاؤ میٹر کے حساب سے کرتے ہیں مگر ناپتے وقت  
گنڈ استعمال کرتے ہیں جس سے گاہک کو نقصان ہوتا ہے۔ اس کے  
علاوہ کپڑا ناپتے وقت، گیجینج کرنا پتے ہیں۔ گاہک جب کپڑا سینے کے  
لیے حساب کرتا ہے تو ایسے ایسے کی بجائے اٹھارہ انچ ہی نکلتا ہے  
اس طرح کی دھوکے کی کمانی قطعی حرام ہے اور مالِ حرام کا مقولہ یہ ہے  
کہ "مالِ حرام بود بجائے حرام رفت" اس قسم کا حرام مال بے برکت ہوتا ہے  
اور وہ حرام کاموں میں ہی صرف ہوتا ہے یا تو شادی اور غمی کی ہال اور غلط  
رسومات کی گذر ہو جاتا ہے یا عیش و عشرت کے کاموں میں ضائع چلا جاتا  
ہے۔ بیماری میں لگ جاتا ہے اور کبھی کسی مقدمے میں اڑ جاتا ہے بہر حال  
ماپ تول میں کمی کی بیماری ایک دہلک بیماری ہے جس سے شعیب علیہ السلام  
نے قوم کو منع فرمایا۔

حقوق  
العباد

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک کہ ہے اَللّٰہُ کُلُّ ذِی  
حَقٍّ حَقُّہٗ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کر دے۔ یہ بڑا سخت مسئلہ ہے اللہ تعالیٰ  
اگر چاہے گا تو تو یہ کرنے سے کوئی گناہ معاف کر دیکھا۔ مگر حقوق العباد  
کی معافی اُس وقت تک نہیں ہوگی جب تک صاحب حق خود معاف  
نہیں کرے گا۔ حضرت علیہ السلام و فاساتہ سے چند روز قبل آخری بار  
منبر پر تشریف لائے۔ آپ نے دُعا و نصیحت کی اور حضرت فضل بن



عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، اے لوگو! اگر کسی نے مجھ سے کوئی حق یعنی کوئی درہم و دینار لینا ہے تو آج سے لو، کیونکہ قیامت کے دن معاملہ بڑا دشوار ہوگا۔ آپ نے مردوں کے سامنے بھی بیان کیا اور عورتوں کو بھی وعظ کیا۔ بہر حال جو باتیں حضور علیہ السلام نے سخت تاکید کے ساتھ فرمائی ہیں ان میں حقوق العباد بھی شامل ہے۔

فرمایا، لوگو! باپ تول میں کمی نہ کر دینیٰ اَرَاكُمْ بِخَيْرٍ میں تمہیں بہتری یعنی آسودہ حالی میں دیکھ رہا ہوں۔ جب تم تجارت کے ذریعے محنت کر کے کمائی کرتے ہو تو اس میں کسی کا حق ضائع نہ کرو۔ ایک طرف تو میں تمہیں اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں، اور دوسری طرف وَرَأَيْتُ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ تَجُطُّطُ میں خائف ہوں تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب سے مجھے ڈرتے کہ قیامت والے دن تم ایسے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ جس سے نکلنا کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ گویا کسی کی حق تلفی ایسی بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے انسان دائمی عذاب میں مبتلا ہو سکتا ہے "وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" سمجھائی گئی ہے کہ کم مائے اور تولنے والوں کے لیے ہلاکت اور جہنم کی آگ ہے، ایسے لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ جب دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب آگے دینے کا موقع آتا ہے تو اس میں کمی کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی چیز چار روپے تول کر دے ہے تو وہ پورے چار روپے نکالے گی، یا تیرہ روپے کم ہوتے ہیں یا پھر تولنے میں کمی کر جاتے ہیں۔ یہ سب حرام ہے۔ فرمایا، میں تمہیں بہتری میں دیکھ رہا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ تم گھیر لینے والے دن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

تو شعب علیہ السلام نے قوم کو خطاب فرمایا وَيَقُومُ آوْفُوا الْمَكِّيَّالَ وَالْمِثْنَ بِالْقِسْطِ اے میری قوم کے لوگو! پورا کرو

عذاب کا  
خطرہ

فادری  
الارض

ماہب اور تول کو انصاف کے ساتھ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو وَلَا تَحْزَنُوا  
النَّاسَ أَشْيَاءٌ هُمْ اور نہ کم کرو لوگوں سے ان کی چیز۔ وَلَا تَحْزَنُوا  
فِي الْأَرْضِ مُضَيِّدِينَ اور زمین میں فساد برپا کرنے والے نہ بنو  
 مت چلو، مت رکو، کھڑا نہ رہو، رسوائی باطلہ یہ سب فساد فی الارض  
 ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں ہرگز پسند نہیں۔ فساد کے برخلاف  
 اصلاح کی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو مانا جائے، قانون شریعت  
 کی پابندی کی جائے، کھیل تماشے، حق تلفی، عوام کاری، جوا بازی، شراب  
 خوری اور فضول رسوائی سے اجتناب کیا جائے۔ چوری ڈاکہ، دنگائی  
 زنا، قتل وغیرہ زمین میں فساد کا باعث بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ  
 ہے وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ کہ وہ فتنہ و فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ  
 تو عدل و انصاف اور حق رسی کو پسند کرتا ہے۔ مگر آج کل تو ہر جگہ انصاف  
 کا دور دورا ہے۔ کسی عدالت، محکمے، دفتر یا ادارے میں انصاف  
 مشکل سے ہی ملے گا۔

بقیت اللہ  
 ہی بہتر ہے

آگے شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک بہت بڑا اصول بتلایا ہے  
 اے میری قوم! بَقِيتُ الْمَلِكَ خَيْرًا لِّكُمْ اللہ کا باقی چھوڑا ہوا ہی تمہارے  
 لیے بہتر ہے اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اگر تم ایماندار ہو۔ اللہ تعالیٰ  
 کے بقیہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دیے ہوئے مال میں تمام حقوق بخیر  
 فرائض، واجبات وغیرہ ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچے ہے اسی میں  
 تمہارے لیے بہتری ہے، وہی بابرکت ہے۔ اس کے علاوہ اگر حقوق  
 ادا نہیں کرو گے یا مال کو ناجائز طریقے سے حاصل کرو گے، تو وہ حرام  
 ہوگا اور بالآخر قابل مواخذہ ہوگا۔ اگرچہ بظاہر زیادہ مال میں زیادہ فائدہ  
 نظر آئے گا مگر حقیقت اس کے برخلاف ہے ایسا مال حاصل کر کے  
 یا مال کے حقوق ادا نہ کر کے انسان بخت خوار اٹھاتا ہے، لہذا بہتر یہ ہے

کہ بیچ اور جائز حق ہی اپنے پاس رکھو اور کسی دوسرے شخص کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کی کوشش نہ کرو۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ قربانی نہیں کرتا۔ صدقہ فطر ادا نہیں کرتا، اقربا، یتیموں اور مسکینوں کا حق نہیں دیتا تو ایسا مال بے برکت ہوگا۔ بابرکت مال وہی ہوگا جس میں کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو۔ فرمایا دیکھو! وَمَا آتَاكَ عَلَيْهِ قَوْلٌ بِخَفِيفَةٍ مِّنْهُمُ يَدْعُوكَ إِلَىٰ تَحْبَانِ لَا تَحْبَانِ لَمْ يَكُنْ لَكَ عَلَيْهِمْ حَقٌّ وَلَا تَحْبَانِ لَمْ يَكُنْ لَكَ عَلَيْهِمْ حَقٌّ وَلَا تَحْبَانِ لَمْ يَكُنْ لَكَ عَلَيْهِمْ حَقٌّ۔

تم سے زبردستی عمل نہیں کرا سکتا، لہذا میں تمہارے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوں اس کی جوابدہی تمہیں خود ہی کرنا ہوگی۔ میں نے یہ خواہی کا حق ادا کر دیا ہے اور مہربانی الیا ہی کرتا ہے۔

---



وما من دآیة ۱۲

سورة هود ۱۱

درس بہت وسہ ۲۳

آیت ۸۷ تا ۹۰

قَالُوا يَشْعِبُ أَصْلَابُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ  
 آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ  
 الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝۸۷ قَالَ يَقَوْمِ آرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ  
 عَلَى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا  
 أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُمْ إِلَىٰ مَا أَنهَضَكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ  
 إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ  
 تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝۸۸ وَيَقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي  
 أَنْ يُصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ  
 أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۝۸۹  
 وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ  
 وَدُودٌ ۝۹۰

ترجمہ: کہا انہوں (شیعب کی قوم) نے اے شیعب! کیا  
 تیری نماز تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں اُن چیزوں  
 کو جن کی پرہیز کرتے تھے جہاں سے آباؤ اجداد، یا یہ کہ ہم کریں اپنے  
 مالوں میں جو چاہیں۔ بیشک تو بڑا بدکار اور نیک چلن ہے ۝۸۷  
 کہا (شیعب نے) اے میری قوم کے لوگو! یہ بتلاؤ کہ اگر  
 میں کھلی بات پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اُسی

نے مجھے روزی دی ہو اپنی طرف سے اچھی روزی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کروں اُن چیزوں کی طرف جن سے میں تمہیں منع کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا مگر اسلحہ جتنی میں طاقت رکھتا ہوں۔ اور نہیں توفیق میرے اللہ مگر اللہ کے ساتھ۔ اُسی پہ میں نے مجروسہ کیا ہے اور اُسی کی طرف میں نے کوٹ کر ہانا ہے (۸۸) اور اُسے میری قوم کے لوگو! میری مخالفت تمہیں آلودہ نہ کرے اس بات پر کہ اپنے تمہیں وہ چیز جو پہنچی تھی نوح علیہ السلام کی قوم کو یا ہود علیہ السلام کی قوم کو یا صالح علیہ السلام کی قوم کو۔ اور نہیں لوط علیہ السلام کی قوم تم سے کچھ زیادہ دور (۸۹) اور بھنشش طلب کر دینے پر درگاہ سے، پھر رجوع کر دے اُس کی طرف۔ بیشک میرا پروردگار رحم کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے (۹۰)

حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی تبلیغ کا ذکر کیا کہ انہوں نے قوم کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا اور آپ قول میں کمی کے ذریعے لوگوں کی حق تلفی کرنے سے ڈرایا۔ یہ دونوں قبیح چیزیں ہیں، شرک اور کفر۔ اعتقادی نجاست ہے جب کہ حقوق کا ضیاع اخلاقی گندگی ہے۔ شعیب علیہ السلام نے لوگوں کو سمجھایا کہ اپنے مال میں سے تمام حقوق ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے ہے گا اُسی میں تمہارے لیے بہتری ہے اور اسی کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔ مگر آپ کی قوم نے آپ کی اس پاکیزہ نصیحت کا نہایت ہی قبیح جواب دیا۔ آج کے درس میں قوم کا جواب ہے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی مزید تقریر ہے۔

قوم نے جواب دیا قَالُوا يٰ شُعَيْبُ وَاكُن مِّنَّا اَمْ لَكَ عَلَمٌ لِّمَ لَئِي شُعَيْبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
اَصَلَوْتُكَ تَأْمُرُكَ اَنْ تَتْرَكَ مَا يَعْبُدُ اَبَاؤُنَا كَمَا تَهْدِي تَهْدِي

رَبِّ الْاَيَاتِ

شعیب علیہ السلام  
پر طعن

حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے اباؤ دادا جلد کر رہے تھے۔ اَوْ اَنْ تَفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ اِذْ نَاِلُكَ مِنْهَا لَمَنْ شِئْتَ۔ میں اپنی مرضی سے تصرف کر لے کو نزل کر دیں۔ گویا مکذبین نے شعیب علیہ السلام کو نماز کا طعنہ دیا کہ کیا تمہاری نماز تمہیں یہ کچھ سکھاتی ہے۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر نماز سے مراد معروف نماز نہیں بلکہ اس سے شعیب علیہ السلام کا تقدس مراد ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر معنی یہ ہو گا کہ کیا تیرا تقدس پر مینر گار ملی، بزرگی یا دعویٰ نبوت کا یہ تقاضا ہے کہ تو ہمیں دیکھنا صرف امور سے روکنا چاہتا ہے؟ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہاں پر نماز سے نماز ہی مراد ہے۔ کفار آپ پر اس بے طعن بازی کر رہے تھے کہ دیگر تمام انبیاء کی طرح آپ بھی کثرت سے نماز ادا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والی عبادت میں سے نماز سب سے اہم ہے شعیب علیہ السلام تو رضائے الہی کے لیے نماز پڑھتے تھے مگر آپ کے مخالفین نے اسی کو اعتراض کا ذریعہ بنالیا کہ بڑا نمازی بنا پھر اسے جو ہمیں اپنے معبودوں کی پوجا اور مال کے تصرف سے منع کرتا ہے۔

دیندار آدمیوں کو تضحیک کا نشانہ بنانا بے دین معاشرے کا ایشہ سے شغل رہا ہے اور آج بھی حالات کچھ مختلف نہیں۔ اس زمانے میں بھی ملحد قسم کے لوگ نمازی کے متعلق کہتے ہیں کہ فلاں کو نماز کا ہیضہ ہو گیا ہے جو ہر وقت نماز میں ہی پڑھتا رہتا ہے۔ اللہ کی وحدانیت کی بات کرو تو کہیں گے کہ اسے تو حید کا ہیضہ ہو گیا ہے۔ ہر وقت اسی نام میں لگا رہتا ہے، کوئی اور بات سوچتی ہی نہیں کسی اونٹنی کی بات کر دے تو اس پر ٹھٹھا کریں گے۔ غرضیکہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کو نماز کا طعن دیا کہ ان نمازوں کی وجہ سے تو ہمیں ہمارے پسندیدہ کاموں سے روکنا چاہیے، اللہ کے نبی عقیدے، آسمانی شرائع اور مال کے کسب و تصرف کے



متعلق بھی ہلایا۔ دینے ہیں۔ انانوں کے ان ذرائع اصلاح بھی نبی کے فرائض میں سمیٹی ہے۔ تو اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ ان کے حصول اور اس کے خرچ کرنے کے متعلق شرائع کی پابندی کریں۔ اگر دولت کے ارتکاز اور اس کے مصروف میں ناجائز ذرائع استعمال کیے جائیں تو یہی مال و بال جان بن جائیگا۔ مال اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ انعام ہوتا ہے۔ اس میں من مانی کمزاد درست نہیں۔ جو مال شراب، جوئے، رشوت، چوری، ادا کے سود اور سہ گنگ کے ذریعے کمایا جائیگا، وہ قطعی حرام ہے۔ اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسی طرح جو مال سود و لعب، عیش و عشرت، سینما، مینی، بلڈنگ سازی اور رسومات بالکے پر خرچ کیا جائے گا۔ اس کا و بال بھی خرچ کردہ نے ملے ہوگا۔ ہر جائز و ناجائز طریقے سے کمانا اور حرام راستوں پر خرچ کمزاد سرمایہ دارانہ ذہنیت کی عکاسی ہے آخرت میں جا کر اس کا جواب دینا پڑے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ قیامت کے دن جب سب لوگ محلے کے لیے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو کوئی آدمی اس وقت تک قدم نہیں اٹھائے گا جب تک بعض سوالوں کا جواب نہیں دے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ دنیا میں رہ کر مال کن ذرائع سے کمایا تھا اور کن ہدایت پر خرچ کیا تھا۔ کیا تو نے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات ادا کیے تھے۔ عزائم اور مساکین کا حق ان کو دیا تھا یا سارا مال شادی اور عینی کی رسومات میں خرچ کر دیا تھا، اپنی شان دکھانے کے لیے عمارت بنا کر، گاڑیاں خرید کر یا کھیل تماشے، عیاشی اور فحاشی میں مال منلوع کر دیا، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے مال کے اکتساب اور اس کے مصروف دونوں پر حدود و قیود قائم کی ہیں۔ اسلامی نظم معیشت اور سرمایہ دارانہ نظام میں یہی بنیادی فرق ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حکومت کا فرض ہے نہ  
وہ اکتساب کے جائز ذرائع کی حوصلہ افزائی کرے جب کہ ناجائز ذرائع کو ختم  
کرے، صنعت و حرفت اور زراعت جیسے حلال پیشوں کے فروغ میں  
مدد دینی چاہیے جب کہ سود، ہوا، پوربازاری، شراب نوشی جیسے قبیح ذرائع  
پر پابندی عائد کرنی چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے **قَاتِلُوا اللَّهَ**  
**وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ** اللہ سے ڈر جاؤ اور روزی کے لیے حلال  
ذرائع استعمال کرو۔ حرام راستے سے کمائی ہوئی دولت ہلاک کر کے رکھ  
دے گی۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے **لَا تَأْكُلُوا**  
**أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ** ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے  
سے مت کھاؤ، بلکہ رزق کی تلاش میں جائز ذرائع اختیار کرو۔

قوم نے شعیب علیہ السلام کو نماز کا طعنہ دیا تھا، پھر آپ کی پارسائی  
کو بھی وجہ تنقید بنایا، کہنے لگے **إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّاشِيَّةُ**  
تو بڑا بیدار اور نیک چلن بنا پھرتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ  
کے سارے نبی علیم اور رشید ہوتے ہیں مگر ان لوگوں نے آپ کے حلم اور  
رشد کے اعتراف کے بجائے ٹھٹھے کے طور پر کہا کہ یہ بڑا پرمیزگار بنا پھرتا  
ہے جو ہمیں اپنی من مانی کاروائیوں سے منع کرے آپ کہتا ہے کہ اپنے دل  
میں کمی نہ کرو، لوگوں کے حقوق ادا کرو اور باپ دادا کی رسومات چھوڑ دو  
ہم تمہاری بات ماننے کے لیے بالکل تیار نہیں۔

قوم کی اس طعن بازی کے باوجود اللہ کے نبی نے ان کو ہر طریقے سے  
سمجھانے کی کوشش کی۔ آج کی اگلی آیات حضرت شعیب علیہ السلام کی  
تقریر پر مشتمل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **قَالَ يٰ قَوْمِ اِنِّي اَنْذَرُكُمْ لِقَابِ رَبِّي**  
**يَوْمَ يَكُونُ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّجُلٌ يَّخْبُرُهُمْ رَبُّهُمْ فَرِيضَتًا مِّنْ**  
**رَّبِّهِمْ هَلْ كُنْتُمْ عٰبِدِيْنَ** ہر قوم کے لوگو! آری تم ان کو کثرت علیٰ بے نیستی میں  
رہنے کے بتلاؤ! اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل یا واضح راستے

پہم ہوں۔ بخیرہ واضح برہن اور واضح ہدایت کو کہتے ہیں۔ فرمایا اگر میں کھلے  
 رستے پر ہوں وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا اور اللہ نے مجھے  
 اپنی طرف سے حلال روزی عطا کی ہے۔ رزق حسن کو مفسرین نے دو  
 معنوں پر محمول کیا ہے۔ اس سے ایک مراد تو نبوت ہے اور شعیب علیہ السلام  
 اسی کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ اللہ نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے۔ مجھ پر  
 وحی نازل کی ہے جس کے مطابق میں خود بھی عمل کر رہا ہوں اور دوسروں  
 کو بھی تلقین کر رہا ہوں، اور میں بلا وجہ کسی کی مخالفت نہیں کرتا۔ اور اس  
 کا دوسرا معنی مالِ روزی ہے اللہ کے نبی نے اس بات کا اعتراف کیا  
 کہ اللہ نے اسے حلال روزی نصیب کی ہے۔ قرآن میں موجود ہے کہ  
 اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کو یہی تعلیم دی ہے "مَنْ مِّنْكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ  
 وَاعْمَلُوا صَالِحًا" یعنی حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک اعمال انجام  
 دو اور پھر اللہ کا شکر بھی ادا کرو۔ یہی حکم تمام اہل ایمان کے لیے بھی ہے  
 حلال روزی کھانے اور عرام سے بچنے کی اللہ نے بار بار تاکید کی ہے حرام  
 کی کمانی جسمانی، روحانی، دینی اور اخروی ہر لحاظ سے منہر ہے اور اس سے  
 بچنا چاہیے۔ غرضیکہ رزق حلال سے مراد وہ رزق ہے جو پاکیزہ ہو اور  
 خیانت، دھوکہ دہی، حق تلفی اور کسبِ ضار سے پاک ہو۔

قول و فعل  
 کی مطابقت

شعیب علیہ السلام نے مزید یہ بات کی کہ اے لوگو! وَمَا أُرِيدُ  
 أَنْ أَمْلِكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَنْهُ اور میں نہیں چاہتا  
 کہ تمہاری اُن چیزوں میں مخالفت کروں جن سے میں خود تمہیں روکتا ہوں  
 میں جن باتوں کا تمہیں حکم دیتا ہوں، اُن پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور جن  
 سے منع کرتا ہوں اُن کو خود بھی اختیار نہیں کرتا۔ آپ نے لوگوں پر واضح  
 کر دیا کہ میرے قول اور فعل میں مطابقت ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا  
 نبی قوم کو تو ایک بات سے منع کرے اور خود اس میں ملوث ہو۔ اللہ



کے دین پر سب سے زیادہ کاربند اس کے نبی ہوتے ہیں۔ وہ پہلے خود احکام الہی پر عمل کر کے امت کے لیے نمونہ بنتے ہیں۔ اللہ نے ہر نبی کو یہی حکم دیا **رَاتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (الانعام)** جو بچہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کا مکمل اتباع کریں۔ اور نبی الیا کر کے رکھنا ہے۔ نبی کا ہر عمل اس کے قول کے مطابق ہوتا ہے کیونکہ سورۃ صفت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! **إِلَهُكُمْ فَتَقُولُونَ مَا لَا تَعْلَمُونَ** تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کہہ کے نہیں رکھتے، مگر عام معاشرے کی حالت یہ ہے کہ پچھلی سطح سے لے کر حکومت کے اہل انوں تک قول و فعل کا تضاد پایا جاتا ہے۔ تو شعیب علیہ السلام نے قوم پر واضح کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ ایسے معاملہ میں تمہاری مخالفت کروں جس سے تمہیں منع کرتا ہوں۔ آپ نے یہ بھی قوم سے فرمایا **إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ** میں تو اصلاح کرتا ہوں جتنی طاقت رکھتا ہوں۔ میرا کام تو برائی کو مٹا کر اچھا معاشرہ قائم کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ اپنا حق بھی پورا کریں، اللہ کا حق بھی ادا کریں اور اپنی نوع انسان کے حقوق کو بھی پورا کریں۔ اگر ان تینوں قسم کے حقوق کی پاسداری کی جائے تو معاشرہ سنور جائے گا۔ اصلاح احوال پیدا ہو جائے گی۔ تو فرمایا میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرتا ہوں کیونکہ اللہ کی عطا کردہ وسعت سے زیادہ کوئی کچھ نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد بھی موجود ہے **لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ)** کوئی انسان اپنی طاقت سے زیادہ ماخوذ نہیں ہوتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے جس قدر طاقت بخشی ہے اسی کے مطابق احوال کی اصلاح کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے حضور علیہ السلام نے ایک شخص سے بیعت لی اور اسے احکام شریعت کی پابندی کا حکم دیا تو اس شخص نے کہا کہ میں ان باتوں پر عمل پیرا ہوں گا **مَا اسْتَطَعْتُ** جتنی میری طاقت ہے۔

اصلاح  
احوال

تذقیق  
ایزدی

حضرت شعیب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ اور نہیں ہے مجھ میں توفیق مگر اللہ کے ساتھ۔ ہر کام کی توفیق اللہ ہی بخشتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو تو انسان کچھ نہیں کر سکتا، لہذا تمام قوتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لَا حُكُومَ إِلَّا بِأَمْرِ اللَّهِ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ نیکی کا کام انجام دینے اور بُرائی سے بچنے کی طاقت بھی اللہ ہی کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے شعیب علیہ السلام نے یہ بھی کہا عَلَيْكَ تَوْكَلْتُ میں تو اس خداوند تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں۔ ہر ایماندار کا بھی فرض ہے کہ وہ صرف اللہ پر ہی بھروسہ کرے، اس کے بغیر کوئی ذات ایسی نہیں جس پر توکل کیا جاسکے وَالْيَقِيْنُ اَنْ يَّذِیْبَہٗمِیْرَ اَہْرَاقَتِ اَہْمٰی کی طرف رجوع ہے۔ دوسری جگہ ہے اَنْ یَّذِیْبُوْا الْخَلْقَ رَجِیْ کَہْمُ اے ایمان والو! اپنے رب کی طرف ہی رجوع رکھو تَوَّاسِلُوْا اور اسی کی فرمانبرداری کرتے رہو، کھڑا شرک اور معاصی سے بچتے رہو۔

فوسے  
ولی شیرخوئی

فَرَايَا وَلِقَوْمَهُ لَا يَجُزِّ مَعَكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ  
مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ عَادٍ  
اے میری قوم کے لوگو! میری مخالفت تم کو اس بات پہ آمادہ نہ کرے کہ  
تم پرانی کائنات کا ارتکاب کر کے اس چیز کے مستحق بن جاؤ جس کے مستحق قوم  
نوح، قوم ہود اور قوم صالح علیہم السلام کے لوگ بنے۔ مطلب یہ ہے کہ  
تم میری مخالفت کر کے کفر و شرک اور ظلم و زیادتی کا ارتکاب نہ کرو گے  
تو تم بھی اسی نذر میں مبتلا ہو سکتے ہو جس میں سابقہ قومیں مبتلا ہوئیں۔ قوم  
نوح نے توحید کو تسلیم نہ کیا تو طوفان کی نذر ہو گئے۔ قوم ہود و نافرمانی کے

تباہ و برباد ہوئے اور قوم صالح علیہ السلام کو چٹخنے پکڑ لیا جس سے اُن کے دل اور جگر پھٹ گئے اور وہ طیامیٹ ہو گئے۔ اور قوم لوط کے متعلق فرمایا وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ اور قوم لوط کا معاملہ قوم سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ یہ قریب و اعتبار سے ہے۔ زمانے کے لحاظ سے بھی قوم لوط اور قوم ثقیب کا زمانہ قریب قریب ہی ہے اور مکانیت کے اعتبار سے بھی دونوں علاقے آپس میں ملتے جلتے ہی ہیں۔ مدین اور شرق اردن میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے تو فرمایا اے لوگو! میری مخالفت میں تم کسی ایسی منرا کے مستوجب نہیں جانا جس سے سابقہ قوم تباہ ہوئیں۔ تم اب بھی سمجھ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر لو اور میرا کہا مان لو۔

اور دوسری بات یہ کہ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ سابقہ کُن ہوں کی اپنے پروردگار سے معافی مانگ لو۔ ثُمَّ تَوَلَّوْا الْيُسْرَىٰ پھر اسی کی طرف رجوع رکھو۔ اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا۔ اور تمہاری توبہ قبول کرے گا کیونکہ إِنَّ رَبَّكَ رَحِيمٌ وَدُودٌ میرا پروردگار مہربانی کرنے والا بھی ہے اور محبت کرنے والا ہے اس کی ان دو صفات کا تقاضا ہے کہ جب بندہ اُس کے دروازے پر آجاتا ہے تو اس کی سابقہ گناہیوں پر معافی کی قلم چیر دیتا ہے وہ اپنے بندوں سے محبت کرنے لگتا ہے اور بندے اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ لہذا اب بھی موقع ہے کہ راہِ راست پر آجاؤ اور فلاح پامان



وما من دابة

سورة هود ۱۱

درس بست چار ۲۳

آیت ۹۱ ۹۵

قَالُوا يٰشُعَيْبُ مَا نَفَقْتَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا  
 لَنَرِيكَ فِينَا ضِعِفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ  
 وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ⑨۱ قَالَ يَقَوْمِ ارْهَطِيْ اَعَزُّ  
 عَلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخَذُ ثَمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظَهْرِيًّا  
 إِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ⑨۲ وَيَقَوْمِ اَعْمَلُوا  
 عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ  
 يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوا  
 إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ⑨۳ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا  
 شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ  
 الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ  
 جُثَمَيْنِ ⑨۴ كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا إِلَّا بَعْدًا  
 لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتِ ثَمُودُ ⑨۵

ترجمہ :- اُن لوگوں نے کہا، اے شعیب ! نہیں سمجھتے ہم  
 بہت سی وہ باتیں جو تم کہتے ہو، اور بیشک ہم دیکھتے ہیں  
 تم کو اپنے درمیان کمزور، اور اگر نہ ہوتا تیرا یہ خاندان تو ہم  
 تمہیں شکار کر دیتے، اور نہیں ہے تو ہمارے اوپر کوئی صاحب  
 عزت ⑨۱ کا (شعیب علیہ السلام نے) اے میری قوم کے لوگو

کیا میرا خاندان زیادہ عزیز ہے تم پر اللہ کی نسبت، اور ڈال دیا ہے تم نے اس کے حکم کو اپنی پشتوں کے پیچھے، بیشک میرا پروردگار گھیرنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو (۹۲) اور اے میری قوم کے لوگو! عمل کرو اپنی جگہ پر، بیشک میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ عنقریب تم جان لو گے کہ کس کے پاس آنا ہے رسوا کرنے والا عذاب اور کون جھوٹا ہے اور انتظار کرو، بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار رکھنے والوں میں ہوں (۹۳) اور جب آیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دی شعیب اور ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی خاص رحمت کے ساتھ۔ اور پکڑا اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تھا پیچھے لے پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے واسے (۹۴) گویا وہ ان میں سے ہی نہیں۔ سنو! ہلاکت ہے مدین کی قوم کے لیے جیسا کہ ہلک ہوئی قوم ثمود (۹۵)

گزشتہ آیات میں شعیب علیہ السلام نے قوم کی طرف سے کئے گئے ربط آیات یہودہ اعتراض کا جواب دیا تھا۔ انہوں نے شعیب علیہ السلام کی نماز کو طعن کی بنیاد بنایا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے اور نہ ہی اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے تصرف سے باز آ سکتے ہیں۔ شعیب علیہ السلام نے اچھے طریقے سے سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت اور پاکیزہ روزی عطا فرمائی ہے، میں جو بات تمہارے کہتا ہوں، اس پر خود بھی عمل کرتا ہوں یعنی میرے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے، میں حرب استطاعت اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں اور میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے کیونکہ ہر کام

اسی کی توفیق سے انجام دیا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا، لوگو! میری رحمت میں اتنے دُور نہ نکل جانا کہ جس کی وجہ سے تم پر بھی وہی عذاب آجائے جو عذاب حضرات نوح، صالح اور لوط علیہم السلام کی اقوام پر آیا تھا۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اسی کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ نہایت مہربان اور اپنے بندوں سے محبت کرنے والا ہے۔

نافہمی کا  
باز

شعیب علیہ السلام کی اس نصیحت آموز تقریر کے جواب میں قوم نے کہا قَالُوا يَشْعِيبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ قُلْ شُعَيْبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُمْ نَحْنُ سَمِعْتُمْ بَهِتَ سَيِّئًا بَاتُوا بِمِثْلِهِ هُوَ يَهْتَدِ انہوں نے تعصب اور عناد کی بنیاد کی، وگرنہ شعیب علیہ السلام کی بات سمجھنے میں انہیں کوئی امر مانع نہیں تھا۔ آپ اُسی قوم کے فرد تھے، وہی زبان بولتے تھے، وہ آپ کی ہر بات سمجھتے تھے مگر جو بے اعتقادی اور اخلاقی بیماری کا ذکر آتا ہے تو نافہمی کا بانہ بناتے تھے۔ ویسے بھی شعیب علیہ السلام کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ آپ خطیبِ انبیاء مشہور ہیں۔ اللہ نے آپ کو تقریر کا خوب ملکہ عطا کیا تھا مگر ہٹ دھرمی کی وجہ سے قوم کو آپ کی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی وعدہ امت کا اقرار، اور شرک کا انکار، ماپ تول میں انصاف، حقوق العباد کی پاسداری، ظلم سے پرہیز کون سی ایسی باتیں ہیں جو عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہوں، مگر آپ کی قوم تعصب اور عناد میں غرق ہو چکی تھی اور وہ آپ کی کسی نصیحت کی بات کو سننے کے لیے تیار نہیں تھی اور نافہمی کا بانہ بنا رہی تھی۔ جب کسی بات کو تسلیم کرنے کا ارادہ نہ ہو تو پھر اس قسم کے بہانے تراشا ایک معمول کی بات سب سے بڑھ کر تیار نہیں ہوتی۔ شعیب علیہ السلام کے متعلق کہتے تھے کہ یہ شخص عجیب و غریب باتیں کرتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد



بڑے ذہین و فطین اور عظیم لوگ تھے، وہ سب اپنی معبودوں کی پوجا کرتے  
 تھے مگر یہ شخص اُن کے خلاف بات کرتا ہے۔ "وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نِلَاكُمُ الْجَنَّةَ  
 (القلم) کفار مکہ بھی کہتے تھے یہ تو دیوانہ ہے، بسکی بسکی باتیں کرتا ہے۔ یہ قوم  
 شعیب کی ہسٹ دھڑی یعنی کفر و شرک میں پختگی کی علامت تھی، ورنہ شعیب  
 علیہ السلام کی بات ناقابلِ فہم نہیں تھی۔ یہ ساری باتیں آسانی سے سمجھ میں آ  
 رہی تھیں۔

کمزوری کا  
 طعنہ

شعیب علیہ السلام کے مخالفین آپ کو ایک یہ طعنہ بھی دیتے تھے  
 وَآلَا لَنَا لَكْ فِينَا ضَعِيفًا هُمْ تَمِيزُ لِنَا فِي دُرِّ خِيَالِ كَمِيزُ  
 ہیں۔ ہمارے نزدیک تمہاری کوئی حیثیت نہیں، تم نے خواجواہ قوم کو  
 اپنا دشمن بنا رکھا ہے۔ اپنے حال پر رحم کرو اور خاموشی سے گزر رہا وقت  
 کرو۔ بعض سلف نے کہا ہے کہ یہاں پر ضعف سے مراد نابینا ہونا ہے  
 کیونکہ شعیب علیہ السلام اپنی زندگی میں کچھ عرصہ کے لیے نابینا بھی ہو گئے  
 تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی صدمہ فرزند کی وجہ سے نابینا ہو گئے  
 تھے، پھر اللہ نے معجزانہ طریقے پر بینائی لوٹا دی، اسی طرح شعیب علیہ السلام  
 بھی فحش گمراہی کی وجہ سے بینائی کھو بیٹھے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے  
 بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم آنکھوں  
 روکتے ہو جنت کے شوق میں یا دوزخ کے ڈر سے، تو آپ نے جواب  
 دیا، پروردگار! تیری بقا کا خیال کر کے اس لیے روتا ہوں کہ پتہ نہیں کہ  
 دیدار کے وقت آپ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

اللہ کا ارشاد ہوا، اے شعیب! ہماری ملاقات اور دیدار تمہیں مبارک  
 ہو۔ میں نے تمہاری اس صنعت کے باعث اپنے کلیم موسیٰ ابن عمران کو  
 تمہاری خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے  
 بعد میں شعیب علیہ السلام کی بینائی واپس لوٹا دی تھی۔

خانہ کا لکھا آپکی قوم نے یہ بھی کہا وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْتُكَ اگہ تیرا یہ خانہ لکھا نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ شکاری انسان کی تاریخ کی بحث ترین منزل ہے جو شادی شدہ زانی کے لیے اللہ نے مقرر کی ہے کہنے لگے تیرے خاندان کی انشریت تیرے مذہب پر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے آبائی دین پر ہیں، ہمیں ان کی دل جوئی منظور ہے، اور نہ تمہیں سنگاری جیسی سخت سزا دیتے، اور دوسری بات یہ ہے وَمَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ اور تو ہم میں کوئی عزت والا بھی نہیں ہے۔ شعیب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا قَالَ يَتَقَوْمِ اَرَهْطُ اَعَزَّ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْمَلِكِ اے میری قوم! کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزیز ہے؟ تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کا تو کچھ خیال نہیں اور محض میرے خاندان کا لحاظ ہے۔ یہ تو بہت غلط بات ہے کہ خدا تعالیٰ جو خالق، مالک، مربی، معطی، نافع، ضار اور معبودِ برحق ہے اس کا تو خیال نہ ہو، اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا جائے مگر خاندان اور قبیلے کو اعلیٰ حیثیت دی جائے حالانکہ تمہیں اس خداوندِ قدوس کے احکام کو اولیت دینی چاہیے جس نے مجھے نبی بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔ فرمایا وَاتَّخِذْ قَوْمَكَ ذِلَّةً مِّنْ ظَهْرِيَا تم نے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے جو کہ کسی طرح بھی جائز اقدام نہیں ہے۔ یاد رکھو! اِنْ رَجَبَ بِمَا تَعْمَلُونَ مِحْطٌ تَمَّ جَوْبِيْ كَامٍ دَرْتُمْ ہو، میرا پروردگار اس کا احاطہ کرنے والا ہے ہر چیز اور تمہارا ہر عمل اس کی نگاہوں میں ہے۔ تمہیں خدا تعالیٰ کی عظمتِ جلال کا پچھ خیال نہیں اور مجھ پر میرے خاندان کا دباؤ ڈالنا چاہتے ہو ایہ تو بالکل تمہارا غلط نظریہ اور غلط سوچ ہے۔

شعیب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا وَلِيَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو۔

حق و باطل  
میں امتیاز

اِنِّیْ عَامِلٌ اَوْرِیْں اپنے طور پر عمل کرتا ہوں۔ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاتِیْهِ عَذَابٌ یَّخْرِبُہٗ تَمَیْزٌ تَمَیْزٌ غَنَقْرِبَ پتہ چل جائے گا کہ سوا کون عذاب کس پر آتا ہے۔ وَمَنْ هُوَ کَاذِبٌ اور یہ بھی جان لو گے کہ جھوٹا کون ہے، میں یا تم۔ آپ نے فرمایا وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ تم بھی راہ دیکھتے رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، جلدی ہی حق و باطل میں امتیاز ہو جائے گا۔ رَقِیْب کا لفظی معنی نگرانی کرنا اور راہ دیکھنا ہوتا ہے۔ فرمایا انتظار کرو، اللہ تعالیٰ اسی طرح انبیاء کو بھیج کر اور پھر موقع ملے کر آتا ہے۔ پھر جب محبت تمام ہو جاتی ہے اور لوگ راہِ راست پر نہیں آتے، تو سزا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بہر حال شعیب علیہ السلام نے اُن پر واضح کر دیا کہ اللہ کے سائے نبی نہایت ہی استقامت کی حالت میں ہوتے ہیں اور وہ قوم کے ڈرانے دھمکانے سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔

عذاب کی آیت

بہر حال یہ ساری باتیں شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کے درمیان ہو گئیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آگیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَکَلَّمَا جَاءَ اٰمُرُنَا جَبْ ہَمَارِی سَازَا کا حکم آگیا نَحْنُ شَعِیْبًا وَالدِّیْنُ اٰمَنُوْا مَعَنَا بِرَحْمَةٍ مِّنَّا تَرْہِمُ نے بچا لیا شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی خاص مہربانی سے۔ اُن پر اُس عذاب کا کچھ اثر نہ ہوا جو باقی قوم پر آیا۔ وَاَخَذَتْ الدِّیْنِ ظَلَمُوْا الصَّیْحٰتِ اور ظلم کرنے والوں کو ایک چیخ نے بکرا لیا جسکی وجہ سے وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے فَاصْبِرْ صَبْرًا دِیَارِہِمَا حٰثِمِیْن اور ہونے والے اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرنے والے۔ گو یہ کہ وہ خوفزدہ ہو کر منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔

قومِ شعیب کی سزا کے متعلق اس مقام پر صرف چیخ کا ذکر ہے



جب کہ سورۃ اعراف میں رجفۃ، یعنی زلزلے کا ذکر بھی آتا ہے "فَاِذَا زُلْزِلَتْ  
الْاَرْضُ زِلْزَالَہٗ" اور پھر سورۃ شعراء میں سائبان کے دن کا عذاب بتایا گیا ہے  
"فَاِذَا زُلْزِلَتْ اَرْضُہُمْ اَرْضًا یَّوْمَ الظُّلُمٰتِ اَنۡہِیۡسَ یَوْمَ ظُلُمَہٗمُ الْاَعۡیُنُ  
یَکۡفُرُوۡنَ"۔ بعض فرماتے ہیں کہ ایچہ والوں پر سائبان کا عذاب آیا تھا اور مدین والوں  
پر چیخ اور زلزلہ آیا تھا۔ یعنی ابتدائی طور پر زلزلہ آیا تھا اور پھر خوفناک چیخ مانی  
دی جس سے لوگوں کے جگر اور دل پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ یہ قسم  
مفسر قرآن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اصحاب ایک یا اہل مدین ایک ہی قوم کے  
فرستے یا رسول اللہ علیہ السلام تھے لیکن سب پر مینوں قسم کا عذاب آیا تھا  
البتہ اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں میں مختلف عذاب کا ذکر خاص مناسبت  
کی وجہ سے کیا ہے مثلاً سورۃ اعراف میں آتا ہے کہ آپ کی قوم نے  
شعیب علیہ السلام کو دھمکی دی "لَنُخْرِجَنَّکَ یٰ شُعَیۡبُ وَالدِّیۡنُ  
اٰمَنُوۡا مَعَّکَ مِنْ قَرۡیَۡتِنَا اَوْ لَنَعُوۡدَنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا"  
کہ یا تو تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے گھروں  
کو اپنی سر زمین سے نکال دیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ نے ان  
پر زمین ہی کا زلزلہ مسلط کر دیا کہ تم اللہ کے نبی کو جس زمین سے نکالنا چاہتے  
ہو، اسی زمین پر خود تمہیں ٹھکانا مقرر نہیں ہو گا۔ اس سورۃ مبارکہ میں مخالفین  
کے غرور و تکبر کا ذکر ہے کہ وہ کہتے تھے کہ تو بڑا مانا ہی بنا پھر تا ہے اور  
ہمیں اپنے ہی کھائے ہوئے مال میں من مرضی کا تصرف کرنے سے  
روکنا ہے، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اے شعیب! تیری یہ ناصحانہ باتیں  
ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، تو انہیں اپنے تک ہی محدود رکھ۔ وہ لوگ  
آپ پر خاندانی لحاظ کا رعب بھی ڈالتے تھے کہ تیرے خاندان کی وجہ  
سے تمہارا لحاظ کر رہے ہیں، ورنہ تمہیں سنگسار کر دیں۔ چونکہ یہ ساری  
غرور و تکبر کی باتیں تھیں، تو اللہ نے ان کے چھوٹے غرور کو ٹوٹنے

کے لیے ان کو پیچ کے ذریعے ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور آگے  
سورۃ شعراء میں جہاں یوم النملہ کے عذاب کا ذکر ہے، وہاں اللہ تعالیٰ  
نے آپ کے مخالفین کی اس بڑا ذکر فرمایا ہے کہ وہ کہتے تھے اے  
شعیب! ہم تیری بات ماننے کے لیے تیار نہیں اور اگر تو سچا ہے  
فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ  
تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے  
پہلے سخت گرمی بھیجی، پانی خشک ہو گیا اور مارے گرمی اور پیاس کے لوگوں  
کے ہونٹ خشک ہو گئے۔ سات دن تک یہی صورت حال رہی پھر  
اللہ نے بادلوں کو ٹھنڈی ہوا کے ساتھ بھیجا۔ سب لوگ بادلوں کے  
نیچے اکٹھے ہو گئے کہ اب بارش برسے گی اور جل تھل ایک ہو جائے گا۔  
مگر ہوا یہ کہ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو بادلوں سے آگ برسنے لگی۔  
جس نے ساری قوم کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ یوم النملہ کا عذاب تھا۔ بہر حال  
امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس قوم پر تینوں قسم کے عذاب بھیجے  
فرمایا، اللہ کے بھیجے ہوئے عذاب نے انہیں اس طرح تباہ کر  
دیا کہ اَن لَّمْ يَكُنْ لَّآلِهَةٌ فِیْہَا کُرْیَاکُمْ وَہُمْ لَہٗا بَادِیۃٌ تَحۡمِلُ  
الْاَسۡنَافَ اٰخِرِیۡنَ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے لَعَذَابُ الْمَذِیۡنِ خَاسِرٌ  
سے دوری اور ہلاکت ہے مین والوں پر کَمَا یُعَذِّبُ الْمُتَوَدِّعِ  
جیسا کہ قوم ثمود ہلاک ہوئی۔ وہ لوگ بھی بڑے عقلمند، ذہین اور مغرور تھے  
بڑے صنایع اور کاریگر تھے مگر ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان کو بھی اللہ نے  
تباہ و برباد کیا اور اسی طرح قوم شعیب بھی ہلاک ہوئی، دراصل یہ اہل مکہ  
اور بعد میں آنے والوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اے منکرین! تم بھی اپنا  
انجام سوچ لو اگر تم بھی نافرمان قوموں کے نقش قدم پر چلو گے تو تمہارا انجام  
بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

مکمل  
تباہی

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ⑨٦ إِلَىٰ  
 فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوْا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ؕ وَمَا أَمْرُ  
 فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ⑨٧ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
 فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُوْدُ ⑨٨ وَاتَّبَعُوا  
 فِي هٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ  
 الْمَرْفُوْدُ ⑨٩ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقُصُّهُ عَلَيْكَ  
 مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيْدٌ ⑩٠ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ  
 ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمْ  
 الَّتِي يَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ  
 أَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَبْيِيْحٍ ⑩١

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام)  
 کو اپنی آیتوں اور کھٹے کھٹے غلبے کے ساتھ ⑨٦ فرعون اور اُس  
 کے سرداروں کی طرف ، پس انہوں نے اتباع کب  
 فرعون کی بات کا اور نہیں تھی فرعون کی بات کوئی  
 درست ⑨٧ آگے آگے ہوگا وہ اپنی قوم سے قیامت  
 کے دن پس پہنچائے گا اُن کو آگ میں ، اور بُرا ہے  
 وہ گھاٹ جس پر وہ پہنچیں گے ⑨٨ اور پیچھے لگانی گئی



اُن کے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن۔ برا عظیم  
 ہے جو اُن کو دیا گیا (۹۹) یہ ہیں بستیوں کی خبروں سے  
 ہم بیان کرتے ہیں اِن کو آپ پر، بعض ان میں سے  
 قائم ہیں اور بعض کٹی ہوئی (۱۰۰) اور ہم نے نہیں ظلم کیا  
 اُن پر، مگر تھے وہ لوگ اپنی جازوں پر ظلم کرتے۔ پس نہ  
 کام دیا اُن کو اُن کے معبودوں نے، جن کو پکارتے تھے  
 اللہ کے سوا، کچھ بھی، جب کہ آگیا تیرے رب کا حکم، اور  
 نہ زیادہ کیا انہوں نے اُن کے لیے سوائے ہلاکت کے (۱۰۱)

گزشتہ دروس میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر تھا۔ تاریخ انبیاء کے سلسلے  
 میں اللہ تعالیٰ نے جو واقعات بیان فرمائے ہیں ان کے ذریعے مسئلہ توحید کو واضح  
 کیا گیا ہے کہ اللہ کے اِن پاک نفوس نے یہ مسئلہ کس طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا  
 پھر جن لوگوں نے اس کا انکار کیا وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔  
 اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں چند اقوام کا ذکر بطور تذکیر بایام اللہ کیا ہے۔ یعنی اُن  
 ایام کا تذکرہ جو مختلف اقوام پر سزا اور نجات کے ساتھ پیش آئے

حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے  
 ارشاد ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا اور البتہ تحقیق ہم نے رسول بنا کر بھیجا  
 موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں کے ساتھ۔ آیات میں احکام بھی شامل ہیں اور معجزات بھی۔ اللہ تعالیٰ  
 نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی شکل میں احکام بھی دیے تھے۔ معجزات کے ضمن میں آپ کی  
 نشانوں کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے جن میں سے دو زیادہ واضح ہیں یعنی عصا اور ید بیضہ  
 آیات سے دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی توحید کے  
 متعلق بڑے واضح دلائل پیش کیے اور یہ کام سارے انبیاء ہی کرتے رہے ہیں۔ ایک  
 نشانیاں عطا فرمائیں اور دوسری چیز وَسُلْطٰنٌ مُّبٰیِّنٌ کھلا غلبہ یا کھلی سند بھی

ربط آیات

موسیٰ علیہ السلام  
 کی بعثت

موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ کھٹے غلے یا کھلی سند سے بھی معجزات ہی ہر اد  
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر بہت سے معجزات ظاہر کیے حتیٰ  
کہ لاکھوں کا معجزہ دیکھ کر تمام جادوگر بھی ایمان لے آئے مگر فرعون نے  
پھر بھی ضد اور عناد کا اظہار کرتے ہوئے انکار ہی کیا۔

فرمایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں اور کھلی سند کے ساتھ  
رسول بنا کر بھیجا إِلَیْهِ فِرْعَوْنُ وَفِرْعَوْنُ فرعون اور اس کے  
سرداروں کی طرف فرعون اور اس کی قوم قبیلۂ خاندان سے تعلق رکھتے  
تھے جو مصر کے قدیم باشندے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت  
دونوں اقوام کی طرف تھی۔ یہاں پر قبیلۂ قوم کی طرف اشارہ ہے جب  
کہ دوسرے مقام پر بنی اسرائیل کا ذکر بھی ہے۔ چونکہ فرعون اور اس کے  
سردار سرکشی میں حد سے بڑھ چکے تھے تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے خاص طور  
پر ان کا ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث کیا گیا۔

فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ان سرداروں نے فرعون کے حکم کا اتباع  
کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر کے تزکیہ سے محروم ہو گئے انہوں  
نے اپنی فکر اور تحقیق کو پاک کرنے، اللہ کی وحدانیت کو اپنانے اور  
ایمان کو درست کرنے کی بجائے فرعون کی بات کی پیروی کی۔ وَمَا

أَمْرُ فِرْعَوْنَ پر شیدہ حالانکہ فرعون کی بات نیکی، ہدایت یا مجھ بوجھ  
والی بات نہیں تھی۔ فرعون کی بات میں تو سرتر تکبر اور غرور تھا، یہ کفر و  
شرک سے پرہیزی اور نیکی سے خالی تھی یہ تو سو فیصدی غلط بات تھی مگر قوم  
واعتصام نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ لائی اور دشمن خدا کے پیچھے چلتی رہی  
اس قوم کا انجام بھی بالآخر وہی ہوا جو ہمیشہ نافرمان قوموں کا ہوا کرتا  
ہے۔ پہلی اقوام کے واقعات موجود ہیں کہ وہ لوگ مغلوب اور ذلیل ہوئے  
یا پھر اپنے لاؤشر سمیت تباہ و برباد ہوئے۔ یہاں پر فرعون کے متعلق

دور زخوں  
کی قیادت

فرمایا یَقْدُرُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کہ قیامت والے دن وہ اپنی قوم کی قیادت کریگا۔ اور ان کے آگے چلے گا، جس طرح دنیا میں وہ بحیثیت بادشاہ اور ڈکٹیٹر قوم کی قیادت کرتا تھا، اُن کو اپنے پیچھے لگا رکھا تھا، ہر بات کی تعمیل کرتا تھا، اسی طرح قیامت کو بھی اس کی قوم اس کے پیچھے پیچھے ہوگی۔ اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا یَوْمَ نَدْعُوهُ کُلُّ اُنَّاسٍ یَا مَکَہِمۡمَہُمۡ اُس دن ہم تمام لوگوں کو اُن کے مقتداؤں سمیت طلب کریں گے۔ متبوع آگے ہوں گے اور تابع پیچھے پیچھے۔ اسی اصول کے مطابق فرعون بھی اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا فَاَوْدَّہُمُ النَّارُ پھر اُن کو لے کر دوزخ میں جائیگا وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُوْدُ اور یہ بہت ہی بُرا گھاٹ ہے، جس پر یہ لوگ وارد ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ فرعون جیسا مغرور و متکبر شخص اپنے متبعین سمیت دوزخ والے گھاٹ پر پہنچے گا جو انہیں جلا کر بھسم کر دیگی۔ وہاں دکھ ہی دکھ ہوگا، آرام و آسائش کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ سَوْرَةَ الْقَيْسِ حَامِلَ لَوَاۤءِ الشُّعْرَاۤءِ الْجَاهِلِيَّةِ اِلَى النَّارِ یعنی امر القیس جاہلیت کے زمانے کے شعراء کا جہنم الہام تھا میں لیے سب کو جہنم میں لے جائیگا۔ یہ شخص جاہلیت کے زمانہ کا بہت بڑا شاعر ہوا ہے حضور علیہ السلام کی ولادت سے بیس برس قبل مر گیا۔ اُس نے اپنے زمانے میں بڑا نام پیدا کیا اور بہت سے لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لیا۔ حضور نے فرمایا کہ ان سب لوگوں کو لے کر وہ جہنم میں چلا جائے گا یہی حال فرعون کا ہوگا کہ وہ بھی اپنے حمایتیوں سمیت دوزخ کا اپنا حصہ بنے گا۔

دنیا و آخرت  
کی لعنت

فرمایا اس بات کا نتیجہ یہ نکلا وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً  
اس دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگائی گئی وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ



اور قیامت کے دن بھی وہ اسی لعنت میں گرفتار رہیں گے وَبَشِّرِ  
الرَّحُومَ الْمُؤْمِنِينَ اور یہ بہت بڑا عطیہ ہے جو ان کو دیا گیا۔ دوزخ  
کے ٹھکانے کو عطیہ یا انعام تحکم کے طور پر کہا گیا ہے کہ ان کو ایسی بدنامی  
نعمت میسر کی جس میں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہو گا۔ یہ بہت  
بڑا انجام ہو گا۔

فَرَمَا ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرْآنِ بِبُتْمِ دَارِ  
لوگوں کے حالات و واقعات ہیں۔ یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے  
نوح علیہ السلام سے شروع کر کے موسیٰ علیہ السلام تک ذکر کیے ہیں۔  
ان میں عاد، ثمود، قوم لوط، ایک اور مدین کے سارے واقعات آگئے  
ہیں۔ انہوں نے اللہ کے نبیوں کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان پر عذاب  
کو بھیج کر صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ فرعون بھی بڑی تمدن سلطنت کا مالک تھا  
اس کے حالات قرآن پاک کی متعدد سورتوں میں مذکور ہیں، اس کے غرور  
تکبر اور نافرمانی کی وجہ سے اللہ نے اُسے اور اس کی پوری قوم کو بھی ہلاک کر  
دیا اور پھر اس کی لاش کو عبرت کے لیے محفوظ کر دیا۔ فرمایا لَقَدْ عَلِمْتُمْ  
ہم یہ واقعات آپ پر بیان کرتے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ قیامت تک  
آینہ الی نسلیں ان واقعات سے عبرت حاصل کریں۔ تذکیر بایام اللہ کا  
یہی مطلب ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دیا جائے کہ کفر، شرک اور نافرمانی کا  
انجام ہی ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا مِنْهَا قَائِمٌ بَيْنَ بَنِي  
حالات بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض قائم ہیں یعنی ان تباہ شدہ  
بیتوں کے کھنڈرات موجود ہیں جو ہر آنے والے کو عبرت کا درس دے  
رہے ہیں۔ وَحَصِيدٌ اور بعض بیتیاں کٹی ہوئی ہیں یعنی ایسی ناپید  
ہوئی ہیں کہ ان کا نشان تک باقی نہیں رہا۔ اُن کو اللہ نے الیا میٹ  
کیا کہ کوئی نشان بھی باقی نہیں بچا۔

تذکیر  
بایام اللہ

فرمایا ان لوگوں کو ہلاک کر کے وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ بِهِمْ اَنْ يُّكُوْنُوْا  
 زِيَادَتِيْ عِيْسٰی کی۔ ہم نے انہیں بلا وسبب نیست و نابود نہیں کیا وَلٰكِنْ  
 ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بَلْکَہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے اللہ تعالیٰ  
 تو مخلوق پر ہمیشہ مہربان ہوتا ہے اور ان پر زیادتی نہیں کرتا کیونکہ اس کا  
 فرمان ہے وَمَا الْمَلٰٓئِکَةُ بِظٰلِمٍۭۭۭ لِلْعٰبِدِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے  
 بندوں پر قطعاً زیادتی نہیں کرتا۔ بلکہ ہر زیادتی کرنے والا خود ہی اپنے  
 انجام کو پہنچتا ہے کیونکہ اللہ کا قانون ہے وَعَلَيْهَا مَا اُكْتَسَبَتُ  
 جو کوئی برائی کا ارتکاب کرے گا، اس کا وبال خود اسی پر پڑے گا مطلب  
 یہ کہ فرعون اور اس کی قوم نے اپنے آپ پر خود ہی ظلم کیا۔

معبودان  
 باطلہ سے  
 باری

فَرَا، فَمَا اَعْنَتْ عَنْهُمْ اِلٰهَهُمْ اَلَّذِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ  
 دُوْنِ الْمَلٰٓئِکَةِ شَیْءٌ کُفْرًا وَّ شُرْکًا کہ نے ملے اللہ کے سوا جن  
 معبودانِ باطلہ کو پکارا کرتے تھے، وہ ان کے کچھ کام نہ آئے جن معبودوں  
 کی نذر و نیاز میتے، اس میں اپنی حاجتوں میں پکارتے تھے، ان میں انتہائی  
 کوتاہی کرتے تھے، قیامت والے دن وہ معبودان کے کچھ کام نہیں آئیں گے  
 بلکہ ان سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے۔ یہ لوگ دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں وہ  
 جو عقیدہ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوا۔ حقیقت یہ  
 ہے کہ ان باطل معبودوں کے پاس کوئی اختیار نہیں تھا اور نہ اللہ تعالیٰ  
 نے انہیں تدبیر و تصرف کا مالک بنایا تھا۔ دنیا میں اللہ کا رسول منع کرتا  
 تھا کہ ان سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ان کو چھوڑ دو مگر یہ کہتے تھے  
 کہ ہم ان معبودوں کو کیسے چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے  
 آئے ہیں۔ اور جن کی وہ نذر و نیاز میتے ہیں۔ فرمایا لَمَّا جَاءَ اَمْرُ  
 رَبِّکَ حَبِیْطًا تَرٰہُمْ عَلٰی رُءُوسِ الدُّمُورِ یعنی سزا کا وقت آگیا تو کسی نے  
 کوئی فریاد نہ کی۔

ان کے متعلق تمام عقائد باطل ثابت ہوئے۔

فرمایا وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْلِيْهِمْ اور انہوں نے ہلاکت  
کے سوا کچھ بھی اضافہ نہ کیا۔ البتہ انہیں ضرور پڑھا کہ ہم دنیا میں جن کی  
پیشکش کرتے ہیں، انہوں نے دھوکہ دیا اور آج کسی کام نہ آئے۔ بخود ان  
باطلہ اپنے متبعین کو تو کیا بچاتے وہ اللہ ان کی ہلاکت اور سزا پر تباہی کا  
بہشت بنے، ان پر خدا تعالیٰ کا شدید غضب نازل ہوا اور وہ ناکام و نازد  
ہو گئے۔

---



وما من دابة ۱۲

سورة هود ۱۱

درس بت و شش ۲۶

آیت ۱۲ تا ۱۹

وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ  
 إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً  
 لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ  
 لَهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿١٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهُ  
 إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدَّدٍ ﴿١٤﴾ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ  
 إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿١٥﴾ فَأَمَّا  
 الَّذِينَ شَقُّوا فِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ وَ  
 شِهيقٌ ﴿١٦﴾ خِلْدَيْنَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ  
 وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا  
 يُرِيدُ ﴿١٧﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فِي الْجَنَّةِ خِلْدَيْنَ  
 فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ  
 رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْدُودٍ ﴿١٨﴾ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ  
 مِّمَّا يَعْبُدُ هَؤُلَاءُ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ  
 آبَاؤُهُمْ مِّن قَبْلُ وَإِنَّا لَمَوَفُّوهُمْ نَضِيبُهُمْ  
 غَيْرَ مَنْقُوصٍ ﴿١٩﴾

وقت کہ وہ پکڑتا ہے بستیوں میں رہنے والوں کو درآنحیکہ وہ ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ بیشک اُس کی پکڑ بڑی دردناک اور مبت شدید ہوتی ہے (۱۰۲) بیشک اس میں الہی عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو خوف کھاتے ہیں آخرت کے عذاب سے۔ یہ ایک دن ہے جس میں لوگ اکٹھے کیے جائیں گے، اور یہ دن ہے کہ جس میں حاضری ہوگی (۱۰۳) اور ہم نہیں اُس کو مؤخر کرتے مگر ایک وقت مقررہ کے لیے (۱۰۴) جس دن وہ آئے گا، نہیں کلام کرے گا کوئی نفس مگر اُس کی اجازت سے۔ پس بعض اُن ہیں سے بدبخت ہوں گے اور بعض نیک بخت (۱۰۵) بہر حال جو بدبخت ہوئے، پس وہ جہنم میں ہوں گے، اُن کیلئے اُس میں چیننا پیدا ہوگا اور رونے کی آوازیں (۱۰۶) وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُس میں جب تک کہ آسمان اور زمین ہوں گے، مگر جو چاہے تیرا پروردگار۔ بیشک تیرا پروردگار کریم و لای ہے اُسکو جو چاہے (۱۰۷) اور بہر حال وہ لوگ جو نیک بخت بنے، پس وہ جنت میں ہونگے، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اس میں بیشک آسمان اور زمین ہونگے، مگر جو چاہے تیرا پروردگار، یہ ایسی بخشش ہے جو قطع نہیں کی جائیگی (۱۰۸) پس نہ ہوں آپ شک میں اُس چیز سے جس کی عبادت کرتے ہیں یہ لوگ۔ نہیں عبادت کرتے یہ مگر ایسے ہی جیسے کہ ان کے آباد و اجداد عبادت کرتے تھے اس سے پہلے۔ اور بیشک ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو ان کا حصہ جو حکم نہیں کیا جائے گا (۱۰۹)





نہجی کُل کفو جم نہ شکر گزار کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اور کسی گنہگار کو چھوڑتے نہیں۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ مہلت سے دیتا ہے مگر آخر کار مجرم پکڑے جاتے ہیں۔ اِنْ اَخَذَهُ اِلَيْهِمْ شَهِيدٌ بیشک اللہ تعالیٰ کی پکڑ دردناک اور بڑی سخت ہے۔ اُس سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

نشان  
عبادت

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ  
الْآخِرَةِ ۝ بیشک اس میں نشانِ عبرت ہے اُس شخص کے لیے جو  
آخرت کے عذاب سے خوف کھاتا ہے۔ اُسے ڈر ہے کہ کہیں وہ  
بھی سابقہ قوموں کی طرح اللہ کی گرفت میں نہ آجائے۔ فرمایا آخرت کا  
دن ایسا ہے ذٰلِكَ يَوْمٌ تَجْمُوعُ لَهٗ النَّاسُ کہ اس دن لوگوں  
کو اکٹھا کیا جائیگا وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوٰدٌ اور یہی مانسری کا دن ہے  
اس دن سب کے سب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور کوئی  
بھی غیر مانس نہیں ہوگا۔ اور پھر اس دن کے وقوع کے متعلق فرمایا  
وَمَا نُوَخِّرُهُ اِلَّا لِاَجَلٍ مُّعَدٍّ وَّذٰلِكَ يَوْمٌ لَّكُم مَّا كُنْتُمْ تُوعَدُ  
کہتے مگر ایک مقررہ وقت تک۔ قیامت کا دن اللہ تعالیٰ کے  
علم میں ہے اس کی میعاد اور وقت مقرر ہے۔ ہر جاندار اور شجر و حجر تک کے  
لیے ایک وقت مقرر ہے۔ پھر اُسی طرح مجموعہ عالم کے لیے  
بھی ایک وقت مقرر ہے۔ یہ تمام اوقات اللہ تعالیٰ کے علم میں  
ہیں اور وہ ان مقررہ اوقات پر ہر چیز کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح جب  
پوری کائنات کا مقررہ وقت آجائے گا تو قیامت واقع ہو جائے گی  
اور اسی دن کے لیے اُسے مؤخر کیا گیا ہے۔ سورۃ النعام کی ابتدا میں  
مجھے گریز چاہیے کہ جس طرح ہر فرد کی عمر اور مدت مقرر ہے اسی طرح مجموعہ عالم کی بھی ایک عمر  
اور مدت مقرر ہے جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو یہ سارا سلسلہ تبدیل کر دیا جائے گا۔

موجودہ پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور اس کی جگہ دوسرا نظام قائم ہو گا۔ تو فرمایا کہ اس دن کو مؤخر کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہے۔ مجرم یہ نہ سمجھیں کہ وہ اس طرح تہینہ دیتے پھریں گے اور ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں، بلکہ بتلایا یہ جارہا ہے کہ اللہ کی حکمت کے مطابق جب وہ مقررہ دن آجائے گا تو پھر سب کو اللہ کے حضور پیش ہو کر اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔

انسانوں کی  
زبان بند کی

فرمایا **يَوْمَ يَأْتُ جِبْ** وہ دن آجائے گا **لَا تَكَلُمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ** تو کوئی شخص کلام نہیں کرے گا مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے۔ آج تو لوگ طاقت اور اقتدار کے نشے میں سرشار بڑا شور مچاتے ہیں مگر اس دن کوئی شخص اس وقت تک لب کشائی نہیں کر سکے گا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بولنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس دن کوئی نہیں بول سکے گا سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور ان کی بچا رہی ہوگی **رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ** اللہ! آج کے دن بچائے، ایسا موقع ہو گا اور ایسی رحمت طاری ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے **إِنَّ اللَّهَ لَمُخْلِ لِلظَّالِمِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يَخْلُصْ لَهُ بَشَك** اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ تو فرمایا، آج یہ لوگ ظلم و زیادتی پر ڈٹے ہوئے ہیں مگر وہ دن بھی آنے والا ہے۔ جب بولنے کی طاقت بھی نہیں ہوگی۔

شعادت و  
سعادت

جس دن کا ذکر ہو رہا ہے اس دن **النَّاسُ** دو گروہوں میں تقسیم ہوں گے **فَوَيْلٌ لِّمَنِ شِقِيٌّ** و **وَسَعِيدٌ** ان میں سے بعض بد بخت ہوں گے اور بعض نیک بخت، اور آگے اللہ نے دونوں گروہوں کا انجام بھی بیان فرمایا ہے۔ یہ بد بختی اور نیک بختی دنیاوی لحاظ سے

بھی ہوتی ہے، دینی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی۔ اللہ نیک  
 بختی کو محض دنیاوی لحاظ سے شمار کیا جائے تو بہت سے کافر، مشرک،  
 نافرمان، باغی، ظالم اور سرکش نیک بخت سمجھے جائیں گے کیونکہ انہیں  
 صحت و تندرستی حاصل ہے، مال و دولت کی فراوانی ہے، کاریں  
 اور کوٹھیاں ہیں، اولاد اور نوکر پا کر ہیں، جاہ اور اقتدار حاصل ہے  
 مگر یہ حقیقی سعادت نہیں ہے۔ اہم شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان  
 کو حقیقی سعادت اس وقت حاصل ہوگی جب وہ انسان اکبر نے مرنے  
 کے مطابق ہوگا جو خطیرۃ القدس میں تمام انسانیت کے لیے موجود ہے۔  
 اس کو روح ظلم بھی کہتے ہیں۔ جو شخص اس مرنے کے زیادہ قریب ہوگا وہی  
 سعادت مند ہوگا اور جو شخص اس مرنے سے بقا دور ہوگا وہ اتنا ہی بد بخت ہوگا۔  
 حضرت شفیق الحقؒ نے اپنے پاس کے بزرگ اور اولیاء اللہ میں سے چار  
 ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں شقاوت کی علامت یہ ہے کہ انسان  
 کا دل بخت ہوتا ہے اور اس کی آنکھیں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت سے کبھی تر  
 نہیں ہوتیں۔ ایسے شخص کا دل دنیا کی طرف ہی راغب رہتا ہے۔ وہ لمبی  
 لمبی آرزوئیں بندھتا ہے، یکمیں بناتا ہے کہ یوں کر دوں گا اور یوں کر دوں گا  
 مگر حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ شقی آدمی بے نیائی کی طرف بھی  
 مائل ہوتا ہے۔ اور سعادت مند آدمی وہ ہوتا ہے جو نرم دل ہو، خدا کے  
 خوف سے اس کی آنکھیں پریم رہتی ہوں دنیا سے ایک تذکرہ نفرت  
 کا اظہار کرتا ہو۔ لمبی خواہشات سے بچتا ہو اور اس میں شرم و حیا کا مادہ  
 موجود ہو۔

فَرَّيَا فَمَا الَّذِينَ شَقُّوا فِي النَّارِ بِرِجَالٍ جَبَدَ بَحْتٍ مَرَّةً  
 وہ دوزخ میں جائیں گے کہیں کہیں ہمارے فیئ و شہیق و ہاں  
 ان کے لیے چیننا چلانا اور رونے کی آوازیں ہونگی یہ مفسرین کرام بیان

شفیق بوعیہ  
 کا انجام



کہتے ہیں کہ زفر گدھے کی اُس آواز کو کہتے ہیں جو ابتداء میں بڑی بلند ہوتی ہے اور شہیق وہ آواز ہوتی ہے جو آخر میں نرم پڑ جاتی ہے یہی آواز ہوتی ہے جو سینے اور حلق سے غم و اندوہ کی صورت میں نکلتی ہے تو فرمایا کہ بد بخت آدمی کے لیے دوزخ میں جا کر رونا پٹنا اور چیخا جھلانا ہوگا خَلِدِينَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ یہ لوگ وہیں دوزخ میں ہی رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔ اَلَا مَسٰكُوْنٌ مگر جو تیرا پورا درگاہ چاہے۔ اگر اُس کی مشیت ہوگی تو حالات مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ مالک ہے۔ جو چاہے کرے مگر عام قانون یہی ہے کہ شقی لوگ دوزخ میں دائمی طور پر رہیں گے۔ اِنَّ رَبَّكَ ذٰلِكُ لَمَّا يَرِيْدُ بِشَاك تیرا پورا درگاہ کر گزرنے والا ہے جو چاہے۔ اس کو حق پہنچا ہے کہ کسی بندے جیسا چاہے سلوک کرے۔

فرمایا وَاَمَّا الَّذِيْنَ سَعِدُوْا فِی الْجَنَّةِ اور بہر حال وہ لوگ جو نیک بخت ہوئے، وہ جنت میں ہوں گے۔ خَلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وہ اسی میں مقیم رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔ اَلَا مَسٰكُوْنٌ مگر جو تیرا پورا درگاہ چاہے۔ وہ اگر کچھ اور فیصلہ کرنا چاہے، یا اس قیاد میں کوئی استثناء کرنا چاہے تو وہ مختار کل ہے۔ ان جنتیوں کے متعلق فرمایا عَطٰوْا غٰیثُ فُجْدُوْا جنتیوں کے جنت میں جانے کا یہ ایسا انعام ہے جو قطع نہیں کیا جائے گا یعنی ایسے لوگوں کو جنت سے محرومی کی کوئی صورت نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور اس  
کی اہمیت

اس آیت کریمہ میں دوزخیوں اور جنتیوں دونوں کو یہ ہوں گے کہ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ سے الفاظ آئے ہیں، یعنی

جب تک آسمان و زمین کا نظام قائم ہے دونوں گروہ اپنے اپنے مقام پر رہیں گے۔ ان الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ کا قیام ابدی نہیں بلکہ زمین و آسمان کی موجودگی تک ہے، اور جب یہ نظام بدل جائے گا تو جنت یا دوزخ سے نکلا پڑے گا، حالانکہ مشورہ یہ ہے کہ جنت اور دوزخ ہمیشہ رہیں گے۔ اس اشکال کے جواب میں مفسرین فرماتے ہیں کہ عربی محاورے میں جب بلندی کا ذکر کرنا ہو تو آسمان سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ انسانی زمین میں آسمان بلند ترین جگہ ہے اور جب پستی کا ذکر مطلوب ہو تو زمین سے تشبیہ دی جاتی ہے تو اس سے پوری کائنات مراد ہوتی ہے جس میں کسی چیز کو استثناء حاصل نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے، زمین و آسمان کو دیکھ رہا ہے کہ ان میں کوئی تغیر و تبدل پیدا نہیں ہوتا لہذا اس کے دل میں ان کی ابدیت کا تصور پیدا ہوتا ہے اور جب زمین و آسمان کے قیام کے حوالے سے کسی بات کا ذکر کیا جائے تو مراد یہی ہوتی ہے کہ زمین و آسمان کی طرح یہ چیز بھی ابدی ہے تو یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں دوزخ اور جنت اپنے اپنے مقام میں رہیں گے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ ان مقامات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی میں مذکورہ آسمان و زمین سے مراد اس دنیا کے آسمان و زمین نہیں بلکہ آخرت کا آسمان اور زمین مراد ہے۔ آگے سورۃ اہیم میں آ رہا ہے: "يَوْمَ تَبْكَلُ الْأَرْضُ عَنْكَ الْأَرْضُ وَالسَّمَوَاتُ تَوَدُّنَ أَنْ يَكُونَ وَلَا يَكُونُ" جب کہ موجودہ زمین اور آسمان تبدیل کر دیے جائیں گے اور ان کی جگہ دوسری زمین اور دوسرا آسمان قائم ہوگا۔ ظاہر ہے کہ قیامت کے

بعد جو زمین و آسمان قائم کئے جائیں گے وہ ابدی ہوں گے، لہذا اس آیت میں آخرت کے زمین و آسمان مراد ہیں۔ جس طرح یہ زمین و آسمان ابدی ہوں گے اسی طرح جنتیوں اور دوزخیوں کا قیام بھی ابدی ہوگا۔

ماشاء اللہ  
کی توجہ

یہاں یہ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جنت اور دوزخ کا قیام ابدی کھڑا تو پھر ماشاء اللہ کے استثناء کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کے قیام کے علاوہ حشر کا جو عرصہ ہوگا اس میں نہ تو لوگ جنت میں ہوں گے اور نہ دوزخ میں تو اس عرصہ کو اللہ تعالیٰ مَاشَاءَ اللہ پہرہی محمول کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں قاضی شاد اللہ پانی پتی نے یہ توجہ پیش کرتے ہیں کہ دوزخی لوگ جب جہنم میں جلتے جلتے کافی عرصہ گزاریں گے اور وہ شدید پیاس میں مبتلا ہوں گے، تو انہیں حجم (گرم آگ) سے حجم (گرم پانی) کی طرف سے جایا جائے گا تو یہ درمیانی عرصہ الا ماشاء اللہ کی استثنائی حالت میں ہوگا، کیونکہ اس وقفہ کے دوران دوزخی کم از کم دوزخ میں نہیں ہوں گے۔

ایک بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جنتیوں کا جنت میں اور دوزخیوں کا دوزخ میں قیام اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اگرچہ بعض گمراہ فرقوں کا یہ خیال بھی ہے کہ خدا تعالیٰ جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں رکھنے پر مجبور ہے مگر یہ غلط نظریہ ہے حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ کسی کام پر ہرگز مجبور نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مشیت کے مطابق جو چاہے کرتے ہو قادر ہے، لہذا جنت اور دوزخ میں رکھنے کا فیصلہ خالصتاً اس کی مرضی پر موقوف ہے، وہ جو چاہے فیصلہ کرے، اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بہر حال جہاں تک جنت اور دوزخ کی ابدیت کا متعلق ہے، یہ قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ جسور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک وقت آیا بھی گیا



کہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور جنت والوں سے کہا جائیگا مُخْلُوذٌ  
وَلَا مَوْتَ۔ تمہیں ہمیشہ رہنا ہے اور اب موت نہیں آئے گی پھر  
دوزخ والوں سے بھی یہی کہا جائے گا جس کا مطلب یہی ہے کہ جنت  
اور دوزخ ابدی ہیں اور وہاں پہنچنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہیں  
رہنا ہوگا۔ البتہ جنتیوں کے متعلق خاص طور پر فرمایا گیا ہے۔ عَطَاكَ  
عَلَىٰ تَجْدُوذِ جَنَّتٍ میں داخلہ ایک ایسی بخشش ہے جو منقطع  
نہیں ہوگی۔ سورۃ التین میں بھی اس قسم کے الفاظ آئے ہیں کہ اہل ایمان  
اور اعمال صالح کے ترکیبیں کے لیے أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ نہ ختم  
ہونے والا اجر ہوگا۔

شک اور  
اس کا بدلہ

آگے شرک کی مذمت بیان فرمائی فَلَا تَكُ فِیْ مَرِیَّةٍ  
مَّمَّا یَعْبُدُ هَؤُلَاءِ آپ اس چیز سے شک میں نہ پڑیں جس کی یہ  
لوگ پرستش کرتے ہیں، کیونکہ مَّا یَعْبُدُونَ إِلَّا صَمًّا یَعْبُدُ  
أَبَاؤُهُمْ مَن قَبْلُ یہ بھی انہی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں  
جن کی عبادت اس سے پہلے ان کے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں مطلب  
یہ ہے کہ ان لوگوں کے شرک کے ارتکاب میں آپ کو کسی قسم کا شک  
نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سچی بات ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے کے  
مشرک یا موجودہ زمانے کے مشرک انہی معبودانِ باطلہ کی پوجا کر رہے ہیں  
جو ان کے بزرگوں سے چلے آئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو کوئی غیر اللہ  
کی پرستش کرے گا وہ ہلاک ہو کر رہے گا۔ فرمایا وَإِنَّا لَمَوْفِقُكُمْ  
نَصِیْبُهُمْ غَنِّیْ مَنْقُوصٍ اور ہم ان کو پورا پورا بدلہ دینے  
والتے ہیں۔ ان کو پوری پوری عزا دے گی اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی  
کفر و شرک یا ظلم و زیادتی کرنے والے قطعاً یہ خیال نہ کریں کہ وہ کسی طرح  
اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے، بلکہ انہیں ان کے لیے کا مکمل

بدلہ ملے گا۔ اس سے یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں جو حصہ مقرر ہے، وہ پورا پورا دیا جائے گا۔ دنیا میں ہر نیک بھلا کے لیے اللہ کے علم کے مطابق ایک ایک حصہ مقرر ہے جو لازماً ہر ایک کو ملے گا۔ اس دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے صحت، زندگی، مال، اولاد، راحت جو کچھ بھی لوازمات زندگی کے طور پر مقرر کیا ہے، وہ سب کچھ مل کر رہے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جب یہ مقررہ حصے مکمل ہو جائیں گے تو پھر سزا کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔ گویا اپنا پورا حصہ حاصل کر لینے کے بعد اگلی منزل آئیگی۔

---

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْلَا  
 كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَ  
 أَنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝۱۱۰ وَإِنْ كَلَّا لَمَّا  
 لَيُوفِينَهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ  
 خَبِيرٌ ۝۱۱۱ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ  
 مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱۲

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو  
 کتاب ۔ پھر اختلاف کیا گیا اُس میں ۔ اور اگر نہ ہوتی ایک  
 بات جو پہلے ہو چکی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے تو  
 البتہ فیصلہ کر دیا جاتا اُن کے درمیان ، اور بیشک وہ لوگ  
 اس کی طرف سے تردد انگیز شک میں ہیں ۝۱۱۰ اور بیشک  
 سب کے سب البتہ پورا پورا دے گا ان کو تیرا پروردگار  
 اُن کے اعمال کا صلہ ۔ بیشک وہ جو کچھ  
 بھی یہ عمل کرتے ہیں اس کی پوری طرح خبر رکھنے والا ہے ۝۱۱۱  
 پس آپ سیدھے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور  
 وہ لوگ بھی جنہوں نے توبہ کی آپ کے پاس اور حد سے  
 آگے نہ بڑھو ۔ بیشک وہ جو کچھ بھی تم کام کہتے ہو ، اس کو



پہلے اللہ نے مختلف نافرمان قوموں کا ذکر کیا کہ اللہ کے نبیوں نے انہیں کس طرح تبلیغ کی، پھر اس نافرمانی کی بدولت ان اقوم پر ہونے والے مواخذہ کا ذکر کیا۔ اس دنیا میں دی گئی سزا کے علاوہ جو سزا ان کو آخرت میں ملنے والی ہے اس کا بھی تذکرہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کفر اور شرک کی تردید کی اور واضح کیا کہ کافر اور مشرک اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے عقیدے اور عمل کا صلہ ملے گا اور اس ضمن میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

نزل  
تورات

اسی یقین کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی۔ یہ عظیم الشان کتاب تورات ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ تمام کتب سماویہ اور صحائف میں سے قرآن پاک کے بعد سب سے جامع کتاب تورات تھی۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے تاریخ انبیاء کے علاوہ نظام خلافت اور دیگر اجتماعی معاملات سے متعلق قوانین نازل فرمائے تھے جس کو بعد میں یہودیوں نے بگاڑ دیا۔ آج کل جو کتاب بائبل کے نام سے موجود ہے اس میں کل انٹالیس ۲ صحیفے ہیں جن میں سے پہلے پانچ باب یا صحیفے تورات کا حصہ ہیں اور آخر میں عمدہ عتیق کے نام سے چار انجیلوں کو کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے، انجیل بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ایک ہی کتاب تھی مگر عیسائیوں نے اس میں بھی گڑبڑ کر کے اسے چار حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

بہر حال تورات کا معنی ہی قانون ہے۔ یہ عبرانی یا سریانی زبان میں نازل ہوئی تھی۔ اب یہ اصل زبان میں تو کہیں بھی موجود نہیں، البتہ اس کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں میسر ہیں۔ جب فرعون اور اس کا لاؤشکر

بحر قلزم میں غرق ہو گیا تو بنی اسرائیل اُن کے نشکجے سے آزاد ہو گئے، تاہم وہ مصر واپس جانے کے بجائے صحرائے سینا میں ہی سرگرداں پھرتے رہے اس دوران انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ پہلے تو ہم فرعون کی غلامی میں تھے اور اس کے خود ساختہ قانون کے پابند تھے، مگر اب جب کہ ہم آزاد ہو چکے ہیں تو زندگی گزارنے کے لیے ہمارے پاس کوئی قانون ہونا چاہیے بنی اسرائیل کی اس فرمائش پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں درخواست پیش کی تو حکم ہوا کہ کوہ طور پر چلے جاؤ، وہاں پر اعتکاف بیٹھو اور روزے رکھو تو تمہیں مطلوبہ کتاب دی جائیگی تو یہ تورات وہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی۔

اختلاف  
فی الکتاب

فرمایا بنی اسرائیل کہ کتاب تو مل گئی فَاخْتَلَفَ فِيْہَا مِمَّا اس میں اختلاف کیا گیا۔ حق تو یہ تھا کہ جس کتاب کو بنی اسرائیل نے خود طلب کیا تھا، اُن پر عمل کرتے تاکہ اُن کو فلاح نصیب ہوتی، مگر انہوں نے اس کے احکام میں اختلافات پیدا کر دیے۔ کسی نے کسی حکم کو یاں لیا مگر دوسرے نے انکار کر دیا۔ کسی نے غلط تاویلیں شروع کر دیں اور بعض نے بعض احکام کو بالکل ٹھکرا دیا۔ بعض لوگوں نے احکام الہی کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی اور بعض نے انہیں بالکل ہی بگاڑ دیا اور اس طرح یہ مقدس کتاب اختلاف کا شکار ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں جڑے بندی شروع ہو گئی اور ایسے بہت سے فرقے وجود میں آ گئے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج قرآن پاک جیسی مقدس و مطہر الشریٰ کی آخری کتاب کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں سیودلیوں کی طرح مسلمانوں میں بہت سے فرقے معرض وجود میں آ چکے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا اِفْتَرَقَتْ بَنِي اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی ثَلٰثَیْنِ









لَيُؤَقِّدُنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَا كُتِبَ لَهُمُ الْبَتَّةَ يُؤَدُّوا لَكُمْ دِيَارًا يُدْرِكُونَ دِيَارًا  
 اُن کے اعمال کا صلہ۔ صاحب کثافات کہتے ہیں کہ یہاں پر کُتِبَ  
 کی تین مضاف الیہ کے غرض میں آئی ہے اور مطلب ہے وَ  
 اِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ يَشْكُ وَهُوَ سَبَّحَ سَبَّحَ فَرَمَاتے ہیں کہ  
 پوری قرأت یوں ہے وَ اِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ يَشْكُ اِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ يَشْكُ  
 سب جیب دوبارہ اٹھائے جائیں گے، تو ضروری بات ہے کہ ان  
 کا پورا در دگار ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیگا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ  
 كَيْفَ مَكُونُكُمْ يَشْكُ يَشْكُ وَ اِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ يَشْكُ اِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ يَشْكُ  
 رکھتا ہے۔ اُس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے، ذرہ ذرہ اُس کے  
 علم میں ہے وہ ہر ایک کے ارادے اور نیت کو جانتا ہے، لہذا  
 ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیگا۔

جزائے عمل اس دنیا میں نہیں بلکہ اگلے جان میں ہے، لہذا یہ خیال  
 نہیں کرنا چاہئے کہ مجرموں کو فوری طور پر سزا کیوں نہیں دی جاتی اُس کا قانون  
 یہ ہے کہ جب جزائے عمل کا وقت آئے گا تو پھر وہ پورا پورا انصاف  
 کرے گا۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی بیان فرمادی  
 ہے اور حضور علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی بھی دی ہے کہ وہ  
 گھبراہٹیں نہیں، بلکہ اپنا مشن جاری رکھیں آگے جزائے عمل کا وقت  
 آنے والا ہے جب سب کو پورا پورا صلہ ملے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ایک بڑا سخت حکم نازل فرمایا  
 ہے۔ ارشاد ہے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ اِنْ تَصْبِرْ اَوْ يَتَّبِعْ  
 سیدھے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ وَ هُمْ تَاكُفُّوا  
 اور جن لوگوں نے توبہ کی ہے آپ کے ساتھ، یعنی کفر، شرک اور  
 گندے عقیدے سے تائب ہو گئے ہیں اور ایمان اور توحید میں آپ

استقامت  
 کا حکم



کے ہمسفر ہیں، اُن کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ استقامت پر رہیں استقامت بہت بڑی بات ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان شک اور تردد میں نہ پڑے بلکہ اپنے ایمان پر پختہ ہے، مگر حالت یہ ہے کہ اکثر لوگ استقامت سے محروم ہوتے ہیں۔ بزرگانِ دین کا قول ہے اَطْلُبُوا الْإِسْتِقَامَةَ وَلَا تَطْلُبُوا الْكَرَامَةَ یعنی استقامت تلاش کرو، کرامت کے پیچھے نہ پڑو۔ بعض لوگ کرامات کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کہیں نظر آئے تو صاحبِ کرامت کو ولی اللہ تسلیم کر لیں۔ فسر مایا کرامت سے بلند تر چیز استقامت ہے، اسے اختیار کرو۔ شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ استقامت کا معنی درست راستے پر ٹھیک ٹھیک قائم رہنا ہے۔

صحابی رسول حضرت سفیان ابن عبد اللہ ثقفیؓ نے ایک دفعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا قُلْ لِّحُفَا فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ أَحَدًا بَعْدَكَ حَضْرًا كَيْفَ اسْلَامَ کے بارے میں کوئی ایسی بات بتلا دیں کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے حضور علیہ السلام نے فرمایا قُلْ أَهَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ عَلَيْهَا کہو میں اللہ پر ایمان لایا، اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا اور پھر اس پر مستقیم رہو یعنی جم جاؤ۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد تمام مقتضیاتِ ایمان پر قائم رہو اور ان میں کسی قسم کا خلل نہیں آنا چاہیے۔

امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے استقامت عقیدے میں ہونی چاہیے۔ اور عقیدے میں توحید کو اولیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر پختہ عقیدہ ہو، اور اس کے خلاف تمام عقائد خواہ وہ شریک ہوں یا تشبیہ والے یا جبر والے، سب باطل ہیں

عقیدے کی پختگی



بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان خود مختار ہے اور اس پر کسی طاقت کا کنٹرول نہیں ہے۔ یہ بھی گمراہی والا عقیدہ ہے۔ بعض لوگ صفات الہی کا انکار کر دیتے ہیں اور بعض اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گڑبڑ کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں استقامت سے دوری کی علامت ہیں۔ استقامت یہ ہے کہ کہ عقیدہ بالکل پاک اور صاف ہو، اس میں کسی باطل چیز کو دخل نہیں ہونا چاہیے عبادت میں بھی استقامت پیدا کرنی چاہیے، ایسا نہیں ہے کہ کبھی کوئی عبادت کر لی اور کبھی چھوڑ دی بلکہ عبادت خواہ فرض ہو یا واجب سنت ہو یا مستحب، اس پر مداومت ہونی چاہیے اور یہ بات استقامت میں داخل ہے۔

اعمال میں  
استقامت

تمام اعمال اور معاملات میں بھی استقامت ضروری ہے۔ انسان حلال و حرام میں استقامت اختیار کرے اور حقوق میں بھی ثابت قدم ہے۔ حق خواہ انسان کا اپنا ہو، خدا تعالیٰ کا ہو یا بنی نوع انسان کا، اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ حتیٰ کہ شریعت میں جانوروں کے حقوق بھی متعین ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ معاشرے کے کمزوروں، بیماروں، محتاجوں، مسافروں، یتیموں اور اقرباء کے حقوق کو ادا کرنا استقامت میں داخل ہے۔ جو شخص دوسرے کے حقوق ادا نہیں کرتا وہ استقامت سے دور ہے۔ زندگی کے باقی معاملات مثلاً سیاست میں بھی استقامت یعنی اعتدال کی ضرورت ہے، یہودیوں، دہریوں اور کمیونسٹوں جیسی سیاست اختیار نہ کرو، ہمیشہ ایمان اور اسلام کی سیاست اختیار کرو جو کہ اللہ کے نبیوں یا خلفائے راشدین کا طریقہ ہے۔ ملکی آئین اور قانون میں استقامت کی ضرورت ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوگی جب دین کے بتائے ہوئے قوانین اختیار کرو گے۔ اگر مانگے مانگے کے غیر اسلامی قوانین اختیار کرو گے تو استقامت حاصل نہیں ہو سکے گی۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور بعض دیگر صحابہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور! کیا بات ہے آپ کے بال سفید ہوئے ہیں اور بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوئے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا شَيْبَتِي سُورَةُ الْهُودِ یعنی سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ بعض روایات میں سورۃ واقعہ، سورۃ تکوین سورۃ نبا اور سورۃ مرسلات کا ذکر بھی آتا ہے کہ ان سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سورتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لیکر بہت سی نافرمان قوموں کا ذکر ہے اور ان پر اسی دنیا میں آنے والی نذر کا بیان ہے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں جو انجام ہونے والا ہے، اس کا بھی اشارۃً ذکر کر دیا گیا ہے حضور نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میری امت کا حشر بھی سابقہ امم جیسا ہی نہ ہو اور اسی خوف کی وجہ سے مجھ پر بڑھاپا طاری ہو رہا ہے۔

استقامت  
بلور سخت حکم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے بعض بزرگان دین سے یہ بات بھی منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ پر بڑھاپا سورۃ ہود میں آمدہ سخت حکم فَاَسْتَقِمْ کی وجہ سے آیا ہے۔ مجھے ہر وقت ڈر رہتا ہے کہ کہیں استقامت میں فرق نہ آجائے، نبی کی ذات تو اعلیٰ و ارفع ہے، اس کی استقامت میں تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، البتہ امت کے لیے یہ بڑا سخت حکم ہے، اگر استقامت سے اوجھڑا دھر ہو گئے تو گنہگار میں آجانے کا ڈر ہے۔ حضور علیہ السلام اسی فقرہ میں مبتلا رہتے تھے۔

آج کے دور میں استقامت منظور ہو چکی ہے، نہ عقیدے میں پختگی ہے، نہ اعمال میں اور نہ اخلاق میں، زندگی کے کسی شعبہ میں خواہ وہ سیاست کا ہو یا معیشت کا یا دیگر معاملات کا، استقامت نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی، بہر حال اللہ نے حکم دیا کہ جس طرح آپ کو حکم دیا

گیا ہے اس کے مطابق آپ استقامت پر ہیں وَلَا تَطْغَوْا ط  
 اور حد سے آگے نہ بڑھیں معاملہ عقیدے کا ہو یا عمل کا، اخلاقیات  
 ہوں یا حقوق کسی بھی معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کریں بلکہ استقامت  
 یعنی اعتدال کو قائم رکھیں، ورنہ گرفت میں آجائیں گے۔ کیونکہ اِنَّ  
 لِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا تم جو بھی کام کرتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ  
 کی نگاہ میں ہیں۔ اس کے بعد جزائے عمل یقینی بات ہے، لہذا استقامت  
 کو تلاش کرو تاکہ تمہارا ایمان، توحید، اعمال اور اخلاق صحیح سمت میں رہیں۔

---



وما من دآبۃ ۱۲

سورة هود ۱۱

درس بست ہشت ۲۸

آیت ۱۱۳ ۱۱۵

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَمْسَكُوهُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءٍ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكِ ذِكْرَى لِلذَّكِّرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَأَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ:- اور مت جھکو اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا، پس چھوٹے گی تم کو آگ، اور نہیں ہو گا تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ پھر تمہاری (کسی طرف سے بھی) مدد نہیں کی جائے گی ﴿۱۱۳﴾ اور قائم کرو نماز کو دن کے دونوں طرف میں اور رات کی گھڑیوں میں۔ بیشک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے ﴿۱۱۴﴾ اور آپ صبر کریں، بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا ﴿۱۱۵﴾

رابط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر توحید کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر عقائد یعنی رسالت، قیامت، جزائے عمل اور قرآن کی صداقت و حقانیت کا ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک متعدد انبیاء اور اُن کی قوموں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جس میں دعوت الی التوحید کو مرکزی

حیثیت حاصل ہے۔ سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلویا ہے۔ اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ لَوْ كُنْتُمْ عٰبِدُوْا سِوٰىہٗ

اللہ کی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اپنے گناہوں کو بخشاؤ اور خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو۔ یہی بات دوسرے انبیاء نے بھی فرمائی۔ اس کے جواب میں مختلف اقوام کے لوگوں میں جو ردِ عمل پیدا ہوا، اللہ نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ جن لوگوں نے نافرمانی کی، توحید باری تعالیٰ کا انکار کیا، انبیاء کی نبوت اور رسالت کو تسلیم نہ کیا بلکہ ایمان کو تکالیف پہنچاتے رہے، ان کی توبہ نہ کرتے رہے، اللہ نے ان کو اس دنیا میں بھی مختلف قسم کی سزاؤں میں مبتلا کیا اور پھر آخرت کا عذاب تو ان کے لیے دائمی ہو گا۔

تاریخ انبیاء کی آخری کڑی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ دیکھو! آپ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان کتاب عطا فرمائی تاکہ لوگ اس سے ہدایت اور راہنمائی حاصل کریں مگر لوگوں کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا، پاکیزہ عقائد کو بگاڑ کر مختلف فرقے بنالئے۔ اللہ نے فرمایا کہ آگے جن رائے عمل کی منزل آنے والی ہے جب ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملنے والا ہے۔

استقامت  
علی الدین

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا اِنَّا سَتَقِمُہٗ فِیْ دِیْنِہٖ یَسْتَقِیْمُہٗ دِیْنِہٖ اور جن ایمانداروں نے آپ کے ساتھ توبہ کی ہے، وہ بھی دین پرست رہیں اور سرکشی اختیار نہ کریں۔ فلاح و کامیابی کا مرکز ہی اصول استقامت علی الدین ہے یعنی دین پر مضبوطی کے ساتھ جم جانا اور اس ضمن میں کسی قسم کی کمزوری یا بزدلی نہ دکھانا۔ حضور علیہ السلام اس اصول کی خاطر بڑے محکمین بنے تھے کہ میری امت دین پر کس طرح مستقیم رہ سکے گی اہم

راز مٹی فرماتے ہیں کہ دین کے تمام شعبوں میں استقامت کی ضرورت  
 ہے۔ عقیدہ، ایمان، سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات اور عبادت  
 تمام معاملات میں پختگی کی ضرورت ہے حتیٰ کہ وضو بھی سنت میں تباہی  
 گئی تو ترتیب کے مطابق کر دو کیونکہ غیر مرتب وضو کو نہ ممکنہ وہ اور خلاف  
 سنت سمجھا جاتا ہے۔ غرضیکہ تمام امور میں استقامت کی ضرورت ہے  
 اب ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَرْكَبُوا الْحَبْلَ الَّذِي فِيهِ  
 ظلم اور منظم میں کھینچ کر  
 ظلم کیا۔ اگر ایسا کرو گے فَتَمَتَّ كُمُ النَّارُ تَوْقَمُ کو بھی جہنم کی آگ چھو لے  
 گی بمطلب یہ ہے کہ ظالموں کے ساتھ میلان رکھنے کی بھی اجازت نہیں  
 ہے، اللہ نے ظالم کی حمایت کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ فرمایا آگے  
 جب جزائے عمل کی منزل آئے گی وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ  
 میں؟ اُولَئِكَ تَوَلَّوْا الشِّرْكَ سَوَاءً تَبَارَكَ لَكَ كَارِ سَانِ اور مددگار نہیں ہو  
 گا۔ تم سمجھتے ہو کہ اگر دنیا میں کسی کی حمایت کر س گے تو وہ اگلے جہان  
 میں چھڑا لے گا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ کے دربار میں کسی کو بکٹائی  
 کی بھی ہمت نہیں ہوگی۔ ظالم اور مظلوم کی باہمی جنگ ہلہل اور قابیل کے  
 وقت سے چلی آرہی ہے۔ دنیا کا عام مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر رگ مظلوم کی  
 بجائے ظالم کا ساتھ دیتے ہیں جبکہ حسیبہ انسانی معاشرے میں بگاڑ پیدا  
 ہوتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے لَعَنَ اللَّهُ مَنْ  
 اَوَى مُحَدَّثًا جَوْ مَجْرِمٍ کو پناہ دینا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے  
 ظاہر ہے کہ جس شخص پر اللہ لعنت کرے اس کے حالات کیسے دہشت  
 ہو سکتے ہیں اور انسانی معاشرہ کیسے سدھر سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام کا یہ  
 بھی فرمان ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم صحابہؓ  
 نے عرض کیا، حضور! ظالم کی مدد کیسے ہوگی؟ فرمایا اس کو ظلم سے روک



دنیا ہی اُس کی مدد ہے۔ حضور کا یہ بھی ارشاد ہے سَعُونَ الضَّعِيفِ  
وَقَضَى الْمَظْلُومَ یعنی کمزور آدمی کی اعانت کرو اور مظلوم کی مدد کرو۔  
ہمارے دین کا یہ اہم اصول ہے لَا تَظْلِمُوا وَلَا تَظْلَمُوا نہ خود  
کسی پر ظلم کرو اور نہ ظلم کو برداشت کرو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔  
مَنْ مَّشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيهُ وَهُوَ كَيْفَ كُنْهُ  
أَنَّهُ ظَالِمٌ قَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ جو آدمی ظالم  
کی تائید کے لیے چل کر جاتا ہے اور وہ جاتا بھی ہے کہ یہ ظالم ہے  
تو ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ایک موقع پر ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہؓ کی موجودگی میں کہا  
الظالم لا يغير الا نفسه ظالم خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے  
کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ  
تم غلط کہتے ہو بلکہ ظلم کا اثر ہر چیز پر پڑتا ہے حتیٰ کہ درخت اور نبات  
بھی ظلم سے محفوظ نہیں رہتے اور پندے بھی ظلم کی وجہ سے اپنے  
گھرنسوں میں لاغرا ہو کر مرتے ہیں۔ جب کوئی نامہجار آدمی مر جاتا ہے  
تو درخت کہتے ہیں الحمد للہ یہ موزی النان اس دنیا سے چلا  
گیا۔ خود قرآن پاک میں موجود ہے فَقَطَّعَ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ  
ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام) ظالموں  
کی جڑ کاٹ دی گئی اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

یہی ظلم ہے جس کی وجہ سے دنیا بدمنی اور فتنہ و فساد کا گھر بنی  
ہوئی ہے۔ اکثر لوگ سرمایہ داروں، وڈیروں، ڈکٹیٹروں اور جاگیرداروں  
کا ساتھ دیتے ہیں اور مظلوم کی مدد کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ نتیجہ ظالم  
ہے کہ ہر طرف ظلم و جور کا دور دورہ ہے۔

پوری دنیا کی سیاست کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں، ظالم کی ہاں

ظلم کی  
سیاست

میں ہاں ملائی جا رہی ہے مگر مظلوم کا حال پوچھنے والا بھی کوئی نہیں  
افغان عوام کتنے سالوں سے روسی مظالم کی چکی میں پس سبت ہیں۔ مگر  
کوئی پرسان حال نہیں۔ امریکہ اور روس جیسی سپر طاقتوں کے حمایتی تو بیت  
مل جایش گئے مگر مغلوب کے حق میں آواز اٹھانے کی بھی جرأت  
نہیں کی جاتی۔ اگر مارے مسلمان ممالک ہی افغانستان کی حمایت  
میں اٹھ کھڑے ہوتے تو معاملہ طے ہو سکتا تھا مگر یہاں تو ہر طرف  
منافقت کی حکمرانی ہے، زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور  
ہر طرف انسانیت کے ساتھ دھوکہ اور فریب ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ  
نے یہ پاکیزہ اصول تبلا دیا ہے کہ ظالموں کی طرف مت مائل ہو۔  
ظالم کی مدد سے معاشرہ پاک نہیں ہو سکتا۔ اگر دنیا کو امن و چین کا گوارہ بنانا  
چاہتے ہو تو مظلوم کی مدد کرو اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکو، ظلم میں  
کفر، شرک، بدعات اور گناہ ساری چیزیں شامل ہیں۔ ان چیزوں کے  
مرتجبین ظالم ہیں جو کہ جہنم کا نشانہ بنیں گے اور پھر ان کی حمایت کرنے  
والے بھی ان کے ساتھ ہی جائیں گے۔ ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوگا  
ثُمَّ لَا تَنْصُرُوهُ پھر ان کی مدد بھی نہیں کی جائے گی اور ایسے لوگ  
بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ اس قسم کے ظالموں اور ان کے حمایتیوں  
کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ سورۃ قیل میں فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ  
فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ  
کے رب نے ہر حقیروں والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ سورۃ فجر میں  
ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ قوم عاد کے  
ساتھ کیا معاملہ پیش آیا اور اللہ نے انہیں کس طرح ہلاک کیا یہ سب  
کچھ ظلم کی وجہ سے ہوا، لہذا اللہ نے ظالموں کی طرف مت مائل ہونے  
سے منع فرمادیا۔



اقامت  
صلوٰۃ

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے ظلم سے منع فرمایا اور دوسری طرف حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے عام لوگوں سے فرمایا وَاقِمْ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ نماز قائم کر دو دن کے دونوں اطراف میں وَرُكْعًا مِّنَ اللَّيْلِ اور رات کی گھڑیوں میں بھی استقامت علی الدین کے بعد اقامتِ صلوٰۃ دین کا اہم ترین اصول ہے دن کے دونوں اطراف سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں جب کہ رات کی گھڑیوں میں مغرب اور عشا، آتی ہیں۔ بعض مفسرین اسی آیت کو پانچوں نمازوں پر محمول کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ دن کے پہلے کنارے سے پہلا پر مراد ہے اور اس میں فجر کی نماز آتی ہے۔ جب کہ دوسرے کنارے سے کچھلا پر مراد ہے جس میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں آتی ہیں۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ ملتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ سورۃ ہود کی سورۃ ہے جب کہ پانچ نمازوں کی فرضیت معراج کی رات کو ہوئی جو کہ مکی دور کے بالکل آخری حصے کا واقعہ ہے اس لیے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت سے پانچ نمازیں نہیں بلکہ تین مراد ہیں یعنی فجر، عصر اور رات کی نمازیں اور اسلام کے ابتدائی دور میں نمازیں تین ہی تھیں جو کہ بعد میں پانچ کر دی گئیں۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے تعلق باللہ درست ہوتا ہے۔ پانچ وقتہ نماز تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے اگر انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو جائے گا تو ان ظلم سے بچ جائے گا، وہ تمام حقوق ادا کریں گے اور ظلم و زیادتی کا قلع قمع کر دیں گے۔ اس کے برخلاف اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ضائع کیا گیا تو اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم نہیں رہ سکے گا۔



اور ساری باتیں بگڑ جائیں گی، جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے، اس کے لیے  
 دین کی باقی باتوں کو ضائع کرنا آسان ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا قول بھی  
 ہے کہ لوگو! نماز قائم کرو تاکہ تمہارا تعلق باللہ درست رہے۔  
 نماز جیسی عظیم نعمت کے ذکر کے بعد فرمایا اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَّ  
 السَّيِّئَاتِ بِشَبَابٍ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ نماز کے تمام ارکان  
 طہارت، وقت، تلاوت، تسبیح، تہلیل، مناجات، دعا، قیام، رکوع  
 قعود اور سجود وغیرہ نیکیاں ہیں۔ یہ نیکیاں سجالات کے تو برائیاں مٹتی چلی  
 جائیں گی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا کہ  
 کہ اگر تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی لگا دو تاکہ  
 وہ برائی مٹ جائے۔ نیز فرمایا خَالِقِ النَّاسِ بِخُلُقٍ حَسَنٍ لوگوں  
 کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ برائیوں کو مٹانے کا یہ عمدہ  
 نسخہ ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے اپنے ترجمہ قرآن پاک کے  
 حاشیے میں صرف ایک سطر میں کمال درجے کا مضمون باندھا ہے فرماتے  
 ہیں کہ نیکیاں برائیوں کو تین طریقے سے ختم کرتی ہیں حضور علیہ السلام کے  
 فرمان کے مطابق پہلی بات تو یہ ہے کہ جو نیکی کرے گا اس کی برائیاں مٹ جائیں  
 ہوں گی مَا لَكُمْ يَوْمَئِذٍ بِشَرِّكُمْ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب  
 نہ ہو۔ کیونکہ کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا۔ دوسری جگہ فرمایا  
 تَكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ ہم تمہاری برائیوں کو مٹا دیں گے  
 حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کی نماز ادا کرنے  
 والے کی ایک جگہ سے دوسرے جمعہ تک کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے  
 بلکہ تین مزید دنوں کی خطاؤں کی بھی معافی مل جاتی ہے۔ اسی طرح فرمایا  
 کہ اللہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کی غلطیوں کو معاف  
 کر دیتا ہے۔ ایک نماز سے دوسری نماز تک کے گناہ مٹا دیے جاتے

برائی  
 کے بعد  
 نیکی

ہیں۔ انسان جب دھنوکے لیے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جب منہ دھوتا ہے تو منہ کے گناہ معاف اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے چل کر کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ بہر حال فرمایا پہلی بات یہ ہے کہ جب انسان نیکی کرتا ہے اس کی برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور دوسری بات شاہ صاحب نے یہ فرمائی ہے کہ ”جونکیاں اختیار کرے، اُس سے خود برائیوں کی چھوڑے“ اور تیسری بات یہ کہ ”جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو، وہاں ہدایت آئے اور گمراہی مٹے۔ ان تینوں طریقوں سے برائیاں ختم ہوتی ہیں۔ مگر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ برائیاں اُس وقت مٹیں گی جب نیکیوں کا وزن غالب ہوگا۔ کیونکہ جس قدر کپڑے میں میل زیادہ ہوتی ہے۔ اسی قدر صابن کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی نیکیاں ساٹھ فیصد ہیں تو اس کی چالیس فیصد برائیاں مٹ جائیں گی اور اگر برائیوں کا غلبہ ہوگا تو ان کے لیے مٹنا مشکل ہو جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں نیکی کا حکم پیدا ہوگا۔ وہاں برائی مٹے گی، اسی لیے فرمایا کہ بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ فرمایا ذلک ذکری للذکرین یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے جو شخص ان نصائح کو قبول کرے گا، نماز ادا کرنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ نیکیوں کے بدلے میں اس کی برائیوں کو مٹا دے گا۔

آگے حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے پوری امت کو بات سمجھائی گئی ہے وَاَصْبِرْ اَبْ صبر کریں۔ جو بھی نیکی کا کام کرے گا، اسے تکالیف پہنچیں گی، تمام انبیاء اور اللہ کے نیک بندے اس آزمائش سے گزر چکے ہیں اور یہ دین کا زریں اصول ہے کہ سختی کو برداشت کریں۔ صبر ہمارے دین کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ باقی اصول اللہ

صبر کا  
حبر

کا ذکر، توحید، شکر، تعظیم شاعر اللہ وغیرہ ہیں۔ اپنے اپنے مقام پر سب  
چیزیں ضروری ہیں۔ تو فرمایا آپ صبر کریں کیونکہ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ  
أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع  
نہیں کرتا۔ اگر دین پر استقامت اختیار کرو گے، مظلوم کی حمایت کرو  
گے تو اس نیکی کا اجر ضرور ملیگا۔ جب اللہ اور اس کے رسول کے احکام  
کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا تو برائی کا جذبہ مضمحل ہو جائے گا۔ یہی نیکی ہے،  
جس کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔

---



فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ  
يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ  
اتَّبَعْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ  
وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ (۱۱۶) وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى  
بِظُلْمٍ وَأَهْلِهَا مُصْلِحُونَ ۝ (۱۱۷) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ  
لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ (۱۱۸)  
إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ  
رَبِّكَ لَا مَلَكُوتَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (۱۱۹)

ترجمہ :- پس کیوں نہیں ہوئے اُن قوموں میں سے جو تم سے پہلے

گزری ہیں، صاحب عقل و خرد، جو منع کرتے زمین میں فساد سے

مگر بہت تھوڑے اُن میں سے جن کو ہم نے نجات دی۔ اور

پیچھے پڑے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا اس چیز کے جس کو تمہاری میں

ڈالے گئے تھے وہ اور وہ گنہگار تھے ۝ (۱۱۶) اور نہیں ہے تیرا پروردگار

کہ ہلک کرے بستیوں کو ظلم کی وجہ سے جب کہ وہاں کے

سب نے اعلیٰ اصلاح کرنے والے ہوں ۝ (۱۱۷) اور اگر چاہے تیرا پروردگار

تو البتہ کر دے ان لوگوں کو ایک ہی امت، اور ہمیشہ رہیں گے یہ اختلاف

کرنیوالے ۝ (۱۱۸) مگر وہ کہ جس پر تیرے پروردگار نے رحم کیا، اور اسی واسطے

انکو پیدا کیا ہے۔ اور پورا ہو گیا کلمہ تیرے رب کا کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم

کو جنوں اور انسانوں سب سے ۝ (۱۱۹)

بط آیات

حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے  
بعض انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام  
اور آپ کے ماننے والوں کو تسلی بھی دی ہے۔ پہلے امتقاامت علی الدین  
کا مطالبہ کیا، ظلم اور تعدی سے بچنے کا حکم دیا اور تعلق باللہ کی استواری  
کی ترغیب دی۔ کمنا تب اور مشکلات کو برداشت کرنے اور صبر کا دامن  
مٹھانے سے پہلے کی تعلیم کی۔ سابقہ امتوں کا حال بیان کر کے اللہ تعالیٰ  
نے آخری امت کو بات سمجھانی ہے کہ ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر  
پر کار بند رہیں۔ دین اور ایمان کے مقتضیات کو قائم رکھیں۔ کفر و شرک  
نافرمانی، ظلم اور تعدی سے بچتے رہیں۔

فاد فی الارض  
کی ممانعت

اب ارشاد ہوتا ہے فَكَوْنُوا لَكُمْ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ  
قَبْلِكُمْ مِیْ كِیوں نہ ہوئے اُن قوموں میں سے جو تم سے پہلے گزے  
ہیں اُولُوا بَقِیَّةٍ مَّاحِبٍ عَقْلٍ وَ حُرِّدَ لَوْ كَ یَنْهَوْنَ عَنِ  
الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ جو منع کرتے زمین میں فساد کرنے سے۔ إِلَّا  
قَلِيلًا مِّمَّنْ أَجْبَيْنَا مِنْهُمْ مِگر ان میں سے بہت متوڑے  
ہیں جو فساد سے منع نہ کرتے ہیں (جنہیں ہم نے نجات دی۔ یہاں پر قرن  
کا لفظ استعمال ہوا ہے جو قرن کی جمع ہے۔ اور اس کا معنی جماعت،  
شکست، نسل، قوم، طبقہ، صدی یا دور ہوتا ہے۔ اس مقام پر ان تمام  
معانی کا اطلاق ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے سابقہ اقوام اور ادوار میں  
جیسا کہ فساد سے روکنے والے بہت کم لوگ ہوئے ہیں۔  
اُولُوا بَقِیَّةٍ سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر فساد سے روکنے کی  
ذمہ داری عاید ہوتی ہے یعنی صاحب عقل، سمجھدار، سوچ بچار کرنے  
والے اصحاب الرائے لوگ، لوگوں کو فاد فی الارض سے منع کرنا ان  
لوگوں کا کام ہے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے بہت متوڑے

لوگ ہی ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے فساد کو ختم کرنے کی کوشش کی مگر نہ اکثر و بیشتر لوگ فتنہ و فساد کے حمایتی ہی رہے ہیں اور انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس میں دراصل امت مسلمہ کے لیے تسلی کا پہلو ہے کہ اگر لوگوں کی اکثریت کفر و شرک کا ارتکاب کرتی ہے ظلم و تعدی کی مرتکب ہوتی ہے یا معاصی میں غرق ہے تو تمہیں اس سے گھبرانا نہیں چاہیے تم سے پہلے بھی ایسا ہی ہوا رہا ہے۔ البتہ ان حالات میں کرنے کا کام یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جائے۔ لوگوں کو فساد کرنے سے روکا جائے۔ دنیا میں سب سے بڑا فساد کفر، شرک اور ظلم و تعدی ہے۔ اصحاب عقل و ضرر اور اصحاب جاہ و اقتدار کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو ہر قسم کے فساد سے روکیں۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو سب پر ذرا کا قہر نازل ہوگا جس کے نتیجے میں تمہاری اور مبادی آئے گی۔ اللہ کے نبی اور ان کے پیروکار تو طری تعدد میں ہونے کے باوجود اس کام کو انجام دیتے رہے ہیں اور وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نجات دی اور باقی سب کو ہلاک کیا۔

متبع دنیا  
میں غربت

فرمایا فاد فی الارض کو مٹانے والے تو مقہور سے لوگ رہتے ہیں اور ان کی اکثریت نے کیا کیا؟ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أَتَوْا فِيهِ ظَالِمٌ لَّكَؤُنْ نے اس خوشحالی کا اتباع کیا جس میں ان کو ڈالا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں آسودگی، آرام طلبی، خوشحالی عطا کی تھی، چنانچہ یہ لوگ اپنی چیزوں کے پیچھے گئے بے ظلم و فساد کو مٹانے کی کوشش نہ کی، اپنی عیاشی میں منہمک رہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا وَكَاؤُنَا مَجْجُومِينَ اور وہ کہہ گئے اور مجرم تھے۔ یہ لوگ حق کو قبول کرنے کی بجائے شرکیہ اور کفریہ رسومات کے پیچھے چلتے رہے، بدعات کو رواج دیتے رہے اور دنیا کا سامان عیش و راحت ہی اکٹھا کرتے رہے



انہوں نے فساد کرنے والوں کو منع تک نہ کیا۔ سورۃ النعام میں مکے کے مشرکین کا بھی یہی حال اللہ نے بیان فرمایا ہے **وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ** وہ لوگوں کو قرآن پاک سے روکتے تھے اور خود بھی اس سے دور رہتے تھے۔ اس طرح وہ فساد فی الارض کی حمایت کرتے تھے۔ تو امتِ آخر الزمان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی سابقہ اقوام کی طرح نہ ہو جانا بلکہ خود بھی صحیح راستے پر چلنا اور دوسرے غلط راستے پر چلنے والوں کو بھی منع کرنا کہ وہ زمین میں فساد کے مرتکب نہ ہوں۔

سورۃ بقرہ میں منافقوں کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے **وَإِنَّا فِتْنُلَهُمْ لَنَسْأَلَهُمْ فِي الْأَرْضِ** جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو **وَقَالُوا لَا بَلَاءَ لَنَا** ہم مصلحت مند ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اس کی تفسیر میں امام بیضاویؒ نے فساد فی الارض کی تعریف میں لکھا ہے **الْوَحْلَالُ بِالشَّرَائِعِ الْإِلَهِيَّةِ** یعنی اللہ کی نازل کردہ شریعت میں غلط ڈالنا اور اس کی خلاف ورزی کرنا فساد فی الارض ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے زمین میں اصلاح ہوتی ہے اور شریعت کے خلاف کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں **پاکیزہ عقیدے، پاکیزہ عمل، خدا کے سامنے عاجزی اور عدل و انصاف کے قیام سے انسان کا مزاج درست رہتا ہے اور وہ فرشتوں کے مزاج سے ساقط ہوتا ہے مگر جب انسان میں عقیدے کی سنجاست آجاتی ہے اخلاق اور عمل کی سنجاست پیدا ہو جاتی ہے۔ عاجزی کی بجائے غرور، انسان کی بجائے غرور، کھسورٹ اور عدل کی جگہ ظلم سے ایسا**

فساد کے  
اثرات



ناکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ اب آگے تسلی کا مضمون آ رہا ہے کہ تمام  
 کے تمام لوگ ایک راستے پر کبھی نہیں ہے۔ لہذا اختلاف سے دل  
 شکستہ نہیں ہونا چاہیے۔ وَكُونُوا عَلَىٰ رِجَالٍ مَّنْ جَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً  
وَّاحِدَةً اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت  
 یعنی ایک ہی ایمان کے راستے پر ڈال دیتا اور کوئی شخص بھی شرائع الیہ  
 کی خلاف ورزی نہ کرتا۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے عین اختیار میں ہے  
 مگر اس کے قانون کے خلاف ہے۔ وہ کسی کو زبردستی کوئی بات  
 نہیں منوانا چاہتا۔ اُس نے ایک حد تک انسان کو عقل و شعور اور  
 اختیار دیا ہے کہ وہ اچھے اور بُرے راستے میں سے جو چاہے اختیار  
 کرے اور ساتھ حکم بھی دیا کہ ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کرے اور کفر و  
 شرک اور معاصی سے بچ جائے۔ تم جو بھی طریقہ اختیار کرو گے اسی کے  
 مطابق بدلہ پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے لَا إِكْرَاهَ  
فِي الدِّينِ (البقرة) یعنی دین میں جبر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو  
 ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اُسے موقع دیتا ہے۔ اور پھر  
 ایمان اُسی کا معتبر ہوگا جو اپنی مرضی سے اسے قبول کریگا۔ اُس نے ہدایت  
 اور گمراہی کا راستہ واضح کر دیا ہے، اس کے لیے انبیاءؑ کو بعوث فرمایا  
 ہے اور کتابیں نازل کی ہیں اور فرمایا فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ  
شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکہف) جس کا جی چاہے ایمان مستبرل کرے  
 اور جس کا جی چاہے انکار کر دے، یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے حدیث  
 شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور فرمایا، تیری وجہ  
 سے ہی میں مؤاخذہ کروں گا اور تیری وجہ سے ہی عطا کروں گا۔ اللہ  
 نے جس کو عقل عطا نہیں کی اُس کا مؤاخذہ بھی نہیں ہے۔ جب تک بچہ  
 سن شعور کو نہیں پہنچتا وہ مکلف نہیں ہوتا، پاگل اور دیوانے بھی ای



یہ غیر مشکل ہے کہ وہ بتلا دے خالی ہیں۔ اللہ نے عقل پرست بڑا جوہر  
 عطا کیا ہے، اس کے ساتھ جملہ سامانِ ہدایت عطا کیے ہیں۔ انبیاء و نبوت  
 فرمائے، کتابیں نازل کیں۔ جو اس ظاہرہ اور بالذات عطا کر کے کھلا چھوڑ دیا  
 کہ جس کا جی چاہے اطاعت اختیار اور جس کا جی چاہے کفر کا انتخاب  
 کرے۔ اگر نیکی کو اپنائے گا تو اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور اگر کفر اور شرک  
 کا راستہ اختیار کرے گا، تو گرفت میں آئے گا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ ہے  
 "وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَالزُّمْرَ" اللہ اپنے بندوں سے کفر  
 کو پسند نہیں کرتے۔ وہ ظالموں کو ایسے بندہ میں ڈالے گا احاطہ بہم  
 سوا و قہا (الکہف) جسے آگ کی قاتیں گھیرے ہوں گی۔

فرمایا: وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ  
 لوگ برابر اختلاف کرنے لگے ہوں گے، ہاں جس پر خدا تعالیٰ کی مہربانی  
 ہوگی وہ کفر و شرک کے اختلاف سے بچ جائے گا۔ رحمت الہی اُس  
 شخص کی طرف متوجہ ہوتی ہے جو عناد اور ضد نہیں کرتا۔ ہر چیز کا ظاہری  
 اور باطنی سبب ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے جو  
 اس کا قائل ہو۔ مَن لَا يَرْحَمِ النَّاسُ لَا يَرْحَمُهُ  
 اللہ۔ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اُس پر رحم نہیں  
 کرتا۔ لہذا عبادی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوتے ہیں۔  
 وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی واسطے پیدا کیا ہے۔  
 ذلک کا مرجع اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور رحم بھی۔ اگر اختلاف  
 مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو مجبور پیدا  
 نہیں کیا اُس نے تو انسان کو تمام صلاحیتیں اور راہنمائی کے تمام ذرائع  
 مہیا کر دیے ہیں اس کے باوجود اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو کوئی ہے  
 اُسے آگے چل کر اس کا نتیجہ بھی عکس پڑے گا۔ اور اگر شعیق النانی

کو رحم کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کی تخلیق اُس پر رحم کرنے کے لیے کی تھی، مگر یہ خود اپنے خالق اور مالک کی حکم عدولی کر کے سزا کا مستحق بنتا ہے۔ قرآن پاک میں انسانی تخلیق کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذریعہ) یعنی انسانوں اور جنوں کو محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اگر انسان مقصد تخلیق کو بھول کر تے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بیخاطر طریقے سے عبادت کرے گا تو لازماً وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بنے گا، اسی لیے فرمایا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اس پر مبنی کر ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تو لوگوں کو رحم کے لیے پیدا کیا تھا مگر انہوں نے برابر اختلاف کیا، اور کھرتے رہیں گے اور پھر ایک دن الیا بھی آئیکا جب کہ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان

جہنم بھر جانے لگی

فیصلہ کرتے گا اس بات میں جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ یہ قیامت کا دن ہوگا جب تمام دن زعمہ امور کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر آگے فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ تِيرَةً بآی کی بات پوری ہو جائے گی وہ وہ یہ ہے کہ لَا مُلْكُ لَكُمْ بَعْدَ هَٰذَا مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے ضرور بھر دوں گا جس نے بغاوت کی اور زمین میں فساد برپا کیا، کفر و شرک کا راستہ پکڑا ظلم و تعدی کو اختیار کیا، اُن سب کو جہنم رسید کروں گا۔ اکثر و بیشتر انسان ہمیشہ اسی بیماری میں مبتلا ہے ہیں اور آج بھی ہیں۔ پوری دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سوا چار ارب انسان کفر و شرک میں ہی مبتلا ہیں۔ کل آبادی کا پانچواں حصہ بھی خدا کی وحدانیت پر قائم نہیں اور پھر جنوں کی آبادی تو انسانوں سے بھی زیادہ ہے۔ آج وہ نظر

نہیں آتے مگر قیامت کو سب پر دے اٹھ جائیں گے اور سب ایک  
 دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے تو ایسے ہی ناہنجاروں کی دھڑ سے  
 اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر  
 دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا حال بیان کر سنے کے بعد فرمایا  
 ہے کہ اس امت محمدیہ کو خیال کرنا چاہیے کہ کہیں وہ بھی اس بیماری  
 کا شکار بن کر جہنم کے مستحق نہ بنیں۔

---



وما من دآیة ۱۲

سورة هود ۱۱

درس ۲۰

آیت ۱۲ تا ۱۳

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ  
فُؤَادَكَ ۖ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ ۚ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى  
لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۲) وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا  
عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ۚ إِنَّا عَمِلُونَ ۝ (۱۳) وَانْتَظِرُوا ۚ إِنَّا  
مُنْتَظِرُونَ ۝ (۱۴) وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَالْيَهُ يُرْجِعُ الْأُمُورَ كُلَّهَا فَاَعْبُدْهُ ۚ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا  
رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (۱۵)

ترجمہ :- اور تمام خبریں جو ہم بیان کرتے ہیں آپ پر  
رسولوں کی خبروں سے جن کے ذریعے ہم آپ کے دل کو ثابت  
رکھتے ہیں۔ اور آیا ہے آپ کے پاس ان (خبروں) میں حق  
اور نصیحت اور یاد دہانی ایمان والوں کے لیے (۱۲) اور آپ  
کچھ دیجئے (اے پیغمبر!) اُن لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے  
(اے لوگو!) تم کام کیے جاؤ اپنی جگہ پر، بیشک ہم بھی کام کرنے  
لے ہیں (۱۳) پس انتظار کرو، بیشک ہم بھی انتظار کرنے  
لے ہیں (۱۴) اور اللہ کے پاس ہی ہے غیبِ آسمانوں  
اور زمین کا۔ اسی کی طرف لوٹایا جائے گا سب معاملہ۔ پس اسی  
کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اور نہیں ہے تمہارا پروردگار  
غافل ان کاموں سے جو تم کرتے ہو (۱۵)

آج کے درس کی پہلی آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کی تسلی کے لیے تسلی کا مضمون ہے جب کہ آخری آیت میں سورۃ کا کتب الباب سے دیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ تنبیہ بھی لی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے واقف ہے اور وہ اپنی کے مطابق بدلہ دیگا۔ اس سورۃ مبارکہ میں گزشتہ انبیاء اور ان کی اقوام کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں، ان واقعات سے انسان جان سکتا ہے کہ سابقہ ائم نے کون کون سے جرائم کا ارتکاب کیا اور پھر انہیں کس قدر ذلت ناک سزا سے دوچار ہونا پڑا۔ اور پھر جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے ان کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح نجات دی۔ ان واقعات سے انسان جان سکتا ہے کہ جو شخص حق پر قائم رہتا ہے وہ بالآخر کامیاب ہوتا ہے اور اس سے اُسے تسلی حاصل ہوتی ہے۔ اور نافرمان لوگوں کے عذاب کے متعلق جان کہ عبرت حاصل ہوتی ہے کہ جو شخص مجبیٰ حق کو تسلیم کرنے سے گریز کرے گا، اللہ کے انبیاء کی مخالفت کرے گا، وہ ضرور ناکام ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَقْصُصْ عَلَيْنَا مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ وہ تمام (خبریں) جو ہم آپ پر بیان کرتے ہیں رسولوں کی خبروں سے مَا نَنْتَبِہُ بِهِ فَعَادَلُکُمْ جن کے ذریعے ہم آپ کے دل کو ثابت کرتے ہیں عربی قاعدہ ہے مطابق یہاں مَعْلَا کے بعد مضاف الیہ نَبِیَّا محذوف، انا جاسے اور مطلب ہوتا ہے کُلُّ نَبِیٍّ مَعْلَا کی تین مضاف الیہ کے قائم مقام ہی آئی ہے۔ یہی تسلی کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ہم نے انبیاء علیہم السلام کے جتنے واقعات بیان کئے ہیں۔

اے پیغمبر! ان میں آپ کے لیے اور آپ کے صحابہ کے لیے تسلی کا سامان ہے۔ ان واقعات سے آپ کو علم ہو جائے گا

کہ اللہ کے پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ایسے ہی واقعات پیش آتے  
 رہے ہیں جیسے آپ کے ساتھ پیش آ رہے ہیں اور یہ کوئی نئی چیز نہیں  
 ہے۔ اللہ کے سارے نبیوں کو ایسے مشکل حالات سے گزرنا پڑا ہے  
 اس طرح دل کو تسلی ہو جاتی ہے کہ تکالیف صرف ہم ہی نہیں آئیں  
 بلکہ پہلے لوگ بھی اس قسم کے مصائب کو برداشت کرتے رہے ہیں  
 لہذا ہمیں بھی تمام مشکلات کو خوش دلی سے برداشت کرنا چاہیے  
 جس کا انجام بالآخر اچھا ہوگا۔

حق کی آہ \_\_\_\_\_ فرمایا سابقہ انبیاء اور رسل کی خبروں کے ذریعے وَجَّاءَ لَكَ فِي  
 هَذِهِ الْحَقِّ آپ کے پاس حق آچکا ہے۔ یہاں ہذہ کا اشارہ  
 اگر خبروں کی طرف ہو تو مطلب ہوگا کہ ان خبروں کے ذریعے آپ  
 کے پاس حق آگیا ہے۔ اور اگر اس کا اشارہ سورۃ میں بیان کردہ  
 واقعات کی طرف ہے تو یہ بھی سچی اور اٹل بات ہے اور اس سے  
 مقصود نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دلانا ہے، تاکہ وہ  
 گھبراہٹیں نہیں بلکہ تبلیغ دین کے مشن کو دل جمعی کے ساتھ آگے بڑھاتے  
 رہیں۔ بہر حال فرمایا کہ ان واقعات کی صورت میں آپ کے پاس حق  
 بات آگئی ہے۔

ان واقعات سے جو دوسری چیز حاصل ہوتی ہے وہ مَوْعِظَةٌ  
 وہ نصیحت کی بات ہے۔ موعظت قرآن پاک کا ایک لقب  
 بھی ہے اور یہ لفظ قرآن پاک میں بکثرت آیا ہے۔ موعظ و نصیحت  
 اجزائے دین میں سے ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے  
 موعظت کی تعریف یوں کی ہے قَهْرُ الْمَدَارِكِ الظَّاهِرَةِ  
 بِأَنْوَارِ الْمَعَارِفِ الْقُدْسِيَّةِ يَعْنِي أَنَّ فِيهَا مِنْ مَوْجُودِ  
 تَارِكِي دَائِرَةِ عُلُومِ وَخَيَالَاتِ كَوْنِ مُقَدَّسٍ عَلِيمٍ أَوْ مَعَارِفِ كَسَاتِ  
 لَمْ يَخِرْ كَثِيرٌ مَلَكٌ

وعظ و  
 نصیحت



مغلوب کرنے کا نام مغفلت ہے۔ اس میں ترغیب اور ترمیم  
دونوں چیزیں آتی ہیں کبھی انسان کو اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی ترغیب  
ہوتی ہے اور کبھی مجبے انجام سے ڈراتا ہے اور اس طرح انسانی  
نفس مغفلت سے متاثر ہوتا ہے۔ وعظ و نصیحت کا مقصد کوئی گانا  
بجانا نہیں ہوتا بلکہ تاریک خیالات کو ذہنوں سے نکال کر وہاں پر  
پاکیزہ خیالات کو عکس دینا ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں وہ پاکیزہ علوم و معارف  
موجود ہیں جن کی وجہ سے انسان کے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، اسی  
لیے قرآن پاک کا ایک اسم مغفلت ہے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ سابقہ  
امم کے واقعات میں تمہارے لیے وعظ و نصیحت کی باتیں بھی ہیں۔

یاد دہانی

فرمایا ان واقعات کے بیان کرنے میں جو تیسری حکمت ہے  
وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ وہ اہل ایمان کے لیے یاد دہانی ہے۔ قرآن  
کریم کا ایک نام تذکرہ بھی ہے إِنَّ هَٰذَا تَذْكِرَةٌ (الدھر)  
انسان بعض چیزیں فراموش کر دیتے ہیں تو قرآن پاک انہیں بار بار یاد  
دلاتا ہے بشرطیکہ انسان کا تعلق قرآن پاک کے ساتھ قائم ہوا جب  
بھی قرآن پاک کی تلاوت کی جائے گی اُسے ضروری باتیں یاد آتی رہیں  
گی۔ جب کوئی شخص غفلت کی وجہ سے بعض باتوں کو فراموش کر دیتا  
ہے تو وہ تلاوت قرآن سے تازہ ہو جاتی ہیں، لہذا فرمایا کہ قرآن مجید میں  
بیان کردہ واقعات مومنوں کے لیے یاد دہانی کا کام بھی دیتے ہیں۔

فرمایا کہ ان تمام حقائق اور شواہد کے باوجود وَقُلْ لِلَّذِينَ  
لَا يُؤْمِنُونَ جو لوگ ایمان نہیں لاتے آپ ان سے کہہ دیں اعْمَلُوا  
عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو إِنَّا عَمَلُوكُمْ  
ہم بھی اپنا کام کرنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاتے  
ہوئے اپنا کام کریں گے۔ اور ہم کفر و شرک پر ڈٹے ہوئے اپنا کام کریں گے۔

خدا کی  
فصل  
و انت

اور پھر وَأَنْتَظِرُوا تم بھی نتیجے کا انتظار کرو وَأَنَا مُنْتَظِرٌ ورت  
ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ پھر پتہ چل جائے گا کہ نتیجہ کس کے  
حق میں نکلتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایمان معرفت اور توحید کا نتیجہ  
اچھا نکلے گا، جب کہ کفر، شرک اور بُرائی کا انجام بُرا ہی ہوگا۔ یہ اُن  
لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو تعصب اور غناد رکھتے ہیں اور اپنی  
ضد اور مٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی حالات میں سورۃ  
الکافرون میں فرمایا ہے لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ یعنی تمہارے  
لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ اس کا حتمی فیصلہ  
اُن کے چل کر ہی ہوگا کہ کون سا دین سچا ہے اور کونسا جھوٹا ہے بہر حال  
اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ وہ نامساعد حالات  
سے گھبراہٹ نہیں بلکہ اپنے مشن کو جاری رکھیں اور جو لوگ انکار پر اصرار کر  
رہے ہیں انہیں اُن کی حالت پر چھوڑ دیں۔

علم غیب

سورۃ ہذا کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورۃ کا خلاصہ  
بیان فرمادیا ہے۔ پہلی بات یہ فرمائی ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضِ اللہ ہی کے پاس ہے غیب آسمانوں اور زمین کا۔ علم الغیب  
والشہادۃ اس محسوس جہان کو کہا جاتا ہے۔ اس جہاں میں بعض چیزیں  
مخلوق کے سامنے ہیں اور بعض اُن کی نظروں سے غائب ہیں۔ یہ  
غیب اور شہادت مخلوق کی نسبت سے ہے وَرُءُ مَا يَعْزُبُ  
عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ (یونس) تیرے پروردگار  
سے تو ذرے کے برابر بھی کوئی چیز غائب نہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰی  
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ وہ تو ہر چیز پر حاضر ہے اور اُسے جانتا ہے۔  
سورۃ ملک میں ہے اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ  
الْخَبِيرُ کیا وہ خدا تعالیٰ ہی کسی چیز کو نہیں جانے گا جس نے خود ہر

چیز پیدا کی ہے۔ جس ذات نے خود غنا صر کو جوڑ کر کائنات کی ہر چیز تخلیق کی ہے۔ علاوہ ان سے کیسے غافل رہ سکتا ہے۔ اور وہ ہے بھی نہایت باریک بین۔ اور خبردار۔ چنانچہ غیب دان صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ اس کے علاوہ ذرے ذرے کا علم رکھنے والی کوئی ذات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے جتنا علم چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے، اور وہ اتنی بات ہی جانتا ہے۔

علم غیب کی نفی میں اللہ کے مقدس پیغمبر بھی شامل ہیں۔ اسی سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے جب اللہ کے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی صورتوں میں آئے تو وہ نہ جان سکے کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ چنانچہ آپ مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے فوراً ایک بجڑا بھرن کر لے آئے مگر مہمانوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ آپ کو حقیقت کا علم اُس وقت ہوا جب مہمانوں نے کہا "لَا تَخَفْ اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكَ قَوْمًا لُّوطًا" اے ابراہیم علیہ السلام! آپ خوف نہ کھائیں، ہم تو اللہ کے فرشتے ہیں جو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ پھر ہی فرشتے مہمانوں کی شکل میں جب لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو قوم کے لوگوں نے آپ کے گھر پر حملہ کر دیا۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ ان لوجوالوں کو ہمارے سر دکر و مگر لوط علیہ السلام اُن کا دفاع کر رہے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ یہ تو اللہ کے فرشتے ہیں اور اس قوم پر عذاب کر دینے کے لیے آئے ہیں۔ بہر حال جب آپ کی تشویش بہت بڑھ گئی تو فرشتے کہنے لگے "يَا لُوطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ" ہم تو تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ان کی طرف عذاب کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں، لہذا آپ اپنی اہل کو لے کر رات کے آخری حصے میں بستی



سے نکل جائیں۔ سورۃ قمر میں آتا ہے کہ فرشتے نے ذرا سا پہ بلا یا فطَمَسْنَا  
 اَعْيُنَهُمْ تَوَّانَ كِيَانِكُمْ لِيَسْأَلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَزَابَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ  
 لے فرمایا فذوقوا عَذَابِي وَتُذِرُ آبِ مِيرے عذاب کا مزا  
 چھو۔ مطلب یہ ہے کہ غیب تو اللہ کے نبی بھی نہیں جانتے چہ جائیکہ  
 یہ صفت فرشتوں، جنات یا اولیاء اللہ میں مانی جاتی۔ جو شخص مخلوق  
 میں غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔  
 اور وہ شرک میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس سورۃ کا مرکزی  
 مضمون توحید ہے، لہذا یہاں پہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت مختصہ کا ذکر  
 بھی کر دیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا صرف  
 اللہ تعالیٰ ہے۔

اس سورۃ کا دوسرا اہم مضمون معاد ہے۔ اور آگے اس کی طرف  
 اشارہ ہے۔ وَالْيَوْمَ يُجْعَلُ الْأَمْرُ كُلُّهُ لِلَّهِ تَمَام معاملات اسی  
 خدا تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ محاسبے کا عمل واقع ہو کر  
 ہے گا۔ قیامت بپا ہوگی اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو  
 گی۔ سورۃ النازعات میں ہے الْحَبَرُ رَبِّكَ مُتَتَّبِعَةٌ مَا تُبَيِّنُ  
 انہما تیرے پروردگار کی طرف ہی ہونے والی ہے۔ فرمایا جب یہ سب  
 کچھ اٹل ہے فَأَعْبُدْ۔ تو پھر عبادت بھی خالصتہً اسی کی کرو۔ اس  
 کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ سورۃ کی ابتدا میں قرآن پاک کی حقانیت  
 اور صداقت بیان کرنے کے بعد خالص عبادت الہی کا ہی حکم دیا گیا ہے  
 اَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ اے لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔  
 عباد اور تدبیر کے معاملے میں لوگ اللہ کا شریک بناتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں  
 چیزیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں جن انبیاء علیہم السلام  
 کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے بھی اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی

عبادت  
 الہی

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا، اے لوگو! میں تمہاری طرف ڈرنا نے  
والا بن کر آیا ہوں اور میری تعلیم یہ ہے اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ  
کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ پھر مہود علیہ السلام کا بھی اپنی قوم  
کو یہی پیغام تھا اَيُّقُوْمِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِهٖ  
اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو کہ اُس کے بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں  
آگے شعیب اور صالح علیہما السلام نے بھی اپنی قوم کو بالکل یہی تعلیم دی  
اس کے ساتھ ساتھ ان اقوام کی باقی ضرابیوں کا ذکر بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو  
کی قوم میں خلاصہ، وضع فتنی کی بیماری مٹتی۔ قوم شعیب مایہ نول میں نہی  
کرتی تھی۔ قوم عاد غرور و تجر میں مبتلا تھی اور قوم ثمود میں اسراف کی بیماری  
مٹتی۔ ان انبیاء نے ایک تو ان انفرادی بیماریوں کا علاج تجویز کیا، اور  
دوسرے سب کو توحید کی مشترکہ دعوت دی کہ عبادت صرف اللہ کی  
روا ہے، اُس کے علاوہ کسی دوسری ذات کو عبادت میں شریک  
نہ کرو۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے بھی اپنی قوم کو توحید  
ہی کی دعوت دی۔ اور پھر سورۃ کے آخر میں اللہ نے خلاصہ اور پختہ بیان  
کر دیا ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ جس طرح  
اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اُس کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح اُسکی  
صفات مختلفہ میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں۔ غیب بھی اُس کے  
سوا کوئی نہیں جانتا۔ بہر حال آخر سورۃ میں اللہ نے ایمان، توحید، معاد  
قرآن پاک کی صداقت و حقیقت اور انبیاء کی نبوت و رسالت کا مفصل  
بیان کر دیا ہے جس میں اُن کے حالات اور اُن کی تبلیغ کا تذکرہ ہے  
قوم کا جواب اور پھر اُن کا انجام بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

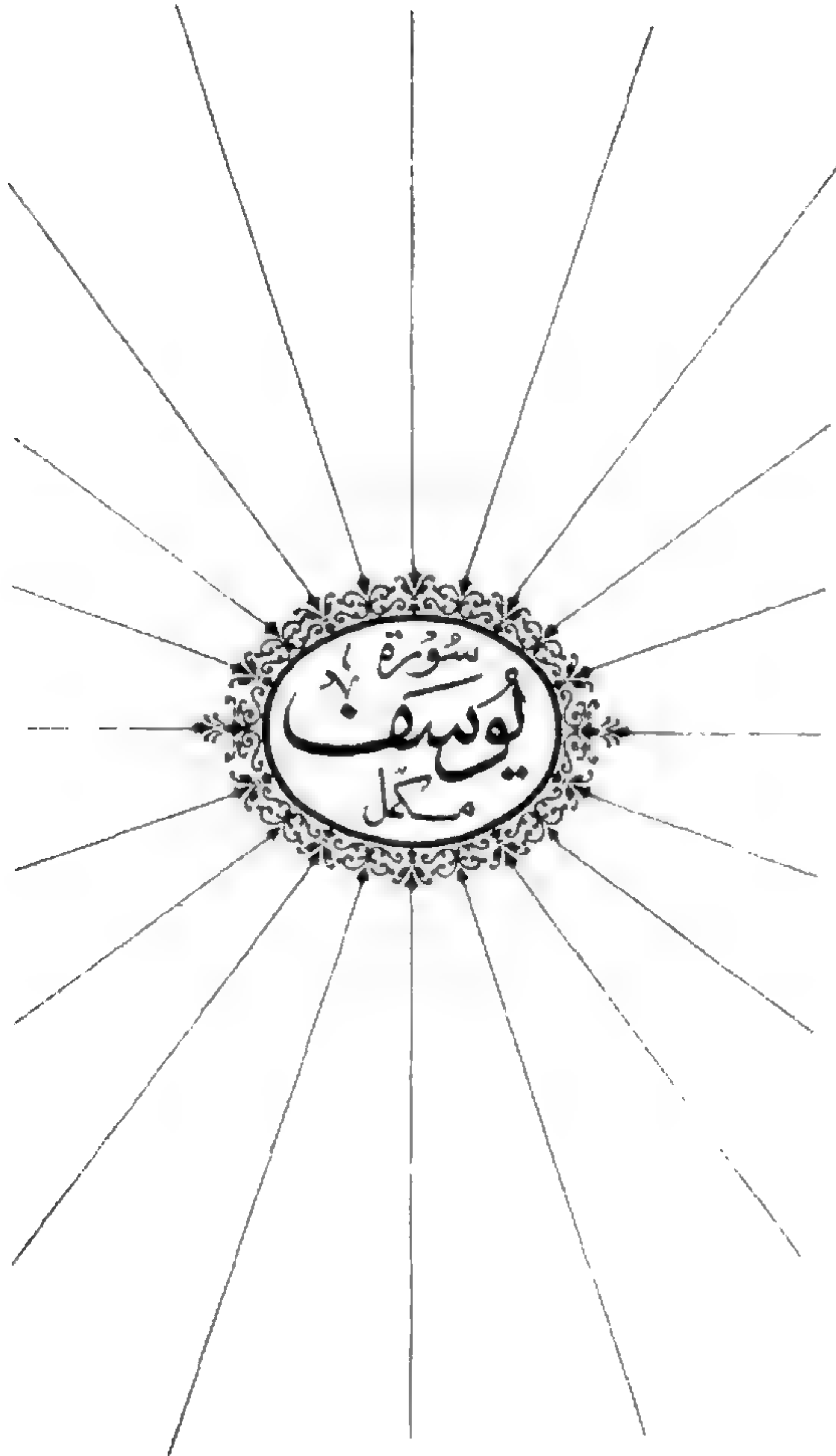
توکل  
علی اللہ

اللہ تعالیٰ نے یہاں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ وہ ہے۔  
وَتَوَكَّلْ۔ نیکہ پھر وہ بھی اللہ پر ہی کر دے، اس کے سوا کوئی ذات

مؤثر نہیں ہے۔ اسباب کو اختیار کرو مگر انہیں مؤثر نہ سمجھو بلکہ صرف خدا کی ذات پر بھروسہ کرو۔ وہ چاہے گا تو اسباب میں اثر پیدا کر دے گا اور نہ ہر چیز دھری کی دھری رہ جائے گی۔ تمام قوت اور تصرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

لہذا ہم دوسرے صرف اسی پر زور۔ اور پھر تنبیہ کے طور پر فرمایا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَدْمَلُونَ تم جو اعمال بھی کرتے ہو اللہ اُن سے غافل نہیں ہے۔ بلکہ سب کچھ اُس کی نگاہ میں ہے تمہاری اعتقادات، خیالات، تمہاری رات اور اعمال سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور آخر میں نتیجہ بھی اپنی کے مطابق نکلے گا۔ جس قسم نے اعتقاد اور اعمال ہوئے گئے، اپنی کے مطابق جزا اور سزا ہوگی۔





وما من دابة ۱۲

سورة يوسف ۱۲

درس اول ۱

آیت ۲۱ ۳

سورة يوسف مكية مائة واحدى عشر آية وفيها اثنا عشر ركوعاً

سورة يوسف مکی ہے اور یہ ایک سو گیارہ آیات اور اس میں بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحیم مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْأَنْتَ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ① إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا  
عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ② نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ  
الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنُ وَإِنْ كُنْتَ  
مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ③

ترجمہ :- اَلَا یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی کتاب

کی ① بیشک ہم نے اُنہی سے اس کو قرآن عربی زبان  
میں ، تاکہ تم سمجھ لو ② ہم بیان کرتے ہیں منجھ پر بہت  
نہی طرح بیان کرنا ، اس واسطے کہ ہم نے وحی کی بہت  
آپ کی طرف اس قرآن کو ، اور بیشک دشان یہ ہے کہ  
تھے آپ اس سے پہلے البتہ ناواقفوں میں سے ③

اس سورة کا نام سورة يوسف ہے ۔ اس پوری سورة میں صرف حضرت  
يوسف عليه السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ، لہذا اس کا نام آپ کے نام پر سورة يوسف  
رکھا گیا ہے ۔ پورے قرآن پاک میں دو سورتیں ایسی ہیں جن میں مکمل طور پر صرف ایک  
ایک نبی کا واقعہ بیان ہوا ہے ایک سورة يوسف ہے اور دوسری سورة نوح ۔  
سورة يوسف مکی دور میں نازل ہوئی ، لہذا مکی سورة کہلاتی ہے ۔ اس کی ایک

نام اور  
کوائف

سوگن ۱۱ آیات اور بارہ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۶۶ ۱۷۷ الفاظ اور ۶۹۹۶۷  
حروف پر مشتمل ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی ذی حقائق توحید، رسالت  
قیامت، قرآن کریم کی حقانیت، انبیاء کی تبلیغ، قوموں کی نافرمانی اور پھر  
اس کے نتیجے میں سزا کا ذکر ہے۔ سابقہ سورۃ ہود کی طرح اس سورۃ میں  
بھی خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات مختصہ کا بیان ہوگا۔ گذشتہ  
سورۃ میں متعدد انبیاء کے واقعات بیان کیے گئے تھے جب کہ اس  
سورۃ میں ایک نبی اور رسول کا ذکر ہے، تاہم قرآن پاک کا اسلوب  
بیان یہ ہے کہ وہ کسی واقعہ کو تاریخی لحاظ سے مکمل طور پر بیان نہیں کرتا  
ہے، بلکہ صرف وہی حصہ بیان کیا جاتا ہے جو سامعین کے لیے  
دنیا و آخرت میں مفید اور باعث عبرت ہو سکتا ہے

سورۃ ہود کی طرح مسئلہ توحید کو اس سورۃ میں بھی مرکزی حیثیت  
عاصل ہے۔ گذشتہ سورۃ میں مختلف انبیاء کے صبر و برداشت کا  
ذکر ہوا تھا۔ جب کہ اس سورۃ میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام  
کے صبر و استقامت کی بات ہوگی۔ آپ کی فضیلت اور کمالات  
کے ذکر کے علاوہ منمنائے بہت سے دیگر مسائل بھی آگئے ہیں، جو  
عقیدے کی اصلاح اور دین و دنیا میں فلاح کے ضامن ہیں

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سورۃ یوسف کا موضوع دراصل حضور  
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے شاندار اور روشن مستقبل کی طرف اشارہ  
ہے۔ یہ سورۃ مکی دور کے آخری حصے میں نازل ہوئی جب کہ حضور  
علیہ السلام کو کفار کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا تھا، آپ  
پریشان تھے مگر اللہ نے یہ سورۃ نازل فرما کر آپ کی کامیابی اور  
مشرکین کی ناکامی کی پیش گوئی فرمادی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا

حضور کا  
مستقبل



ہے "ستر دلبراں گفت آید در مدیث دیگران" یعنی دوسروں کی بات کر کے اپنوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی یہی صفت علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے حضور علیہ السلام کے روشن مستقبل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس طرح کہ صفت علیہ السلام کے بواہر ان بالاخر ناکام ہوئے اور آپ کو بلندی اور کامیابی عطا ہوئی، اسی طرح حضور علیہ السلام کے بھائی بند بھی ذلیل و خاسر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت رفعت عطا فرمائی اور نظام خلافت عمل میں آیا۔

حروف  
مقطعات

اس سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات الکرا سے ہوئی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان حروف میں توالف کا اشارہ اللہ کی طرف ہے۔ ل سے لطافت یا لطیف مراد ہے، اور س کا اشارہ رحیم یا رافت کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور رافت و رحمت کا نمونہ اس سورۃ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ الف کا اشارہ انجلی کی طرف۔ ل سے لواء (جھنڈا) اور س سے رفعت مراد ہے اور اس طرح الکرا سے رفعت و بلندی کا وہ جھنڈا مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ تھمایا تھا۔ البتہ امام شاہ ولی محدث دہلوی ذوقی یعنی الدامی طور پر بیان کرتے ہیں کہ الکرا سے عالم غیب کی وہ مقدس چیزیں مراد ہیں جو اس عالم مادی میں مسلسل آتی جاتی رہتی ہیں اور اس جہان سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ اس سے مقامات انبیاء کی طرف کنایہ ملتا ہے اور انبیاء کا مقام یہ ہے کہ ان کا نافرمان لوگوں کے تزار و فتن سے ہمیشہ تناسل رہتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو رفعت اور کامیابی عطا کرتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں ایک جیسے حالات سے

داسلہ پڑا۔ اے آلاء میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔  
 حروف مقطعات کے بارے میں امام جلال الدین سیوطی اور  
 بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ زیادہ اسلم (سلامتی والی) بات یہ ہے  
 کہ ان حروف کے متعلق یہی اعتقاد رکھا جائے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِ  
 بِذٰلِكَ اَنْ كُنِيَ مَرَادُ اللّٰهِ بِاَنَّ اِسْمَہٗ اور ہمارا اس پر یا ان کے کہ وہ  
 بتی ہے۔ نیز کو جاننا ہمارے لیے ضروری نہیں اور نہ ہی انسان تمام  
 چیزوں کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ بعض پیروں پر بلا دلیل بھی ایمان لانا پڑتا  
 ہے اور حروف مقطعات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ علوم کی سلامتی اسی  
 میں ہے کہ وہ ایسے معادلات میں زیادہ کرید نہ کیا کریں کیونکہ ایسا کرنے سے  
 گمراہی پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ایک شخص  
 ایسی باتوں میں کرید کرتا تھا۔ آپ نے اُس کو بلایا، اُس کے سامنے  
 سورۃ یوسف کی پہلی دو آیات اَلَا قَدْ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ  
 اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْلَمُوْنَ پڑھ کر اُس شخص کو  
 زور سے اُپس کوٹھار مارا۔ آپ نے تین دفعہ ان آیات کی تلاوت کی  
 اور ہر دفعہ ایک ایک کوٹھار مارا۔ اُس شخص نے عرض لیا کہ میرا قصہ تو بتائیں  
 تاکہ میں آئندہ محتاط رہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا  
 ہے کہ تم حروف مقطعات جیسی مخفی چیزوں کے متعلق چچان ہیں کہتے  
 ہو۔ میں تمہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے  
 جو اہل عرب اور اس کے اولین مخاطبین کی مادری زبان ہے۔ اس کے  
 باوجود اس کی جن باتوں کی وضاحت نہیں کی گئی۔ انہیں کریدنے کی  
 کوشش نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا گمراہی کا باعث ہوگا۔

قرآن اور  
عربی زبان

بہر حال اس سورۃ کی ابتدا حروف مقطعات اَلَا قَدْ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ سے ہوئی  
 ہے ارشاد ہوتا ہے اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْلَمُوْنَ  
 اَللّٰهُ جَلَّالِیْنِ ص

ہر کمال کربان دینے والی کتاب کی۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئی ہوئی احکام  
 قوانین۔ نصائح اور دلائل کو قرآن پاک کھول کر بیان کرتا ہے۔ اس کی وجہ  
 بھی خود ہی بادی ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا بِشَيْءٍ مِّمَّا  
 اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم اسے  
 سمجھ سکو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے لیے عربی جیسی زبان کا انتخاب کیا  
 جو تمام زبانوں سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ عربوں سے پہلے قوم عاد اور  
 ثمود کی زبان بھی عربی تھی۔ عربوں کے تین دور تسلیم کیے جاتے ہیں یعنی عرب  
 بادیر، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔ قرآن کی زبان عرب مستعربہ ہے جو  
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بنی جرہم کے ساتھ اختلاط سے پیدا  
 ہوئی۔ یہ زبان ترقی کرتے کرتے حضور علیہ السلام کے زمانہ تک ترقی  
 کے انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ یہ زبان دوسری زبانوں کی نسبت مختصر مگر  
 جامع ہے اور اس کا کلام بھی سائیفک ہے۔ اللہ نے اس زبان  
 کو دوسری زبانوں پر بڑی فوقیت عطا فرمائی ہے۔

مفسر قرآن صاحب روحانی المعانی نے امام بیہقی، طبرانی اور حاکم  
 کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے  
 فرمایا اَحِبُّوْا الْعَرَبَ لِشَلَا ثَلَاثَةٍ عَرَبُوْنَ مِنْ وَجْهِ اَمْتٍ  
 بنیائے جنت کے دو پہلی بات یہ ہے لَا حِفْ عَرَبِيَّةٍ کہ میں خود  
 عرب قوم سے متعلق رکھتا ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہے وَالْقُرْآنُ  
 عَرَبِيٌّ قرآن پاک بھی عربی زبان میں ہے اور تیسری بات یہ کہ وَلِلسَّانِ  
 اَهْلُ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ جنیتوں کی زبان بھی عربی ہوگی۔ اس سے  
 معلوم ہوا کہ اصل قرآن عربی زبان میں ہی ہے۔ اور اگر عربی کے علاوہ  
 قرآن کو کسی دوسری زبان میں منتقل کیا جائے گا تو وہ قرآن نہیں کہلا  
 سکتا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن پاک کو اس کے اولین مخاطبین



کی زبان عربی میں نازل فرمایا تاکہ اس کو اپنی طرح سمجھ سکیں۔ اگر قرآن کسی دوسری زبان میں اہل عرب پر نازل ہوتا تو اسے نہ سمجھ سکتے نہ اعتراض ہو سکتا تھا۔

قرآن کا ترجمہ  
قرآن نہیں

اس سے فقہائے کرام یہ بات بھی اندہ کرتے ہیں کہ قرآن عربی کا کسی دیگر زبان میں ترجمہ قرآن نہیں کہلا سکتا۔ قرآن عربی کے اقوال الفاظ کا نام ہے جو اپنے خاص معانی و مفہوم رکھتے ہیں۔ اللہ نے نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے فَاَقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزل) یعنی جتنا میسر ہو قرآن پاک میں سے پڑھو۔ لہذا نماز جمعی ہوگی جب کوئی شخص قرآن کے عربی الفاظ ادا کرے گا، اگر کوئی شخص محض ترجمہ قرآن پڑھ کر نماز ادا کرے اسے تو نماز ادا نہ ہوگی۔ پروردگار قسم کے بعض گمراہ فرقے اس قسم کا حیلہ کرتے ہیں کہ قرآن عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے ہماری سمجھ سے بالا ہے لہذا اس کا ترجمہ پڑھ لینا ہی کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اصل متن قرآن کو نظر انداز کر کے محض ترجمہ پر اکتفا کیا جائیگا تو قرآن پاک کی وحدت ختم ہو جائیگی۔ ہر کوئی اپنی پسند کا ترجمہ کرے گا اور اس کے پیروکار وہی ترجمہ عام ملاوت کے طور پر اور پھر نماز میں بھی پڑھنے لگیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جس طرح متن کی عدم موجودگی میں محض تراجم کی بنیاد پر احادیث ایک سے ایک سو بیس بن گئی ہیں، اسی طرح قرآن پاک کا ہر ترجمہ ایک علیحدہ قرآن بن جائے گا۔ یہ تو کفر صحت کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ ب۔ اس لیے جب لاہور میں پہلی دفعہ تراجم کمپنی نے قرآن پاک کا ترجمہ بغیر عربی متن کے شائع کیا تو مسیحی اعلیٰ مولانا کفایت اللہ نے اس اشاعت پر حرمت کا فتویٰ لگایا تھا۔ آپ لکھا استدلال یہ تھا کہ اس طرح تو ہر ناشر الگ الگ قرآن شائع کرنے لگے گا اور پھر اس پر بند لگانا مشکل ہو جائے گا۔ سارے تراجم ایک

سے نہیں ہوتے۔ ان میں صحیح بھی ہوتے ہیں اور بعض غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر اصل عربی عبارت ساتھ ہوگی تو ترجمے کی صحت اور اخلاط کا پتہ چل جائے گا۔

بعض لوگوں نے اپنے باطل عقائد کو تراجم قرآن کے ذریعے پھیلانے کی کوشش کی ہے جن میں مولوی احمد رضا خاں بریلوی بھی شامل ہے قادیان اور منہجہ صریح نجد الہدیہ چکڑ الہی نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پرویز نے بھی اپنے غلط مسلک کو ترجمہ قرآن کے ذریعے پیش کیا ہے بغرض یہ قرآن پاک کا ترجمہ قرآن نہیں ہو سکتا، لہذا مانا میں عربی کے علاوہ کوئی قرأت قابل قبول نہیں اور عربی متن کے بغیر قرآن پاک کا ترجمہ شائع کرنا بھی حرام ہے

فرمایا نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ ہم آپ پر اچھی طرح بیان کرتے ہیں۔ قصص کے دو معنی آتے ہیں۔ اگر مصدر کا معنی لیا جائے تو قَصَّ، يَقْصُصُ، قَصَّ اور قَصَصًا کا معنی بیان کرنا ہوتا ہے اور احسن القصص کا معنی عمدہ طریقے سے بیان کرنا ہوگا۔ قصص کا دوسرا معنی واقعہ یا سرگزشت بھی آتا ہے۔ اس لحاظ سے معنی ہوگا کہ ہم آپ پر بہت اچھی سرگزشت بیان کرتے ہیں جھڑ یوسف علیہ السلام کا واقعہ بلاشبہ ایک اچھی سرگزشت بھی ہے۔ اس واقعہ کو احسن القصص اس لیے لیا گیا ہے کہ اس میں بہت سے حقائق اور عجائبات موجود ہیں۔ صاحب روح المعانی نے کئی موٹی موٹی بات بیان کی ہیں۔ مثلاً اس واقعہ سے حاسد اور محمود کا انجام واضح ہوتا ہے۔ مالک اور مملوک کا معاملہ سمجھ میں آتا ہے اور پھر شاہ اور شاہد کا ذکر ہے۔ اس واقعہ میں جس رقیہ نامہ اور الملاق (در لہجہ) کا نام ملے بھی آیا ہے اور قحط سانی اور خوشحالی کا ذکر بھی ہے۔ اسی طرح ذنب و خنوع کی کہانی اور معافی کا نام بھی پیش آیا ہے اور غیر ذراں اور انا کے لحاظ بھی آئے

احسن  
القصص

ہیں۔ اس قصہ میں بیاری اور محنت اور سفر و حضر کے اوقات بھی پیش آئے ہیں۔ اسی واقعہ میں عزت و ذلت اور قضا و قدر کے مسائل بھی منظر آئے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ الْعَبْدُ بِنِهَايَةِ الْخَيْرِ یعنی تمام خوبیوں اور کامیابیوں کی چابی صبر ہے۔ حدیث شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ معاملات کی اصلاح کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرنا عقلندی کی نشانی ہے۔ یہ سب حقائق اور عجائبات اس ایک ہی واقعہ میں مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی توحید، ایمان اور اخلاق پر بھی بحث کی گئی ہے اور انہیں نہایت مؤثر انداز میں سمجھایا گیا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو احسن القمصن کا لقب دیا ہے۔

واقعہ یوسف علیہ السلام  
بطور دلیل  
رسالت

فرمایا ہم آپ پر بڑی اچھی سرگزشتِ شرت بیان کرتے ہیں جو حقائق و صاف پر مشتمل ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَذَا الْقُرْآنُ اس وجہ سے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی طرف وحی کیا ہے۔ یعنی یہ تمام بیان کردہ واقعات نہ تو آپ نے خود کسی تاریخی کتاب میں پڑھے ہیں اور نہ کسی سے سنے ہیں۔ یہ تمام واقعہ یکایک بیان کر دیا آپ کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهُ لَمِنَ الْغَافِلِينَ اس سے پہلے آپ ان حقائق سے بے خبر تھے یہ سب کچھ آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا، اور جس پر وحی نازل ہوتی ہے وہ اللہ کا سچا رسول ہوتا ہے۔ اس سچے واقعہ کی تفصیلات جان لینے کے بعد مخالفین قرآن کو سمجھانا چاہیے تھا کہ حضور علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں جو تمام واقعات من و عن بیان کر رہے ہیں۔ یہاں پر غفلت سے مراد کسی چیز کی لاعلمی یا بے خبری ہے کہ نزولِ وحی سے پہلے آپ کو ان واقعات کا علم نہیں تھا۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم آپ پر ایک نہایت اچھا واقعہ بیان کرتے ہیں۔



وما من دآبۃ ۱۲

سورۃ یوسف ۱۲

درس دوم ۲

آیت ۴ ۵ ۶

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ  
 كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ④  
 قَالَ يَبْنَىٰ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا  
 لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ⑤  
 وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ  
 الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ  
 كَمَا اتَّمَمَهَا عَلَىٰ الْيُوسُفَ مِنْ قَبْلُ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑥

ترجمہ :- (اس واقعہ کو دھیان میں لاؤ) جب کہ یوسف

علیہ السلام نے اپنے والد سے ، اے باپ ! بیشک میں نے خواب

میں دیکھا ہے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند ، میں نے ان

کو دیکھا ہے اپنے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے ④ کہا

انہوں نے اے بیٹے ! مت بیان کرنا اپنے اس خواب کو

اپنے بھائیوں کے آگے ۔ پس وہ تیری ضرر رسائی کے لیے

تدبیر کریں گے ، بیشک شیطان انسان کے لیے کھلا دشمن

ہے ⑤ اور اسی طرح برگزیدہ بنانے کا نتیجہ کہ تیرا پروردگار

اور سکھائے گا تجھ کو تاویل الاحادیث (باتوں کو سمجھانے

کا طریقہ ) اور پورا کرے گا اپنی نعمت کو تجھ پر اور آل

يعتوب پر بھی بیباک اس کو پورا کیا اُس نے تیرے باپ دادوں  
پر اس سے پہلے یعنی ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر۔ بیشک  
تیرا پروردگار جاننے والا اور حکمت والا ہے ⑥

سورۃ نبا کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کا ”بہت کھول کر بیان کمنے  
والی کتاب“ کے طور پر تعارف کرایا۔ پلٹے اولین مخاطبین کی سہولت کے لیے اسے عربی  
زبان میں نازل فرمایا۔ پھر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ ہم آپ پر اس  
قرآن پاک کو اچھے طریقے سے بیان کرتے ہیں یا یہ کہ ہم اچھی سرگزشت بیان کرتے ہیں۔  
کیونکہ یہ قرآن ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور آپ اس سے پہلے بے خبر تھے  
یعنی آپ کو اس کا علم نہیں تھا۔

اس سورۃ مبارکہ میں کئی خاص باتیں بیان ہوئی ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا  
کوئی غیب دان نہیں اور دوسری بات یہ کہ حقیقی کارساز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے  
اس سورۃ کی تیسری اہم بات حضور علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق ہے۔ اللہ کے تمام  
نبیوں نے پہلے پہلے دور میں بڑی تکفینیں برداشت کی ہیں۔ اس سورۃ کو احسن القصص کا  
عقب اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں بہت سے حقائق بیان ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ  
خدا تعالیٰ کی تقدیر کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ جب خدا تعالیٰ کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہاں  
مل کہ بھی ہر قسم کی تدابیر اختیار کرے مگر وہ خدا کے فضل سے محروم نہیں کر سکتے۔ دنیا کے  
تمام مقاصد صبر و استقامت کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں۔ خداوند عبادت خود حامد کے  
لیے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسا عظیم جوہر عطا کیا ہے  
جس سے فائدہ اٹھانا خود انسان کا کام ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ تمام حقائق و حقائق  
اسی ایک سورۃ میں یکجا کر دیے ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ واقعہ یوسف علیہ السلام کو احسن القصص سے عقب  
کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کے افراد کو انسان کے ساتھ کمال درجے

کی مشابہت ہے۔ مثلاً انسانی جسم میں قلب کمال ذہن کا عضو ہے جسے  
نور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تثلیث دی جاتی ہے۔ انسانی جوہر  
روح کی مشابہت حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہے۔ انسانی جوہر نور  
حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیوی راحیل کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور  
انسانی جسم کے تمام قوی اور حواس حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں  
کی مثال ہیں بہر حال اس واقعہ میں بڑے بڑے حقائق اور بنیادی عقائد  
موجود ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ اُنْزِلْ مَعِيَ  
دھیان میں لاؤ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کے کہا۔ یہ یوسف  
علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ہے۔ اُس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ اس  
بارے میں مختلف آراء ہیں تو رات کے بیان کے مطابق اُس وقت  
آپ کی عمر سترہ سال تھی جو کہ قرین قیاس نہیں۔ تو رات کے بہت سے  
بیانات تحریف کی زد میں آکر یہودیوں کی کارگزاری پر فوجہ کناں ہیں  
تاہم عام مفسرین کرام نے خواب آنے کے وقت حضرت یوسف  
علیہ السلام کی عمر مبارک چھ، آٹھ یا دس سال بتائی ہے۔ بہر حال یوسف  
علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا یا اَبَتِیْ اَنۡزِلۡ مَعِیْ  
اَبَا اَنۡتَ رَآیۡتَ مِیۡثَاقَیۡ فِیۡ ہٰذَا یَہُودَیۡا اِنۡہِیۡ لَیَکُنۡ لَّکُمۡ  
عَشْرَ کُوۡکُبَۃٍ وَّ الشَّمۡسُ وَالْقَمَرُ کَیۡلَہٗ سَآءَ مَا تَعۡمَلُوۡنَ  
ہیں رَآیۡتَہُمۡ لٰی سَاجِدِیۡنَ جُوۡمِیۡرَہٗ سَاۡمَیۡنَ سَجِدَہٗ کَہۡہِہٖ ہِیۡ جُوۡدَہٗ  
یہ یوسف علیہ السلام کی کم سنی کا واقعہ تھا، اس لیے باپ نے بیٹے کو نصیحت  
آموز طریقے سے فرمایا قَالَ یٰبَنِیۡ لَا تَقۡصُصْ رُءُۡیَاکَ عَلٰی اٰخَوَتِکَ  
اے بیٹے! اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے ذکر نہ کرنا کیونکہ فیکیدُوا  
لَکَ حَبِیۡدًا وَّہٗ یَحۡبِیۡنَ نَقۡصَانَ پھینچانے کی تدبیر کریں گے۔ باپ اپنے

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب



بیٹوں کی ذہنیت سے واقف تھے۔ انہیں یہ بھی واضح تھا کہ ان کے بیٹے جتنے ماؤں سے ہوں اور ان کی آپس میں رقابت بھی سب سے اسی لیے انہوں نے بھائیوں کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی **إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ** بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اگر تم نے یہ خواب بیان کر دیا، تو وہ تیرے بھائیوں کے دلوں میں برے دوسرے ڈال کر تمہاری رقابت کو مزید تقویت دینے کا باعث ہو گا۔ یا بل کے بیان کے مطابق خواب بیان کرنے پر یعقوب نے یوسف کو ڈانٹ پلائی تھی مگر یہ درست نہیں کیونکہ اگلی آیت میں آپ کی فضیلت اور برگزیدگی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا خاندان

حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔ آپ کی بیوی لیبہ سے آپ کے چھ بیٹے تھے اور باقی تین بیویوں سے دو دو اس طرح آپ کے کل بارہ بیٹے تھے۔ راحیل کے بطن سے یوسف اور بن یامین تھے جب کہ باقی دو بیویوں بلہا اور زلفا سے بھی دو دو فرزند تھے۔ یوسف علیہ السلام اور بن یامین سب بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ بعش فرماتے ہیں کہ جب بن یامین کی پیدائش ہوئی تو ان کی والدہ راحیل وفات پا گئیں۔ بہر حال جب یوسف علیہ السلام نے یہ عجیب و غریب خواب دیکھا تو اس وقت یعقوب علیہ السلام کی صرف ایک ہی بیوی لیبہ موجود تھیں جسے یوسف علیہ السلام کی والدہ راحیل سے سخت رقابت رہی تھی جو اس وقت تک فوت ہو چکی تھی۔ یوسف علیہ السلام بچپن سے ہی بڑے ہونہار دکھائی دیتے تھے اس لیے یعقوب علیہ السلام کو آپ سے پیار بھی بہت زیادہ تھا۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے اللہ تعالیٰ نے نبوت صرف یوسف علیہ السلام

کو ہی خطا فرمائی، بلکہ بعض بیٹے تو سخت گنہگار تھے جنہوں نے یوسف کے ساتھ بڑی زیادتی کی۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو شکل و صورت بھی بہت مال غطا کی تھی۔ واقعہ معراج والی حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے کہ جب میں تیسرے آسمان پر گیا تو یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، فرمایا اِذْ هُوَ اَوْفَى شَطْرَ الْحُسَيْنِ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں سے آدھا حصہ یوسف علیہ السلام کو باقی نصف ساری مخلوق پر تقسیم کیا تھا۔ اس واسطے بھی باپ کی شفقت اور مہربانی یوسف علیہ السلام پر زیادہ تھی۔

خواب کی اقسام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ خواب کی ایک قسم انسان کے طبعی اخلاق پر منحصر ہوتی ہے انسان کے جسم میں جس قسم کے اخلاق ہوتے ہیں اُسی قسم کے اس کو خواب بھی آتے ہیں۔ دوسری قسم کا خواب شیطان کے وسوسوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس سے انسان کو غم اور پریشانی لاحق ہوتی ہے اس کو تحزین الشیطان کہتے ہیں اور تیسرا خواب رحمانی ہوتا ہے اور اللہ کے نبیوں کو آتا ہے۔ رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ وَحْیٌ یعنی نبیوں کا خواب بھی وحی ہوتا ہے وحی کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض اوقات نبی کے قلب کا عالم بالا سے براہ راست تعلق ہوتا ہے اور فرشتہ وہیں پر نبی کے قلب پر القا کر دیتا ہے۔ بعض اوقات فرشتہ کسی ظاہری شکل میں وحی لے کر آتا ہے اور بعض اوقات اللہ کے نبی کو خواب کے ذریعے بتلا دیا جاتا ہے۔ بہر حال دو قسم کے خواب باطل ہیں اور تیسرا برحق ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے لَمْ یَبْقَ مِنْ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ یعنی نبوت کے اوصاف میں سے سچے خوابوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ سچے خواب مبشرات کہلاتے ہیں



اور کبھی یہ خود متعلقہ انسان دیکھتا ہے اور کبھی کوئی دوسرا مومن اس کے حق میں دیکھتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی فرمان ہے اِذَا اقْتَرَبَ الزَّيْمَانُ لَعَنَ يَكْذُوبٌ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِينَ جب قیامت کا زمانہ قریب آجائے گا تو مومن کا خواب سچا ہوگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اقْتَرَبَ الزَّيْمَانُ کا مطلب یہ ہے کہ جب ایسا موسم ہو کہ جس میں دن رات برابر ہوں تو اکثر خواب سچا ہوتا ہے۔ یا صبح کے وقت آنے والا خواب بھی عام طور پر سچا ہوتا ہے۔ باقی خواب کے لیے دن یا رات کی کوئی پابندی سیر دن اور رات میں سے کوئی بھی خواب سچا ہو سکتا ہے۔ مومن کے خواب کے متعلق طبرانی کی روایت میں آتا ہے رُؤْيَا الْمُؤْمِنِينَ كَلَامٌ لِّكَامٍ عَبْدًا غَيَّبَهُ یعنی مومن کا سچا خواب حقیقت میں ایسا کلام ہوتا ہے جو مومن بندہ اپنے رب سے کرتا ہے۔

خواب کی حقیقت

باقی رہی یہ بات کہ شریعت میں خواب کا اعتبار کیا ہے تو فیہی بات یہ ہے کہ خواب کوئی بے حقیقت چیز نہیں بلکہ شریعت میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ انسان کی قوت متخیلہ میں تمام چیزوں کی تصویریں جمع رہتی ہیں۔ جب انسان سو جاتا ہے۔ اور اس کے ظاہری حواس محفل ہو جاتے ہیں تو باطنی حواس کا تعلق عالم مثال یا عالم ملکوت کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ پھر کچے خوابوں کا تعلق عالم بالا سے ہوتا ہے جب کہ تجسّوئے خوابوں کا تعلق اس عالم سے نہیں ہوتا فرماتے ہیں کہ خواب دیکھنے کی کیفیت اس طرح پیش آتی ہے کہ انسان کی قوت متخیلہ میں جو چیزیں جمع ہیں وہ وہاں سے اُتر کر جس مشترک کی تختی پر آجاتی ہیں جس مشترک فلم کی طرح گردش کرتی ہے اور اس پر موجود تصویروں میں سے جو تصویر سامنے آجاتی ہے وہی خواب میں نظر آتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ رانی پتی فرماتے ہیں کہ جب انسان کو



جاتا ہے تو اس کی روح یا نفس کا تعلق عالم مثال سے قائم ہو جاتا ہے جس طرح ہر انسان میں ایک قوت متخیلہ ہے اسی طرح مجموعہ عالم میں ایک خیالی قوت پائی جاتی ہے اور اس میں ہر قسم کی چیزوں مثلاً ملائکہ، جنات، موت، مصیبت، خوشی، غمی وغیرہ کے عکس پائے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز متشکل ہو کہ خواب میں نظر آسکتی ہے۔ غرضیکہ روح کا تعلق عالم مثال سے ہونے کی بنا پر یہ حقیقتیں نظر آتی ہیں۔

خواب  
کی تعبیر

سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ قوی روایت نہیں ہے تاہم مفسرین کرام حضور علیہ السلام کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ اگر خواب میں عورت نظر آئے تو یہ بہتری کی علامت ہوتی ہے۔ خواب میں اونٹ کا نظر آنا جنگ یا سفر کی علامت ہے۔ دودھ فطرت سلیم کی نشانی ہے اور سبزہ نظر آنا جنت کی طرف اشارہ ہے۔ کشتی سے مراد نجات ہے۔ اور کھجور سے فراخی رزق مراد ہوتی ہے۔ صحیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے اِحْبَبْتُ الْقَيْدَ وَ اَكْرَهُ الْخُلَّ يَعْنِي مِیْن طوق کو ناپسند اور بٹری یا ہتھکڑی کو پسند کرتا ہوں۔ گلے میں طوق تزیین کی نشانی ہے جب کہ ہتھکڑی دین میں کشتی کی علامت ہے۔ حضور نے الفاظ میں اَلْقَيْدُ ثُبَاتٌ فِي الدِّينِ۔ آپ علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے۔ اس میں جنگ احد کی طرف اشارہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ گائے کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ یہ بھی مصیبت کی علامت تھی کہ حضرت امیر حمزہؓ جیسے حلیل القدر صحابہ شہید ہوں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی شکستہ تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ ٹھیک ہو گئی جس کی تعبیر یہ کشتی کہ آگے چل کر حالات درست ہو جائیں گے، چنانچہ واقعہ

ایسا ہی ہوا۔ آگے اسی سورۃ میں شاہ مصر کا خواب بیان ہو رہا ہے کہ  
سات موٹی گائیں ہیں اور سات ڈبلی۔ نیز سات بہتر خوشے ہیں اور سات  
خشک۔ دہلی گائیں اور شیشک خوشے قحط سالی کی نشانی ہے اور موٹی گائیں  
اور بہتر خوشے خوشحالی کی علامت ثابت ہوئے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو آدمی پریشان کن خواب  
دیکھے اُسے چاہیے کہ اپنی بائیں طرف تین دفعہ تھوک دے اور اللہ کی  
شیطان رجیم سے پناہ مانگے یعنی یوں کہے۔ اَتَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ  
الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ يَا اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
کہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے الفاظ بھی آتے ہیں جب  
سوئے میں برا خواب دیکھے تو فرمایا وہ شخص اپنا پہلو بدلے، اُس  
کو نقصان نہیں ہوگا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی پریشان کن خواب  
دیکھے اُسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔ فرمایا اگر اچھا خواب  
دیکھے تو پھر بھی اس کا ذکر نہ کرے سوائے دو قسم کے آدمیوں کے۔  
ایک حبیبؑ یعنی دوست آدمی۔ جو اس کا اچھا محمل بنائے گا  
اور دوسرا کہیں بٹایا وانا آدمی ہو، اس کے سامنے ذکر کر سکتے ہو۔ کسی  
بے وقوف آدمی سے ذکر کرنا نقصان دہ ہو سکتا ہے اور وہ شخص پریشان  
ہو سکتا ہے۔ فرمایا خواب کا معاملہ عجیب و غریب ہوتا ہے یہ رویا اس  
وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ ملے دی جائے۔ جب  
تعبیر نہ دی جائے تو پھر یہ واقعہ بن جاتا ہے۔ فرمایا جب تک  
اس کی تعبیر نہ دی جائے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِنَا مُحَمَّدٍ کے پاؤں  
پر ہوتا ہے۔

خواب کی تعبیر بتانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ بعض آدمیوں  
میں فطرتاً بڑی صلاحیت ہوتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ میں اللہ



نے یہ خصوصیت رکھی تھی۔ اُس کے بعد امام ابن سیرین کا نام آتا ہے  
 برصغیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی خواب کی تعبیر بتاتے تھے ہمارے  
 بزرگوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا نام آتا ہے شیخ الحدیث مولانا محمد سرور آزاد خان  
 کو بھی اس سلسلہ میں کمال حاصل ہے۔ خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان  
 کبھی تھوڑا فرق ہوتا ہے اور کبھی زیادہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے  
 خواب کی تعبیر چالیس سال کے بعد واقع ہوئی۔ بہر حال خواب ایک  
 حقیقت ہے، اسی لیے محدثین کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں کتاب  
 الرؤیا کے نام سے باب باندھے ہیں۔

یوسف علیہ  
 السلام کی برگزیدگی

بہر حال حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنا  
 خواب اپنے بھائیوں سے بیان کرنے سے اس لیے منع فرما دیا کہ  
 وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی تدبیر کریں گے۔ فرمایا: وَكَذَلِكَ يَحْتَبِيكَ رَبُّكَ  
 اسی طرح تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا تجھے۔ بچپن کا خواب کوئی معمولی  
 بات تو نہیں تھی جس کے ذریعے اللہ نے آپ کو بہت بڑی برگزیدگی  
 عطا فرمائی اور زندگی کے اگلے میدان میں بھی اسی طرح اعلیٰ مقام عطا  
 کرنے کی پیش گوئی فرمائی فرمایا وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ  
 اور اللہ تعالیٰ سکھلائے گا تمہیں باتوں کو ٹھکانے لگانے کا طریقہ بھی  
 تاویل الاحادیث سے مراد خواب کی تعبیر کا علم بھی ہو سکتا ہے، اور  
 عام معاملات کو ٹھیک طریقے سے نبٹانے کا کام بھی کسی چیز کے  
 مخفی گوشوں کو سمجھنا، باریک باتوں کی تہ تک پہنچنا اور ان کے موقع  
 و محل کو جاننے کے بعد اس کے متعلق ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا،  
 سب تاویل الاحادیث میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف  
 علیہ السلام کو یہ کمال علم عطا کیا تھا۔

آل یعقوب  
 پر انعام  
 نصرت

فرمایا وَمِثْلُ نِعْمَتِهِ كَلِمَتٌ أُولَىٰ یوسف علیہ السلام!



اللہ تعالیٰ اپنی نعمت تجھ پر پوری لے گیا، یعنی آپ کو اپنے مقام پر فائز کر گیا  
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت جیسے عظیم منصب پر فائز  
کیا اور پھر ربوبی اعتبار سے بھی منکر کی حکمرانی عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ  
کو جواہر و اقتدار نصیب کیا اس کی تفصیلات آگے اسی سورۃ میں آ رہی  
ہیں فرمایا نہ صرف تم پر اتمام نعمت کر گیا بلکہ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ  
یَعْقُوبَ عَلَیہ السلام کے پورے خاندان کو بھی اس نعمت میں شامل کر دے  
گا۔ كَمَا أَتَمَّمْنَا عَلَىٰ أَبْنَائِكَ مِنْ قَبْلِ إِبْرَاهِيمَ  
وَلَا نَحْقُطُ جس طرح کہ اس نے اس سے پہلے تمہارے آباء و اجداد حضرت  
ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر اس نعمت کو پورا کیا یعنی جس طرح ان کو  
نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اس طرح تم کو بھی یہ نعمت دے  
گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر یوسف علیہ السلام کے دادا اسحاق  
علیہ السلام اور پردادا ابراہیم علیہ السلام کا نام تو لیا گیا ہے مگر باپ یعقوب  
علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنا نام کس نفسی کی بنا  
پر نہیں لیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کسی شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کو يَا خَيْرُ الْمَبْرُتِينَ کے لقب سے پکارا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا  
کہ خیر البریہ یعنی تمام مخلوق میں بہترین شخصیت تو ہمارے جد امجد حضرت  
ابراہیم علیہ السلام تھے۔ آپ نے بھی کس نفسی کی بنا پر اپنا نام نہیں لیا۔  
اسی طرح یعقوب علیہ السلام نے اپنا نام نہیں لیا حالانکہ وہ اللہ کے عظیم  
الشان رسول تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے عرض کیا حضور! بہتر لوگ کون ہیں؟  
تو آپ نے فرمایا الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنُ الْكَرِيمِ  
ابْنُ الْكَرِيمِ۔ یعنی یوسف ابن یعقوب۔ ابن اسحاق ابن ابراہیم  
اللہ نے سب کو نبوت عطا فرمائی، سارے ہی بہتر لوگ ہیں۔ پھر

صحابہ نے عرض کیا کہ ہم ان کے متعلق دریافت نہیں کرتے۔ آپ،  
 علیہ السلام نے فرمایا، تو پھر کیا تم عربوں کے متعلق پوچھتے ہو؟ عرض کیا،  
 ہاں۔ آپ، علیہ السلام نے فرمایا خياركم في الجاهلية خياركم  
في الاسلام تم میں سے جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں اچھے  
 لوگ تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہوں گے، اگر انہوں نے دین میں  
 سمجھ حاصل کر لی۔ غرض یہ کہ یہ کمال کی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے  
 حضرت یوسف، علیہ السلام اور آپ کے خاندان کو عطا فرمائی۔ اللہ  
 نے اس خاندان کو پوری دنیا میں بزرگی عطا فرمائی۔ پھر یہ بھی ہے کہ  
 یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ نے چار ہزار انبیاء مبعوث  
 فرمائے آپ کو اتنا بڑا اعزاز بخشا۔ پھر خاندان ابراہیم کی دوسری  
 شاخ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اپنی آخری نبوت و  
 رسالت بھی عطا فرمائی یعنی حضور علیہ السلام کو اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا  
ان قلت علیکم حکمکم تم پر یہ کہ دیکھا کہ سب کچھ جاننے والا  
 اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کی حکمت پر مبنی ہے۔  
 اب اگلی آیات میں اس خواب کے نتیجے میں برادران یوسف  
 کے ہمہ کا ذکر اور پھر یوسف علیہ السلام کو اپنے راستے سے ہٹانے  
 کے منصوبے کا بیان آ رہا ہے۔

وما من دابة ۱۲

سورة يوسف ۱۲

درس سوئم ۲

آیت ۷، ۸، ۹، ۱۰

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلنَّاسِ الَّذِينَ ⑤  
 إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا  
 وَنَحْنُ عَصَبُهُ ۚ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ⑧  
 أَقْتُلُوا يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُهُ  
 أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ⑨  
 قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوَّةُ فِي  
 غَلَبَتِ الْجَبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ  
 كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ⑩

ترجمہ :- البتہ تحقیق حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے

بھائیوں کے واقعہ میں نشانیاں ہیں سوال کرنے والوں کے

یے ⑤ جب کہ انہوں نے کہا البتہ یوسف اور اس کا

بھائی زیادہ پسندیدہ اور پیارا ہے ہمارے باپ کے سامنے

ہم سے حالانکہ ہم ایک طاقتور گروہ ہیں ، بیشک ہمارا باپ

البتہ صریح غلطی پر ہے ⑧ قتل کر ڈالو یوسف علیہ السلام کو

یا پھینک دو اس کو کسی سرزمین میں تاکہ خالی ہو جائے

تمہارے لیے تمہارے باپ کی توجہ - اور ہو جاؤ تم اس

کے بعد اچھے لوگ ⑨ کا ایک کھنڈے نے اُن

میں سے ، مت قتل کرو یوسف علیہ السلام کو ، اور



ڈال دو اس کو کسی گھرے کنوئیں میں۔ اٹھائیں گے اس کو  
بعض راستہ چلنے والے مسافروں میں سے، اگر تم کچھ کھنے  
والے ہو ۱۰

رہنما آیات

اس سے پہلے خواب کا ذکر ہو چکا ہے جو یوسف علیہ السلام نے بچپن میں دیکھا  
تھا۔ جب اس کا ذکر اپنے باپ کے پاس کیا تو انہوں نے منع کیا کہ اس خواب کو  
اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا کیونکہ وہ حسد کریں گے اور تمہیں ضرر پہنچائیں گے  
اس کے ساتھ باپ نے اپنے فرزند کو تسلی بھی دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برگزیدہ بنائے گا۔  
اور تمہیں باتوں کو ٹھکانے لگانے کا طریقہ بھی بتلائے گا۔ اس میں خواب کی تعبیر کا علم بھی  
شامل ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرے گا۔ جیسا کہ اس نے تمہارے  
اباؤ اجداد ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر اپنی نعمتوں کا اہتمام کیا۔ اب آگے اللہ تعالیٰ  
نے یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

واقعہ یوسف

میں نشانیاں

ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَانَ ————— فِي يَوْسُفَ وَأَخُوْتِهِ آيَاتٌ  
لِّلسَّائِلِينَ اَلْبَتَّ تَحْقِيقُ يَوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور آپ کے بھائیوں کے واقعہ میں کئی نشانیاں  
ہیں سوال کرنے والوں کے لیے۔ ان میں سب سے پہلی نشانی حضور زاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
کی رسالت کی صداقت ہے آپ نے یہ واقعہ نہ کہیں پڑھا اور نہ کسی سے سنا مگر وحی  
الہی کے ذریعے اس کو صحیح صحیح بیان فرما دیا۔ یہ بات اللہ نے سورۃ کی ابتدا میں بھی  
فرمائی ہے بِسْمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنُ یہ واقعہ ہم آپ پر اچھی طرح  
بیان کرتے ہیں کیونکہ ہم نے اس قرآن کو آپ پر وحی کے ذریعے نازل کیا ہے تو گویا  
اس واقعہ میں ایک تو حضور کی رسالت کی نشانی ہے اور دوسری خود قرآن پاک کی صداقت  
کی نشانی ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی بہت سی نشانیاں  
اور دلائل ہیں۔ آیات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دیکھو حاسد کس طرح ناکام ہوتا ہے  
اور مصبر و استعلا کا انجام کتنا اچھا ہوتا ہے۔ بھائیوں نے حسد کیا تو وہ نامراد ہوئے

جب کہ یوسف علیہ السلام نے صبر کیا تو کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔  
 اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی جاہ و اقتدار عطا کیا اور آخرت کی کامیابی  
 تو یقینی ہے۔ اس واقعہ میں یہ بھی ایک نشانی ہے کہ جس شخص کا تعلق  
 اللہ تعالیٰ سے درست ہوتا ہے اُس کے نتائج کیا نکلتے ہیں اور جس  
 کا تعلق اللہ سے صحیح نہیں ہوتا، اُس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

سائلین  
 کون تھے

اللہ نے فرمایا ہے کہ واقعہ یوسف علیہ السلام میں سوال کرنے  
 والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ وہ سوال کرنے والے کون لوگ تھے؟  
 اس کے متعلق شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یودیوں کے  
 کہنے پر قریش مکہ نے یہ سوال کیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لیبا بل  
 سے چل کر شام و فلسطین میں ٹھہر گئے تھے مگر بنی اسرائیل کا مصر کے  
 ساتھ سلسلہ کیسے قائم ہوا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں  
 بنی اسرائیل کی کثیر تعداد نے مصر سے خروج کیا تھا اور پھر وہ بکر قلمزم  
 کو عبور کر کے صحرائے سینا میں پہنچ گئے تھے۔ اسی سوال کے جواب  
 میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف نازل فرما کر حقیقت حال کو واضح  
 فرمادیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں بطور غلام فروخت ہوئے  
 پھر اللہ نے آپ کو وہیں پر حکومت دی اور آپ وہاں پر ہی آباد  
 ہو گئے۔ پھر آپ کا خاندان بھی وہیں آگیا اور چارہ پانچ سو سال کے بعد  
 جب موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ چکی  
 تھی جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر کو چھوڑ دیا۔ طلب یہ کہ مصر  
 میں بنی اسرائیل کے ورود کی ابتداء حضرت یوسف علیہ السلام کی ہوئی تھی۔  
 بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سائلین سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور  
 علیہ السلام سے دریافت کرتے تھے کہ آپ کا اور اسلام کا مستقبل کیا  
 ہوگا۔ اللہ نے اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل فرمائی۔ نزول سورۃ

کے زمانہ میں اہل ایمان بنایا۔ پریشانی کے عالم میں تھے۔ مشرکین عرب و  
مکہ کی مخالفت مد سے بڑھ چکی تھی، تو ان حالات میں بعض مسلمانوں نے  
حضور سے یہ سوال کیا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف  
نازل فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی کہ جس طرح اللہ نے یوسف علیہ السلام  
کا مستقبل تائبناک بنایا اسی طرح تمہارا مستقبل بھی شاندار ہے اللہ تعالیٰ  
تمہیں بھی عروج دیگا۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی مجرم تھے،  
پھر نادوم ہوئے اور توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ بھی مقبول فرمادی  
اس طرح۔ میرے کے مشرکین بھی الاخر نادوم ہوں گے اور توبہ کریں گے۔  
بہر حال سورۃ یوسف کے بیان کردہ واقعہ سے حضور علیہ السلام اور اہل ایمان  
کے روشن مستقبل کی طرف اشارہ ہے۔ وقتی طور پر تکلیفیں آتی رہتی ہیں  
اور ہر نبی کو پیش آئیں مگر آخر کار کامیابی بھی اسی کے حصے میں آئی۔  
بائیں، تفاسیر اور تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کی بہت  
سی تفصیلات بیان کی گئی ہیں مگر وہ ساری کی ساری صحیح نہیں ہیں۔  
قصے کہانیوں کی کتابوں میں بہت سی غلط باتیں بھی جمع کر دی گئی ہیں۔  
مگر قرآن پاک صرف وہی حقائق بیان کرتا ہے جن سے انسانوں کو فائدہ  
پہنچ سکتا ہے، لوگوں کے سامنے ایک اچھا نمونہ آتا ہے اور وہ اس سے  
روشنی حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے  
واقعات کی ابتداء اسی طرح ہوتی ہے اِذْ قَالَ الْوَا حِبُّ بَرَادِرِ بْنِ یُوسُفَ  
لَیْ کَہَا، یعنی آپس میں مشورہ کیا۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت  
یوسف علیہ السلام اور بن یامین سب بھائیوں سے چھوٹے تھے، اور  
ایک ماں سے تھے جب کہ باقی بھائی تین ماؤں سے تھے۔ ایک کے  
چھ بیٹے تھے اور باقی دو کے دو دو تھے۔ یوسف علیہ السلام اور بن یامین  
کی ماں فوت ہو چکی تھی، اس لیے باپ کو ان چھوٹے بچوں سے زیادہ

برادر بن یوسف  
کا صلاح مشورہ



پیار تھا جو بڑے بھائیوں پر گدراں گزرتا تھا۔ تو بڑے بھائیوں نے مشورہ کیا اور کہنے لگے لِیُؤْسُفَ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا کہ یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی بن یامین ہمارے باپ کو زیادہ محبوب ہیں۔ وَحَنُّ عَصَبَةٍ حالانکہ ہم ایک طاقتور تھے ہیں۔ عصبہ اس پارٹی یا گمزدہ کو کہا جاتا ہے جس کے افراد کی تعداد دس سے پندرہ تک ہو۔ برادرین یوسف کی تعداد بھی دس تھی تو انہوں نے کہا کہ ہم دس بھائی بڑے طاقتور ہیں، باپ کے کام بھی آسکتے ہیں مگر یہ دو چھوٹے بھائی ابھی کسی کام کاج کے قابل نہیں مگر ہمارے باپ کو یہ ہم سے زیادہ عزیز ہیں، اور ان کی وجہ ہمارا باپ ہمارے طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ انہی دو کو سب کچھ سمجھتا ہے ان أَبَانَا كَفَى ضَلَالٍ ضَلَالًا ہمارا باپ تو صریح غلطی پر ہے۔ یاد ہے کہ یہاں پر ضلال سے مراد گمراہی یا کفر نہیں ہے کیونکہ مشورہ کرنے والے لوگ کافر نہیں بلکہ پیغمبر زادے ہیں اور جانتے تھے کہ ان کا باپ اللہ کا نبی ہے۔ البتہ ان کا خیال تھا کہ ہمارا باپ چھوٹے بچوں سے زیادہ پیار کر کے اجتہاد ہی غلطی کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اجتہاد میں ایک عام اہمستی کے علاوہ نبی سے بھی خطا ہو سکتی ہے۔ بیٹوں کا خیال یہ تھا کہ بڑے ہونے کی حیثیت سے ہم باپ کے لیے زیادہ کارآمد ہیں اور چھوٹے بچے ابھی اس کے لیے زیادہ مفید نہیں، لہذا اسے ہماری طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے اسی لیے انہوں نے کہا کہ ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے۔

بہر حال مشورہ انہوں نے یہ يَا أَوْسَتُ کہ یوسف علیہ السلام کو قتل کر ڈالو وَأَصْحَوْهُ ارض یا پھینک دو اس کو کسی سرزمین میں یعنی کہیں دور دراز کسی کنوئیں یا گڑھے میں پھینک دو تاکہ یہ باپ کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا يَحُلُّ لَكُمْ وَجْهَ أَبِيكُمْ تمہارے باپ کی توجہ اور شفقت تمہارے واسطے خالی ہو جائے گی۔ یوسف

قتل یا  
گمشدگی

کی عدم موجودگی میں باپ تمہیں پیدا کرنے لگے گا اور اس کی ساری توجہ تمہاری طرف مبذول ہو جائے گی۔ غرضیکہ یوسف علیہ السلام کو راستے سے ہٹانے کے لیے ان کے سامنے دو تجویزیں تھیں کہ اسے قتل کر دو یا کسی گھرے کنویں یا کھڈ وغیرہ میں ڈال دو۔ وَتَكُونُوا مِنْ أَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ اور ہو جاؤ تم اس کے بعد اچھے اور نیک لوگ۔ بھائیوں کے دل میں یہ شیطانی فلسفہ آ رہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ زیادتی کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لینا اور نیکو کاروں میں شامل ہو جانا مگر اس وقت یہ کام کرنا ضروری ہے۔ آج بھی بعض لوگ گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد میں توبہ کر لیں گے۔ بنیادی طور پر یہ فلسفہ ہی غلط ہے ہمیشہ گناہ سے بچنا چاہیئے کیونکہ کسی کو علم نہیں کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد توبہ کا موقع بھی ملے گا یا نہیں۔ یہ محض شیطانی تسویل ہے۔ فَكَالَ قَابِلٍ لِّمَنْهُمْ أَلٍ میں سے ایک کسے والے نے کہا لَا تَقْتُلُوا یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو۔ بے گناہ بچے کا خون اپنے سر پر نہ لو، یہ بہت بڑا ظلم ہے بلکہ وَالْقَوَّةُ فِي غَيْبَتِ الْجَبِّ ڈال دو اس کو کسی گھرے کنویں میں کسی گھنم گڑھے میں پھینک دو۔ يَلْتَقِطُهُ بعض السَّيَّارَةِ اس کو کوئی قافلہ اٹھائے گا یعنی اس راستے پر آنے جانے والے قافلہ میں سے کسی کی نظر پڑ گئی تو کنویں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اور اس طرح یوسف اپنے باپ کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائے گا۔ کہنے لگا، ایسے ہی کہو وَأِنْ كُنْتُمْ فَعِيلِينَ اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو یہ تدبیر اختیار کرو۔ بہر حال اس قسم کا مشورہ طے پا جانے کے بعد برادرین یوسف نے اپنے بھائی کو لے جا کر ایک کنویں میں ڈال دیا اور پھر آگے سارے واقعات پیش آئے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام  
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
میں مماثلت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی  
ہے۔ یوسف علیہ السلام کے خلاف قتل یا کہیں پھینک دینے کا مشورہ ہوا  
تو حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ مشرکین نے دارالندوہ  
میں یہ مشورہ کیا تھا کہ حضور علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے یا قید میں ڈال دیا جائے یا  
پھر جلا وطن کر دیا جائے پھر جس طرح یوسف علیہ السلام کے حبسائی  
یہودانے آپ کے قتل کے خلاف رائے دی تھی اسی طرح کفار میں سے بھی  
بعض آدمیوں نے حضور علیہ السلام کے فوری قتل کی مخالفت کی تھی۔ مگر ان  
کے بات نہ مانی گئی اور آپ کے قتل ہی کا منصوبہ پاس ہوا۔ وہ لوگ حضور  
ﷺ کے مکان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور اسی وقت حملہ آور ہونا  
چاہتے تھے مگر ایک شخص نے کہا کہ اس وقت حملہ نہ کرو بلکہ صبح تک انتظار  
کرو، جب حضور نماز فجر کے لیے باہر نکلیں گے تو بجارگی حملہ کر دینا اس  
بہتر و دشمن کا خیال تھا کہ وقفہ بیٹھنے سے ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے بدل  
جائے یا اللہ کو فی اور بدل پیدا کر دے۔ بہر حال وہ لوگ صبح تک انتظار کرتے  
رہے مگر حضور علیہ السلام مٹی کی مٹھی پھینکے ہوئے ان کے پاس سے گزر گئے  
اور انہیں خبر تک نہ ہوئی اور اس طرح کفار کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ یوسف  
علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کے واقعات میں یہ بھی مماثلت ہے کہ  
اللہ تعالیٰ نے دونوں کو قتل کے منصوبے سے بچا لیا۔ دوسری بڑی  
مماثلت یہ ہے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کا مستقبل روشن ہوا، اللہ تعالیٰ  
نے انہیں حکومت عطا فرمائی اور اذیت پہنچانے والے بھائیوں کو سزائوں  
کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بھی عطا کیا اور جن مشرکین  
کی اذیت ناکوں کی وجہ سے آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا تھا، وہی لوگ فتح مکہ  
کے دن سزائوں ہو گئے جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں



کو معاف کر دیا تھا، اسی طرح حضور علیہ السلام نے بھی اپنے بھائی بندوں کو معاف کر دیا اور پھر ان میں سے بہت سے ایمان لے آئے۔

محبت کی  
وجوہات

مفسرین کرام نے یہ حکمت بھی اٹھایا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو چھوٹے بیٹوں سے کیوں زیادہ محبت تھی حالانکہ سب کے ساتھ یکساں معاملہ ہونا چاہیے تھا تو فرماتے ہیں کہ اس کی بعض وجوہات تھیں۔ مثلاً یہ کہ جب بن یامین پیدا ہوئے تو ان کی والدہ فوت ہو گئی اور یہ دونوں بھائی کم سنی میں والدہ کی محبت سے محروم ہو گئے جس کی وجہ سے باپ کو ان کی طرف توجہ دینی پڑتی تھی اس کے علاوہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام میں ایسے آثار نظر آئے تھے جو باقی بیٹوں سے نمایاں تھے جیسے خواب والا واقف، تو اس لحاظ سے آپ سمجھتے تھے کہ میرا یہ بیٹا بڑا لائق اور ہونہار ہے، لہذا آپ اس کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے۔ اس قسم کی مثال حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات میں بھی ملتی ہے۔ آپ کے کل انیس بیٹے تھے جن میں سے سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے چونکہ آپ کے باقی بیٹے لائق نہیں تھے اس لیے صرف تیرہ سال کی عمر میں آپ کی نیابت بھی سلیمان علیہ السلام کے حصے میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ ذہانت اور عقل عطا فرمائی تھی اس لیے داؤد علیہ السلام کی توجہ آپ کی طرف زیادہ تھی اور یہ کوئی گناہ کی بات بھی نہیں ہے۔

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنی کم سنی کے باوجود باقی بھائیوں کی نسبت باپ کی خدمت بھی زیادہ کرتے ہوں۔ کیونکہ بڑے بھائی تو اکثر کام کاج اور شکار کے لیے باہر جاتے تھے اور یہ دونوں بھائی ہی بوقت ضرورت آپ کی خدمت بجا لاتے تھے۔ بعض اوقات باپ کی حسبِ مشاغول کام بھی اس کے لیے بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے اور بڑے سے بڑا کام بھی اگر بہ دلی

سے کیا جائے تو اس کی زیادہ قدر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ یعقوب علیہ السلام  
 کی چھوٹے بچوں سے زیادہ محبت بلا وجہ نہیں تھی۔  
 اب اگلی آیات میں باپ اور بیٹوں کے درمیان اس مکالمے  
 کا ذکر آ رہا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے مفسوب کو پاپہ تکمیل تک پہنچانا  
 چاہتے تھے۔

---

وما من دآیة ۱۲

سورة یوسف ۱۲

درس چارم ۴

آیت ۱۱ تا ۱۴

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ  
لَنَصِحُونَ ۝۱۱ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَقِعْ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا  
لَهُ لَحَفِظُونَ ۝۱۲ قَالَ إِنِّي لِعَزُؤُنِي أَن تَذْهَبُوا بِهِ  
وَأَخَافُ أَنَّ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۝۱۳  
قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذَا  
لَخَيْرُونَ ۝۱۴

ترجمہ: کیا انہوں (برادران یوسف) نے (اپنے والد سے) اے ہمارے باپ! کیا جہیں کہ آپ ہیں میں نہیں سمجھتے یوسف علیہ السلام کے بارے میں۔ اور البتہ ہم تو اس کے حق میں خیر خواہی کرنے والے ہیں ۝۱۱ بیچ میں اس کو ہمارے ساتھ کل کھاپی لے اور کھیل کود لے، بیشک ہم اس کی البتہ حفاظت کرنے والے ہیں ۝۱۲ کہا اُس (یعقوب) نے بیشک مجھے غم میں ڈالتی ہے یہ بات کہ تم سے جاؤ اس کو، اور میں خوف کھاتا ہوں کہ کہیں اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے، اور تم اس سے غافل ہو ۝۱۳ کہنے لگے (برادران) اگر اس کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم ایک مضبوط جماعت ہیں، بیشک ہم اس وقت البتہ بڑے نقصان اٹھانے والے ہوں گے ۝۱۴



گزشتہ آیات میں اللہ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں مال کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ اس کے بعد یعقوب علیہ السلام کا اُن کے چھوٹے بیٹوں کے ساتھ محبت کا ذکر ہوا اور بھائیوں کے حسد اور رشک کو بھی بیان کیا گیا۔ پھر بھائیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا کہ کسی طرح یوسف علیہ السلام کو راستے سے ہٹانا چاہیے تاکہ باپ کی توجہ اُن کی طرف مبذول ہو سکے۔ منصوبہ یہ تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے یا کسی گھر سے کنوئیں میں پھینک دیا جائے۔ اُن کا استدلال یہ تھا کہ کام کاج کرنے والے ہم ہیں جب کہ ہمارا باپ ان چھوٹے بیٹوں سے زیادہ محبت کرتا ہے جو ابھی تک کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ اُن بھائیوں میں سے ایک نے یہ مشورہ دیا کہ یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو بلکہ کسی کنوئیں میں پھینک دو، یہاں سے گزرنے والے اقانلوں میں سے کوئی سٹ اٹھا کر لے جائیگا اور اس طرح یہ باپ کی نظروں سے اوجھل ہو جائیگا اور تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اب آج کے درس میں برادرانِ یوسف کی اپنے باپ سے اُس بات چیت کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لیے کی۔

ارشاد ہوتا ہے قَالُوا بھائیوں نے کہا يَا يٰٓأَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلٰى يُوسُفَ اے ہمارے باپ! کیا بات ہے کہ آپ ہمیں امن خیال نہیں کرتے یعنی یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ جنگل میں سیر و سیاحت اور شکار وغیرہ کے لیے جایا کرے وَ اِنَّا لَنَصْحُوْنَ ہم تو اس کے حق میں بڑے خیر خواہ ہیں۔ ہم یوسف کے حق میں مخلص ہیں، اس کا بڑا خیال رکھنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ بھی ہماری طرح تو امان اور مضبوط ہو۔ لَٰذَا اُرْسِلْهُ مَعَنَا اے آپ! ہم آپ کے ساتھ بھیجیں تاکہ میں سے وہ کھاپی سے

ربط آیات

باب سے درخواست

اور تفسیر طبع کرے۔

رتع کا معنی دراصل جانوروں کا گھاس وغیرہ چرنا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اِذَا مَرَرْتُكُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا یعنی جب تم جنت کے باغوں میں سے گزر رہے ہو تو چر چگ کر۔ صحابہ نے عرض کیا، حضور! جنت کے باغ کون سے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ اللہ کی مسجدیں ہیں اور وہاں سے چرنا چکی یہ ہے کہ وہاں پر اللہ کا ذکر کیا جائے، تسبیح و تہلیل کی جائے مَسْبُوحَانَ اللّٰهِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ جیسے پاکیزہ کلمات، زبان سے ادا کیے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جنت میں تمہیں فراوانی کے ساتھ کھانے کو کھیل میسر ہوں گے۔ گویا یہ مسجدیں جنت کے باغ ہیں اور ان میں خلوص کے ساتھ عبادت کرنا ان سے کھیل کھانے کے مترادف ہے۔ غرضیکہ رتع کا معنی کھانا پینا یا چرنا چکنا آتا ہے۔

براہِ راست یوسف علیہ السلام کو اپنے ہمراہ سے بہنے والی دو وجوہات بیان کیں پہلی بات یہ تھی کہ یہ ہمارے ساتھ جنگل میں جا کر وہاں کے پھل وغیرہ باغیچہ کھا پی لے گا۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ لَعَبٌ وَ لَآئِلٌ لِّمُحْفِلُونَ کھیل کود لے گا بیشک ہم اسکی البتہ حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام کے سامنے کھیل کود کا ذکر کیا گیا مگر انھوں نے اسکو بڑاشت کیا حالانکہ کھیل کود تو ایک لغو چیز ہے اللہ کا نبی ایسی چیز کی اجازت کیسے دے سکتا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عام طور پر تو کھیل بچہ ہی ہوتا ہے مگر بعض کھیلوں کو جائز بھی قرار دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے کہ ہر قسم کا کھیل باطل ہے مگر اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی جائز ہے، گویا یہ حق کھیلوں میں سے ہے۔ اسی طرح گفتگو

کھیلوں کی حیثیت

دور ڈانا درزش کرنا اور تیر اندازی کرنا بھی العا پ حق پر مشتمل ہیں۔ باقی سب کھیل باطل ہیں۔ بیوی کے ساتھ دل لگی اس لیے جائز ہے کہ یہ حسن اخلاق میں داخل ہے اور گھوڑے، بوری اور تیر اندازی دشمن سے مقابلے کے لیے بطور مشق ہے لہذا یہ بھی درست ہے۔

ہمارے ہاں فتنوں کیل رائج ہیں جن پہ بے دریغ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ وقت کا انبیاع اس کے علاوہ ہے۔ کھیلوں کی دزائیں بنتی ہیں۔ اور پھر مختلف کھیلوں کی ٹیمیں غیر ممالک میں جاکر بین الاقوامی میچوں میں حصہ لیتی ہیں، یہ سلسلہ اسراف ہے جس کا قومی لحاظ سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ اولمپک گیمز یونیورسٹیوں کے جاری کردہ ہیں۔ ان کھیلوں میں مرد اور عورتیں سب شامل ہوتے ہیں۔ لہکی، فٹ بال، ٹینس اور پھر سب سے بڑھ کر کرکٹ نے قوم کو بیکار کر کے رکھ دیا ہے۔ نہ صرف بین الاقوامی اور قومی میچوں میں لوگ ہفتہ بھر کے لیے بیکار بیٹھ جاتے ہیں بلکہ ہر گلی، بازار اور میدان میں نئی پودہ دین رات اسی کام میں مشغول نظر آتی ہے جو کہ سلسلہ قومی نقصان ہے اس کے علاوہ مردوں اور عورتوں کی مشترکہ گیروں میں عریانی اور فحاشی کو تقویت ملتی ہے۔ نیم برہنہ کھلاڑی عورتوں کو تمام مرد بھی دیکھتے ہیں جبکی وجہ سے اخلاقی طور پر بھی قوم تباہ ہو رہی ہے۔ یہ سب باطل ہے اور اسلام اس کی ہرگز ایجازت نہیں دیتا۔ کافروں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی ایسے کھیلوں کو اپنا لیا ہے جو کہ متین سرپرستی کہہ رہی ہیں۔ حالانکہ جہاد میں کام آنے والے کھیل کے سوا کوئی کھیل جائز نہیں ہے۔

یورپ اور امریکہ کی اندھا دھند تقلید ہمارے لیے کسی طور مفید نہیں ہم سمجھتے ہیں کہ غیر ممالک نے بڑی ترقی کمر لی ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اس عریانی، فحاشی اور عیاشی کے پس پردہ چوری، بدکاری، دہشت گردی اور قتل



کی دار و اتیں ہر جہی ہیں۔ جہاں تک اخلاق اور تہذیب کا تعلق ہے۔ ان  
جہاں تک میں محکوم ترقی ہوئی ہے۔ زنا کی فراوانی کی وجہ سے نسل جو بچہ پتی  
ہے اور دین کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔

بہر حال اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں کو کھیل کود  
کی اجازت دیدی کیونکہ وہ تیر اندازی جیسے جائز کھیل میں دلچسپی رکھتے تھے،  
ورنہ کسی باطل کھیل کے لیے اللہ کا نبی اجازت نہیں دے سکتا۔ وہ تو  
اسی بات کی اجازت دے گا۔ جو دین اور عاقبت کے لیے مفید ہوگی  
جب بیٹوں نے کھانے پینے اور کھیل کود کے لیے یوسف علیہ السلام  
کو ساتھ لے جانے کی درخواست پیش کی قَالَ اِنِّیْ لَیَمُوْنُنِّیْ اَنْ  
تَذْهَبُوْا بِیْ تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، بیشک یہ بات مجھے  
غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے جاؤ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذَّئْبُ  
اور مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑ یا نہ کھا جائے وَاَنْتُمْ عَنْہُ غٰفِلُوْنَ  
اور تم اس سے غافل ہو یعنی تم کو پتہ ہی نہ چلے اور یوسف کو بھیڑ یا کھا جائے  
مجھے اس بات کا ڈر ہے

اللہ  
یعقوب  
علیہ السلام  
کی تسوین

اکثر غم میں گرا رہے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کے وطن کنعان  
میں بھیڑیے کثرت سے پائے جاتے تھے جو بھیڑ بکریوں کو نقصان پہنچاتے  
تھے اور موقع ملنے پر انسان پر بھی حملہ کر دیتے تھے۔ یہ ایسا موذی جانور ہے  
کہ انسان کا چھوٹا بچہ اس کی زد میں آجائے تو حیرت پھاڑ کر کھا جاتا ہے۔ اس  
کے برخلاف شیر سب سے طاقتور و درندہ ہونے کے باوجود شریف جانور ہے  
جب تک اس سے چھوٹا چھوٹا نہ کی جائے، یہ حملہ آور نہیں ہوتا، مگر بھیڑ یا  
ہر موقع پر حملہ کر دیتا ہے۔ قدرت نے اس جانور کو عجیب و غریب  
فصلت بخشی ہے۔ یہ انٹی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ اگر  
کسی جگہ پر ہزار بھیڑ بکریاں بھی ہوں تو سب کو نقصان پہنچاتا ہے اور پھر

تیز کام ہونے کی وجہ سے بھاگ بھی جاتا ہے۔ بھیڑ یا اکیلا شکار کے لیے نہیں نکلتا بلکہ یہ گروہ درگروہ نکلتے ہیں۔ زیادہ نہیں تو کم از کم جوڑی تو ضرور ہوتی ہے۔ عربوں کے ہاں مشہور ہے کہ بھیڑ یا بڑا حرامیں بالوز ہے، جب سوتا ہے تو ایک آنکھ کھلی اور ایک بند رکھتا ہے۔ پھر جب اڑھی نیند پوری کر لیتا ہے تو پہلی آنکھ بند کر لیتا ہے دوسری کھول لیتا ہے۔

حضرت علیہ السلام نے اپنے ایک فرمان میں بھیڑیے کی مثال اس طرح دی ہے کہ کسی آدمی کا چودھراہٹ اور برتری کی طرف راغب ہونا دین کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے، جس قدر بھوکا بھیڑیا ریوڑ کا نقصان کرتا ہے، جب اسے بھیڑوں میں چھوڑ دیا جائے، چودھراہٹ کے جنون نے انسانی سوسائٹی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر کوئی من مانی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرے فریق کی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ تجربہ اور غرور کی صورت میں نکلتا ہے۔ اخلاقی قدریں ختم ہو جاتی ہیں اور دین کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ ایران عراق جنگ محض چودھراہٹ کی جنگ ہے جو سال ہا سال سے دو ممان ملکوں کے درمیان لڑی جا رہی ہے۔ گزشتہ پانچ سال کے دوران اس جنگ میں پانچ لاکھ آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔ زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے جس پر دونوں ملک اپنا اپنا حق جتا رہے ہیں اور اس معمولی ٹکڑے کی خاطر کھربوں روپیہ برباد ہو رہا ہے۔ دونوں ممالک پر شیطانی چودھراہٹ سوار ہے، ورنہ یہ مسئلہ افہام و تفہیم کے ذریعے آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔

اقتدار کی جنگ

بجائیوں کا

اعتراف

بیٹوں کی درخواست پر جب باپ نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔  
 قَالُوا لِمَنْ أَكَلَهُ الَّذِي نَبِّئُكَ عَنْهُ قَالَ لِيُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَذِبٌ يُكِيدُ  
 وَخَنَّ عَصْبَةً تَوَاسِعُ قَوْمٍ ثُمَّ لَهَا رَاجِعٌ فَأَقْتَرُوا  
 مَرَدِّمِيَانِ هِيَ رِثَاؤُ الْخَيْسِرِ وَنَ بَم تَوَاسِعُ رَاجِعٌ تَكْمَلُ وَرَاجِعٌ تَكْمَلُ

اگر ہمارے ہوتے ہونے یوسف علیہ السلام کو بیٹریا کھا گیا تو ہماری جوافر دی  
 کا کیا فائدہ، ہم سخت نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ الغرض بیٹوں نے  
 باپ کو ہر طرح سے یقین دلانے کی کوشش کی کہ انہیں کوئی خطرہ محسوس  
 نہیں کرنا چاہیے۔ اُدھر بھائی یوسف علیہ السلام کو بھی درغلا ہے تھے  
 اور انہیں سبز باغ دکھا کر ہمارے جانے پر آمادہ کر رہے تھے اور باپ کو  
 بھی یقین دلایا ہے تھے کہ وہ بھائی کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں، آخر کار باپ  
 مجبور ہو گیا اور اس نے یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کے ساتھ جانے  
 کی اجازت سے دی۔

واقعہ کا اگلا حصہ اب اگلی آیات میں بیان ہو رہا ہے۔

---



وما من دآبۃ

درس پنجم ۵

سورة يوسف ۱۲

آیت ۱۵ ۲ ۲۰

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غَيْبَتِ  
 الْجُبِّ ۖ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا  
 وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ۱۵ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً  
 يَبْكُونَ ۝ ۱۶ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نُسْتِيقُ وَتَرَكْنَا  
 يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنْتَ  
 بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝ ۱۷ وَجَاءُوا عَلَى  
 قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۖ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ  
 أَنْفُسُكُمْ أَمْراً ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ  
 عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝ ۱۸ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا  
 وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَبْشَىٰ هَذَا غُلَامٌ  
 ۖ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ ۱۹  
 وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ كَبِيرٍ ۖ وَدَارَاهُمْ مِعْدُودَةٌ ۖ وَكَانُوا  
 فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝ ۲۰

ترجمہ

ترجمہ :- پس جب لے گئے وہ یوسف (علیہ السلام) کو اور  
 انہوں نے اتفاق کیا کہ ڈال دیں اس کو کنوئیں کی گہرائی میں  
 اور وہی کی ہم نے اُس (یوسف) کی طرف کہ تو ان کو

بتلائے گا ان کا یہ معاملہ اور وہ نہیں شور مکتے ①۵ اور لئے وہ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت رونے ہوئے ①۶ انہوں نے کہا، اے ہمارے باپ! بیشک ہم گئے اور ہم دوڑ نکاتے تھے ایک دوسرے آگے اور ہم نے چھوڑا تھا یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس، پس اُس کو کہا لیا بھیڑیے نے، اور تو نہیں تصدیق کرنے والا ہماری اگرچہ ہم سچے ہوں ①۷ اور لئے وہ اُس کی قیص پر جھوٹا خون، کہا اُس نے (ایسا نہیں ہے) بلکہ بنایا ہے تمہارے نفسوں نے معاملہ، اب میرے لیے صبر ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے اُن باتوں کے خلاف جو تم کہتے ہو ①۸ اُس طرف آیا ایک قافلہ اور بھیجا انہوں نے پانی لانے والے کو، پس اُس نے ڈالا اپنا ڈول اور کہا، اے خوشخبری، یہ تو ایک لڑکا ہے اور پرشیدہ کیا اس کو پونجی کے طور پر، اور اللہ خوب جانتا ہے اُن چیزوں کو جو وہ کہتے ہیں ①۹ اور بیچا انہوں نے اُس کو تھوڑے پیسوں کے عوض، گئے ہوئے درہم، اور تھے وہ اس میں بے رغبتی کرنے والوں میں ②۰

گذشتہ درس میں برادر ابن یوسف کے منصوبے کا ذکر ہوا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے تاکہ باپ کی ساری توجہ اُن کی طرف ہو جائے چنانچہ انہوں نے باپ کو ہر طرح سے یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم یوسف علیہ السلام کے خیر خواہ ہیں، آپ اے ہمارے ساتھ جنگل میں جانے کی اجازت سے دیں، یہ

رابط آیات

وہاں پر کھاپی سے لگا اور کھیل کود میں بھی حصہ لے گیا۔ یعقوب علیہ السلام نے تشویش کا اظہار کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کسی حادثے کا شکار ہو جائے۔ مگر بھائیوں نے پھر یقین دلایا کہ ہم جیسے منضبط اور طاقتور بھائیوں کی موجودگی میں ہمارے اس چھوٹے بھائی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ خدا نخواستہ اگر ایسا ہو گیا تو ہم تو پھر بالکل نکلے ثابت ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِكَ نَصْرَ حَبِيبِ بھائی یوسف علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ رستے میں بھی انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا اور تذلیل و تحقیر کی اور پھر منزل مقصود پر پہنچ کر وَأَجْمَعُوا انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَدِيرِ الْحُبِّ کہ یوسف علیہ السلام کو کسی گہرے کنوئیں میں پھینک دیں۔ ان کی دوسری تجویز یہ تھی کہ آپ کو قتل ہی کر دیا جائے مگر یودا کے مشورہ پر کنوئیں میں ڈال دینے کی تجویز پر اتفاق ہو گیا۔ چنانچہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو ایک ہی رسی سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیا۔ جب کہ آپ نے کنوئیں کا نصف فاصلہ نیچے کی طرف طے کر لیا تو رسی چھوڑ کر آپ کو یکدم کنوئیں میں گر ادا کیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کنوئیں میں پانی خشک ہو چکا تھا۔ لہذا نیچے پہنچ کر یوسف علیہ السلام ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ آپ کا کرتہ بھی بھائیوں نے گرائے سے پہلے ہی اتار لیا تھا۔ بائبل کی روایت کے مطابق یہ کرتہ بوقلمون کا تھا۔ جواب نے اپنے بیٹے کو بڑے شوق سے پہنایا تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ بھائیوں نے یہ بھی قصد کیا کہ بڑے پتھر سے پتھر مار کر یوسف علیہ السلام کو کنوئیں کے اندر ہی ختم کر دیا جائے مگر بعض بھائیوں کی مخالفت کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ اس خیال

سپریم



سے کہ کوئی قافلہ ادھر سے گزرے گا تو اس کو نکال کر اپنے ساتھ لے جائے گا اور اس طرح باپ کا یہ محبوب بیٹا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔

وحی الہی  
کا نزول

جب یوسف علیہ السلام کنوئیں کے اندر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ آپ کی طرف وحی بھیجی اور تسلی دی کہ اے یوسف علیہ السلام گھبرائیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہے اور ایک وقت آنے والا ہے كَتَبْنَا لَهُمْ بِاَمْرِ هٰذَا کہ آپ ان کو اس بات کے متعلق بتائیں گے۔ یہ لوگ جو ناشائستہ حرکات کر رہے ہیں، آپ سب کچھ ان کو بتلا دیں گے اور پھر ان کو شرمنا ہونا پڑے گا۔

بچپن میں نزول وحی کے متعلق مفسرین نے مختلف باتیں کی ہیں بعض فرماتے ہیں کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی۔ امام حسن بصری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کنوئیں کے اندر ہی وحی نازل فرما کر یوسف علیہ السلام کو نبوت کے عہدے پر مرفراز فرمایا تھا۔ وہ قادر مطلق ہے، بچپن میں بھی نبوت عطا کر سکتا ہے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو بچپن بلکہ پیدائش کے وقت ہی نبوت مل گئی تھی۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بھی بچپن میں نبوت مل جانا کچھ بعید نہیں تاہم اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ وحی نبوت کی وحی نہیں تھی بلکہ وہ بعد میں نازل ہوئی کیونکہ عام طور پر نبوت و رسالت چالیس سال کی عمر میں جا کر ملتی ہے اور کنوئیں کے اندر جس وحی کا ذکر کیا گیا ہے، یہ امام کی وحی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیج کر یوسف علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ ان مشکل حالات سے گھبرائیں نہیں بلکہ ثابت قدمی سے ان مصائب کو برداشت کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا مستقبل روشن کریگا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی امام تھا جیسا کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی والدہ کی طرف کیا ہے۔ اسی قسم کے السلام کا ذکر سورۃ نحل میں شہد کی مکینوں کی طرف بھی ملتا ہے وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَىٰ الْحَبَلِ الْغَلِيظِ تَبَرَّعَ بِمَدَدِ الْكَارِثَةِ شَهِدَ كِي مَكِيَّوْنَ كِي طَرَفِ وَحَىٰ كِي كَرِهَ بِبَاثِرُوْنَ اَوْرِدَ وَخَوْتُوْنَ مِيْنَ اِنَا كُفْصِرَ بِنَائِيْنَ۔ پھر تمام پھیلوں کا رس چوسیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں میں شہد جیسی مفید چیز پیدا کرے گا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے یوسف علیہ السلام کو تسلی دی۔

اس موقع پر یوسف علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی تھی مفسرین نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ نے عرض کیا يَا شَاهِدُ مَا غَيَّرَ غَائِبُ يَا قَرِيبًا غَيْرَ يَعِيدُ يَا غَالِبًا غَيْرَ مَغْلُوبٍ اجْعَلْ لِي مِنْ اَمْرِى هَذَا خُرْجًا وَ مَخْرَجًا یعنی اے وہ ذات جو حاضر ہے اور غائب نہیں، جو قریب ہے اور دُور نہیں، جو غالب ہے اور مغلوب نہیں میرے لیے اس معاملے میں کشادگی پیدا کر دے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی قسم کی دعا کی تھی حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تَوَلّٰى الشَّيْطٰنُ فَرِشَتَہٗ كُوْبَحِجَّ كَرَّ اَبَّ كُوْتَلٰى دِي تَمٰى۔ یہاں پر بھی اللہ نے فرشتے کو بھیج کر یوسف علیہ السلام کو تسلی دی کہ تم فکر نہ کرو۔ غصہ قریب تم انہیں ان کے اس غلط کام پر مطلع کر دے گا وَهَلَمْ لَا يَتَعَرَّفُونَ اور اُس وقت ان کو پتہ بھی نہیں ہوگا۔ یعنی ان کو بالکل علم نہیں ہوگا کہ ان کا پول نظام ہونے والا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو اس وقت پتہ نہیں کہ یوسف علیہ السلام کا استقبال کتنا شاندار ہے وہ تو آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تاکہ باپ کی توجہ ان کی طرف ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ اسی ذریعے سے یوسف علیہ السلام کو باپ عروج تک پہنچانا چاہتا ہے

بہر حال بھائی یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینک کر واپس آئے وَجَبَا قَوْمًا بِأَهْلِهِمْ عَشَاءً قَتِيلًا اور اپنے باپ کے پاس

بھائیوں کی جید سازی

عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے، وہ چھوٹا رونا روتے آئے تاکہ ان کا قصور نہ ظاہر ہو جائے۔ رونا کئی قسم کا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے رونا آتا ہے، اللہ کے عذاب کو یاد کر کے بھی انسان رو پڑتا ہے بعض دفعہ راحت کا رونا آتا ہے اور کوئی مکاری کا رونا بھی ہو سکتا ہے۔  
 برادران یوسف کا رونا مکاری کا رونا تھا تاکہ باپ کے سامنے اپنی بیگنی ہی ثابت کر سکیں۔ امام ائمہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی ایسی کہانی اور ایسے رونے کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ برادران یوسف نے رو کر دکھایا تھا۔ غرضیکہ وہ روتے ہوئے آئے قَالُوا يَا بَنَا آدَمَ أَذْهَبْنَا نَسْتَبِقُ كُنْزَكَ۔ اے ہمارے باپ! بیشک ہم گئے اور ایک دوسرے آگے نکلنے کی کوشش میں دوڑتے تھے وَنُكِنَّا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا ہم نے یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھپوا دیا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ پس اس کو بھیڑیے نے کھا لیا کہنے لگے ہمارے ساتھ یہ حادثہ پیش آگیا ہے۔ کہ یوسف علیہ السلام کو ایک بھیڑیا کھا گیا ہے اور پھر یقین دہانی کے لیے یہ بھی کہا وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ اور اے باپ! آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں۔ ایمان کا لغوی معنی تصدیق کرنا ہوتا ہے اور اس مقام پر یہی معنی مراد ہے۔ بہر حال برادران یوسف نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

وَجَاءُوْهُ بِكُلِّ قَمِيْصٍ مَّدْبُوْجٍ بِدَمٍ كَذِبٍ اور لانے وہ یوسف علیہ السلام کی قمیص پر چھوٹا خون، کوئی بھری یا ہرنی ذبح کی اور یوسف کی قمیص اس کے خون سے آلودہ کر لی۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تو بھیڑیا کھا گیا ہے مگر اُن کی خون آلود قمیص سچ لگی ہے۔  
 حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو دیکھا تو وہ بالکل صحیح سلامت

خون آلود  
 قمیص



کتنی انہیں سے کٹی پٹی بھی نہیں تھی، کہنے لگے یہ کہانی درست نہیں ہے۔  
 کیونکہ اگر بنیٹریا یوسف علیہ السلام کو کہا با آ تو آپ کی قیمن کیسے بچ سلامت  
 بچ جاتی، قَالَ كُنْ لَكَ سَوَآتُ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً یہ تو تمہارے  
 نفسوں سے کوئی معاملہ بنایا ہے۔ یعنی یہ کوئی من گھڑت کہانی معلوم ہوتی  
 ہے۔ مگر اب میں کیا کر سکتا ہوں فَصَبْرٌ جَمِيلٌ اب تو  
 صبر جمیل کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ صبر جمیل اس صبر کو کہا جاتا ہے جس  
 میں مخلوق کے سامنے کسی قسم کا گلہ شکوہ نہ کیا جائے بلکہ انسان اللہ کی  
 رضا پر راضی ہو جائے۔ اس موقع پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا وَاللّٰهُ  
 الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ اب تو تمہاری کارگزاری پر اللہ تعالیٰ  
 سے ہی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، میں اس پر اللہ  
 ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ آپ نے کوئی حیل و حجت یا جزع فزع نہیں  
 کی بلکہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہوئے  
 قبول کیا اور صبر جمیل کا نمونہ بن کر خاموش ہو گئے۔

یہاں یہ اٹل کا بیان مختلف ہے۔ ایبل کے مطابق یعقوب  
 علیہ السلام نے ٹاٹ پہنا، اپنے پٹکے کو اپنی کمر سے باندھا اور پھر دادیلا بھی  
 کیا، یعنی بیٹے کے غم میں بے صبری کا اظہار کیا۔ یہ بیان درست نہیں  
 ہے بلکہ جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے، یعقوب علیہ السلام نے نہایت  
 صبر کا مظاہرہ کیا اور اسے اللہ کی طرف سے ابتلاء سمجھتے ہوئے برداشت کیا  
 اب بھائی تو یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے اور  
 اوصہر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کمر شمع ظاہر ہوا وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ  
 وُحَاں پہ ایک قافلہ آگیا۔ یہ تجارتی قافلہ تھا جس کے ساتھ بہت سامان  
 تجارت بھی تھا۔ امام بخاری اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں  
 کہ یہ قافلہ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے کے تین دن بعد اس مقام پہ

یوسف علیہ السلام  
 کی برآمدگی

پہنچا۔ یہ تین یوم یوسف علیہ السلام نے کس طرح کنوئیں میں گزارے، اس کے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ہے، البتہ بعض تفسیری روایات کے مطابق آپ کا ہمدرد بھائی یو دا آپ کو کسی نہ کسی طرح کنوئیں میں کھانا پہناتا رہا۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ہمدرد یوسف کنوئیں کی مسلسل نگرانی کرتے رہے اور دیکھتے رہے کہ آگے کیا معاملہ پیش آتا ہے بہر حال صحیح علم تو اللہ کے پاس ہے تین دن کے بعد جب تجارتی قافلہ اُس علاقے میں اُترا فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ تَرَانِیوں نے پانی لائے والے کو بھیجا۔ یعنی قافلے والوں کا ایک آدمی پانی کی تلاش میں پھرتا پھرتا اُسی کنوئیں پر پہنچ گیا جس میں یوسف علیہ السلام موجود تھے۔ اُس نے سمجھا کہ کنوئیں میں پانی ہو گا۔ فَأَدْلٰی دلوہ چنانچہ اس نے اپنا ڈول کنوئیں میں ڈال دیا۔ جب ڈول کو کنوئیں سے باہر کھینچا تو اس میں پانی کی بجائے بچے کو دیکھ کر حیران رہ گیا قَالَ لَیْسَ بِیْ هٰذَا عَلَمٌ کہنے لگا: اے خوش خبری! یہ تو لڑکا ہے۔ اُس وقت غلامی کا رواج پوری دنیا میں رائج تھا۔ اور لونڈی غلام ایک قیمتی اثاثہ سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو مفت میں غلام مل گیا، اس کو فروخت کر کے پیسے کمائیں گے وَأَسْتَوْوْهُ بِسَاعَةٍ چنانچہ بچے کو برآمد کر لے والوں نے اسے پونجی کے طور پر چھپا لیا کہ باقی قافلے والوں کو بتائے بغیر ہم خود ہی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام کاروائیوں سے واقف ہو کہ ہر نفس کے دلی ارادے کو بھی جانتا ہے کہ کوئی کس نیت اور ارادے سے کوئی کام انجام دے رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے ہمدرد یوسف بھی کنوئیں کی نگرانی کر

یوسف علیہ السلام  
کی فرشتگی

سے تھے۔ اس واقعہ کے بعد جب کمزئیں پہ آئے تو وہاں اپنے بھائی کو نہ پایا۔ سمجھ گئے کہ قافلے والے نکال کر لے گئے ہیں۔ اُن کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ کر آ گیا ہے، اُسے واپس کر دو۔ یا اگر تم چاہو تو اُسے عزیز بھی سکے ہو۔ خوبصورت بچہ تھا، قافلے والے غریب نے پریمی رضامنہ ہو گئے چنانچہ وَشَىٰ وَهُ بِشَمَنِ تَجَسَّسَ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو مختصری قیمت پر قافلے والوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور دو قیمت کیا تھی دُرَّاهِمَ مَعْدُودَةٍ چند گئے ہوئے درہم، یعنی بہت ہی معمولی قیمت کے بدلے یوسف علیہ السلام کو فروخت کر دیا۔ بائبل کی روایت میں آتا ہے کہ کل بیس درہم حاصل کیے جو دس بھائیوں نے دو دو درہم کے حساب سے آپس میں تقسیم کر لیے۔

مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ عزیز و فروخت کی اس کارروائی کے دوران یوسف علیہ السلام نے کوئی کلام نہ کیا۔ انہوں نے یہ بھی نہ کہا کہ میں غلام نہیں ہوں بلکہ میں ان کا بھائی ہوں۔ اس کی وجہ مفسرین یہ بتاتے ہیں کہ جب شرفا پر ابتلا آ جاتی ہے تو پھر وہ صبر و استقامت کا اظہار کرتے ہیں۔ تاکہ اُن کے خاندان پر کوئی عرت نہ آئے۔ اسی صلاحت کے تحت یوسف علیہ السلام نے بھی خاموشی اختیار کی۔ دوسری طرف اس بات کا بھی امکان تھا کہ اگر بھائیوں کو جھٹلانے کی کوشش کی تو وہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ جان سے ہی مار دیں، بہر حال بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو نہایت ہی ادنیٰ قیمت پر فروخت کر دیا وَكَانُوا فِیْهِ مِنَ الْزَّالِمِیْنَ اور اس میں بہت بے رغبتی کرنے والے تھے۔ یعنی انہوں نے بھائی کو لاپرواہی سے معمولی داموں فروخت کر دیا۔ اُن کا مقصد محض یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کسی طریقے سے اپنے باپ کی نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو جائیں۔ اس طسرخ



انہیں کچھ پیسے بھی مل گئے اور ان کا مقصد بھی پورا ہو گیا۔  
 دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی اپنا کام کر رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ  
 اسی ذریعے سے یوسف علیہ السلام کو بام عروج تک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ  
 قافلہ مصر جا رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر جو حالات پیش آئے ان کا ذکر اگلی  
 آیتوں میں آ رہا ہے

---

وما من دآیة ۱۲

سورة یوسف ۱۲

درس ششم ۶

آیت ۲۱ تا ۲۲

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِمَرْأَتِهِ اِكْرِمِي مَثْوَاهُ  
عَلَىٰ اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذْهُ وَلَدًا وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا  
لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَاْوِيلِ الْاَحَادِيثِ  
وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ اَمْرِهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا  
يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱ وَلَمَّا بَلَغَ اَشَدَّ اَتَيْنَهُ حُكْمًا  
وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝۲۲

ترجمہ :- اور کہا اُس شخص نے جس نے خریدا تھا اس  
(یوسف) کو مصر میں اپنی بیوی سے کہ عزت سے رکھنا اس  
کو شاید کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا  
لیں ۔ اور اسی طریقے سے ہم نے ٹھکانا دیا یوسف علیہ السلام  
کو زمین میں اور تاکہ ہم سکھائیں اس کو باتوں کو ٹھکانے  
لگانے کا طریقہ ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے کام میں ۔  
لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۝۲۱ اور جب پہنچے (یوسف)  
اپنی قوت تک تو وہی ہم نے اُن کو حکمت اور علم ۔  
اور اسی طرح ہم بلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ۝۲۲

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں گرے  
ہوئے جب تین دن گزر گئے تو وہاں سے قافلے والوں نے آپ کو نکال لیا ۔ یہ  
قافلہ دین سے منہ جارتھا ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ دین کے باشندے تھے جبکہ

بعض دوسرے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کے لوگ تھے۔ بہر حال دوران سفر قافلے والوں کو کنعان سے یہ بچہ مل گیا۔ اُدھر بھائی بھی نگرانی کر رہے تھے۔ جب یوسف علیہ السلام قافلے میں پہنچ گئے تو بھائی بھی وہاں پہنچے اور کہا کہ یہ ہمارا بچہ ہے۔ اسے واپس کر دیا اگر تم اسے خریدنا چاہو تو ایسا کر سکتے ہو۔ پناہ بخیر بلدا ان یوسف نے پس درجہ کی حقیر رقم کے عوض یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

کنعان سے  
مصر تک

جس شخص نے بھائیوں سے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا تھا مفسرین کرام اس کا نام مالک ابن زعربانے ہیں اور پھر اس نے آگے مصر میں جاکر آپ کو فروخت کر دیا۔ تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ کنعان سے مصر تک کے سفر کے دوران بعض اوقات آپ کو لیجانے والوں کے دل میں رقت پیدا ہوتی تھی مگر وہ آپ کو غلام سمجھ کر آپ کے مالی مفاد حاصل کرنے کی فکر میں رہتے۔ راستے میں اس شخص نے یوسف علیہ السلام سے آپ کے وطن اور خاندان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے بتایا کہ فلاں عظیم خاندان کا فرد ہوں تو اس شخص نے افسوس کا اظہار بھی کیا۔ صاحب روح المعانی اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات قصے کہانی کی کتابوں میں ملتے ہیں لہذا ان کے متعلق پورے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال مصر پہنچ کر وہ لوگ آپ کو غلاموں کی منڈی میں لے گئے، ان کو نحاس بازار کہتے تھے جہاں غلام اور توڑی فروخت ہوتے تھے۔

اس زمانے میں توڑی غلام کی خرید و فروخت عام تھی۔ یہ تو قریباً ایک صدی ہوئی ہے کہ غلام کا رواج ختم ہوا ہے۔ رنہ یہ قدیم زمانے سے پوری دنیا میں رائج تھا۔ جب اسلام کا درو آیا تو حضور علیہ السلام اور قرآن پاک نے غلاموں کے متعلق بہت سی احکامات کیے! سلام نے غلامی کو غیر حلال



فعل قرار دیا کہ انسان فطرۃً آزاد پیدا ہوتا ہے لہذا اُسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا خلافتِ فطرت ہے۔

جب یوسف علیہ السلام مصر کے بازار میں پہنچے تو گاہکوں نے آپ کی مختلف قیمتیں لگائیں۔ اگرچہ اس معاملہ میں کوئی یقینی بات نہیں کی جاسکتی، تاہم بعض کہتے ہیں کہ آپ کی قیمت ہم وزن سونا لگائی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ ہم وزن چاندی کی پیش کش ہوئی۔ اس کے علاوہ ہم وزن کستوری اور ہم وزن ریشم بھی لوگوں نے پیش کی۔ یہ بھی بڑی قیمتی چیزیں تھیں۔ بہر حال عام غلاموں کی نسبت یوسف علیہ السلام کی قیمت بہت لگائی گئی۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ قلعے والے جس شخص نے آپ کو خریدا تھا اُس نے بھی آپ کو سستے داموں ہی فروخت کر دیا۔ اُس نے آپ کے عوض بیس دینار، ایک جوڑا جوتے اور دو سفید کپڑے وصول کیے۔ یہ سب تاریخی روایات ہیں اور کوئی یقینی بات نہیں کیونکہ قرآن پاک ان جزئیات کے متعلق خاموش ہے۔ جس شخص نے مصر میں آپ کو خریدا اس سورۃ مبارکہ میں اُس کا نام تو ظاہر نہیں کیا گیا، البتہ اُس کا لقب عزیز آتا ہے۔ بائبل کی روایت کے مطابق اس شخص کا نام فوطیفار تھا۔ بعض روایات میں فوطی مار بھی آتا ہے۔ یہ شخص حکومت کے بڑے عہدیداروں میں سے تھا وہ وزیرِ اعظم تو نہیں تھا، البتہ فنانس منسٹر (وزیرِ مالیات) یا خزانے کا انچارج تھا۔ یہودیوں کی کتابوں میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ شخص مصر کے بادشاہ فرعون کے باڈی گارڈوں کا انچارج تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ملک کی فوج بھی اسی کے تصرف میں تھی اور اس لحاظ سے یہ وزیرِ دفاع تھا۔ بہر حال اس شخص نے زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خریدا۔

یوسف علیہ السلام  
عزتِ فزانی

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لَا مِرَارَ

جس شخص نے یوسف علیہ السلام کو مصر میں خرید لیا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اکر مجی مشوۃ اس کو عزت و آبرو کے ساتھ رکھنا۔ اس کے ساتھ غلاموں کا سالوک روانہ رکھنا عسیٰ اَن یتفَعَنَا شایہ کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے اَو نکتَحُذَہُ وَاِذَا یَاہُم لَے منہ بولا بیٹا ہی بنالیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص بے اولاد تھا اور اس کی فراست بڑی صادقہ تھی۔ وہ یوسف علیہ السلام کی شکل و صورت، چال ڈھال، بول چال اور حرکات و سکنات سے جھانپ گیا تھا کہ یہ کوئی غیر معمولی آدمی ہے، اسی لیے اس نے محسوس کیا کہ یہ ہمیں مفید ثابت ہو سکتا ہے حتیٰ کہ ہم اسے مقبلیٰ بھی بنا سکتے ہیں۔ مشوٰی دراصل ٹھکانے کو کہتے ہیں اور صاحب خانہ کے لیے اوباشوں کا لفظ آتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اس غلام کو اپنے گھر میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ رکھو۔ کیونکہ ہم اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ قلیل عرصہ میں یوسف علیہ السلام کے جوہر کھل کر سامنے آ گئے وزارت کے علاوہ فرطیخار کا وسیع کاروبار بھی تھا۔ وہ جو کام بھی یوسف علیہ السلام کے سپرد کرتا، آپ اسے کمال دانائی اور محنت سے انجام دیتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دن میں اس شخص کی کاروباری آمدنی دوگنی ہو گئی۔ وہ یوسف علیہ السلام کی امانت اور دیانت کا بھی قائل ہو گیا تھا، غرضیکہ آپ کے متعلق اس شخص کا اندازہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ اللہ نے فرمایا وَكَذٰلِكَ مَكِّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ اور اس طریقے سے ہم نے یوسف علیہ السلام کے قدم زمین میں جما دیے یعنی انہیں باعزت ٹھکانا بیٹھا آگیا اور اس طرح خاندان اسرائیل کے ورود مصر کے لیے راہ ہموار ہو گئی۔ آپ کے بھائی تو آپ کو ذلیل و خوار کرنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ آپ کو بام غرور تک پہنچانا چاہتا تھا، لہذا یہ تمام مصائب و تکالیف منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے نہیں بننے چلے گئے۔

عالمین  
فرستاد

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں  
تین شخصوں کو فرستادھا۔ ایک شخص نوہی فوطیف  
ہے جس نے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا تھا۔ دوسری صاحب فرست  
شخصیت حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی جس نے باپ سے  
سفارش کی تھی کہ یَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ذَانِ خَيْرٍ مِّنْ اسْتَأْجَرْتُ  
الْقَوٰی اَلْاِمْرَئِیْنَ اے باپ! موسیٰ علیہ السلام کو ملازم رکھ لیں  
یہ مضبوط بھی ہے اور امین بھی۔ بیٹی نے بتایا کہ اس شخص نے پانی  
کا وہ ڈول اکیلے نکال لیا جو کئی کئی آدمی مل کر مکالتے ہیں، لہذا یہ بڑا  
طاقتور ہے۔ اور امین اس لحاظ سے ہے کہ جب میں اس کو  
بلانے کے لیے گئی تو میں آگے آگے تھی اور یہ پیچھے پیچھے آ رہا تھا  
ہوا پل رہی تھی جس کی وجہ سے کچرا اٹھ کر بے پردگی کا خطرہ تھا۔ لہذا  
اس شخص نے مجھے کہا کہ تم پیچھے ہو جاؤ اور میں آگے آگے چلتا ہوں  
تاکہ تم پر میری نظر نہ پڑے۔ غرض یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی  
نے بڑی فرست کی بات کی۔ فرماتے ہیں کہ تیسری صاحب فرست  
صادقہ شخصیت حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے جنہوں نے اپنی فرست  
سے یہ بات پالی تھی کہ امت میں ان کے بعد نظام خلافت چلانے  
والا حضرت عمرؓ سے بہتر کوئی آدمی نہیں، لہذا آپ نے اپنی وفات  
سے قبل خلافت کے لیے حضرت عمر فاروقؓ کی نامزدگی کر دی تھی۔  
فرمایا ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں ٹھکانا دیا۔

تأویل الاحادیث  
مکمل

تَلْعَسْتُمْ مِمِّنْ تَأْوِيلِ الْاِحَادِيثِ اور تاکہ ہم  
آپ کی باتوں کو ٹھکانے لگانے کا طریقہ سکھا دیں۔ اس سے مراد  
خواب کی تعبیر بھی ہے اور عام معاملات کو ٹھیک طریقے سے  
نہانے کی صلاحیت بھی مراد ہے۔ کسی معاملہ کی تک پہنچ کر



اُس کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا ہر آدمی کا کام نہیں بلکہ ایسا وہی شخص کر سکتا ہے۔ جسے اللہ نے خاص صلاحیت بخشی ہو۔ فرمایا وَاللَّهُ عَلِيمٌ عَلَى أَمْرِهِ اللہ تعالیٰ اپنے معاملات میں غالب ہے وہ جو چاہے کر ڈالے یا کسی کام کے ہو جانے کے لیے راستہ ہموار کر دے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے میں کوئی شخص دخل نہیں لے سکتا۔ اُس کی تدبیر تمام تدابیر پر حاوی ہے۔ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمُنْظِرِينَ۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کنندہ ہے وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے کیونکہ اُن کو علم ہو تو پھر ایسی ویسی باتیں نہ کریں۔ مشرکین مکہ نے بھی حضور علیہ السلام کو ختم کرنے کی بڑی بڑی تدبیریں کیں مگر انہیں ہر بار ناکامی ہوئی کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر غالب ہے اور اس کی تدبیر کے سامنے کسی دوسری ہستی کی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مدبر اور متصرف ہے اور وہی ہر کام میں غالب ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ اور جب پہنچے یوسف علیہ السلام اپنی قوت کے زمانے یعنی شباب کو مطلب یہ ہے کہ جب آپ کی عمر تیس یا تینتیس سال ہو گئی اَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا تو ہم نے آپ کو حکمت اور علم عطا کیا۔ اس سے نبوت بھی مراد لی جاسکتی ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام کی طرح یوسف علیہ السلام کو بھی بچپن میں ہی نبوت عطا ہو گئی تھی مگر بعض کہتے ہیں کہ آپ کو نبوت چالیس سال کے بعد ملی، البتہ اللہ نے آپ کو دانائی، حکمت اور صحیح فہم پہلے ہی عطا کر دیا تھا۔ امام ابن دریدؒ فرماتے ہیں كُلُّ كَلِمَةٍ وَاعْظَمْتُكَ أَوْ رَجَعْتُكَ أَوْ دَعَيْتُكَ إِلَىٰ مَكْرُمَةٍ أَوْ نَهَيْتُكَ عَنْ قَبِيحٍ فَهِيَ حُكْمٌ وَحُكْمُهُ یعنی ہر ایسی بات جو تمہارے لیے

کمال  
حکمت و علم

نصیحت کا باعث ہو یا تمہیں تنبیہ کرنے والی ہو یا تمہیں بزرگی کی طرف بلانے  
یا قبیح چیز سے منع کرنے والی ہو حکمت کہلاتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ  
پانی پتی حکمت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں اَلْحِكْمَةُ مَعْرِفَةُ اَفْضَلِ  
اَلْشَيْءِ بِاَفْضَلِ اَلْكُلُوْمِ یعنی سب سے افضل چیز کو افضل علم کے  
ساتھ جاننا حکمت کہلاتا ہے۔ سب سے افضل چیز خدا تعالیٰ کی ذات اور  
اس کی صفات ہیں اور سب سے افضل علم علم حضوری یعنی مشاہدے کا علم  
ہے اور یہ ایسا بلند درجے کا علم ہے کہ جس کے ذریعے خدا تعالیٰ کی تہمت  
منکشف ہوتی ہیں۔ یہ علم انبیاء کے کوام اور بلند ترین حکماء نے ربانی کو حاصل  
ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ کے فرمایا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو حکم اور علم  
عطا فرمایا۔

ایک  
غلط فہمی

بعض مفسرین، جن میں مولانا مودودی بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ  
یوسف علیہ السلام کا خاندان دیہات میں رہتا تھا۔ بدویانہ زندگی میں گزارنی  
کرتا تھا اس لیے متمدن دنیا کے حالات سے بے خبر تھا۔ اللہ تعالیٰ  
نے یوسف علیہ السلام کو مصر جیسی متمدن سلطنت میں بھیجا تاکہ آپ متمدن  
دنیا کے حالات سے تربیت حاصل کر سکیں۔ اس بات کو کسی خاص  
حد تک تو تسلیم کیا جاسکتا ہے مگر مکمل طور پر نہیں کیونکہ اللہ کے نبیوں  
کو تربیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے  
ہیں کہ اخلاقی لحاظ سے علیم الناس کو چاہئے کہ وہ ہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے  
بعض لوگ اخلاق سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔

بعض میں اخلاق کا اہم ولی حصہ ہوتا ہے، بعض میں اخلاق کا دافع حصہ وجود ہوتا  
ہے اور بعض انان اخلاق کے امام ہوتے ہیں اور وہ کسی دوسرے شخص

سے اخلاق نہیں سیکھا کرتے بلکہ باقی لوگ ان سے اخلاق کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اس سے یہ نظریہ باطل ہو جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو مصر میں تربیت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ جسے خود اللہ تعالیٰ حکمت اور علم عطا فرمائے اُس کے لیے نظام حکومت چلانا مشکل نہیں رہتا۔ عام انسانوں کے لیے تو تربیت کا قانون درست ہے مگر اللہ کے انبیاء پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

یہیں سے ڈارون کی تھیوری بھی غلط ثابت ہوتی ہے جس نے یہ بات ثابت کرنے کے لیے ایڈمی چوٹی کا زور لگایا کہ انسان پہلے بندہ تھے پھر ترقی کرتے کرتے انسانیت کے درجے پر پہنچ گئے۔ اس تھیوری کی تردید خود یورپ کے سب سے زیادہ بڑے بڑے مافدانوں اور دانشوروں نے بھی کی ہے۔ قرآن پاک ایسی تھیوری کی مکمل نفی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا نبی بنایا اور نبی کے متعلق یہ قطعی بات ہے کہ وہ افضل الناس یعنی تمام لوگوں سے زیادہ عظیم ہوتا ہے۔ اس لیے اُسے دوسرے لوگوں سے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ لوگ نبی سے سیکھتے اور تربیت حاصل کرتے ہیں

فرایا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ اور ہم اس طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ اللہ تعالیٰ کا کامل دیکھنے کا اظہار گنہگار جو کبھی صبر کا دامن نہیں چھوڑتا محسن کہلاتا ہے اور اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ محسن کے بدلے کو ضائع نہیں کرتے بلکہ ایسے لوگوں کو باہم عروج تک پہنچاتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے

نیکی کا  
بدلہ



کمال اطاعت اور صبر کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت اور علم عطا  
فرما کر اپنے کمال عنایات سے نوازا اور باہم عروج تک پہنچایا۔

---

وما من دابة ۱۲

سورة يوسف ۱۲

درس ہفتم ۷

آیت ۲۳ تا ۲۴

وَرَأَوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ  
 الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ  
 رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾  
 وَلَقَدْ هَمَمْتُ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ  
 رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ  
 مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾

ترجمہ ۱۔ اور پھسلایا اس (یوسف علیہ السلام) کو اس کے جی  
 سے اس عورت نے جس کے گھر وہ رہتے تھے۔ اور بند  
 کر دیے اس عورت نے تمام دروازے۔ اور کہا اس نے ادھر  
 آؤ جلدی کرو۔ کہا اس یوسف (علیہ السلام) نے پناہ بخدا۔ بے شک  
 وہ میرا مالک ہے۔ اس نے میرا ٹھکانا اچھا بنایا ہے۔ جسک  
 فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے ﴿۲۳﴾ اور البتہ یہ تحقیق ارادہ  
 کیا اس عورت نے یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ (برائی کا) اور  
 یوسف (علیہ السلام) نے بھی ارادہ کیا اس کے ساتھ۔ اگر نہ  
 دیکھتا وہ برہان اپنے رب کا (تو شاید اس کا میلان اس کی  
 طرف ہوتا) ایسا ہی ہوا۔ تاکہ ہم دور کر دیں اس سے برائی  
 اور بے حیائی کی بات کو۔ بے شک وہ ہمارے منتخب بندوں  
 میں سے تھا ﴿۲۴﴾

تشریح آیات  
 هَيْئَتٌ يَأْتِيَتْ اَصْلٌ فِي سَرِيَانِي، حَوَارِي يَاقِبْلِي زَبَانٍ كَالْفُطْطِ بِهٖ۔ اور  
 عربی میں اس کا معنی کَلَّمَ لَكَ يَأْتَعَالِ بِمَنْسَبِہٖ جو اسم فعل کے معنی میں  
 آتا ہے۔ آؤ۔ قریب ہوا ہواؤ کا مفہوم دیتا ہے برہان کا معنی سند اور دلیل  
 ہوتا ہے جس سے شک و شبہ یا ابہام وغیرہ ختم ہو جاتا ہے۔ سکون  
 و یقین حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس مقام میں برہان کا معنی اور مفہوم متعین  
 کرنے میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ حضرت  
 عبداللہ بن عباسؓ، جن بصری، سعید بن جبیرؓ وغیرہم کے نزدیک برہان  
 یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت یعقوب  
 علیہ السلام کی صورت کو دیکھا تھا۔ دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے۔ امام  
 ولی اللہؒ دیکھی ہی کہتے ہیں۔ یعنی صورت یعقوب حاضر شد انگشت  
 بنداں گرفتہ (حاشیہ فتح الرحمن)

اور بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف  
 علیہ السلام کے سینہ پر ایک دھپا رسید کیا۔ جس سے ان کے تمام  
 شہوانی خیالات گم ہو گئے۔ بعض نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا  
 آقا عزیز مصر جس کا نام فوطی فار یا قطفیر تھا۔ اس کی خیالی صورت سامنے  
 آئی تھی اور بعض سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام  
 نے سر اوپر اٹھایا تو محبت کی دیوار پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ "لَا تَقْرُبُوا الزَّوْجِي  
 اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَمَمْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا" (ابن کثیر)

فَاَلْجَعَفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الصَّادِقُ  
 السُّبُوَّةُ الَّتِي اَوْدَعَ اللّٰهُ فِي  
 صَدْرِهِ حَالَتْ بَيْنَهُ

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا  
 ہے کہ برہان سے مرد نبوت ہے جو  
 اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے  
 سینہ میں دو بیت رکھی ہوئی تھی وہی  
 اس برہانی کے درے مائل ہوئی

(مظہری ص ۱۵۱)



بعض مفسرین کرام نے ہَمَّ بِهَا کے جملہ کو لَوْلَا اَنْ تَابُ هَا نَ رَبِّہِ کی شرط کی جزایا جواب میں داخل کیا ہے۔ لیکن بخوبی حضرات نے اس پر اشکال کیا ہے کہ لولا حروف شرط کے حکم میں ہوتا ہے اور اس کا جواب اس سے مقدم نہیں آسکتا۔

لَا اَنْ لَوْلَا فِي حَكْمِ  
اَدْوَاتِ الشَّرْطِ فَلَا يَتَقَدَّمُهَا  
جَوَابُهَا وَجَازَا ت  
يَكُونُ هَمَّ بِهَا  
الْمَذْكُورُ قَبْلَهَا دَلِيلًا  
عَلَى جَوَابِهَا. يَعْنِي لَهُمْ  
بِهَا. وَمَعْنَى الِهَمِّ الْمَذْكُورِ  
عَلَى هَذَا شَارِفُ الِهَمِّ  
فَهُوَ كَقَوْلِهِ قَتَلْتَهُ لَوْ كُمْ  
اَخِيفَ اللَّهُ تَقْدِيرُهُ شَارِفًا  
عَلَى قَتْلِهِ لَوْ كُمْ  
اَخِيفَ اللَّهُ قَتْلَهُ

اس لیے کہ لولا آلات شرط کے  
حکم میں ہے اس کا جواب اس سے  
مقدم نہیں آسکتا اور جائز ہے کہ  
ہم باجوہ کہ پہلے مذکور ہے اس شرط  
سے، وہ دلیل اور قرینہ ہو اس کے  
جواب پر یعنی لہمَّ بِهَا اور اس  
طریق پر لہمَّ مذکور کا معنی اقرب  
ہونے کا ہوگا جس طرح اس محاورہ  
میں ہے کہ میں اس کو قتل کر دیتا  
اگر اللہ کا خوف نہ کھاتا یعنی قریب  
تھا کہ میں اس کو قتل کر دیتا اگر اللہ کا  
کا خوف مجھ میں نہ ہوتا۔

(مظہری ص ۱۵۶)

بعض نے اس طرح معنی بیان کیا ہے کہ اس عورت نے یوسف  
علیہ السلام کا قصد کیا برائی کے ساتھ اور یوسف علیہ السلام نے قصد کیا  
اس سے بھاگنے کا۔

امام بیضاوی نے یوسف علیہ السلام کے ہم کو طبعی میلان اور  
خواہش کے ساتھ کشمکش کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ اختیار می قصد  
نہیں مراد جس پر براغذہ ہوتا ہے۔

قَالَ الشَّيْخُ أَبُو مَسْصُورٍ الْمَازِينِيُّ  
 هَمَّ يُوسُفُ بِهَا هَمَّ  
 خَطِيرَةً وَلَا صَنَعَ لِلْقَبْرِ  
 فِيمَا يَخْطُرُ بِالْقَلْبِ  
 وَلَا مَوْخَذَةً عَلَيْهِ  
 (تفسیر مظہری ص ۱۵۲)

اور حضرت امام شیخ ابو منصور مازنی نے کہا جبکہ کہ یوسف علیہ السلام کا قصد اس عورت کے ساتھ دل میں کشکے کا قصد تھا اور اس میں بندہ کا کوئی اختیار نہیں ہوتا جو کھٹکا اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور اس پر اس بندہ سے کوئی مواخذہ بھی نہیں ہوتا یہ غیر اختیاری ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ بَنَیَ هَذَا رَجُلًا سے مراد حضرت زنا کا معاملہ جو یوسف علیہ السلام کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ نے مرکوز کر دیا تھا کہ یہ ایک فعل شفع اور حرکت قبیح ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ظالم اور بدکردار انسان ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام جو نور کا پیکر اور خوبصورت ترین شخصیت کے مالک تھے۔ پاکیزہ ترین سیرت اور نزاہت اور طہارت کے ساتھ متصف تھے۔

اعدان کی اعلیٰ سیرت کا یہ مقام و مرتبہ بہت بلند تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں عصمت و حفاظت کے اس بلند ترین مقام پر فائز فرمایا تھا جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ترغیبات و تحریصات اور تحذیفات و تہنئات کا کوئی شدید طوفان بھی اس ناقابل تسخیر چٹان کو اپنے مقام سے ہلانہ سکا۔ انسانی سیرت و کردار کا جو اعلیٰ و ارفع مقام حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش کیا، اور اس راستہ کی تمام مشکلات و مصائب کو جس صبر و استقامت سے

پر داشت کیا وہ ہر انسان کے بس کا روگ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کہ بے شک اسی عورت نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ ارادہ کیا۔ یہ ارادہ بڑے خیال کا تھا۔ لیکن یوسف علیہ السلام نے بھی ارادہ کیا اس عورت کے ساتھ اگر نہ دیکھا ہوتا اس نے برہنہ اپنے رب کا تو ممکن ہے کہ اس کے دل میں بھی اس کی طرف میلان ہوتا، لیکن برہنہ رب کا دیکھنا یوسف علیہ السلام کے لیے اس میلان سے مانع ہوا اس ہمہ میں عورت کا قصد و ارادہ تو یقیناً اپنی خواہش کو پورا کرنے کا تھا۔ لیکن یوسف علیہ السلام کے ہم اور قصد کی نوعیت کیا تھی۔ اس بارہ میں مفسرین کرام نے مختلف قسم کی توجیہ بیان کی ہیں۔ بعض مفسرین نے کھڑکھٹکے سے مراد عزم یا قصد علی الفعل نہیں لیا۔ بلکہ عزم سے کمتر درجہ کے کھٹکے۔ خواطر یا حدیث النفسی کے درجے کے جو خیالات ہوتے ہیں وہ مراد ہیں۔ جو قابل مؤاخذہ نہیں ہوتے۔ قابل مؤاخذہ صرف عزم ہوتا ہے۔ یعنی یوسف علیہ السلام کے قلب میں کچھ رغبت و میلان ہے اختیار پیدا ہوا جس طرح روزہ دار انسان کو گرمی میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعاً رغبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن نہ تو وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے اور نہ یہ بے اختیار رغبت کچھ متمیز ہے۔ لیکن باوجود طبعی رغبت کے اس سے قطعاً محترز رہنا مزید اجر و ثواب کا موجب ہے اسی طرح سمجھ لو کہ ایسے اسباب و دواعی قویہ کی موجودگی سے طبع بشری کے موافق بلا اختیار و ارادہ یوسف علیہ السلام کے دل میں کسی قسم کی رغبت و میلان کا یا یا جانا نہ عصمت کے منافی ہے نہ ان کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ کی حدیث



میں ہے کہ اگر زندہ کامیلان کسی برائی کی طرف ہوا، لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے فروغیات میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس نے باوجود رغبت و میلان کے میرے خوف سے اس برائی کو مانتہ نہ لگایا بہر حال باوجود اشتراک لفظی کے زلیخا کے ہم اور یوسف علیہ السلام کے ہم میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے دونوں کے ہم کو ایک ہی لفظ میں جمع نہیں کیا اور نہ زلیخا کے ہم کی طرح یوسف علیہ السلام کے ہم پر لام اور قد داخل کیا گیا۔ بلکہ سیاق و لحاق میں بہت سے دلائل یوسف علیہ السلام کی طہارت و نزاہت پر قائم فرمائیے۔ جو غور کنیوالوں پر پوشیدہ نہیں حضرت شیخ عثمانیؒ: ”بحاشیہ قرآن“ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی تربیت عجیب طریقے پر فرمائی تھی ایک طرف اگر عزیزہ کی بوی زلیخا نے ان کے سامنے نہایت خطرناک منزلۃ الافکار، پھسلنے کا موقع اور شدید قسم کا امتحان کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو تمام کائنات میں نصف حسن سے آراستہ و پیراستہ کیا تھا (اعلیٰ شظرائی) مسلم۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج تیسرے آسمان پر میری ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ان کو نصف حسن عطا کیا گیا ہے) اور ادھر زلیخا ان کے اس حسن و جمال پر مفتون تھی، اس نے دیکھی اور نہ ہوشربائی کے سارے سامان جمع کر دیے اور چاہا کہ یوسف علیہ السلام کے دل کو ان کے قابو سے باہر کر دے۔ اضافی جذبات کو پورا کرنے کے لیے ہر قسم کے عیش و نشاط کے سامان موجود تھے۔ یوسف علیہ السلام کا ہر وقت اس کے گھر میں موجود رہنا اور اس کا نہایت محبت و پیار سے رکھنا۔ پھر علیحدگی اور نہائی کے وقت عورت کی طرف سے خواہش کا بے تابانہ اظہار اور کسی غیر کے آنے جانے کے

تمام راستے مسدود اور تمام دروازے بند۔ اور اُدھر جو اپنی کی عمر فوت کا زمانہ، مزاج میں اختلال، سبزدی کی زندگی ایسے تمام اسباب و دوائی تھے کہ عام حالات میں بڑے سے بڑے زاہد و متقی کا تقدیر بھی ان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جس مہستی کو محسن قرار دیکر علم و حکمت کے رنگ میں رنگین کیا اور پیغمبرانہ عصمت کے بلند مقام پر پہنچایا ممکن نہیں تھا کہ شیطان کا دلو اس پر چلتا، یا کسی طرح وہ اپیرقا بویا لیتا۔ اس نے ایک جملہ معاذ اللہ کہہ کر شیطان کے جال کے تمام حلقے توڑ ڈالے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پناہ میں رکھا اس پر شیطان کا وار کس طرح چل سکتا تھا؟

اس نے کہا پناہ بخدا میں ایسی قبیح و رذیل حرکت کا ارتکاب کس طرح کر سکتا ہوں۔ (اس خیانت کا ارتکاب مجھ سے ممکن نہیں) عزیز تو میرا مربی ہے جس نے مجھے عزت و راحت سے رکھا ہے کیا میں اپنے محسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ ایسی محسن کشی اور بے انصافی کرنے والے کبھی مہللائی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے (شیخ عثمانی) اس سے ظاہر ہے کہ اندہ ربی کی ضمیر مجازی مربی کی طرف راجع ہے اور اس میں کوئی غرابی نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بنی کس طرح کسی ان کو اپنا رب کہہ سکتا ہے۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں کیونکہ ربی جس طرح حقیقی مالک پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مجازی پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور رب کا معنی مالک۔ آقا اور سید ہوتا ہے۔ اسی سورت میں آیت نمبر ۴۴ میں "أَفَكُنْزِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَدْنَاهُ الشَّيْطَانُ" ذَكَرَ رَبِّهِ فَلَمَّا فِي السَّيِّئِينَ بِضَعِ سِنِينَ" میں بھی رب سے مراد مالک سید آقا اور بادشاہ ہے پھر اس مقام میں مجازی مالک کے مراد ہونے پر قرینہ بھی موجود ہے إِنَّهُ أَحْسَنُ مَشْوَاهِي جس نے

میراث کا نہ اچھا بنایا ہے۔ وہ یقیناً عزیز مہر تھا۔ اس نے یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے بعد ہی اپنی بیوی سے کہہ دیا تھا اَکْرِمٰی مَثْوَاہُ عَسٰی اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَضِیْحَہُ لٰہِذَا اِنَّہٗ رَیْحٌ مِّنْ اٰیٰتِہٖ مَاکَ مَجَازِیْ مَرَادٍ ہِے اِنَّہٗ رَیْحٌ اَکْرَمٌ حَقِیْقِیْ مَاکَ (اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس) مراد لی جائے تو بھی درست ہے۔ کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کے فضل و احسان کے نتیجہ میں واقع ہوا ہے لیکن پہلی تفسیر کی تغلیط درست نہیں کیونکہ منیر شان کے ساتھ لاحق کمر کے رب کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس سے عزیز کا مراد لینا درست ہے۔ اور اس لیے بھی کہ رب ان صفات مختصہ میں سے نہیں جن کا اطلاق ہر حال میں غیر اللہ پر ناجائز ہو۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالْغُیُوْبِ



وما من دآبۃ ۱۳

سورة یوسف ۱۳

درس ہشتم ۸

آیت ۲۵ تا ۲۹

وَأَسْبَقَ الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَالْفَتَا  
 سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ  
 بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ②۵  
 قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ  
 أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ  
 وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ②۶ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ  
 دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ②۷ فَلَمَّا رَا  
 قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ  
 إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ②۸ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا  
 وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ ②۹

ترجمہ :- اور دوڑتے دو دونوں (یوسف اور عورت) دروازے کی  
 طرف اور اُس نے پہاڑ دی اُس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے  
 اور پایا اُن دونوں نے اُس (عورت) کے خاوند کو دروازے  
 کے پاس ۔ کہنے لگی نہیں ہے سزا اُس شخص کی جس نے  
 ارادہ کیا ہے تیرے اہل کے ساتھ برائی کا سولے اس کے  
 کہ اُس کو قید میں ڈالا جائے یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے ②۵  
 کہا (یوسف نے) اسی عورت نے مجھے بھلا چاہا ہے اپنے

جی سے . اور گراہی دی ایک گراہی مینے دے نے اس عورت  
 کے لوگوں میں سے کہ اگر اس کی قیص پھاڑی گئی ہے مائے  
 سے تو یہ سچ کتی ہے اور یہ جھوٹا ہے (۲۶) اور اگر  
 اسکی قیص پھاڑی گئی ہے پیچھے سے تو وہ عورت جھوٹ  
 کتی ہے اور یہ سچا ہے (۲۷) پس جب دیکھا اُس (عزیز مصر)  
 نے کہ قیص پیچھے سے پھاڑی گئی ہے تو کہنے لگا . بیشک  
 یہ تمہارے فریبوں میں سے ہے . بیشک تمہاری فریب کا یہاں  
 بڑی ہیں (۲۸) (اور اوسر یوسف سے کہا ) اے یوسف ! درگزر کرو  
 اس بات سے . اور (عورت سے کہا کہ ) ممانی ہاگ اپنے گناہ  
 کے لیے . بیشک تو ہی خطاکاروں میں سے ہے (۲۹)

قیص کا  
 پھٹ جائے

گذشتہ درس میں یوسف علیہ السلام کی ابتلاء کا ذکر ہو چکا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے  
 آپ پر فریفتہ ہو کر ڈور سے ڈالنے شروع کیے اور برائی پر آمادہ کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے  
 آپ کی حفاظت فرمائی۔ جب اُس عورت نے دروازے بند کر لیے تو یوسف علیہ السلام  
 نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی اور عورت بھی آپ کے پیچھے بھاگی۔ اس واقعہ  
 کو قرآن پاک نے اس طرح بیان کیا ہے۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ اور وہ دونوں (یوسف  
 اور زلیخا) دروازے کی طرف دوڑے۔ آگے آگے یوسف علیہ السلام تھے اور پیچھے پیچھے  
 عزیز مصر کی بیوی تھی۔ یوسف علیہ السلام تو برائی سے بچنے کے لیے بھاگے جب  
 عورت انہیں برائی پر آمادہ کرنے کے لیے پکڑنا چاہتی تھی۔ ظاہر ہے کہ عورت نے  
 بھاگ کر پیچھے سے یوسف علیہ السلام کی قیص پکڑ لی ہوگی۔ اور یوسف علیہ السلام اے  
 چھڑانا یا بتے ہوں گے اس کہینچا تانی میں وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرِ اُسْ عَوْرَتِ  
 نے یوسف علیہ السلام کی قیص پیچھے سے پھاڑ دی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ  
 زلیخا نے دروازے کو تالا لگا دیا تھا جو کہ درست نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے

کنڈا لگا دیا ہو جسے کھول کر یوسف علیہ السلام باہر نکلتا چاہتے تھے۔  
یوسف علیہ السلام کی قمیص کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے جب کہ  
بھائیوں نے آپ کی خون آلود قمیص اس دعوے کے ساتھ باپ کے  
سامنے پیش کی تھی کہ آپ کو بھیڑ یا کھا گیا ہے۔ یہاں پر آپ کی  
قمیص پھٹ جانے کا ذکر ہے اور آگے پھر آپ کی قمیص کا ذکر آئے  
گا جو آپ نے قاصد کے ہاتھ کنعان بھیجی تھی۔ اور جب وہ قمیص حضرت  
یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی گئی تو آپ کی بیانی لوٹ آئی تھی۔  
واقعہ یوسف علیہ السلام کے اس حصہ میں بائبل اور قرآن کے بیانات  
متضاد ہیں۔ بائبل کا بیان یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی پوری قمیص  
زلیخا کے ہاتھ میں رہ گئی۔ یہ بیان بالکل ٹھوٹ پر مبنی ہے اور یہودیوں  
کی تحریف کا نتیجہ ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زلیخا کے کھینچنے سے  
یوسف علیہ السلام کی پوری کی پوری قمیص اتر کر اُس کے ہاتھ میں آگئی ہو  
اور آپ بربہنگی کی حالت میں باہر کی طرف بھاگے ہوں۔ البتہ قرآن  
کا بیان مبنی بر صداقت ہے کہ آپ کی قمیص کھینچا تانی میں پھٹ  
گئی۔ دوسرا تضاد یہ ہے کہ بائبل کے بیان کے مطابق زلیخا نے قمیص  
دکھا کر غریزہ مشر کو شکایت کی کہ تمہارا عبرانی غلام اس کردار کا مالک ہے  
جس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اور پھر قمیص چھوڑ کر بھاگ گیا  
اس پر وہ غصہ سے بھر گیا اور اس نے یوسف علیہ السلام کو گرفتار کر کے  
فوری جیل بھیج دیا۔ اس مقام پر بھی قرآن پاک کا بیان مختلف ہے کہ  
جب غریزہ مشر نے دیکھا کہ قمیص پیچھے سے پٹی ہوئی ہے اور اس  
شیر خوار بچے نے یوسف علیہ السلام کی بیگناہی کی شہادت دی تو  
اس نے اپنی عورت سے کہا کہ یہ تیری فزیر کا رہی ہے۔ تو یوسف  
علیہ السلام سے گناہ کی معافی مانگ اور ادھر یوسف علیہ السلام سے بھی

بائبل اور  
قرآن میں  
تضاد



لہذا کہ اس معاملے کو یہیں دفن کر دو اور درگزر سے کام لو۔  
یوسف علیہ السلام کے برائی سے بھاگنے کے حوالے سے فارسی  
کا ایک نہایت عمدہ اور سبق آموز شعر ہے۔  
نیست رفتن گرچہ در عالم پدید  
ہم چو یوسف خیر و سر باید دید  
اگرچہ النان کے لیے پورے جہان میں بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ  
نہ ہو پھر بھی اس کا فرض ہے کہ وہ یوسف کی طرح برائی سے بھاگنے  
کی پوری کوشش کرے۔

خاوند سے  
شکایت

فرمایا کہ اس عورت نے یوسف علیہ السلام کی قمیص کو ہپاڑ دیا  
مگر اس کے باوجود آپ دروازے سے باہر نکل گئے، زینچ بھی پیچھے  
آ رہی تھی وَالْفَیْکَا سَیِّدَہَا لَدَا الْبَابِ تو پایا اُن دونوں نے عورت  
کے خاوند یعنی عزیز مصر کو دروازے کے پاس۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ اس  
وقت عزیز مصر بھی کہیں قریب ہی تھا۔ جب زینچ نے اپنے خاوند کو  
پایا تو اپنی برأت کے لیے فوراً پینتر ابدلا اور الٹا یوسف علیہ السلام کو  
قصور وار ٹھہرانے کی کوشش کی قَالَتْ مَا جِئْتُ مِنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ  
سُقُوءَ کُنْتُ مَکِی، نہیں سزا اس کی جس نے تیرے اہل کے ساتھ برائی کا  
ارادہ کیا ہے اِلَّا اَنْ یُّسَجِّنَ سوائے اس کے کہ اُسے قید کیا جائے۔  
اَوْ عَذَابٍ اَلِیْسَ اِکُوْنِی دوسری سخت سزا دی جائے۔ یعنی پٹائی  
وغیرہ کی جائے۔ اس موقع پر یوسف علیہ السلام کی خاموشی عورت کی  
بات کی تصدیق کرنے کے مترادف تھی لہذا آپ نے اپنی صفائی  
پیش کرنے کا حق استعمال کیا قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِی عَنْ نَفْسِی  
فرمایا کہ اس عورت کا بیان غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ اسی عورت  
نے مجھے اپنے نفس سے پھیلانا چاہا ہے۔ مجھے برائی پر آمادہ کرنا

یوسف علیہ السلام  
کی بیگناہی

چاہتی ہے جب کہ میں بالکل بے قصور ہوں

اس پر زلیخا نے اپنے دعوے کی تائید میں کچھ اور باتیں بھی کی ہوں گی اور اپنے خاوند پر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ جب عزیز مصر کے لیے حقیقت حال کو معلوم کرنا مشکل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے یہ انتظام فرمایا وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا اِنَّ عَمْرَةَ كَافِرَةٌ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اقرار کیا ہے اور عورت بچنا چاہتی ہے وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدْرَتٌ۔ دُبی اور اگر آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے فَكَذِبْتَ تو عورت جھوٹی ہے وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ اور یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ آپ بھاگنا چاہتے تھے مگر زلیخا نے پیچھے سے پکڑنے کی کوشش میں قمیص کو بھاڑ دیا۔

قرآن کی یہ شہادت عزیز مصر کو پناہ آئی فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدْرَتٌ۔ دُبی پھر جب اُس نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے اِنَّ عَمْرَةَ كَافِرَةٌ۔ دُبی اور اگر آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے فَكَذِبْتَ تو عورت جھوٹی ہے وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ اور یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ آپ بھاگنا چاہتے تھے مگر زلیخا نے پیچھے سے پکڑنے کی کوشش میں قمیص کو بھاڑ دیا۔

خاندان زلیخا میں سے گواہی دینے والا کون آدمی تھا؟ اس کے متعلق مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک عاقل اور بالغ شخص تھا اور اُس نے نہایت حکیمانہ گواہی دی جس کی بنا پر عزیز مصر

کو اصل واقعہ کا علم ہو گیا۔ البتہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا۔ اللہ نے اس کو قوت گویائی عطا کی اور اس نے اپنے پیرائے میں گواہی دی کہ یہ براہ راست کسی کے خلاف نہ تھی بلکہ محض ایک قرینے کی نشاندہی کی گئی تھی جو کہ قابل فہم اور قابل عمل تھی، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کا گویائی کوئی واحد عجب نہ تھی بلکہ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی بچپن میں ہی اپنی نبوت کی گواہی دی تھی کہ اللہ نے مجھے کتاب بھی دی ہے اور نبوت بھی عطا کی ہے اسی طرح ایک بزرگ حضرت جبریل پر جب ایک فاحشہ عورت نے الزام لگایا تو آپ کی بریت کی گواہی بھی ایک شیر خوار بچے ہی نے دی تھی۔ اصحاب اخذ و کے واقعہ میں بھی ایک شیر خوار بچے کے بولنے کا ذکر آتا ہے جبکہ اس کی ماں سے چھین کر آگ میں پھینک دیا گیا تھا تو اس نے اپنی ماں کو تسلی دی تھی۔ فرعون کی بیٹی کو کنکھی کر کے والی عورت کے پیٹے کو آگ میں ڈالنے لگے تو اس بچے نے بھی ماں کو صبر کی تلقین کی تھی اور کہا تھا کہ ماں تم حق پر ہو۔

کسی مقدمہ میں علامت کی اہمیت کے متعلق مفسرین بحث کرتے ہیں کہ یہ مقدمہ میں کس حد تک اثر انداز ہو سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے تمام شاگرد کہتے ہیں کہ اگرچہ علامت پر کسی کیس کا قطعی فیصلہ تو نہیں ہو سکتا مگر اس سے فیصلہ کرنے میں مدد تول سکتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی ایک چیز کے دو دعویدار ہوں تو حاکم مجانب نہ کر وہ کسی ایک فریق کی طرف سے محض علامت قبول کر کے اس کے حق میں فیصلہ دے دے، تاہم اگر دوسرا فریق مطمئن نہ ہو تو وہ گواہی پر فیصلہ دے گا۔

کیونکہ قطعی فیصلہ گواہی پر ہوتا ہے۔ بہر حال کسی چیز کی علامت

علامت  
کی اہمیت



تصفیہ میں مندرجہ ثابت ہو سکتا ہے مثلاً اگر مایاں بیوی میں کسی چیز کی ملکیت کے متعلق تنازعہ پیدا ہو جائے تو قاضی اس علامت پر بھی فیصلہ کر سکتا ہے کہ تنازعہ چیز دونوں میں سے کس کے استعمال کی ہے۔ اور اگر تنازعہ چیز مشترکہ استعمال کی ہے تو وہ خاوند کو ملے دی جائیگی تاکہ دونوں استعمال کر سکیں۔ تابعین کے زمانے کے قاضی شریح بڑے مشہور قاضی ہوئے ہیں جنہوں نے ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ قضا کی، ان کی عدالت میں دو عورتیں پیش کی گئیں جو بٹی کے ایک بچے پر اپنا حق ملکیت جلاتی تھیں۔ قاضی صاحب نے بٹی کا تنازعہ بچہ منگوا کر ایک عورت کے سپرد کیا اور فرمایا: ————— اگر یہ بچہ تک گیا، اس نے

قرار پکڑا اور اس کے ارد گرد گھومنے لگا، اگر ٹائی لی تو یہ اس کی مانوسیت کی علامت ہوگا اور بچہ اسی عورت کی ملکیت سمجھا جائیگا۔ اگر کھڑت فرخت واذ بعثت غرانے لگا بھاگے لگا تو اس عورت سے سفیر مانوسیت کی علامت ہوگا اور اس کو نہیں دیا جائیگا۔

تابعین اور تبع تابعین کے دور میں قاضی ایسا بھی بڑے پائے کے قاضی ہوئے ان کے پاس کاتی ہوئی اون یاروئی کی ایک آٹی لائی گئی جس کی ملکیت کی دعویدار دو عورتیں تھیں۔ قاضی صاحب نے دونوں عورتوں کو ایک ایک کر کے علیحدگی میں بلایا اور پوچھا کہ یہ سوت تم نے کس چیز پر پٹیا تھا۔ ایک عورت نے بتلایا کہ اُس نے یہ سوت دوتی کے ٹکڑے پر پٹیا تھا۔ جب کہ دوسری عورت نے اخروٹ کا دانہ بتلایا۔ چنانچہ اُس آٹی کو آخر تک کھولا گیا اور اس میں سے جس عورت کے بیان کے مطابق چیز نکلی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا گیا۔ گویا یہ فیصلہ بھی علامت پر ہی تھا۔

دوسری بات عورتوں کی مکاری کی ہے جس کی تصدیق عزیز مسر نے کی کہ عورتوں کی مکاریاں بہت بڑی ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضور

عورتوں کی مکاریاں

تِلْكَ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کا فرمان مبارک ہے مَا رَأَيْتُ نَاقِصَتَ عَقْلٍ  
وَدِينٍ اَذْهَبَ بِلَيْتِ الْوَحِيلِ الْحَاذِرِ مِنْ اِحْدَاكُنَّ عَوْرَتَيْنِ  
سے خطاب کے دوران فرمایا کہ تم عقل اور دین میں ناقص ہونے کے  
باوجود دانا آدمی کی عقل کو ضرب کمرے والی ہو یعنی عقلمند آدمی کو بھی چکر  
مے جاتی ہو اگرچہ خود تمہاری عقل ناقص ہے حضور کا یہ بھی فرمان ہے  
مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ  
میں اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں سے بڑھ کر کسی فتنے کو نہیں  
چھوڑ چلا۔ اکثر جھگڑے فساد عورتوں کی ذات یا ان کی کارگزاریوں کی  
وجہ سے ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض عورتوں کی وجہ سے عظیم سلطنتیں بھی  
آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔

آج کی دنیا میں بھی عورتوں کا فتنہ عروج پر ہے۔ جدید تہذیب و  
تمدن نے عورت کو بڑی آزادی دی ہے حتیٰ کہ اسے اپنے اصل مقام  
سے ہی علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پورے معاشرے  
کا نظام درہم برہم ہو گیا ہے۔ عریانی، فحاشی اور بے حیائی عام ہو چکی ہے  
عورتوں کو ایسے مناسب پر فائز کیا گیا ہے۔ جو ان کی صنف کے  
خلاف ہیں۔ جب عورتیں فوج اور پولیس میں شامل ہوں گی۔ عوام الناس  
سے متعلق رکھنے والے دفاتر میں ملازمت حاصل کریں گی تو اس سے فتنے  
کے سوا کیا پیدا ہو گا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے لوگو! اللہ سے ڈرو  
بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے پیدا ہوا، قاضی ثناء اللہ  
پانی پتی فرماتے ہیں کہ شیطان سے اتنا خوف نہیں آتا جتنا عورت سے  
آتا ہے کیونکہ شیطان کی قریب کاری کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد  
ہے اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا (نساء) یعنی شیطان  
کی مکاری تو کمزور ہے مگر عورتوں کی قریب کاری کے متعلق یہاں

فرمایا گیا ہے اِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيْمٌ اِيعْنِي تُوَارِي مَكَارِيَاں  
بہت بڑی ہیں۔ اسی لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ عورتوں کی فریب کاری  
سے زیادہ چونکا رہنا چاہیے۔

عزیز مصر  
کی معاملہ فہمی

بہر حال عزیز مصر نے اپنی بیوی کے خلاف فیصلہ جیت ہوئے  
فرمایا کہ تم نے یہ فریب کیا ہے اور عورتوں کی فریب کاریاں بہت  
بڑی ہوتی ہیں۔ اُدھر یوسف علیہ السلام سے کہا، يُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا کہتے ہیں یوسف علیہ السلام! اس معاملہ سے درگزر کرو  
معاف کر دو، چھوڑ دو۔ وہ یوسف علیہ السلام پر بالکل خفا نہیں ہوا  
کیونکہ وہ تو آپ کو بے گناہ سمجھ کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہہ رہا ہے  
کہ اس واقعہ کو عام کرنے سے بدنامی ہوگی، لہذا اس کو یہیں ختم کر دو  
اور عورت کو معافی دے دو، کہ اُس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔  
اور اُدھر اپنی عورت سے کہا وَاسْتَغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْكَ تم یوسف علیہ السلام  
سے اپنے گناہ کی معافی مانگو، کیونکہ اِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ  
غلطی کا ارتکاب تم نے کیا ہے۔ تو نے اُس پر غلط الزام لگایا ہے اور  
اُس کو پھانسنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے حکم  
کی خلاف ورزی کی ہے، لہذا اس سے بھی معافی مانگو۔ اور اپنے گناہ  
کی تلافی کرو۔



وما من دابة ۱۲

سورہ نهم ۹

سورة يوسف ۱۳

آیت ۲۰ ۲۱ ۲۲

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا  
عَنْ نَفْسِهِ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ إِنَّا لَنَرِيهَا فِي ضَلَالٍ  
مُبِينٍ ۚ (۲۰) فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ  
وَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا ۖ وَاتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ  
سِكِّينًا ۖ وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ  
وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ  
هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۚ (۲۱)

ترجمہ :- اور کہا کچھ عورتوں نے شہر میں کہ عزیز کی بیوی بھڑکی  
ہے اپنے غلام کو اُس کے جی سے ۔ بیشک وہ اس کی محبت  
میں فریفتہ ہو گئی ہے ہم دیکھتی ہیں اس کو صریح غلطی میں (۲۰)  
جب اُس (عزیز کی بیوی) نے اُن (عورتوں) کی فریب کاری کی تھی  
سنیں تو اُن کی طرف پیغام بھیجا اور تیار کی اُن کے لیے مجلس طعام  
اور دی اُس نے ہر ایک کو اُن میں سے ایک چھری ۔ اور  
اُس نے کہا یوسف سے کہ نکل آؤ اُن کے سامنے ۔ جب  
اُن عورتوں نے اُس کو دیکھا تو اُس کو بڑا خیال کیا اور کاٹ  
ڈالے انہوں نے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں وہ پاک ہے اللہ تعالیٰ  
نہیں ہے یہ بشر مگر بزرگ فرشتہ (۲۱)

گزشتہ درس میں یوسف علیہ السلام کی ابتلا کا ذکر ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی نے

رہنمائی

آپ پر فریضہ ہو کر آپ پر ڈور سے ڈالنے شروع کیے اور برائی کی طرف  
ماٹل کرنے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو برائی سے محفوظ  
رکھا کیونکہ آپ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، اُس عورت نے  
آپ کو کمرے میں داخل کر کے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو یوسف علیہ السلام باہر  
کی طرف بھاگے، اُس عورت نے پیچھے سے آپ کی قمیص پکڑ کر آپ  
کو روکنا چاہا جس سے قمیص پھٹ گئی جب وہ مولوں باہر دروازے  
پر پہنچے تو وہاں عزیز مصر کو موجود پایا۔ عورت نے فوراً پیتر ابدل۔ اور  
یوسف علیہ السلام پر برائی کا الزام لگا دیا، یوسف علیہ السلام نے جواباً اپنی  
صفا فی پیش کی۔ اس موقع پر عورت کے گھر والوں میں سے ایک  
شیر خوار بچے نے نہایت حکیمانہ گواہی دی کہ اگر یوسف علیہ السلام  
کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت کا بیان سچا ہے اور اگر پیچھے سے  
پھٹی ہے تو عورت جھوٹی اور یوسف علیہ السلام بے گناہ ہیں۔ چنانچہ  
جب قمیص کا جائزہ لیا گیا تو یوسف علیہ السلام سچے ثابت ہوئے۔ عزیز مصر  
نے بدنامی کے ڈر سے یوسف علیہ السلام سے ملتیانہ طور پر کہا کہ جو کچھ  
ہو چکا اس سے درگزر کریں اور بیوی سے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوسف  
علیہ السلام سے معافی مانگے۔

محبت کے  
پہرے

عزیز مصر نے ہر چند اس واقعہ کو مخفی رکھنے کی کوشش کی مگر  
پھر بھی یہ بات کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو گئی اور شہر میں اس واقعہ کے تذکرے  
ہونے لگے۔ عزیز مصر کی بیوی کی ہم مرتبت عورتوں میں یہ واقعہ خاص  
طور پر موضوعِ سخن بن گیا اور انہوں نے اس پر خوب سے دسے کی۔  
آج کے درس میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَقَالَ يَسُوۡفُ  
فِي الْعَدِيۡنَہِ امْرَاۡتُ الْعَزِيۡزِ شَہر کی کچھ عورتیں کہنے لگیں یعنی اُس عورت  
کی سوسائٹی کی عورتوں میں چرچا ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ عزیز مصر کی بیوی

کا تعلق شہر کی اونچی سوسائٹی سے تھا جس میں بڑے بڑے امراء اور وزراء کی بیویاں یا بیٹیاں شامل تھیں۔ انہوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں ثَرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ کہ زینجا اپنے غلام کو اس کے نفس سے پھلاتی ہے۔ ایسے کیا ہو گیا ہے قَدْ شَفَّضَهَا حُبًّا بَشَاك یہ عورت اس کی محبت میں فریفتہ ہو گئی ہے۔ شفاف دراصل قلب کے اوپر والے غلاف کو کہتے ہیں جب کسی کے دل میں محبت جاگزیں ہو جائے تو کہتے ہیں کہ محبت دل کے شفاف میں پڑ گئی ہے۔ تو شہر کی عورتوں نے بھی یہی کہا کہ زینجا کنعانی غلام کو دل سے بھیٹا ہے۔ غلامی کا مرتبہ میسے بھی بہت کم سمجھا جاتا تھا لہذا ایک اعلیٰ سوسائٹی کی عورت کا غلام پر فریفتہ ہونا زیادہ قابل ملامت تھا، تو اس کی بہولیوں نے کہا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ہم تو زینجا کو صریحاً غلطی میں دیکھتی ہیں۔

جب شہر میں زینجا کے خلاف اس قسم کا پراپیگنڈا شروع ہو گیا، تو مجلس طعام کا انعقاد اس کو بھی کسی طرح سے خبر ہو گئی اور اس نے کبھی اپنے دفاع میں تدبیر سوچی۔ ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ جب عزیزہ مصر کی بیوی نے شہر کی عورتوں کی طرف سے طعن سنا۔ أَرْمَدَكُنَّ أَكْهَنَ تو ان کی طرف پیغام بھیجا وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا اور ان کے لیے مجلس طعام کا اہتمام کیا۔ متکا کا لغوی معنی "تیکہ گاؤں" ہے یعنی ایسی نشستیں جن پر ٹیکے لگے ہوئے ہوں۔ عرب رواج کے مطابق سرزمینوں کو بچانے کا طریقہ یہ تھا کہ فرش پر قالین بچھا کر ہر مہمان کے لیے ایک ایک تکیہ رکھ دیا جاتا تھا جس سے ٹیک لگا کر مہمان بیٹھتے تھے۔ پھر ان کے سامنے چھوٹے میز رکھے جاتے جن کو "مَنَوان" کہتے تھے۔ ان میزوں پر کھانا رکھا جاتا جو مہمان بچے بچے بغیر آسانی سے تناول کرتے۔ مطلب یہ کہ اس قسم کا



انتظام اونچی سوسائٹی میں کیا جاتا تھا۔ چونکہ زمینیا بھی اعلیٰ سوسائٹی کا فرد تھی، لہذا اس نے بھی مہمان عورتوں کی خاطر مذرت کے لیے نہایت اعلیٰ قسم کا اہتمام کیا۔

”سخوان“ کا ذکر حضور علیہ السلام کی حدیث میں بھی ملتا ہے۔ آپ علیہ السلام کے متعلق آتا ہے **يَا كُلُّ عَلَى الْأَرْضِ** کہ آپ کھانا زمین پر بیٹھ کر تناول فرماتے اور یہ بھی کہ **مَا آكَلَ عَلَى سَخَوَانٍ** یعنی آپ مینر پر کھانا رکھ کر نہیں کھاتے تھے بلکہ کھانا کسی پیٹ یا رومال وغیرہ میں رکھ کر اپنے سامنے زمین پر ہی رکھ لیتے اور تناول فرماتے۔ مطلب یہ کہ آپ سادگی پسند تھے اور مینر پر رکھ کر کھانے کا تکلف نہیں فرماتے تھے۔ مینر پر کھانے مگنا کوئی حرام تو نہیں ہے۔ البتہ اس کو فیشن کے طور پر لازمی سمجھ لینا مکروہ ہے۔ اگر نیچے بیٹھ کر کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے تو اس کے باوجود تکلف کرنا مکروہ ہوگا۔

بہر حال زمینیا نے اپنی ہم مجلس اور ہم طبقہ عورتوں کے لیے دعوتِ طعام کا اہتمام کیا، ان کے لیے اچھی نشستوں کا اہتمام کیا اور نہایت باعزت طریقے سے اپنے گھر بلایا۔ دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان معترض عورتوں پر واضح کرے کہ جس پر دیسی پردہ دل مار کر چکی ہے، وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں بلکہ اس کی جگہ وہ بھی ہوتیں تو ایسا ہی کہہ سکتیں۔ پھر جب تمام مہمان عورتیں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئیں تو ان کے آگے کھانا چاگیا **وَأَتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا** تو مینر بان نے ہر عورت کو ایک ایک چھری بھی دی۔ چھری کانٹے کا استعمال اس زمانے میں بھی مصری تہذیب میں پایا جاتا تھا اور آج بھی انگریزی تہذیب کا ایک حصہ ہے۔ اس کے علاوہ یونانی اور رومی تہذیب میں بھی چھری کانٹے کا استعمال رائج تھا۔ تاہم اللہ کے سارے نبیوں نے ایسی تہذیب

کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا ہے مگر موجودہ انگریزی تہذیب میں تو کھانے کے لیے بیٹھنے کی گنجائش بھی ختم ہو گئی ہے۔ اب تو مشرقی اور مغربی سب لوگ کھڑے ہو کر اور چل پھر کر کھانے کو ترجیح دیتے گئے ہیں۔ یہ تو بالکل ڈھونڈنوں کا طریقہ ہے۔ اس معاملے میں مسلمان بھی دوسری اقوام کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چل رہے ہیں۔ انہوں نے غیر اقوام کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں تو تقلید نہیں کی، البتہ غلط طور طریقوں اور غیر دینی تہذیب و تمدن، کھیل تماشے، عریانی اور فحاشی کو ضرور اپنا لیا ہے۔

بہر حال جب کھانا لگ گیا اور تمام مہمانوں کو چھیریاں بھی مل گئیں <sup>علیہ السلام</sup> یوسف نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے یہ تدبیر اختیار کی وَقَالَ ابْخُورُجْ عَلَیْہِمْ اور یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ان عورتوں کے سامنے آ جاؤ۔ دعوت کا وسیع انتظام تھا، کسی کام کے بہانے یوسف علیہ السلام سے کہہ دیا کہ ادھر آؤ۔ تاکہ کے حکم کی تعمیل میں یوسف علیہ السلام نہایت اطمینان کے ساتھ مہمان عورتوں کے سامنے گزر گئے اور کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ فَلَمَّا رَأٰیئُکَ اَکْبَرُکَ جب ان مہمان عورتوں کی نگاہ یوسف علیہ السلام پر پڑی تو وہ ششدر رہ گئیں۔ یوسف علیہ السلام کو بہت بڑی ہمتی خیال کیا۔ کوراثت میں ہے کہ یوسف علیہ السلام شرم حیا اور عصمت کی صفات کے ساتھ موصوف تھے اور آپ نور پریم تھے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ معراج کی شب جب حضور علیہ السلام تیسرے آسمان پر پہنچے تو یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ صحیحین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں اِذَا هُوَ اَوْفَى شَطْرَ الْحُسَيْنِ یعنی یوسف علیہ السلام کو دنیا کے کل حسن و جمال کا نصف حصہ دیا گیا اور باقی نصف باقی ساری مخلوق کو تقسیم کیا گیا ہے۔ بہر حال حسن و جمال،

وجاہت، عظمت اور شرافت کے پیکر کی حیثیت سے عورتوں کے سامنے سے گزریں۔ عورتیں ان کی عظمت کی قائل ہو گئیں اور انہوں نے یوسف علیہ السلام میں شوحین کی کوئی علامت نہ پائی لہذا آپ کو صورت اور سیرت ہر لحاظ سے عظیم خیال کیا۔

ہاتھ کا  
ڈالے

ان عورتوں پر یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا اس قدر غلبہ طاری ہوا کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور چھری کے ساتھ پھیل کاٹنے کی بجائے وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ انہوں نے اپنے ہاتھ ہی کاٹ ڈالے۔ ایسی مدہوش ہوئیں کہ ان کی چہریاں خود انہی کے ہاتھوں پر چل گئیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مہمان عورتوں نے اپنے ہاتھ مدہوشی میں نہیں کاٹے تھے بلکہ انہوں نے دانستہ طور پر ایسا کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہو چکی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح آپ اُس کی طرف متوجہ ہوں۔ جب آپ نے بے اعتنائی کا اظہار کیا تو انہوں نے ہاتھ کاٹ لیے کہ شاید ان کو زخمی دیکھ کر ہی یوسف علیہ السلام ان کی مدد کے لیے آگے بڑھیں گے۔ کیونکہ وہ غلام ہیں اور خدمت پر مامور ہیں اور اسی طریقے سے انہیں آپ کا قرب حاصل ہو جائے گا، مگر یوسف علیہ السلام تو بغیر نظر اٹھانے آگے نکل چکے تھے۔

فرشتہ  
صورت  
انسان

بہر حال مہمان عورتیں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر کہنے لگیں۔  
وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ پکی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے۔ وہ ذات پاک ہے جس نے اتنا خوبصورت اور خوب سیرت انسان بنایا  
مَا هَذَا بَشَرًا یہ تو ان معلوم ہی نہیں ہوتا اِنِّ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ  
کَرِیْمٌ بلکہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ان عورتوں نے تو فرشتوں کو دیکھا نہیں تھا، پھر انہوں نے



یوسف علیہ السلام کو فرشتے کے ساتھ کیسے تشبیہ دے دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے انبیاء بھی جبرائیل علیہ السلام کو انسانی شکل میں ہی دیکھتے رہے ہیں۔ یہ صرف حضور علیہ السلام کو شرف حاصل رہا کہ آپ نے جبرائیل علیہ السلام کو دو دفعہ اصلی صورت میں دیکھا۔ اس انکسار کا جواب مفسرین کرام اس طرح دیتے ہیں کہ انسانوں کے ذہن میں فرشتوں کی خوبصورتی اور شیطان کی بڑھکی راسخ ہو چکی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کسی خوبصورت انسان کو چاند کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ شیاطین کی بڑھکی کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔ سورۃ صافات میں فرمایا کہ جہنمیوں کی خوراک حقیر کے پوٹے ہوں گے "طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ" جن کے سرے شیطانوں کے سروں کی طرح ہوں گے گویا شیطان کی نسبت بد صورتی کی طرف — کی گئی۔ شیاطین سے بعض لوگ سامنے بھی مرادیتے ہیں۔ کیونکہ شیاطین کا اطلاق سامنے پر بھی ہوتا ہے جس طرح جن خوف اور ہیبت کی علامت سمجھا جاتا ہے اسی طرح شیطان بد صورتی اور فرشتہ خوبصورتی کی علامت ہے۔ اس لیے ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو ان کے حسن و جمال کی نسبت سے فرشتے کا خطاب دیا۔

”فرشتہ“  
عربی ادب  
میں

عربی ادب میں بھی فرشتے کو حسن و جمال کا پیکر سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ عرب شاعر جب اپنی مدوح قوم کی تعریف کرتے ہیں، تو کہتے ہیں:

قَوْمًا إِذَا قُوْبِلُوا كَانُوا مَلِكَةً حُسْنًا  
وَأَنْ قُوْبِلُوا كَانُوا عَفَارِيثًا

وہ ایسی قوم ہیں کہ اگر حسن و جمال کے لحاظ سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو وہ فرشتے ہیں اور جب وہ میدان جنگ میں مقابلہ کرتے ہیں تو خوفناک جن ہوتے ہیں۔ عفریت کا معنی خوفناک یا خطرناک جن ہوتا ہے۔

مسر کا شوقی اقبال کی طرح قومی شاعر ہوا ہے، وہ کہتا ہے۔

صَوْنِيْ جَمَالِكَ عَنَّا اِنَّمَا بَشَرٌ  
مِّنَ التُّرَابِ وَهَذَا الْحُسْنُ رُوْحَانِيْ

ہم سے اپنے جمال کو بچاؤ کہ ہم تو محض انسان ہیں اور یہ حسن و جمال روحانی چیز ہے۔ ہم اس کے کہاں قابل ہیں۔ اس شعر کو اتنا اعلیٰ سمجھا گیا ہے کہ مسر کے ایک دوست سرٹھے شاعر حافظ ابراہیم اس ایک شعر کے بدلے اپنا پورا دیوان دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

ایک اور شعر ہے۔

اَوْفَابَتْنِيْ مَلَكًا نَّا وَبَيْنَهُ فَلَكًا لَّمْ يَخِيْذْ شَيْءًا فِي الْعَالَمِ الْفَانِيْ

اگر حسن کا مظاہرہ کرنا ہے تو آسمان میں جگہ بناؤ۔ کسی ایسے فرشتے کو برعکاس بننا جس نے اس مادی جہان میں کوئی شراکت پیدا نہ کی ہو کیونکہ مادی انسانوں میں یہ باتیں کہاں پائی جاتی ہیں۔

الغرض! کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حسن و جمال کی نسبت ملائکہ کی طرف کی جاتی ہے اور اسی بناء پر مصری عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو ایک نظر دیکھ کر کہا کہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ وہ آپ کی عظمت اور بڑائی کی قائل ہو گئیں۔

وما من دابة

سورة يوسف

درس دسم ۱۰

آیت ۳۲ ۳۵

قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَاودْتُهُ عَنْ  
 نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرُ لَسِبْجَانًا  
 وَلَيَكُونَنَّ مِنَ الصَّغِيرِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ  
 إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَالْأَتَّصِرُ عَنِّي كَيْدَهُنَّ  
 أَصَبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ  
 لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ  
 الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَّلَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ  
 لَيْسَ جُنَّتْهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٥﴾

ترجمہ

ترجمہ ۱۔ ہول وہ عورت (جس کے گھر میں یوسف علیہ السلام  
 تھے) یہ رہی ہے کہ تم مجھے ملامت کرتی تھیں اس کے  
 بائے میں اور البتہ تحقیق میں نے اس کو بے قابو کرنا چاہا تھا  
 اس کے جی سے ایس وہ بچ گیا۔ اور اگر نہیں کرے گا وہ  
 جو میں اُس کو کہتی ہوں، تو ضرور وہ قید میں ڈالا جائے گا اور  
 ہو جائے گا وہ بے عزت ﴿۳۲﴾ کہا (یوسف علیہ السلام نے)  
 اے پروردگار! قید خانہ زیادہ اچھا ہے میرے نزدیک اس  
 بات سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں، اور اگر تو  
 نہیں پھیرے گا ان کی فریب کاری کو مجھ سے تو میں مائل ہو  
 جاؤں گا ان کی طرف، اور ہو جاؤں گا میں نادانوں میں سے ﴿۳۳﴾



پس قبول کی اُس کے پروردگار نے اُس کی دعا، پس پھر دیا اس سے اُن کی فریب کاری کو، بلیک وہ سننے والا اور جاننے والا (۳۲)

پھر ظاہر ہوا اُن کے لیے بعد اُس کے کہ انہوں نے دیکھ لی نشانیاں یہ کہ اس کو ضرور قید میں رکھیں ایک وقت تک (۳۵)

جب مصر میں یہ مشہور ہو گیا کہ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے غلام کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی ہے تو اونچے طبقے کی عورتوں نے زلیخا کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے جواب میں زلیخا نے ایک مجلس طعام کا اہتمام کیا جس میں تمام معزز خواتین بیگمات اور امیرزادیوں کو مدعو کیا۔ اُس معاشرے کے رواج کے مطابق بڑی تہ تکلف دعوت کی گئی جس میں چھری کا نٹا بھی استعمال کے لیے رکھا گیا۔ زلیخا کا مقصد یہ تھا کہ جس غلام کے نام پر یہ عورتیں اُسے بدنام کر رہی ہیں اُسے خود بھی ایک نظر دیکھ لیں اور اس کے بعد فیصلہ کریں کہ میری مجبوری کیا ہے۔ جب وہ سب عورتیں کھانے کے لیے بیٹھ گئیں تو زلیخا نے کسی بھانے سے یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے سے گزار دیا جسے دیکھ کر تمام عورتیں شہرہ رہ گئیں۔ یوسف علیہ السلام اس شان اور باوقار طریقے سے گزرے کہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اُن کی پاکبازی کے متعلق عورتوں کو تو کوئی شبہ نہ ہوا، البتہ وہ نہایت حسین و جمیل، پاک صورت اور نور پیکر انسان کو دیکھ کر خود بے قرار ہو گئیں اور انہوں نے چھریوں سے پھل کھٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ کوئی انسان نہیں بلکہ بزرگ فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے چھری کا ذکر بطور خاص کیا ہے کہ اُس زمانے میں بھی چھری کاٹنے کے استعمال کا رواج تھا اور لوگ پھلوں کے علاوہ بھونا ہوا گوشت بھی چھری سے کاٹ کاٹ کر کھاتے تھے۔ جب اسلام کا دور آیا تو حضور علیہ السلام نے اس مقصد کے لیے چھری کو معمول کے طور پر استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔ ابو داؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا تَقْطَعُوا اللَّحْمَ

رابط آیات

چھری کاٹنے کا استعمال

بِالسَّكَّيْنِ فَإِنَّهُ مِنْ صَنِيعِ الْأَعَاجِمِ یعنی پکائے ہوئے  
 گوشت کو چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ۔ کیونکہ یہ غمیوں کا طریقہ ہے  
 آپ نے ہاتھ استعمال کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ خود حضور علیہ السلام  
 نے بھری کی بونگ کو ہاتھ سے پکڑ کر اور دانتوں سے نونج کر تناول  
 فرمایا۔ البتہ آپ نے ضرورت کے وقت چھری کے استعمال کی  
 بھی اجازت دی ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں حضرت مغیرہ  
 بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مہمان ہوا  
 آپ نے مجھے کھانا کھلایا، اور آپ کا یَحْضُ چھری سے  
 کاٹ کاٹ کر کھانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ اتنے میں حضرت  
 بلالؓ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور! نماز کا وقت ہو گیا ہے  
 اس پر آپ ناراض ہو گئے اور اَلْقَى الشَّفْرَةَ اور چھری ہاتھ سے  
 پھینک دی۔ آپ نے بلالؓ سے فرمایا مَالَهُ تَوْبَتٌ يَدَاهُ  
 کیا ہو گیا ہے۔ بلال اس کے ہاتھ خاک آلود ہوں جو ہمیں آکر نماز  
 کی اطلاع دیتے ہیں، کیا ہمیں نہیں پتہ کہ نماز ادا کرنی ہے۔ میں  
 مہمان کی خاطر مدارت کر رہا تھا اور اس نے دخل در معقولات  
 کا ارتکاب کیا۔ گویا اس حدیث میں چھری استعمال کرنے کا  
 ذکر ہے۔ اگرچہ ہوئے گوشت کے ٹکڑے بڑے ہوں اور  
 ہاتھ سے نہ کاٹے جاسکیں تو چھری سے کاٹنا بھی درست ہے۔ یہ  
 چیز اب بھی عربوں میں رائج ہے۔

سعودی مملکت کے بانی شاہ ابن سعود نے ایک امریکی  
 کمپنی کے دس ہزار کے لگ بھگ سارے شاف کی دعوت  
 کی۔ اس دعوت میں شاہ نے اونٹ سے لے کر انڈے تک کی  
 تمام چیزیں مسلم روٹ کر کے پیش کیں۔ کہتے ہیں کہ سالم روٹ





گیا، اُس نے دعوتِ مِلنے کے باوجود برائی کی طرف رغبت نہیں کی  
یہ تمام حالات و واقعات جلنے کے بعد مہمانِ خواتین نے  
زینچا کو مجبور سمجھتے ہوئے اس کے خلاف پراپیگنڈہ اڈہ کرنے کا فیصلہ  
کر لیا۔ دراصل اُن کی اپنی حالت اس شعر کے مصداق ہو چکی تھی۔

لَا تَخَفْ مَا صَنَعَتْ بِكَ الْأَشْوَاقُ  
وَشَنَّ هَوَاكَ فَكُنَّا عُدَّاقُ

اشواق نے جو کارگزار می تمہارے ساتھ کی ہے، اس سے مت  
خوف کھاؤ، اور اپنے دل کی بات کو ظاہر کر دو کیونکہ ہم سب کی  
حالت بھی تم جیسی ہو چکی ہے، اب ہم تمہیں ہرگز ملامت نہیں کریں  
گی بلکہ تمہیں مجبور سمجھیں گی۔

لَا أَكْذِبُ الْبَارِي بِنَا اللَّهُ هَيْكَلِي  
صَنِيعَةَ احْسَانٍ وَزِيْقًا حِسَانِي

اللہ نے مجھے بنا کر احسان فرمایا، مجھے شکل و صورت عطا کی۔ میں اسی  
احسان کا پیر و ردہ ہوں، مگر اللہ نے اس کے ساتھ ساتھ مجھے حینوں  
کا غلام بھی بنا دیا ہے۔ حسن والوں کو دیکھ کر بے قابو ہو جاتا ہوں۔

بہر حال زینچا نے اپنی مجبوری اور یوسف علیہ السلام کی عصمت کا  
برہان اظہار کیا۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کے مقدس بندے تھے۔ اگرچہ  
اس وقت آپ کو نبوت عطا نہیں ہوئی تھی مگر اللہ تعالیٰ اپنے  
خاص بندوں کی ابتداء ہی اس طرح تمہیں کرتا ہے کہ اُن سے  
معصیت کا ارتکاب ممکن نہیں ہوتا۔ انبیاء سے اگر کوئی معمولی  
سی لغزش سرزد ہو جائے تو وہ زلت کھاتی ہے اور وہ عام لوگوں کی  
ذہبت سے گناہ ہی نہیں ہوتا، بلکہ خلافِ اولیٰ بات ہوتی ہے تاہم  
انبیاء کو اس معمولی لغزش پر بھی تنبیہ ہو جاتی ہے۔

بہر حال زینجا اپنے اعتراض جرم اور یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کے باوجود اپنے ارادے سے پیچھے ہٹنے والی نہ تھی۔ کہنے لگی وَلَیْسَ لَکُمْ فِعْلٌ مَّا اُمِرَہُ الْکَرَامَہُ بھی یوسف علیہ السلام نے میری بات نہ مانی لَیْسَ بِجَنِّ تَوَسُّعِ ضرور قید میں ڈالا جائے گا وَلَیْسَ کُوْنًا مِّنَ الصَّغِرِیْنَ اور وہ ضرور بے عزت ہو جائے گا۔ زینجا نے یہ دہمکی بھی مے دی۔

زینجا کی یہ دہمکی یوسف علیہ السلام نے بھی سُن لی اور اُدھر آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ زینجا سحر زخواتین کی ہمدردیاں بھی حاصل کر چکی ہے۔ اس سورت نال میں آپ نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کی

یوسف  
علیہ السلام  
کی دعا

قَالَ رَبِّ السِّجْنِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنِیْ اَکْبَدَ لَیْ یُرَدِّکَ اِیَّیْ! مجھے قید میں جانا زیادہ پسندیدہ ہے اس بات کی نسبت جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ اے مولا کریم! وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّ کَیْدَہُنَّ اَکْرَ تَوَانُ کی فریب کاری کو مجھ سے نہیں ہٹائے گا۔ اَصْبَحَ اِلَیْہُنَّ قُرْمِیْنَ اُن کی طرف مائل ہو جاؤں گا وَ اَکُنُّ مِّنَ الْجَہِلِیْنَ اور نادانوں میں سے ہو جاؤں گا معصیت کا مرکب اپنی نادانی ہی کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اگر اس کا فہم و عقل صحیح ہو تو ایسی بات نہ کرے۔

بہر حال یوسف علیہ السلام نے قید میں ڈالے جانے کو معصیت پر تمیز صحیح دی کیونکہ قید خانہ کی تکلیف تو عارضی ہے، ختم ہو جائے گی مگر معصیت کے نتیجہ میں ہونے والا عذاب دائمی ہوگا جو بلاشبہ ناقابل برداشت ہے۔ سعدی صاحب نے ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے کہ کسی چیتے نے انہیں زخمی کر دیا تھا اور وہ زخمی حالت میں دریا کے کنارے پڑے تھے، زخم گہرا تھا اور اچھا نہیں ہو رہا تھا۔ مگر وہ اللہ

کامبندہ ہر وقت خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اتنی تکلیف کے باوجود اللہ تعالیٰ کا شکر کس طرح کرتے ہو، تو کہنے لگے کہ شکر اس بات کا ہے کہ میں جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوں، کسی گناہ کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوں۔ اسی اصول کے پیش نظر یوسف علیہ السلام نے بھی دعا کی کہ اے اللہ! مصیبت کی دائمی تکلیف سے قید کی عارضی تکلیف مجھے منظور ہے، لہذا مجھے گناہ سے محفوظ رکھنا۔

یوسف علیہ السلام نے جس پرہیزگاری اور بلند کرداری کا مظاہرہ کیا اس کے اجر و ثواب کا ذکر حضور علیہ السلام کی حدیث میں بھی ملتا ہے صحیحین کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اللہ کے کامل الیٰین بندوں کا ذکر اس طرح کیا ہے سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، یعنی سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا کہ اس دن اس سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

فرمایا پہلا آدمی اِمَامٌ عَادِلٌ ہے۔ عدل و انصاف کو قائم کرنے والا حاکم قیامت والے دن اللہ کے عرش کے سائے میں جگہ پا گا۔ دوسرا شخص شَاكِبٌ نَفْسًا، فِي عِبَادَةِ اللَّهِ اِيَّا نُوْبِرَانِ ہے جس نے عبادت کے ماحول میں نشوونما پائی، یعنی جس نے اپنی جہالت کا زمانہ عبادت میں گزاریا۔ تیسرا شخص رَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ وہ ہے کہ جس کا دل مسجد میں لٹکا رہتا ہے حتیٰ يَعُوْدَ فِيْهِ يَانِك۔ پھر مسجد میں واپس جاتا ہے۔ مسجد کے ساتھ اس قدر محبت ہے کہ ایک نماز کے بعد جب واپس آتا ہے تو دوسری نماز کے لیے مسجد میں جانے کا خیال جاگزیں رہتا ہے۔ فرمایا چوتھی قسم کے وہ دو آدمی ہیں رَجُلَانِ تَحَابَّتَا فِي اللَّهِ جِوَاوِیْنِ میں محض اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں



اُن کے پیش نظر دنیا کا کوئی مقصد نہیں ہوا اجتماعاً علیہ و تفرقاً  
 علیہ وہ اسی محبت سے یہ آئے ہوئے ہیں اور اس پر بُرائی میں  
 فرمایا سایہ خداوندی کا پانچواں حصار رَجُلٌ قَصِدَ فِیْ بَصَدَقَةٍ  
 فَخَفَا مَا حَتَّى لَا تَفْکُمْ بِشَمَالِهِ مَا صَنَعَتْ یَمِیْنُهُ  
 وہ آدمی سے جو برقعہ کرتا ہے اور اس کو اس قدر مخفی رکھتا ہے کہ  
 اُس نے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے دائیں ہاتھ سے کیا  
 خرچ کیا ہے۔ پٹے آدھے، کے متعلق فرمایا ذُو مَنَصِبٍ فَوْجِی  
 کہ اُسے کوئی صاحب منصب اور حسن و جمال والی عورت بمعیت کی  
 طرف دعوت سے فَقَالَ اِنْ لَّیْتَ اَخَافُ اللّٰهَ مَکْرَهُ کَمَ  
 کہ مجھے تو اسٹرکا ڈر ہے، میں اس گناہ میں ملوث نہیں ہو سکتا۔  
 فرمایا ساتواں خوش نصیب، رَجُلٌ تَذَکَّرَ اللّٰهَ خَائِیًا فَقَضَتْ  
 عَیْنَاهُ وَهُوَ خَفِیْ بے جو تہنائی میں الٹ کر یاد کرے۔ تو اس کی آنکھوں  
 سے آنسو نکلیں۔

برائی کے ارتکاب کا موقع پیش پر اللہ تعالیٰ کا خوف، آجنا بہت  
 بڑی بات ہے جسکی وجہ سے انسان گناہ سے بچ جاتا ہے۔ جیسے کہ  
 حدیث میں آتا ہے کہ حسنہ علیہ السلام نے تین آدمیوں کا ذکر کیا، جو ایک  
 غار میں چھپ گئے تھے اور باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی  
 آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اُن میں سے ہر ایک اپنے کسی نیک کام کے  
 واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ انہیں اس مصیبت سے رہائی  
 مل جائے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک شخص نے اپنا واقعہ اس طرح بیان  
 کیا کہ میں اپنے چچا کی بیٹی سے محبت کرتا تھا مگر وہ مجھ سے متعلق قائم  
 کرنے پر رضا مند نہ تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ شدید قحط پڑ گیا اور وہ  
 محتاج ہو گئی، اُسے بیس دینار کی ضرورت تھی۔ اسی میں اس کی چچی

بالکل  
 وقت  
 نہیں

سے اپنی دیرینہ خواہش پوری کرنے کی چاہتا تھا۔ اس رقم کے عوض وہ راضی ہو گئی اور میں نے وہ ادا کر دی۔ پھر جب میں برائی کے خیال سے اس کے سامنے بیٹھ گیا تو وہ عورت بولی، اے اللہ کے بندے لَا تَقْضُ الْخَاقِصَ إِلَّا بِحَقِّهِ اس مہر کو حق کے بغیر نہ توڑو۔ وہ شخص کہتا ہے کہ اس موقع پر مجھ میں واقعی خوف خدا پیدا ہو گیا، میں اٹھ کھڑا ہوا، برائی کا ارادہ ترک کر دیا اور ارادہ شدہ رقم بھی واپس نہ لی۔

دعا کی قبولیت

بہر حال اس موقع پر یوسف علیہ السلام نے جسمانی تکلیف کے بہت معصیت کو دور کرنے کی دعا کی۔ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اور ان عورتوں کی فریب کاری کو یوسف علیہ السلام سے پھیر دیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس موقع پر یوسف علیہ السلام نے دعا میں دو باتیں کی تھیں یعنی قید و بند کو تہ تیغ اور فریب کاری سے بچاؤ۔ اس سلسلہ میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایک دعا قبول فرمائی اور آپ کو عورتوں کی فریب کاری سے محفوظ رکھا، باقی رہی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا، تو وہ ان کی قسمت میں تھا۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ آدمی کو تکلیف سے گھبرا کر اپنے حق میں برائی نہیں مانگنی چاہیے، بلکہ ہمیشہ مبتلائی طلب کرنا چاہیے۔ اگرچہ ہو گا وہی جو قسمت میں لکھا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ گھبرا کر اپنے لیے موت بھی مت طلب کرو۔ اور کسی موقع پر اپنے مال بچوں کے لیے بد دعا بھی نہ کرو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا قید کو پسند کرنا مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ معصیت کی برائی مقصود تھی کہ گناہ میں طوٹ ہونے سے قید میں پڑنا آسان ہے بہر حال اللہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ سے عورتوں کے

مکر و فریب کو دور کر دیا اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِیْمُ بِنِکَاحِ تَعَالٰی  
سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

قیہ بطور یہ واقعات پیش آنے کے بعد عزیز مصر کے خاندان کے لوگوں  
مصلحت نے اس سارے معاملے کا تجزیہ کیا جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا  
ہے۔ ثُمَّ بَدَّ إِلَهُهُم مِّنْ أَمْرِهِمْ مَا رَأَوْا وَاللَّيْلُ تَمَامُ نِشَانِیْنِ  
دیکھنے کے بعد ان پر ظاہر ہو گیا۔ یہاں پر جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ  
اس میں عزیز مصر اور زلیخا کے خاندان والے سبھی لوگ شامل ہیں۔ انہوں نے  
بہت سی نشانیاں بھی دیکھ لی تھیں، قمیص کے پیچھے سے پھٹنے اور شیرخوار  
بچے کی شہادت۔ ان پر یوسف علیہ السلام کی عصمت واضح ہو چکی  
تھی، یوسف علیہ السلام کا پورا کردار ان کے سامنے تھا اور انہیں آپ  
کی پاک دامنی کا یقین ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود دونوں خاندانوں نے  
یہ شر کر فیصلہ کیا اَلَيْسَ جَسَدًا حَتَّىٰ حَبِیْنِ کہ یوسف علیہ السلام کو  
ایک خاص مدت تک جیل میں ڈال دیا جائے۔ وہ لوگ جان چکے تھے  
کہ زلیخا کی محبت کے چرچے پہلے ہی ہو رہے تھے، اب دعوتِ الٰہی  
بات نکلے گی تو مزید شہوری ہوگی لہذا مصلحت اسی میں ہے کہ یوسف  
علیہ السلام کو کچھ وقت کے لیے قید میں ڈال دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ  
ہوگا کہ جب آپ نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے تو عورت کا فتنہ  
بھی کم ہو جائے گا اور آدمی عوام الناس میں جو باتیں ہو رہی ہیں، وہ بھی دب  
جائیں گی۔ ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی جائزہ  
کے ساتھ ملوث ہو جائے تو اس مجرم کے ساتھ اس جائزہ کو بھی مار ڈالنا  
چاہیے اگرچہ جائزہ بے قصور ہے مگر اسکا نظروں سے دور ہو جانا ایسے ضروری ہے کہ  
اسے دیکھ کر وہ قبیح حرکت یاد نہ آئے اسی اصول کے پیش نظر ان لوگوں نے یہ سب سمجھا  
کر یوسف علیہ السلام کو نظروں سے ہٹانے کے لیے کچھ عرصہ کیلئے قید میں رکھ دیا۔



وما من دآیة ۱۲

سورة یوسف ۱۲

درس یازدهم ۱۱

آیت ۳۶ تا ۳۸

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي  
 أَرِنِّي أَحْسَنَ حَمْرَاءَ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرِنِّي أَحْمِلُ  
 فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبَأْنَا بِتَأْوِيلِهِ  
 إِنَّا نَرِيكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا  
 طَعَامٌ تُرْزَقْنِهِ إِلَّا نَبَأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ  
 يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۖ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ  
 قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾  
 وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ  
 مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَلِكَ مِنْ  
 فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ  
 لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: اور داخل ہوئے آپ (یوسف علیہ السلام) کے  
 ساتھ قید خانے میں دو نوجوان، تو اُن میں سے ایک نے کہا  
 کہ میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ میں انجر کا شراب پھڑپھا  
 ہوں۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اٹھا رہا  
 ہوں اپنے سر پر روٹیاں اور پرندے اس سے کھا رہے ہیں  
 بتاؤ ہیں ان کی تعبیر، بلکہ ہم دیکھتے ہیں آپ کو نیکی

کرنے والوں میں سے (۳۶) کا یوسف (علیہ السلام) نے، نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں دیا جاتا ہے مگر میں تمہیں بتلا دوں گا ان کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے۔ یہ علم وہ ہے جو مجھے سکھایا ہے میرے پروردگار نے بیشک میں نے جھوٹ دیا ہے اس قوم کی قمت کو جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر۔ اور آذیت کے ساتھ وہ انکار کرنے والے ہیں (۳۷) اور میں نے پیڑی کی ہے اپنے باپ دادا کی قمت کی جو ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) تھے۔ نہیں لائق ہمارے لیے یہ بات کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے اور لوگوں پر بھی، لیکن اکثر لوگ شک نہیں ادا کرتے (۳۸)

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ عزیز مسرور اُس کی بیوی کے خاندان پر یوسف علیہ السلام کی عصمت اور بلند کرداری کی بہت سی نشانیاں ظاہر ہوئیں جس کی بناء پر انہیں یقین ہو گیا کہ قمیص پھٹنے کے واقعہ میں قصور لیجا کا ہے۔ اور یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے فیصلہ کیا کہ یوسف علیہ السلام کو کچھ عرصہ کے لیے قید کر دیا جائے۔ اس مقام پر **بَدَّالَهُمْ** کے الفاظ آئے ہیں۔ بَدَّ کے دو معنی آتے ہیں۔ یعنی ظاہر کرنا اور اُنے کا بدلنا یاں پر دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ ان پر حقیقت حال بھی پوری طرح ظاہر ہو گئی کہ یوسف علیہ السلام بے گناہ ہیں مگر اس کے باوجود ان کی اُنے بدل گئی اور انہوں نے آپ کو جیل میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔

شیعہ مسلک میں بَدَّ ایک اہم مندرجہ ہے۔ اُن کے ہاں اللہ تعالیٰ پر بَدَّ کا عقیدہ رکھنا جائز ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے بعد

تہذیبی  
ڈالنے

اللہ تعالیٰ اپنی رائے بدل لیتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لاکھوں میں کوئی فیصلہ کر بیٹا ہے چہر  
جب اس حقیقت واضح ہو جاتی ہے تو وہ اپنی رائے بدل لیتا ہے (الغیر باللہ) اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ازل

سے بناتا ہے اور اسی بنا پر اس نے ہر بات کا فیصلہ کر رکھا ہے ہاں  
اگر بندوں کی مصلحت اور اپنی حکمت کی بنا پر وہ کسی فیصلے کو تبدیل کرنا  
چاہے تو وہ قادر مطلق ہے۔ اس کے حکم میں کوئی چیز مزاحمت نہیں کر سکتی۔

قید بند  
کی تاریخ

بلاوجہ قید و بند کے واقعات سے تاریخ عالم بھری پڑی ہے۔ یہ نہ  
صرف یوسف علیہ السلام کی سنت ہے بلکہ سنت انبیاء ہے اکثر انبیاء کو  
بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
شعب ابی طالب میں تین سال تک نظر بند رہے۔ مشرکین نے راضی اور  
پانی تک کی فراہمی بند کر دی اور آپ کے گھر والوں کو سخت تکالیف  
برداشت کرنا پڑیں۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں جاہر حکمرانوں خاص طور  
پر انگریزوں کے مظالم ہمیشہ تازہ رہیں گے۔ اپنی عمل داری کے دوران  
جس کسی نے بھی ان کے خلاف آواز اٹھائی اُسے یا تو جیل بھیج دیا یا ملک  
بر کر دیا۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کو لٹاکے دور دراز جبریں  
میں قید رکھا گیا۔ آپ کے مئی شاگرد وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت  
شیخ الہند کے خادم حکیم سید نصرت حسین جب مالٹا جیل میں فوت ہوئے  
تو انگریزوں نے انہیں غسل لینے کی بھی اجازت نہ دی، چنانچہ حضرت  
مولانا نے آپ کا تیمم کر کے آپ کی نماز جنازہ پڑھی مولانا فضل حق خیر آبادی  
بھی مالٹا میں فوت ہوئے۔ کاکوری کے ایک آدمی نے چوبیس سال کی  
طویل قید کاٹی۔ یوپی کے سید ظہیر حسین بیالیس سال تک جیل میں رہنے کے بعد  
جب رہا ہوئے تو بالکل ضعیف ہو چکے تھے۔ ہمارے قریبی زمانہ میں  
سید عطاء اللہ شاہ بخاری دس سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت  
کرتے رہے۔ مولانا ظفر علی خاں بارہ سال تک جیل میں رہے۔ پنجاب



اور یوپی کا کوئی جیل ایسا نہیں جہاں چودہویں انٹرنل حق نے قید نہ کاٹی ہو۔ مولانا احمد سعید صاحب پندرہ سال کا عرصہ جیل میں رہے۔ مولانا ابوالکلامؒ اور مولانا سید عین احمد مدنی بھی گیارہ گیارہ سال تک قید رہے۔ مولانا مدنیؒ کو دو ماہ تک کھڑی بیڑیوں والی سزا دی گئی اور اس طرح آپ کو مسلسل دو ماہ تک کھڑا رکھا گیا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو جیل میں اس قدر جسمانی تکالیف دی گئیں کہ آپ کے جسم کو جگہ جگہ سے داغ دیا گیا اور اس کے نشانات آپ کو غسل دیتے وقت ملتے۔ عبدالغفار خان نے انگریزوں کے زمانے میں اٹھارہ سال تک قید کی تکالیف برداشت کیں، جانا باز شاعر نے بارہ سال کا عرصہ جیل میں گزارا اور تیس کوڑے بھی کھائے۔ یہ اب تک زندہ ہے اور مجلس اعرار کی تاریخ مرتب کر رہا ہے۔ شورش کاشمیریؒ نے دس سال قید کاٹی۔ احسن عثمانی فاضل دیوبند چار سال تک جیل میں رہے۔ پھر تنگ آکر بھوک ہڑتال کر دی۔ آپ کو اس قدر اذیت دی گئی کہ مقدمہ میں نامی کھڑک کہ زخمی کہ دیا گیا اور آپ اسی زخم کے دوران فوت ہوئے۔

الغرض! یوسف علیہ السلام کو بلا وجہ قید میں ڈال دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح شہر میں ہونے والا بڑا پگندہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا، پھر اتفاق ایسا ہوا و دخل معہ السجین فتین یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو دوسرے نوجوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، یہ دونوں بھی بادشاہ کے ملزمتھے، ان میں ایک بادشاہ وقت ریان بن ولید کا ساتھی تھا۔ یہ بادشاہ پرانی عرب اقوام عاد اور ثمود کے قبلی خاندان سے تھا۔ مفسرین کو ہم فرماتے ہیں کہ یہ شخص یوسف علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا اور اسی کے زمانہ میں یوسف علیہ السلام کو مصر میں مکمل اقتدار حاصل ہوا۔ جب یوسف علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اس وقت دوسرا بادشاہ تھا اور وہ مومن نہیں تھا۔ پھر ان ملزمان میں سے ایک بادشاہ کو شہر ب پلانے پر مامور تھا جب کہ دوسرا

دو شاہی  
ملزمان

شخص روٹی پکانے والوں کا انچارج تھا۔ ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کی سازش کی تھی۔ یہ سازش کسی طرح بے نقاب ہو گئی تو بادشاہ نے مکمل تحقیق ہونے تک انہیں جیل میں بند کر دیا۔ تاہم نامور کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زہر ملانے والا بڑا الزام نہیں تھا بلکہ ان کی کوئی معمولی سی لغزش تھی جسکی بنا پر اس جابر بادشاہ نے انہیں قید کر دیا۔ یہودی روایت کے مطابق سانی کا جرم یہ تھا کہ اس کی پیش کردہ شراب سے مکھی برآمد ہوا، مٹی اور روٹیاں پکانے والے انچارج کا قصور یہ تھا کہ اس کی نگرانی میں پکائی گئی روٹی میں کمرہٹ محسوس کی گئی تھی۔

قیدیوں کے خواب

ان دو قیدیوں نے جیل میں قیام کے دوران علیحدہ علیحدہ خواب دیکھے، جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ یہ چاہتے تھے کہ کسی صاحبِ عالم شخص سے ان خوابوں کی تعبیر معلوم کریں۔ سائے قیدی آپس میں ملتے جلتے تھے۔ کم از کم دن کے وقت تو سب ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہوں گے خواہ رات کو کوٹھڑیوں میں بند کر دیے جاتے ہوں۔ عام دستور یہی ہے کہ ایک ایک کمرے میں کئی کئی قیدی رکھے جاتے ہیں اور سوائے سخت خطرناک قیدیوں کے جنہیں قید نہانی میں رکھا جاتا ہے۔ باقی سب آپس میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ یہ دو قیدی کسی نیک اور صالح آدمی کی تلاش میں تھے جو انہیں خواب کی تعبیر بتا سکے۔ چنانچہ تمام قیدیوں میں سے ان کی نظر انتخاب یوسف علیہ السلام پر پڑی کیونکہ سب قیدی آپ کی عبادت گزار تھے، قریب راست گزرتے، اعلیٰ اخلاق اور جذبہ خدمت سے متاثر ہو چکے تھے چنانچہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنے خواب اس طرح بیان کیے۔ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَالْآخَرُ أَنِّي أَرَانِي

سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب

پھوڑا رہوں ————— شراب پھوڑنے کا مطلب یہ ہے  
 کہ وہ پکے ہوئے انگوروں سے شیرہ نکال دے اور جس سے پھر شراب  
 بنائی جاتی ہے اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ شراب پھوڑنے کا مطلب  
 انگور پھوڑنا ہے بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ عربی محاورہ میں خمر کا لفظ انگور پر  
 بھی بولا جاتا ہے کیونکہ شراب کشید کرنے کے لیے انگور کو خام مال کے  
 طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام  
 نے فرمایا کہ انگور کو کرم مت کہو کیونکہ کرم تو مومن کا دل ہے جس میں نورانیت  
 توحید اور فیاضی ہوتی ہے۔ عرب لوگ انگور کو اس لیے کرم کہتے تھے کہ  
 ان کے نزدیک شراب پینے والا سخی ہوتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا  
 یہ غلط تصور ہے لہذا انگور کو عنب کا نام دیا کرو اور کرم مت کہو۔ بہر حال  
 خمر کا معنی یہ ہے۔ صَاخَمَوُ الْعَقْلَ جَوَانَنَ كِي عَقْلٍ مِّنْ غَلَطٍ مَّطٍ بِدَاكِرٍ  
 ہے۔ شراب ہمارے دین میں قطعی حرام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا  
 فرمان ہے وَالْخَمْرُ جَمَاعُ الْإِثْمِ شراب گناہوں کی جامع ہے جب  
 انسان شراب کے نشے میں ہوتا ہے تو پھر بدزبانی بھی کرتا ہے۔ لڑائی اور  
 دنگا فساد کا مرتکب ہوتا ہے اور بدکاری جیسے قبیح فعل میں بھی ملوث ہو  
 جاتا ہے۔ شراب کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ اسے حامل کمرہ کے لیے  
 آدمی چوری کرے گا۔ ملاوٹ کا مرتکب ہوگا۔ ثبوت بیگا۔ اور دیگر حرام ذرائع  
 سے روپیہ کمانے کی کوشش کرے گا۔ پھر ان چیزوں کی وجہ سے عبادت  
 سے بھی غافل ہو جائے گا، اسی لیے شراب کو ام النجاست یعنی تمام برائیوں  
 کی جڑ کہا گیا ہے۔ شراب نوشی واجب التعزیر ہے، اس کا بنانا اور پینا  
 بھی ممنوع ہے۔ حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے سال عام اعلان کر دیا  
 تھا۔ اِنَّكَ الَّذِي حَرَّمَ شَرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا جس نے اتھارے  
 لے شراب پینے کو حرام قرار دیا ہے اس نے اس کی تجارت بھی حرام





بیان کیے تو آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا  
 طَعَامٌ تَرْضَوْنِهِ جَوْلَانَا تَمِيں دیا جاتا ہے، وہ تمہارے پاس ابھی نہیں  
 پہنچے گا اِلَّا اَنْتَا سَكُمَا بَيْنَا وَبَيْنَهُ قَبْلُ اَنْ يَأْتِيَكُمَا کہ اس سے  
 پہلے میں تم دونوں کو تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا، مطلب یہ ہے  
 کہ قیدیوں کے پوچھنے پر یوسف علیہ السلام نے فوراً تعبیر نہیں بتلا دی بلکہ  
 اس کے لیے کچھ وقفہ چاہا۔ یہاں پر اس بات کی توجہ نہایت نہیں ہے  
 کہ قیدیوں کے خواب بیان کرنے اور ان کے پاس کھانا آنے میں اتنا  
 وقت تھا۔ ایک گھنٹہ، دو گھنٹے یا تین گھنٹے جتنا بھی وقت تھا، یوسف  
 علیہ السلام نے کہا کہ کھانا آنے سے پہلے میں تعبیر بتا دوں گا کیونکہ  
 ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي تعبیر خواب وہ علم ہے جو اللہ  
 نے مجھے خصوصی طور پر سکھایا ہے۔

مفسرین کا یہ فرض ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ وقفہ اس لیے  
 حاصل کیا تھا تاکہ اس دوران میں وہ اپنی حیثیت ان لوگوں پر واضح کر سکے  
 کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال علم سے نوازا ہے اور وہ فلاں معزز خاندان سے  
 متعلق رکھتے ہیں تاکہ وہ لوگ آپ کی بات کو اچھے طریقے سے قبول کر سکیں  
 پھر آپ اپنے پاکیزہ خقیقے کا اظہار کر کے فریضہ تبلیغ بھی ادا کرنا  
 چاہتے تھے۔ اس قسم کا تعارف ہر نبی نے کر لیا اِنِّي رَسُولٌ مِّنْ  
 رَبِّ الْعَالَمِينَ، لوگو! میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے  
 رسول بن کر آیا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا اِنَّا  
 يٰٓاَبَتِ اِنِّيۤ اَقْدُ جَادِلِيۤ مِنَ الْعَالَمِ مَا لَكَ يٰٓاَبَتِ۟ فَاَتَّبِعْنِيۤ  
 اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا (مریم) اے میرے ابا! میرے پاس اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے ایسا علم آچکا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا لہذا میرا اتباع  
 کرو، میں تمہیں صحیح راستہ بتاتا ہوں۔ بہر حال یوسف علیہ السلام کو تبلیغ دین

کا ایک موقع میسر آچکا تھا جسے وہ نہایت یکجہانہ طور پر مؤثر طریقے سے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

اس وقت دنیا بھر کے مسلمان فریضہ تبلیغ کو فراموش کر چکے ہیں فریضہ تبلیغ جس طرح یوسف علیہ السلام نے موقع ملتے ہی تبلیغ دین کے کام کو اولیت دی، اس طرح ہر مسلمان پر فرض عاید ہوتا ہے کہ اسے جواب بھی چانس ملے فریضہ تبلیغ کو بطریق احسن انجام دے۔ ہمارے وزراء اور امراء بیرونی ممالک کے دوروں پر جاتے ہیں۔ تاجر حضرات اپنے کاروبار کے سلسلے میں دیار غیر کے چمکے لگاتے ہیں مگر تبلیغ کے فریضہ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تبلیغی جماعت سے اندرون ملک اور بیرون ملک تبلیغ کا جو کام کر رہے ہیں، وہ کافی ہے حالانکہ وہ تو اصل ضرورت کا ایک فیصد ہی بھی نہیں اور پھر ان میں اہل علم لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو بیرون ملک غیر مسلموں کو اسلام کی برکات سے متعارف کرانے لگیں۔ اس لیے ہر صاحب علم و ثروت کیلئے ضروری ہے کہ وہ غیر مسلم اقوام کے سامنے دین اسلام کا فائدہ و فطرہ پیش کرے اور انہیں اسلام کی دعوت دے، مگر اس کے لیے پہلے خود نمونہ ہی بننا ہوگا۔ جو شخص خود بھول یا کلب میں بیٹھ کر شراب نوشی کرنا ہے، وہ دوسروں کو اسلام کی کیا تبلیغ کرے گا۔ جو خود عریانی اور فحاشی کا دلدادہ ہوگا وہ دوسروں کو اسلامی نظام معاشرت کا کیا درس دیگا۔

بہر حال یوسف علیہ السلام نے یہ موقع نیلیمت جانا۔ پہلے ان قیدیوں سے علم کی بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تعبیر خواب کا علم عطا فرمایا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے عقیدے کا اظہار اس طرح کیا۔

اِنْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ مِثْلِيْ

اِتباع ملت ابراہیمی



قوم کی قلت کو چھوڑ دیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے وہم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ اور وہ قیامت کا انکار کرنے والے ہیں فرمایا میں نے ایسے لوگوں کے دین کو ترک کر دیا ہے۔ اُس زمانے میں مصر میں یہ دونوں بیماریاں پائی جاتی تھیں۔ وہ لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی قیامت کے محاسبہ اعمال پر ان کو یقین تھا۔ اس لیے یوسف علیہ السلام نے سب سے پہلے اصلاح عقیدہ کی طرف توجہ دی اور ان کے غلط عقائد کی نشاندہی کرتے ہوئے ان سے انکسار بیزاری کر دیا۔

بعض لوگوں نے اس آیت میں آمدہ لفظ ترکت پر اعتراض کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ترکت کا مطلب تو یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام پہلے غلط عقائد میں ملوث تھے اور پھر انہوں نے چھوڑ دیا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ پہلے کوئی شخص شراب پیتا تھا، پھر اُس نے شراب پینا ترک کر دیا۔ یا کوئی رشوت لیتا تھا، سود کھاتا تھا یا کسی اور برائی میں ملوث تھا اور پھر اُسے چھوڑ دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کبھی بھی انکار توحید یا انکار معاد میں مبتلا نہیں ہوئے۔ آپ اللہ کے یل انتہ ربی اور اس کی حفاظت میں تھے۔ لہذا آپ کا کسی بھی وقت غلط اعتقاد میں ملوث ہونا بعید از قیاس ہے۔ تو اس سلسلے میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر ”ترک“ کا معنی یہ ہے کہ میں ان باطل عقائد سے ہمیشہ کن رہ کر رہا ہوں اور میں نے ان سے اجتناب کیا ہے۔ امام محمد ابن ابوبکر عبدالقادر رازی فرماتے ہیں کہ ”ترک“ دو قسم کا ہوتا ہے ایک ترک یہ ہے کہ کوئی شخص پہلے چیز میں ملوث ہو اور پھر اسے ترک کر دے اور دوسرا ترک ترک اعراض کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ سے کسی کام سے معروض رہا ہے اور کبھی بھی اس میں

داخل نہیں ہوا۔ اس قسم کے ترک کی مثالیں قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر موجود ہیں۔ سورۃ اعراف میں آتا ہے کہ فرعون کے حواریوں نے اس سے کہا کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلی چمٹی دیدی ہے کہ وہ زمین میں فساد کا بازار گرم کریں "وَيَذَرُكَ وَالْهَتَكَةَ" اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ یہاں پر بھی ترک معنی اعراف سے ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے تو کبھی بھی فرعون یا اس کے معبودوں کے لیے نرم گوشہ اختیار نہیں کیا۔ اسی طرح شعیب علیہ السلام کی قوم کے متکبرین نے آپ سے کہا تھا کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی کبھی سے نکال دیں گے، "أَوْ لَنَعُوذَنَّ فِي مَلَكَتِنَا" اور اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ یہاں بھی واپس آنے سے یہ مراد نہیں کہ شعیب علیہ السلام پہلے انہی کے دین پر تھے پھر انہوں نے دین حق قبول کر لیا اور ان کی قوم انہیں پہلے دین پر واپس لانا چاہتی تھی۔ یہاں پر عود کا معنی اعراف ہی ہے یعنی آپ کبھی بھی باطل عقائد میں ملوث نہیں رہے۔

اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے اپنا عقیدہ قیدیوں کے سامنے اس طرح بیان کیا "وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي" ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کا اتباع کیا ہے جو کہ دین حق پر تھے، یہاں پر بھی یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر اباؤ اجداد کی تقلید سے منع فرمایا ہے جب کہ یہاں پر یوسف علیہ السلام اپنے اباؤ اجداد کی تقلید کو ہی راہ حق سے تعبیر کر رہے ہیں تو مضمر بن کر ام فرماتے ہیں کہ جس اتباع سے قرآن نے منع کیا ہے، وہ دوسری نوعیت کا ہے جیسے سورۃ بقرہ میں ہے "وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَنزَلَ عَلَيْنَا آبَاؤُنَا"

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ  
 جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کی اتباع  
 کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم  
 نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا، اگرچہ ان کے آباؤ اجداد نہ تو عقل رکھتے ہوں  
 اور نہ ہی راہِ ہدایت پر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے عقل،  
 بے علم اور غیر ہدایت یافتہ آباؤ اجداد کی اتباع سے منع فرمایا ہے، جبکہ  
 اہل علم اور راست باز آباؤ اجداد کا اتباع تو قابلِ فخر بات ہے اور یہی چیز  
 یوسف علیہ السلام نے اپنے ساتھی قیدیوں کے سامنے بیان کی۔

عقیدہ توحید  
 پر استقامت

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا  
 مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ هَٰذَا سَبِيلُ رَبِّنَا  
 ہرگز لائق نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں۔ اللہ  
 کے علاوہ کسی فرشتہ، جن یا انسان یا پتھر اور حجر کو خدا کا شریک بنانا ہدایت  
 نسیج بات ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے  
 میں کمال ہے۔ ذٰلِكَ مِثْرُكَ فَضِّلِ اللَّهُ عَلَيْنَا وَعَلَى  
 النَّاسِ يَٰ أَلْعَنِيهِمْ بِمِثْرِهِمْ ۖ وَأَوْزَرَ أَيَادِيَّ رَبِّ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی  
 ہے۔ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ مگر افسوس کی بات  
 ہے کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی اس بے پایاں نعمت کا شکریہ ادا نہیں کرتے  
 جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو ایمان اور توحید کا اقرار کرتے  
 ہیں اور جو نہی اسائن حاصل ہوتی ہے تو پھر شرک اور بدعت میں مبتلا ہو  
 جاتے ہیں۔ پھر رسوائی باطلہ کا شکار ہو کر اللہ کی توحید کو فراموش کر دیتے  
 ہیں ایسے لوگ اللہ کے ناشکر گزار ہیں۔

یہاں تک یوسف علیہ السلام نے تمہید کے طور پر اپنی حیثیت  
 اور اپنے عقیدے کا ذکر کیا ہے۔ اب اگلی آیات میں آپ نے



قیدیوں کو باقاعدہ دعوتِ توحید دی ہے اور اس کو مدلل طریقے سے  
 ان کے سامنے پیش کیا ہے۔

---

يُصَاحِبِي السَّجْنَ ءَارِبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ  
 الْقَهَّارُ ③۹ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَيْتُمُوهُمَا  
 أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِمَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ إِنِ  
 الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ؕ أَمَرَ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ؕ ذَلِكَ الدِّينُ  
 الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ④۰ يُصَاحِبِي  
 السَّجْنَ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا  
 الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ؕ قُضِيَ  
 الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ④۱ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ  
 أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ ؕ فَأَنسَاهُ  
 الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السَّجْنَ بِضْعَ سِنِينَ ④۲

ترجمہ :- (یوسف نے کہا) اے میرے قید خانے کے دو

رفیقو! کیا بہت سے جلا جلا مہبود بہتر ہیں یا اللہ جو ایک اور

زبردست ہے ③۹ تم نہیں عبادت کرتے اس کے سوا

مگر نام ہیں جو تم نے رکھ دیے ہیں اور تمہارے آباؤ اجداد

نے ، نہیں اتاری اللہ نے اس کے بارے میں کوئی دلیل

نہیں ہے مگر اللہ کے لیے ، اس نے حکم دیا ہے کہ نہ

عبادت کرو ، اس کے سوا کسی کی ، یہی ہے مضبوط دین ،

مگر اکثر لوگ نہیں جانتے (۴۰) اے میرے قید خانے کے دو  
ساتھیو! تم میں سے ایک پاس وہ پڑے گا اپنے مالک کو  
شراب اور دوسرے کو سولی پر لٹکایا جائے گا اور کھائیں گے  
پرندے اُس کے سر سے۔ فیصلہ کیا گیا ہے اُس بات کا  
جس میں وہ دونوں پڑیں گے تھے (۴۱) اور کہا (یوسف نے)  
اس شخص کے لیے جس کے بائے میں اُن کو یقین تھا کہ وہ  
نجات پائے والا ہے دونوں میں سے کہ میسر ذکر کرنا اپنے  
مالک کے پاس، پس مبعلا دیا اُس کو شیطان نے اس کے  
مالک کے پاس ذکر کرنے سے۔ پس پھرتے ہے یوسف  
علیہ السلام قید خانے میں کئی سال تک (۴۲)

گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو دوسرے  
قیدی بھی تھے جن میں سے ایک نہانیوں کا انچارج اور دوسرے شراب پلانے والا تھا۔  
یہ قیدی یوسف علیہ السلام کے ساتھ آپ کے حسن سلوک، زہد اور تقویٰ کی بنا پر مانوس  
ہو گئے اور پھر انہوں نے آپ سے اپنے اپنے خواب کی تعبیر بھی پوچھی۔ بعض فرماتے  
ہیں کہ مذکورہ قیدیوں کو خواب نہیں آیا تھا بلکہ وہ خواب کی تعبیر کی آڑ میں یوسف علیہ السلام  
کا امتحان لینا چاہتے تھے، تاہم راجح بات یہی ہے کہ انہوں نے خواب دیکھا تھا۔ البتہ  
بائبل کی روایت ہے کہ قید خانے کا افسر بھی یوسف علیہ السلام سے مانوس ہو گیا تھا،  
وہ آپ پر اعتماد کرتا تھا اور اس نے جیل کا سارا نظام یوسف علیہ السلام کے سپرد  
کر رکھا تھا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب اُن دو قیدیوں نے یوسف علیہ السلام سے  
اطلاع محبت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ جب بھی مجھ سے محبت کی گئی، مجھ  
پر ابتلا ہی آئی۔ فرمایا بچپن میں میری پھوپھی نے مجھ سے محبت کی تو اُس وقت بھی



ہیں آزمائش میں پڑ گیا تھا۔ پھر میرے والد نے مجھ سے محبت کی تو  
کنوئیں میں گرا گیا۔ اس کے بعد عزیز مصر نے محبت کا اظہار کیا تو اس کے  
نتیجے میں آج جیل میں پڑا ہوں، لہذا تم مجھ سے محبت کا اظہار نہ کرو مبادا  
میں کسی دوسری آزمائش میں مبتلا ہو جاؤں۔ بشار ابن ربیع نے کہا ہے

هَلْ تَعْلَمِينَ وَرَأَى الْحُبَّ مَنَزِلًا

تَدْنِي إِلَيْكَ فَإِنَّ الْحُبَّ أَقْصَانِي

محبت کے علاوہ کوئی اور بات بناؤ جو تمہارے قریب کر دے کیونکہ محبت  
نے تو مجھے پہلے ہی دور پھینک دیا ہے۔

بہر حال یوسف علیہ السلام نے موقع کو غنیمت جانا اور خواب کی تعبیر  
بیان کرنے سے پہلے قیدیوں سے اپنا تعارف کرایا، غاندانی تکریم کا  
ذکر کیا، اپنے عقیدے اور دین کا اظہار فرمایا اور ساتھ یہ قسلی بھی دی کہ کھانا  
آنے سے پہلے پہلے تمہارے خوابوں کی تعبیر بھی بتا دوں گا، تاہم اس سے  
پہلے مجھ سے بڑی اہم بات بھی سن لو جس کا تعلق عقیدہ توحید کے ساتھ  
ہے چنانچہ آج کے درس میں یوسف علیہ السلام کی طرف سے عقیدہ توحید کی  
وضاحت کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد دونوں قیدیوں کو ان کے خوابوں  
کی تعبیر بھی بیان کر دی گئی ہے۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے ساتھی قیدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے  
فرمایا۔ يٰصَاحِبِى السِّجْنِ اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! مجھ پر تو  
تَبْلَاؤَعَارِبًا كُفْرًا مُنْفِقًا قَوْمًا خَيْرٌ کیا جدا جدا معبود بہتر ہیں اور اللہ  
الْوَّاحِدُ الْقَهَّارُ یا اللہ بہتر ہے جو اکیلا ہے اور قہار ہے، گزشتہ  
درس میں بیان ہو چکا ہے کہ مصر کے لوگ ایک تو اللہ کی وحدانیت کو  
تیسرے نہیں کرتے تھے اور دوسرے معبود کا انکار کرتے تھے، انہوں نے  
مختلف کاموں کے لیے مختلف معبود بنا رکھے تھے کیونکہ مشرک کا دل کسی

واحد  
برحق



خود ساختہ  
نام

یوسف علیہ السلام نے شرک کے متعلق فرمایا مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا اَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوْهَا تَمَّ نَحْنُ عِبَادَتِ كَرْتِے اُس کے سوا مگر چند نام ہیں جو تم نے رکھ دیے ہیں مطلب یہ کہ اللہ کے سوا تم نے مختلف ناموں پر معبود بنائے ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ تم نے بتوں، استخوانوں اور قبروں کو خود ہی بعض نام دے کر ان کے ذمے کام دیا رکھے ہیں کہ یہ فلاں کام کرتا ہے اور وہ فلاں حاجت براری کرتا ہے، حالانکہ حقیقت کچھ بھی نہیں، بس نام ہی نام ہیں جو تم نے خود ہی ان معبودوں کو دے رکھے ہیں۔ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ اور بعض کو تمہارے آباؤ اجداد نے بعض ناموں سے موسوم کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا سُلْطٰنٌ اللہ تعالیٰ نے تو ان باطل معبودان کے حق میں کوئی سند یا دلیل نہیں اتاری۔ اللہ تعالیٰ نے تو نہیں کہا کہ فلاں کی عبادت کرو یا فلاں سے حاجتیں طلب کرو بلکہ یہ تمہارے خود ساختہ نام ہیں جو تم نے ان معبودوں کو دے رکھے ہیں اِنْ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ حُكْمٌ اور اختیار تو سارا اللہ ہی کا ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنا عقل اور نقل و دونوں کے خلاف ہے۔ تمام صاحب عقل و دانش اور حکمائے ربانی کی تعلیم کے بھی خلاف ہے۔ اللہ نے تو ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری بلکہ اَمْسَ الْاَلْا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ بلکہ اس کافر ان تو یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو کیونکہ اُس کے سوا عبادت کرنی لائق نہیں اللہ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں، اسی کے بارے میں یہ عقیدہ مت رکھو کہ وہ مافوق الاسباب مشکل کشا کر سکتا ہے۔ ہر قسم کی تعظیم رکوع، سجود اور دست بستہ قیام صرف اللہ ہی کے لیے روا ہے فرمایا ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہی مستبوط دین ہے جس کے اصول و ضوابط ایسے ہیں اور فطرت کے مطابق ہیں یہی سراطِ مستقیم ہے۔



وَلَسَكُنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ مگر اکثر لوگ بے علم  
ہیں۔ وہ سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے اور بچہ تعصب کا شکار ہو کر راہ راست  
نے ٹھٹھاک جاتے ہیں یا جاہلوت کا شکار ہو کر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں  
بہر حال یوسف علیہ السلام نے نہایت اختصار کے ساتھ عقیدہ توحید کی  
وضاحت کی اور شرک کی مذمت بیان فرمائی۔

تبلیغ کی  
ضرورت

کفر و شرک کی بیماری قدیم زمانے سے لے کر آج تک دنیا میں موجود  
ہے انسانی آبادی کا بیشتر حصہ اسی بیماری میں آج بھی لوث ہے گزشتہ  
سورۃ کا خاص موضوع بھی یہی تھا اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ یعنی اللہ کے  
سوا کسی کی عبادت نہ کرو، حضرت نوح، ہود، صالح، ابراہیم اور لوط علیہم  
السلام سب نے اپنی اپنی اقوام کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع  
کیا۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی اپنی توجہ اسی نقطہ پر مرکوز رکھی کہ  
لوگو! شرک سے بچ جاؤ، یہ قبیح بیماری ہے۔

ہم یاد کریں کہ گزشتہ درس میں بھی عرض کیا تھا کہ یوسف علیہ السلام  
کی طرف سے قید خانے میں تبلیغ ہمارے لیے بھی بطور نمونہ ہے۔ ہر  
صاحب فہم مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جہاں بھی موقع پائے نہایت  
حکیمانہ طریقے سے توحید کی دعوت دے۔ یہ دین کی بنیاد ہے اور اس  
سے غافل نہیں رہنا چاہیے، اس پر بغیر میں اسلام کی تبلیغ اسی تبلیغ کے  
نتیجے میں روشن ہوئی۔ پہلے زمانے کے بزرگ تجارت کے لیے جزائر  
شرق الہند پہنچے اور جاوا سماٹرا وغیرہ میں حق تبلیغ ادا کیا جس کا نتیجہ یہ  
ہے کہ اس علاقے میں مسلمان کوڑوں کی تعداد میں ہیں۔ بمبئی اور مدینہ اس  
وغیرہ میں عرب تاجر اپنے ساتھ اسلام کی روشنی لائے، انہوں نے تجارت  
کے ساتھ ساتھ حق تبلیغ بھی ادا کیا۔ پہلی صدی کے مسلمان دنیا کے جس  
خطے میں بھی گئے انہوں نے تبلیغ دین کو اولیت دی۔ یہ انہی کی کاوشوں

کا نتیجہ ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی روشنی نظر آرہی ہے۔  
 آج کی دنیا میں مسلمانوں کی باون ریاستیں موجود ہیں مگر تبلیغ دین  
 کا کام صفر کے برابر ہے۔ ہر ملک میں کھیل تماشے کی وزارتیں موجود ہیں  
 مگر تبلیغ دین کی طرف کسی کی توجہ ہی نہیں۔ ان کے پاس وسائل موجود  
 ہیں مگر استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ دراصل مسلمان نبی طاقتوں  
 کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں، خود عقل کو بردھنے کا ہل لاسنے کی بجائے اپنی ہر  
 ضرورت کے لیے اختیار کی طرف دیکھنے کے عادی بن چکے ہیں۔ وجہ  
 یہ ہے کہ ہم اپنے فرائض سے غافل ہو چکے ہیں۔ دنیا پرستی میں پڑ  
 کر آخرت کو بھٹول چکے ہیں اور ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

خواب  
کی تعبیر

الغرض! یوسف علیہ السلام نے حق تبلیغ ادا کرنے کے لیے اپنے  
 قیدی ساتھیوں کو حسب وعدہ خواب کی تعبیر بھی بتائی فرمایا يُصَارُجِي  
السَّجْنِ اے میرے قیدی ساتھیو! آپ نے خطاب کرتے وقت  
 کسی کا نام نہیں لیا بلکہ طرزِ کلام ایسا اختیار کیا کہ جس سے کسی کے ذہن میں  
 ٹکڑ بھی پیدا نہ ہو اور حقیقت کا اظہار بھی ہو جائے۔ فرمایا أَمَّا أَحَدُكُمْ  
فَكَمَّا قَيْسُ بْنُ رَبْعَةَ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم دونوں  
 میں سے ایک آدمی اپنے مالک کو شراب پلائے گا۔ یعنی وہ بری ہو  
 کر اپنی ڈیوٹی پر بحال ہو جائے گا۔ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ  
الطَّيْنُ مِنْ رَأْسِهِ اور دوسرے شخص کو جرم ثابت ہونے پر سولی  
 پر لٹکا دیا جائے گا اور پرندے اس کے سر سے فوج فوج کھینچیں  
 گے۔ چنانچہ اس تعبیر کے بیان کرنے کے تین دن بعد ایسا ہی ہوا ساقی  
 بحال ہو گیا اور نانبائیوں کے انچارج کو سولی پر لٹکانے کا حکم ہوا جس  
 زمانے میں رواج تھا کہ سولی پر لٹکا کر لاش کو چند دن کے لیے لٹکا چھوڑ  
 دیتے تھے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔ اس دوران جانور وغیرہ

لاش کو نوچنا شروع کر دیتے تھے۔ چنانچہ خواب کی تعبیر بالکل وہی نکلی جو یوسف علیہ السلام نے بتائی تھی، پرندوں نے اُس شخص کے سر کو نوچ کر کھایا اور دوسرے شخص بادشاہ کو شراب پلانے پر دوبارہ مامور ہو گیا۔ فَرَمَا فِقْضِي الْأَمْرَ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ أَسْ بَات کا فیصلہ کر دیا گیا جس کے متعلق وہ دونوں قیدی استفسار کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ایسا ہی ہونا تھا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی ایک لغزش کا ذکر کیا ہے جو اس موقع پر اُن سے سرزد ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِي ظَنَّ أَنَّكَ نَاجٍ مِّمَّاهُمَا جس شخص کے متعلق یوسف علیہ السلام نے یقین کیا تھا کہ وہ بچ جائے گا، اس سے یہ بات کی۔ لفظ ظن ذو معنی ہے۔ اس میں گمان اور یقین دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ اس مقام پر یقین والا معنی زیادہ موزوں ہے، یعنی جس شخص کے متعلق آپ کو یقین تھا کہ یہ بری ہو جائے گا، اس سے کہا أَذْكُرُكَ عِنْدَ رَبِّكَ واپس جا کر اپنے مالک یعنی شاہ مصر کے سامنے میرا ذکر کرنا، یعنی اُس کو سفارش کے طور پر کہنا کہ تم نے ایک بے گناہ شخص کو قید میں ڈال رکھا ہے، اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے، مگر ہوا یہ کہ جب اُن دو قیدیوں میں سے ایک یعنی ساتی بری ہو کر دربار شاہی میں واپس پہنچا فَأَنسَلَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ تو شیطان نے اسے اپنے مالک کے پاس یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا فراموش کر دیا۔ یوسف علیہ السلام کی بات اس کے ذہن سے ہی نکل گئی۔ نہ اُس نے بادشاہ کے سامنے ذکر کیا اور نہ یوسف علیہ السلام کا معاملہ زیرِ غور آیا لَمَّا قَلَبَتْ فِي السِّجْنِ یعنی ایک سال تک جیل میں پڑے رہے اس کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سی باتیں کی ہیں۔ مثلاً بعض

یوسف  
علیہ السلام  
کی لغزش



فرماتے ہیں کہ اس حصہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے یوسف  
 علیہ السلام کو اپنے پروردگار کی طرف دھیان کرنے سے مبتلا دیا۔  
 انہیں قید سے رہائی کے لیے رب العزت کی طرف نگاہ کرنی چاہیے  
 مگر آپ نے ایک ساتھی قیدی کی سفارش کا سہارا تلاش کیا۔  
 یہی لغزش تھی۔ خدا تعالیٰ ہی سہے جس نے یوسف علیہ السلام کی محبت  
 آپ کے باپ کے دل میں ڈالی۔ پھر اسی خداوند کریم نے آپ کو  
 کنوئیں سے نجات دی۔ پھر عزیز مصر کے دل میں آپ کی محبت  
 پیدا کی اور آپ کو برائی کے ارتکاب سے بچایا۔ شیطان نے اس  
 پروردگار کی طرف سے یوسف علیہ السلام کو غفلت میں ڈال دیا اور  
 اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرنے کی بجائے اس قیدی پر  
 انحصار کیا۔

شیطان کی طرف سے فراموش کرا دینے کا تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ  
 السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے۔ جب آپ اپنے خادم کے ہمراہ جا رہے  
 تھے اور آپ نے اس سے کہا نا طلب کیا تو وہ کہنے لگا کہ جب  
 ہم نے پتھر کے قریب آرام کیا تھا تو میں مچھلی وہیں بھول گیا وَمَا  
 أَنَسِنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنِ أَذْكُرَهُ (الکہف) اور مجھے اس  
 کا آپ سے ذکر کرنا شیطان نے مبتلا دیا شیطان ایسی باتوں پر  
 خوش ہوتا ہے اور دوسرا انداز بھی کرتا ہے اسی لیے اس قسم کے  
 واقعات شیطان کی طرف منسوب کر دیے جاتے ہیں جنہوں نے علیہ السلام  
 کا ارشاد سہے کہ اگر نماز کی حالت میں عورت کو حیض آجائے یا کسی  
 نمازی کی نکیہ بھوٹ پڑے تو شیطان بڑا خوش ہوتا ہے کہ اچھا ہوا  
 اس کی نماز میں خلل واقع ہو گیا۔ بہر حال یوسف علیہ السلام کو اس  
 لغزش پر تنبیہ ہوئی تو آپ نے ننگے مگر اس لغزش کے نتیجے میں

دوسرا باب  
میں اعانت

آپ کی ابتلا کا عرصہ بڑھ گیا اور آپ کو سالہا سال جیل میں بند رہنا پڑا۔  
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بوقت ضرورت عالم اسباب میں دوسروں  
سے مدد لینا بالکل جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَتَعَاوَنُوا عَلَى  
الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ" (المائدہ) یعنی نیکی اور تقویٰ کی بات میں اعانت  
کیا کرو۔ کوئی مظلوم بچنا ہوا ہے اور کسی کی سفارش طلب کرنا ہے تو  
ایسا کرنا درست ہے مگر انبیاء علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔  
اس لیے اتنی معمولی لغزش بھی یہ صفت علیہ السلام کے شایان شان نہ تھی۔  
اور اس کے نتیجے میں آپ کو کئی برس تک جیل میں رکھا گیا۔ وہ نہ ہو سکتا  
ہے کہ اس سے پہلے ہی آپ کی خلاصی ہو جاتی۔ بہر حال آپ نے  
اس لغزش کا احساس ہونے پر اپنے پروردگار کے سامنے عرض کیا کہ  
مصابیح کے آنے کی وجہ سے میرا ذہن فوری طور پر ادھر متوجہ نہ ہو سکا۔  
غرضیکہ مفسرین نے یہاں پر دلوں معنی بیان کیے ہیں کہ شیطان نے اس  
قیدی کو فراموش کر دیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کا ذکر بادشاہ کے پاس کرتا  
یا یوسف علیہ السلام کو مبتلا دیا کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے۔  
بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ ابتلا تو یوسف علیہ السلام کی اپنی  
دعا کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے آئی تھی۔ چچے گزر چکا ہے آپ نے  
کہا تھارت السجین احب الی من مائذ عونی الیہ  
یہ وردگار! یہ عورتیں جس مقصد کی طرف مجھے بلاتی ہیں اس سے تو یہ قید و بند  
بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی، آپ کو برائی سے  
بچایا اور جیل میں ڈلوادیا۔ یوسف علیہ السلام بڑے صابر و شاکہ تھے جسور  
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ تو یہ مفسرین  
فرماتے ہیں کہ قید کی طوالت کسی لغزش کے نتیجے میں نہیں ہوتی تھی، بلکہ  
یہ خود آپ کا انتخاب تھا۔

شادی رہا  
میں تبلیغ

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر اذکر فی عند ذلک سے مراد  
ذکر یا سفارش نہیں بلکہ اس سے تبلیغ دین مراد ہے اور یوسف علیہ السلام  
نے اپنے ساتھی قیدی سے یہ کہا تھا کہ بادشاہ کے پاس پہنچ کر اسی  
بات کی تبلیغ کرنا جو میں نے تمہیں سمجھائی ہے ان الحکمۃ الا للہ ط  
امر الا تعبدوہ الا ایاہ اس کی بات دربار شاہی میں کہنا کہ ایک  
قیدی اسی طرح کہتا ہے کہ حکومت صرف اللہ کی ہے اور اس نے  
حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہ مطلب یہ کہ یوسف  
علیہ السلام کو اس قیدی کو تبلیغ دین کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا مگر وہاں پہنچ کر  
یہ بات اس کے ذہن سے ایسی نکلی کہ اس نے یوسف علیہ السلام  
کا ذکر تک نہ کیا۔

باقی رہی یہ بات کہ یوسف علیہ السلام کتنا عرصہ قید میں رہے ۔  
حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے چودہ سال کا عرصہ جیل میں گزارا۔  
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بارہ سال کی روایت منقول ہے ۔  
شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں پانچ ، سات ،  
نوا اور بارہ سال کی روایات بھی ملتی ہیں ۔ عام طور پر مفسرین نو یا بارہ سال  
کا ذکر کرتے ہیں مگر شاہ صاحبؒ کے نزدیک راجح بات سات سال  
کی ہے ۔ ویسے عربی زبان میں بضع کا لفظ تین سے نو تک کے عدد  
پر ہوتا ہے ، تو اس لحاظ سے بھی سات سال کا عرصہ قرین قیاس  
ہے ، واللہ اعلم ۔



وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ  
 سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُنبُلَاتٍ خُضِرٍ وَأُخْرَى يَبْسُتُ  
 بِأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا  
 تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ  
 بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمَيْنِ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَّاهُمَا  
 وَادَّكَرَّ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾  
 يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ  
 سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ  
 خُضِرٍ وَأُخْرَى يَبْسُتُ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ  
 يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابَأَ فَمَا  
 حَصَدْتُمْ فَذَرُّوهُ فِي سُنبُلَةٍ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا  
 تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ  
 يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصُونَ ﴿٤٨﴾  
 ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ  
 وَفِيهِ يَعْرِضُونَ ﴿٤٩﴾

میں سات گائیں موٹی تازی، کھاتی ہیں اُن کو سات دہلی پتلی گائیں اور سات خوشے سرسبز اور دوسرے خشک۔ اُسے دربار والے بتاؤ۔ مجھے میرے خواب ہیں، اگر تم خواب کی تعبیر کہتے ہو (۴۲) انہوں نے کہا یہ پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر ہاتھ دالے نہیں ہیں (۴۳) اور کہ اُس شخص نے جو اُن دونوں میں سے بچ گیا تھا اور اُس نے یاد کیا ایک مدت کے بعد (یوسف کو) میں تمہیں بتاؤں گا اس کی تعبیر پس تم مجھے بھیجو (۴۴) (وہ یوسف کے پاس گیا اور کہنے لگا) اے یوسف! اے راست باز انسان! ہیں بتو سات موٹی تازی گائیوں کے بارے میں کہ ان کو کھاتی ہیں سات دہلی پتلی گائیں۔ اور سات خوشے ہیں سرسبز اور دوسرے خشک ہیں۔ تاکہ میں واپس جاؤں لوگوں کے پاس، شاید کہ وہ حسان ہیں (۴۵) کہا (یوسف نے) تم کھیتی باڑی کرو گے سات سال عادت کے مطابق جم کر۔ جو تم نے کاٹ لیا اُس کو چھوڑ دینا اس کے خوشوں کے اندر ہی مگر بہت مختصر جس کو تم کھاؤ گے (۴۶) پھر آئیں گے اُس کے بعد سات سال سخت، جو کھا جائیں گے اُس چیر کو جو تم نے تسکے ان کے لیے رکھا ہے، مگر بہت کم جس کی تم حفاظت کرو گے (۴۷) پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال جس میں لوگوں پر برف برسائی جائے گی اور اس میں لوگ شیرہ وغیرہ پکڑیں گے (۴۸) گزشتہ دس میں بیان ہو چکا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے ساتھی قیدیوں کو اپنے خواب

کی بالکل سچی تعبیر بتائی۔ پھر جو شخص برہمی ہو کر اپنی ڈیوٹی پہ واپس جانے والا  
 تھا اس کو بادشاہ سے سفارش کے لیے بھی کہا مگر وہ شامی دربار میں پہنچ  
 کر یوسف علیہ السلام کی بات کو فراموش کر بیٹھا۔ پھر سات، نو یا بارہ  
 سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بادشاہ مصر کو ایک خواب آیا جس سے  
 وہ پریشان ہو گیا اور اس نے اپنے درباریوں سے اس خواب کی  
 تعبیر دریافت کی درباری اس کی تعبیر سے عاجز آ گئے اور کہنے لگے  
 کہ یہ بے معنی خواب ہے اس قسم کے پریشان خواب اکثر آیا کرتے  
 ہیں مگر بادشاہ کی تسلی نہ ہوئی۔ اس دوران میں قید سے رہائی پانے  
 والے شخص کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آ گئی، اس کا خیال فوراً  
 یوسف علیہ السلام کی طرف گیا کہ وہ شخص تعبیر خواب کا ماہر ہے  
 اور اس طرح بادشاہ کا یہ عجیب و غریب خواب یوسف علیہ السلام  
 کی رہائی کا سبب بن گیا۔

سات  
 گائیں

آج کی آیات میں بادشاہ مصر کی خواب کا حال اس طرح بیان کیا  
 گیا ہے وَقَالَ الْمَلِكُ اَفْتِ اَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ اور  
 بادشاہ نے کہا بیشک میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی  
 تازی بامٹھیں سَبْعَ عَجَافٍ کھاتی ہیں ان کو سات، دہلی تلی  
 گائیں۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ بادشاہ نے سمندر سے موٹی تازی گائیں  
 نکلتی ہوئی دیکھی تھیں جنہیں لاغر گائیں کھا رہی تھیں مگر ان کی صحت  
 پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا، وہ ایسی کی ایسی مر رہی تھیں۔

یہ ایک حیرت انگیز خواب تھا اور دیکھنے والا شاہ مصر اس  
 وقت مومن بھی نہیں تھا۔ بعد میں یہ خواب سو فیصدی سچا ثابت ہوا  
 جس کا مطلب یہ ہے کہ سچا خواب دیکھنے کے لیے مومن ہونا شرط  
 نہیں۔ نیز یہ کہ خواب ایک حقیقت ہے اور یہ سچا بھی ہو سکتا ہے



اور جھوٹا بھی، خواب مبنی بر حقیقت بھی ہو سکتا ہے اور شیطانی خیالات اور غذا کا اثر بھی۔ خواب مومن کو بھی آتا ہے اور کافر کو بھی اور کسی کا خواب سچا بھی ہو سکتا ہے اور جھوٹا بھی۔ بعض اوقات کوئی خواب کسی کافر کے ایمان لانے کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ شاہ مصر اور بعض دوسرے لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔

بہر حال بادشاہ کے خواب کا پہلا حصہ یہ تھا کہ سات فرہ گاہیں ہیں جنہیں سات لائے گاہیں نکل رہی ہیں اور دوسرا حصہ یہ کہ وَسَبْعَ سُنْبُلَةٍ خَضِرٍ سَاتِ سِرْبِزِ خُوشِے یا بالیاں ہیں وَأَخْرَجَ يَسْلِبَ ط اور دوسرے سات خشک ہیں جو سِرْبِزِ خُوشِوں کے ساتھ کیٹ گئے ہیں اور ایسا کرنے سے سِرْبِزِ خُوشِوں کی رونق ختم ہو رہی ہے مطلب یہ کہ جس طرح دلی گاہیں مونی گاہوں کو نکل رہی تھیں اسی طرح خشک خوشے سِرْبِزِ خُوشِوں کو کھاتے تھے۔

سنبیلہ خوشے یا بالی کو کہتے ہیں جس کے اندر گندم، جو یا دھان وغیرہ کے دانے ملفوف ہوتے ہیں۔ خوشوں کا ذکر سورۃ بقرہ میں بھی آیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال "كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ" اُس دانے کی سی ہے جس سے سات خوشے اگیں اور ہر خوشے میں سو سوداں ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کی راہ میں خرچ کرنے والے کے اجر و ثواب کو بھی کئی گنا زیادہ کرتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے انسانی خوراک کے لیے مختلف اجناس کو پیدا فرمایا ہے اور ان کے دانوں کی نہایت حکیمانہ طریقے سے حفاظت فرمائی ہے، ہر دانے کو چھلکے میں بند کر کے محفوظ کر دیا ہے تاکہ انان اسے ضرورت کے وقت اپنی خوراک بنا سکیں۔ ہر خوشے میں سوداں کی تعداد اللہ نے مثال کے طور پر بیان فرمائی ہے تاہم

سات خوشے

یہ تعداد مختلف اجناس میں کم و بیش بھی ہو سکتی ہے، خاص طور پر دھان کے دانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

یہ خواب دیکھ کر شاہ مصر پریشان ہو گیا، اُس نے فوراً اپنے تمام منصفانہ قیام کو طلب کیا جن میں وزیر، امیر، کمرہ دار، نشین اور بڑے بڑے عہدیدار شامل تھے۔ منصفین فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنے درباریوں کے علاوہ بڑے بڑے نجومیوں اور کاهنوں کو بھی طلب کر لیا۔ پھر جب سب جمع ہو گئے تو بادشاہ نے انہیں خطاب کیا يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ الْفُقُولِ فِي رُؤْيَايَ اے درباریو! مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ اگر تم خوابوں کی تعبیر جانتے ہو۔ خواب کی تفصیل سن کر قَالُوا أَضْغَاتٌ أَحْلَامٌ وہ سب لوگ کہنے لگے کہ یہ تو پریشان خواب ہیں۔ ایسے خوابوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمَيْنِ اور ہم تو ایسے پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ یہ تو محض وہم اور خیالات ہیں جو اگر انسانوں کو سوتے میں آتے ہیں۔ بغرض کہ وہ لوگ خواب کی تعبیر بتانے سے عاجز آ گئے اور انہوں نے جھبھتی تسلی سے بادشاہ کو ٹالنے کی کوشش کی۔

اضغاث، اضغاث کی جمع ہے اور ضغٹ اُس لمحے کو کہا جاتا ہے جو گھاس پھوس اور مکڑیاں وغیرہ جمع کر کے بنایا گیا ہو۔ چونکہ اس گھٹے میں مختلف قسم کی چیزیں ہوتی ہیں اس لیے ضغٹ کہلاتا ہے۔ درباریوں نے بادشاہ کے خواب کو بھی اسی قسم کے گھٹے سے تشبیہ دی کہ یہ مختلف قسم کے پریشان کن خیالات کا مجموعہ ہے، اس کی کوئی اصلیت نہیں اور بادشاہ کو وہم میں نہیں پڑنا چاہیے۔

ان درباریوں میں یوسف علیہ السلام کا ساتھی قیدی بھی تھا جسے یوسف علیہ السلام نے خواب کی ٹھیک ٹھیک تعبیر بتلائی تھی اور پھر



وہ قیصر سے رہا ہو کر بادشاہ کو شراب پلانے پر مامور ہو گیا تھا۔ اب اُس شخص کا ذکر آتا ہے وَقَالَ الَّذِي كَتَبَ مِنْهُمْ مَا اور کہا اُن دو میں سے ایک شخص نے جو بچ گیا تھا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ اور اس نے ایک مدت کے بعد یوسف علیہ السلام کو یاد کیا۔ اتنا عرصہ تو وہ یوسف علیہ السلام کو فراموش کیے رہا اور شیطان نے اس کو بھلا دیا، یہ بات اُس کے ذہن ہی سے نکل گئی کہ یوسف علیہ السلام نے اُسے شاہی دربار میں آپ کا ذکر کھنے کے لیے کہا تھا۔ اب جب کہ بادشاہ کو عجیب و غریب خواب آیا تو اس کا وہ بیان فوراً یوسف علیہ السلام کی طرف گیا۔ جنہوں نے اُسے خواب کی تعبیر بتائی تھی اور وہ بادشاہ کا درباری بن گیا تھا۔ بہر حال جب اس کو یوسف علیہ السلام کا خیال آیا تو کہنے لگا اَنَا أَنْبَيْتُكُمْ بِكَاءِوِيلِهِ میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتاؤں گا فَارْسِلُونِ تم مجھے بھیج دینی اجازت دو تاکہ میں فلاں شخص سے خواب کی تعبیر پوچھ کر آؤں۔

امۃ کثیر المعانی لفظ ہے اور قرآن پاک میں اس کے چار مختلف معانی آئے ہیں۔ مثلاً اِنَّ هَذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَاحِدَةً۔ (المومنون) میں امت کا معنی دین اور مذہب ہے اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا (الاحقاف) میں امت کا معنی امام ہے۔ كُنْتُمْ حَيْرِ اُمَّةٍ (آل عمران) میں امت کا معنی جماعت ہے اور یہاں پر بَعْدَ اُمَّةٍ میں امت کا معنی مدت آیا ہے۔

الفرض! بادشاہ سے اجازت سننے پر وہ شخص جبل میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور اس طرح گریا ہوا یُوسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيقُ اے راست باز یوسف! صدیق انتہائی درجے کے سچے انسان کو کہا جاتا ہے اور فضیلت کے لحاظ سے انبیاء کے بعد دوسرا درجہ صدیقیوں

یوسف  
علیہ السلام  
کی خدمت  
میں



کا ہے قرآن پاک میں حضرت مریمؑ کو صدیقہ کہا گیا ہے۔ "وَأَمَّا صِدِّيقَةٌ"  
(المائدہ) اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا لقب صدیق ہے۔ حضور علیہ السلام  
کا فرمان ہے کہ ایک انسان برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں رہتا  
ہے حتیٰ یُکْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدِّيقًا یہاں تک کہ اللہ کے  
نزدیک اُسے صدیق یعنی راست باز لکھ لیا جاتا ہے۔

بہر حال اُس شخص نے کہا، اے پیسے یوسف! آفَتَنَا فِتْنٌ  
سَبَّحَ بَقْلَاتٍ سَيَمَانٍ آبِہیں اس خواب کی تعبیر بتائیں کہ  
سات موٹی تازی فرہ گائیں ہیں یَا كَلْهَمُنَّ سَبَّحَ عِجَافٌ جنہیں  
سات دہلی تیلی گائیں کھارہی ہیں وَسَبَّحَ سُبُّنَاتٍ خَضِرٌ وَأَخْرَجَ لَبِيسَاتٍ  
اور سات سرسبز خوشے ہیں اور دوست ریشمک ہیں اور خشک خوشے  
سرسبز گوشوں کے ساتھ گویا لپٹ کر ان پر غالب آ رہے ہیں۔ آپ  
بتائیں لَعَلِّي أَرْجِعُ الْحَبَّ النَّاسِ تاکہ میں لوگوں کی طرف  
واپس ہاؤں لَعَلَّهُمْ يَعْصِمُونَّ شاید کہ وہ جان لیں یعنی ان کو بھی  
اس خواب کی تعبیر معلوم ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس  
خواب کی تعبیر بتانے سے شاید کہ لوگوں کو آپ کے مرتبے کا بھی علم ہو جائے  
لوگوں کو پتہ چل جائے کہ کتنی شان والا ایک بیگناہ آدمی جیل میں پڑا ہوا ہے  
اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا علم عطا کیا ہے جس نے ذریعے آپ اس  
قدر پوشیدہ چیزوں کو بھی پہچان لیتے ہیں۔

اس مقام پر مفسرین بحث کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا ان علاق  
بلند تھا کہ آپ نے تعبیر دریافت کرنے والے سے کوئی گلہ شکوہ نہیں کیا،  
حالانکہ اس سے پہلے آپ اُسے ٹھیک ٹھیک بتا چکے تھے اور بادشاہ  
کے ہاں اپنا ذکر کرنے کے لیے بھی کہا، مگر وہ شخص بھول گیا اور اس نے  
بادشاہ کے پاس آپ کی کوئی بات نہ کی۔ بہر حال اُس شخص کے سوال

کے جواب میں نہ صرف اسکو خواب کی تعبیر بتلائی بلکہ وہ باتیں بھی بتائیں جو پورے ملک کی معیشت کے لیے نہایت کارآمد تھیں۔ گویا آپ نے ہمدردی اور خیر خواہی کا پورا پورا حق ادا کیا۔

یوسف  
علیہ السلام  
کا جواب

یوسف علیہ السلام نے خواب کا بیان سنا اور اسکی تعبیر اس طرح بیان کی قَالَ تَذَرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ ذَا بَأْسٍ فَأَنْتُمْ كَهَيِّئِ بَاطِلٍ مِی  
کرو گے سات سال تک عادت کے مطابق جم کر جس کے نتیجے میں پیداوار خوب ہوگی اور تمہیں وافر اناج حاصل ہوگا۔ اس عرصہ میں فَتَمَّا  
حَصَدَكُمْ فَذَرَوْهُ فِي سُنْبُلِهِ جو بھی تم فصل کاٹو گے  
اُسے اُس کے خوشوں میں ہی بند رہنے دینا، اُن سے اناج باہر نہ نکالنا  
کیونکہ جب اناج خوشوں سے باہر آ جائے تو پھر وہ زیادہ عرصہ تک  
محفوظ نہیں رہتا بلکہ اُس میں کیڑا وغیرہ لگ جاتا ہے اور اناج ضائع  
ہو جاتا ہے۔ لہذا اُسے طویل عرصہ تک قابل استعمال رکھنے کے لیے  
ضروری ہے کہ اُسے خوشوں سے نہ نکالنا بلکہ خوشوں ہی میں محفوظ کر  
لینا، إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ سوائے غٹوڑے جسے کے  
جو تم نے استعمال کرنا ہے۔ باقی سارا محفوظ کر لینا۔

فرمایا ثُمَّ يَأْتِيَنَّ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٍ پھر  
اس کے بعد سات سال بڑے سخت آئیں گے یعنی ملک میں  
قحط پڑ جائے گا، بارش نہیں ہوگی، اناج پیدا نہیں ہوگا اور پہلے سات  
سالوں میں تمہارا بچا ہوا غلہ ان سات سالوں میں تمہارے کام آئے  
گا۔ اس قحط سالی میں يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهَا سَبْعَ  
قحط زدہ سال تمہارے بچائے ہوئے غلے کو کھا جائیں گے۔ إِلَّا  
قَلِيلًا مِّمَّا تَخَصِمُونَ سوائے اُس غٹوڑے سے جسے کے  
جسے تم محفوظ کر لو گے، محسن دراصل پاک دامن کو کہتے ہیں جو اپنے

شہوانی جذبات پر کنٹرول کر کے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ تو یہاں بھی مراد یہی ہے کہ قحط سالی میں سارا اناج ختم ہو جائے گا سولہ تھارے محفوظ شدہ مختور ٹرے جسے کے۔

تاریخ عالم میں قحط سالی کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے، دنیا کے مختلف خلوں میں بڑے بڑے قحط پڑے۔ اس پر صغیر میں انگریزوں کے زمین سے پہلے اور پھر ان کے ابتدائی دور میں زبردست قحط پڑا۔ مورخین کہتے ہیں کہ ایسا وقت بھی آیا جب لوگوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ذبح کر کے خود کھا لیا۔ اس صدی کے آغاز میں بھی سپاڑی علاقوں میں سخت قحط نمودار ہوا تھا، پانی اور اناج ختم ہو گیا۔ لوگ دوسرے مقامات کی طرف ہجرت کرنے لگے اور بے شمار لوگ اٹلانٹک سفر میں ہی لقمہ اجل بن گئے۔ مکے والوں پر بھی بڑا سخت قحط نازل ہوا تھا جس میں ہر چیز فنا ہو گئی تھی۔ ہر طرف دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا اور لوگ سوکھا چمڑا اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

پندرہ سال

نواب کی تعبیر بتاتے ہوئے یوسف علیہ السلام نے پہلے سات خوشحالی کے سالوں کا ذکر کیا اور پھر سات قحط زدہ سالوں کی بات کی۔ یہ چودہ سال ہو گئے۔ پھر آپ نے پندرہویں سال کی بات کی تَحْرِيَاتُ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ عاقر پھر اس کے بعد ایک اور سال آئے گا فِيهِ يَغَاثُ النَّاسُ جس میں لوگوں پر خوب بارش برسیگی۔ سنہری، پھل اور اناج کی فراوانی ہو جائے گی اور قحط سالی کا عرصہ ختم ہو جائے گا۔ يَغَاثُ غیاث سے ہے جس کا معنی بارش ہوتا ہے اس کا مادہ غوث بھی ہے جس کا معنی فریاد رس ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس خوشحالی کے سال میں لوگوں کی تکالیف کو دور کر دیا جائے گا۔ گویا ان کی فریاد رسی کی جائے گی۔ درحقیقت غوث یا فریاد رس تو



صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ مخلوق کو بھی  
غوث کا لقب دے دیتے ہیں۔

بہر حال فرمایا کہ اس سال خوب بارش ہوگی وَفِيهِ يَعْصِرُونَ  
اور لوگ پھلوں سے رس پختہ کریں گے بمطلب یہ سب سے کہ پھل بکثرت  
پیدا ہوں گے اور پھر انگور یا کھجوروں سے رس پختہ کر شراب یا شہریہ  
کھیں گے جو دینہ تک کام آتا ہے گا۔ لویوسف علیہ السلام نے خواب  
کی تعبیر کے ساتھ ساتھ وہ آیت ابیر بھی تجویز کر دیں جن پر عملدرآمد سے  
عوام الناس کی پریشانیاں کم ہوں گی اور لوگ اس سے خوب فائدہ  
اٹھائیں گے چنانچہ مصریوں نے ان نصائح پر من و عن عمل کیا جسکی وجہ سے  
نہ صرف وہ خود خوشحال رہے بلکہ قحط کے زمانے میں مصر کے اطراف  
کے لوگوں کی بھی خوب مدد کی۔ اس کا ذکر آگے تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے

وما ابرئ ۱۳

سورة يوسف ۱۳

درس چہارم ۱۳

آیت ۵۰ تا ۵۳

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ  
 ارْجِعْ اِلَىٰ رَبِّكَ فَسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قُطِّعَ  
 اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّي يَكْفِيهِنَّ عِلْمًا ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا  
 خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ  
 حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتِ امْرَاَتُ  
 الْعَزِيزِ اِنَّنِي حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ  
 نَفْسِهِ وَاِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٥١﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ  
 اَنِّيْ لَمْ اَخْنُهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ  
 الْخٰٓئِنِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا اَبْرِئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَآ مَسٰرَةَ  
 بِالسُّوْرِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥٣﴾

ترجمہ :- اور کہا بادشاہ نے لاؤ اُس (یوسف) کو میرے پاس  
 پس جب پہنچا اُس کے پاس قاصد، تو کہا (یوسف علیہ السلام نے)  
 واپس چلے جاؤ اپنے مالک کے پاس اور اُس سے پوچھو کہ کیا ہے  
 حال ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیے تھے، بیشک میرا  
 پروردگار ان کے مکہ کو خوب جاننے والا ہے ﴿۵۰﴾ (بادشاہ نے  
 ان عورتوں سے) کہا، کیا ہے حال تمہارا جب کہ تم نے پھسلایا  
 یوسف علیہ السلام کو اس کے نفس سے، تو ان عورتوں نے کہا،

پاک ہے اللہ کے لیے، ہم نے نہیں معلوم کی اُس میں کوئی برائی۔ کہا عزیز کی بیوی نے، اب بات بالکل واضح ہو گئی ہے میں نے ہی پھلایا تھا اس کو اس کے جی سے اور بیشک وہ سچا ہے (۵۱) یہ بات میں نے اس لیے کی ہے تاکہ وہ جان لے کہ میں نے نہیں خیانت کی اُس کے ساتھ پس پشت۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں کامیاب کرتا خیانت کرنے والوں کو (۵۲) اور میں نہیں پاک کتا اپنے نفس کو، بیشک نفس بہت حکم دیتا ہے برائی کا، مگر وہ جس پر جسم کرے میرا پروردگار۔ بیشک میرا پروردگار بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۵۳)

بط آیت

یوسف علیہ السلام سالہا سال تک قید میں پڑے رہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کے خواب کو اُن کی رہائی کا سبب بنادیا، بادشاہ کو خواب آیا، اُس نے درباریوں سے تعبیر پوچھی مگر وہ سب عاجز آ گئے۔ پھر جیل سے رہا ہونے والے ساتی نے بیشک کی کہ وہ ایک قیدی سے خواب دریافت کر سکتا ہے۔ بادشاہ کی اجازت سے یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انہوں نے نہ صرف تعبیر بتادی بلکہ اُن کے حالات سے متعلق نہایت مفید مشورے بھی دیے۔ یہ تعبیر پا کر بادشاہ کی تسلی ہو گئی کیونکہ یہ خواب منجانب اللہ تھا اور یوسف علیہ السلام نے اللہ کے عطا کردہ علم کے ذریعے اس کی تعبیر بتائی تھی۔ بہر حال بادشاہ یوسف علیہ السلام کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، فہم و دانش اور اخلاق حسنہ کا سن کر دل ہی دل میں آپ کا معتقد ہو گیا اور اُس نے حکم دیا کہ ایسے قابل آدمی کو دربار میں حاضر کیا جائے۔ آج کے درس کی ابتداء اسی بات سے ہو رہی ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُونِي بِهٖۤ اَدْرَاۤءُۤ اَنۡتَ یٰۤاِسَٰءُ عَلَیۡہِ السَّلَامُ کہ میرے

شاہی دربار  
سے پیغام



پس لاد۔ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ بِمِصْرَ حَبِيبِ بْنِ جَابِ اس کے پاس  
 بادشاہ کا فرستادہ یعنی قاصد اور اس نے کہا کہ بادشاہ آپ کو بلا رہا ہے  
 تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَّبِّكَ إِنَّكَ أَهْلُكَ  
 یعنی بادشاہ کے پاس کو اس لوٹ جاؤ اور فاسٹ لاء اس سے پوچھو  
 مَا بَالُ الْفِسْقَةِ الَّتِي قَطَعْتَ أَيْدِيَهُنَّ كَمَا أَنْ عَمُورَتُونَ كَمَا كَمَا  
 ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ اِنْ رَّبِّي بِكَيْدِي هِنَّ  
 عَلَيَّ بِشَيْءٍ مِّمَّا يَرِيءُ دُكَارِ اُنْ كِي فَرِيءِ كَارِي كُو خُوب جَانَا  
 یوسف علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ مجھ پر جو الزام لگایا تھا، پہلے  
 اس کی تحقیق کہ لی جائے اور میرے متعلق ان عورتوں کی شہادت لے  
 لی جائے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، اس کے بعد میں جیل  
 سے باہر آؤں گا۔ آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مذکورہ معاملہ میں  
 قصور سارا ان عورتوں کا تھا اور میں بالکل بے گناہ تھا۔ آپ اپنی بیگنہ  
 کو ثابت کیے بغیر مصر کے معاشرے میں واپس نہیں آنا چاہتے تھے،  
 کیونکہ ایسا کرنے سے لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق شکوک و  
 شبہات باقی رہ سکتے تھے۔ چنانچہ قاصد نے واپس آکر بادشاہ سے  
 یہی بات کی تو بادشاہ کو بھی یہ بات پسند آئی اور وہ یوسف علیہ السلام  
 کے اخلاق حمیدہ سے مزید متاثر ہو گیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر یوسف علیہ السلام بادشاہ کے  
 پیغام آنے پر جیل سے باہر آ جاتے تو یہ کوئی بڑی بات نہ تھی، بلکہ  
 ایسا کرنا بالکل جائز تھا، مگر یوسف علیہ السلام چونکہ لوگوں کے مقتدا  
 تھے۔ اس لیے انہوں نے باہر آنے سے پہلے اپنی پوزیشن کی وضاحت  
 کو ضروری خیال کیا۔ آگے چل کر آپ بحیثیت نبی اللہ کا پیغام لوگوں  
 تک پہنچانے والے تھے اور لوگوں کی اصلاح کا مشن شروع کرنے والے تھے

اس لیے آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی شخص آپ کے کردار پر انگلی اٹھائے اور اس طرح آپ کے مشن میں رکاوٹ پیدا ہو۔

صحیحین کی روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی تعریف فرمائی ہے آپ کا ارشاد مبارک ہے۔ **لَوْ كُنْتُ فِي السِّجْنِ طَوْلَ لَيْلٍ لَيُؤَسِّفَ لَأَجْبَتُكَ النَّاعِي** یعنی اگر یوسف علیہ السلام کی طرح میں لمبا عرصہ قید میں رہتا تو بلا نے دلے کی بات کہ فوراً قبول کر لیتا مگر یوسف علیہ السلام نے بڑا ہی صبر کیا جنہوں نے رہائی پانے کے باوجود جیل سے باہر آنے میں جلدی نہ کی بلکہ نہایت ہی صبر و استقامت کا ثبوت دیا اور اپنی رہائی کو اپنی بریت کے ساتھ مشروط کر لیا۔ محدثین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں حضور نبی کریم علیہ السلام نے جہاں یوسف علیہ السلام کے صبر کی تعریف فرمائی ہے۔ وہاں نہایت لطیف پیرائے میں اپنی عبدیت کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ اس جملے سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں تو مقام عبدیت میں ہوں اور اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ بادشاہ کی پیشکش کی قبولیت میں تاخیر نہ کی جاتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عبدیت کا آنا بھی اپنے اختیار میں نہیں اور جانا بھی اختیار میں نہیں۔ اس دنیا میں آئے بھی اسی کے تشاد کے مطابق تھے اور جانا بھی اسی کی رضا سے ہے۔ جیسا کہ کسی نے

یوسف  
علیہ السلام  
کا صبر

کہا ہے۔

لائی حیات آئے، قضاے چلی چلے

نہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

بہر حال یہ لطیف پیرائے میں عبدیت کا اظہار بھی ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کی پوزیشن کے

باندی  
درجہ  
کا درجہ



متعلق ابہام کی صورت میں اگرچہ چھ چھوٹیاں بھی ہوتیں تو اس سے آپ کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا کیونکہ اگر کوئی بے گناہ آدمی کے خلاف الزام تراشی کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا اور محسوسم کے درجہ بندہ ہوتے رہیں گے۔ اسی لیے جو لوگ شاہ اسماعیل شہید اور علما و یوہنہ پر اہتمام لگاتے ہیں، ان کی براہی بیان کرتے ہیں۔ وہ خود مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان بندگان کی بندی درجہ کیلئے یہ سلسلہ قائم کر دیا ہے۔ ان کے درجات کے لیے یہ سلسلہ قائم کر دیا ہے کہ ان کے درجات مرنے کے بعد بھی مسلسل بندہ ہو رہے ہیں۔ لوگ ان بندگان کو پورا پورا توہین رسالت کا الزام لگاتے ہیں جو کہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ان کے درجات بندہ ہو رہے ہیں۔

بادشاہ  
کی طرف سے  
تحقیق

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش کے مطابق بادشاہ نے آپ کے خلاف لگائے گئے الزام کے متعلق تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا، اہل نے ان تمام بیگناہات کو مع عزیزی کی بیوی کے طلب کیا۔ جب وہ سب اکٹھی ہوئیں تو بادشاہ نے پوچھا قَالَ مَا خَطْبُكُمْ إِذْ رَاوَدْتَن يٰيُوسُفَ عَنْ نَفْسِكَ تَمَارَ كَيْفَا حَالٌ سَہَ جب کہ تم نے پھسلایا یوسف علیہ السلام کو ان کے جی سے۔ یوسف علیہ السلام نے تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کسی ایک عورت کا نام نہیں لیا تھا کہ فلاں عورت کے بارے میں تفتیش کی جائے جس نے میری قمیص بھاڑ دی تھی بلکہ کسی کو ذاتی نشانہ بنانے کی بجائے آپ نے سب عورتوں کا ذکر نہایت لطیف پیرائے میں کیا کہ ان سب کے متعلق تحقیق کی جائے قَطْعَنَّ اَيُّدِيَهُنَّ جَنُوهُنَّ لَئِنْ لَمْ يَخْرُجْ كَاثُ يَہُ تَحْنُ۔ اسی طرح بادشاہ نے بھی ان خواتین کے حفظ سرب کے پیش نظر سب کو اکٹھا خطاب کیا مَا خَطْبُكُمْ كَہ تَمَارَا



کیا حال ہے۔ بعض مفسرین اس بات پر بڑا اصرار کرتے ہیں کہ اگر ہاتھ  
 کے ہاتھ سہا نہیں کٹتے، بکا انہوں نے خود دانستہ اپنے ہاتھ کاٹ  
 لیے تھے۔ اس کی دلیل وہ قطع کے لفظ کو بناٹ میں جو سب تفحیل  
 کا مادہ ہے اور قصد کا معنی دیتا ہے۔ وہ تمام عورتیں یوسف علیہ السلام  
 کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنا چاہتی تھیں اور اس مقصد کے لیے انہوں  
 نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تاکہ یوسف علیہ السلام ادا کے ماننے سے ان  
 کے قریب آسکیں، بلکہ ان کم اتنا توجہ چل جائے کہ یہ عورتیں اس کی گودید  
 ہیں۔ تاہم یہ بات زیادہ مشہور ہے کہ سکر کرنے والی وادہ عورت، عزیز  
 کی بیوی تھی اور باقی عورتیں اسکی معاون تھیں، چنانچہ دعوت کے بعد  
 انہوں نے یوسف سے کہا کہ اپنی ماکن کی بات کو مانو اور اُسے پریشان  
 نہ کرو۔ اُس موقع پر بھی یوسف علیہ السلام نے واحد کی بجائے جمع کا صیغہ  
 ہی استعمال کیا تھا وَلَا تَقْصُرْ عَنْ عَمَلِكُمْ كَيْدَهُنَّ أَصْدَبُ  
 إِلَيْهِنَّ وَأَكُنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ پروردگار! اگر تو مجھ سے ان کے  
 قریب کو مجبور نہیں کرے گا تو ممکن ہے میں ان کی طرف مائل ہو کر  
 نادانوں میں سے بن جاؤں۔

بعض فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کا نام  
 عراختا اس لیے نہیں لیا کہ آپ نے اس کے گھر میں پرورش پائی  
 تھی اور آپ کو اس کا احترام ملحوظ خاطر تھا۔ اسی طرح بادشاہ نے  
 بھی کسی ایک عورت سے خطاب نہیں کیا بلکہ جمع کا صیغہ استعمال  
 کیا تاکہ وہ انکار نہ کر سکیں تو جب بادشاہ نے اُن عورتوں سے یوسف  
 علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا فَمَنْ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا  
 عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ تو وہ کہنے لگیں پاکی اور تنزید ہے  
 اللہ کے لیے۔ ہم نے تو یوسف علیہ السلام میں کسی قسم کی برائی نہیں

دیکھی۔ تمام عورتیں جو اس سال میں طریش تھیں، سب نے اقرار کیا کہ  
یوسف علیہ السلام بالکل پاک صاف ہیں اور اس لئے یوسف علیہ السلام  
کا دامن بالکل صاف ہو گیا۔

زلیخا کا  
اقرار حق

یہ بات تو تمام عورتوں نے بالاتفاق کی مگر اس سارے معاملہ  
کی اصل ذمہ دار زلیخا تھی جس نے ابتداء میں یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا  
تھا مگر اب اُس کا ذہن کچھتہ ہو چکا تھا اور وہ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی  
کا برملا اعلان کرنا چاہتی تھی۔ قَالَتْ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ عَزِيزِي بَوِي  
نِي كَمَا بَرَّأَ اَعْلَانُ كَرِيْمًا چاستی تھی۔ اَلْاَشْنُ حَصْحَصُ الْحَقِّ اب حق ظاہر ہو گیا ہے اُنکا  
رَاَوْدَتْهُ عَنْ نَفْسِهِ میں نے ہی اُسے اُس کے جیسے  
بھلا بنا چاہا تھا وَاَنَّهُ لَمِحْتُ الْمَشْرِقَيْنِ اور یوسف علیہ السلام  
تو بالکل سچے ہیں۔ اب زلیخا نے اپنی محبت کا برملا اظہار کر دیا کیونکہ  
جب وہ محبت میں کچھتہ ہو گئی تو اسے بدنامی کا ڈر بھی نہ رہا اور اس نے  
اپنے قصور اور یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا واضح طور پر اعلان کر دیا۔  
حَصْحَصُ الْحَقِّ واضح ہونا یا ظاہر ہونا آتا ہے۔ بال مونڈنے کو  
حَصْحَصُ الشَّعْرِ کہتے ہیں کہ یعنی بال اس طریقے سے مونڈے گئے  
کہ نیچے سے کھال ظاہر ہو گئی ہے۔ بِخَرِبَ لَوْكُ كَتَّ میں حصحص  
الْمَخُوذَةِ یعنی خود HELMET ہلمٹ ہنہ بال اڑا دیے گئے ہیں ظاہر ہو گیا  
حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے سر کے بال جنگوں میں مسلسل خود پہنتے  
کی وجہ سے اڑ چکے تھے۔ بہر حال حصحص کا معنی واضح ہو جانا کھل جانا  
یا ظاہر ہو جانا ہے اور جب تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی  
پاکدامنی کی گواہی دے دی تو زلیخا کہنے لگی کہ اب معاملہ واضح ہو گیا ہے  
کہ یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور گنہگار میں ہی تھی۔

یوسف  
علیہ السلام  
کی پاکدامنی

اگے ارشاد ہوتا ہے ذَلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ أَخْنُ بِالْغَيْبِ

یہ بات اس لیے ہے تاکہ وہ لوگ جو اس کی پس پشت خیانت نہیں کی ہے مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے اور مقتولہ یوسف علیہ السلام کا ہے۔ یا زلیخا کا۔ اگر اسے زلیخا کے ساتھ منسوب کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ زلیخا نے کہا کہ میں نے یہ اقرار حق اس لیے کیا ہے تاکہ میرے خاوند کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی ہے میں نے بوائی کا ارادہ ضرور کیا اور اس کے لیے تگ و دو و بھٹی کی، مگر یوسف علیہ السلام اپنی پاکدامنی کی وجہ سے بچ گئے۔ تاہم اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ مقتولہ یوسف علیہ السلام کا ہے اور ان کا مطلب یہ تھا کہ عزیز مصر جس کا میں پروردہ تھا اور غلام تھا، وہ جان لے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان

اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی مکاری کو کامیاب نہیں ہونے دیتا حضور علیہ السلام کا فرمان ہے الْمَكْرُ وَالْخَيْدَةُ وَالْخِيَانَةُ فِي النَّارِ یعنی مکاری، دھوکہ اور خیانت جہنم میں لے جانے کا باعث ہے اس طور پر اپنے مالک کی ناموس میں خیانت نہ کرنا تو بہت بڑا جرم ہے، تو سر نہ خائموں کی تدبیر کسی کامیاب نہیں ہوتی، بلکہ وہ ہمیشہ رسوا ہوتے ہیں اب اگلی آیت کہ میرے یوسف علیہ السلام کی عجز و انکاری کا ذکر ہے اور یہ چیز کا ملین بارگاہِ انبندی میں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَا أَكْبَرُ نَفْسِي اس معاملہ میں میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا یعنی میں نہیں سمجھتا کہ برائی سے بچ جانا میرا ذاتی کمال ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے مجھے برائی سے بچالیا۔ کیونکہ اللہ النَّفْسَ لَا مَسَارَةَ بِالشَّوْرِ بِشَكِّ نَفْسِ بَرَاءٍ كَابِتٍ زِيَادَہ حکم دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان کا نفس اسے برائی کی طرف مائل

یوسف علیہ السلام کی انکاری



کرے مگر اس سے بچاؤ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ممکن ہے۔ عجب  
 اسی سورۃ میں گنہگار چکا ہے کہ اُس عورت نے یوسف علیہ السلام کی طرف  
 ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام بھی اس کی طرف ارادہ کرتے اگر وہ اپنے  
 پروردگار کی دلیل نہ دیکھ لیتے کَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ الشَّهْوَةَ  
 وَالْفَحْشَاءَ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ اسی طرح  
 تاکہ ہم دور کر دیں اس سے برائی اور بے حیائی کو کیونکہ یوسف علیہ السلام  
 ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔ اُدھر اللہ کا یہ فرمان بھی ہے وَلَا  
 تَزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اپنی پاکیزگی خود دست بیان کرو، بلکہ اگر برائی  
 سے بچ جاؤ تو اللہ کا شکر ادا کرو۔ یہ تمہارا کمال نہیں بلکہ اللہ کی مہربانی ہے  
 اگر وہ اعانت نہ کرتا تو معصیت میں مبتلا ہو جاتے بغرض کہ یوسف علیہ السلام  
 نے برائی سے بچ جانے پر عاجزی کا اظہار کیا کیونکہ آپس کے مخلص بننے  
 فرمایا میں نے اپنے نفس کو پاک قرار نہیں دیا کیونکہ نفس تو برائی کی  
 طرف مائل کرتا ہے اِلَّا مَا نَحْنُ بِهٖ طَافِطٌ ہاں اگر میرا پروردگار  
 رحم فرمائے تو برائی سے بچ سکتا ہے۔ محذوٰں کرام نفس کی تین حالتیں  
 بیان کرتے ہیں۔ عام طور پر انسان کا نفس نفسِ امارہ ہوتا ہے جو اُسے  
 برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طالب  
 ہو اور برائی سے بچ جائے تو اس کا نفس نفسِ لامرہ ہوتا ہے جو اُسے  
 برائی پر ملامت کرتا رہتا ہے۔ اور جب کوئی نفس اطاعتِ خداوندی  
 بجا لا کر ترقی کر جاتا ہے اور معاد میں پیش آنے والے حالات میں طینان  
 حاصل کر لیتا ہے تو وہ نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ  
 کسی پر مہربانی فرماتا ہے اور اپنے خاص بندوں پر خاص توجہ فرماتا ہے  
 تو اس کا اعلان ہے اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ  
 (بنی اسرائیل) وہ شیطان کو اپنے بندوں پر دخیل نہیں ہوئے دیا، وہ اُن

کی حفاظت کرتا ہے اور وہ نفسِ مطمئنہ کے حاملین بن جاتے ہیں۔  
یوسف علیہ السلام نے عجز و انکاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: میں  
اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا، بیشک نفسِ برائی کا حکم دیتا ہے مگر وہ جس  
پر میرے پیور دُکار نے رحم فرمایا اُس پر رَحْمَةُ غَفُورٍ رَحِيمٍ  
بیشک میرا پیور دُکار بہت بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے  
یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مہربان ہے  
برائی سے بچالینا اسی کا کمال ہے، اس میں میرا ذاتی کچھ کمال نہیں ہے

---

وما آبرئ ۱۳

سورة یوسف ۱۲

درس پانزدہم ۱۵

آیت ۵۴ تا ۵۷

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتْتُونِي بِهٖ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا  
 كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ اَمِيْنٌ ﴿٥٤﴾  
 قَالَ اجْعَلْنِي عَلٰى خَزَايِنِ الْاَرْضِ ۗ اِنِّىْ حَافِظٌ  
 عَلَیْہُمْ ﴿٥٥﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِى الْاَرْضِ  
 يَتَّبِعُوْا مِنْہَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُّصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا  
 مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُصِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿٥٦﴾ وَلَا اَجْرُ  
 الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ :- اور کہا (بادشاہ نے) لاؤ اُس شخص کو میرے پاس ۔

میں اُس کو خاص کر لوں گا اپنے نفس کے لیے ۔ پس جب بادشاہ

نے (کلام کیا اُن سے تو کہا بیشک تم آج کے دن سے ہمارے

پاس قدر والے اور امانت والے ہو ﴿۵۴﴾ کہا (یوسف نے) مقرر

کردو مجھے زمین کے خزانوں پر ۔ میں حفاظت کرنے والا اور

جانتے والا ہوں ﴿۵۵﴾ اور اسی طرح ہم نے ٹھکانا دیا یوسف

علیہ السلام کو زمین میں ۔ وہ جگہ پکڑتے تھے جہاں چاہتے تھے پہنچاتے

ہیں ہم اپنی مہربانی جس کو چاہیں اور نہیں ضائع کرتے ہم نیکی

کرنے والوں کے بدلے کو ﴿۵۶﴾ اور البتہ آخرت کا بدلہ بہتر

ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور جو پرہیزگاری

کرتے ہے ﴿۵۷﴾



رہنما آیت

یوسف علیہ السلام کے مطلب پر بادشاہ وقت نے ان تمام عورتوں کو جمع کیا جو زینا کی دعوت میں شریک تھیں اور جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ بادشاہ نے اُن سے یوسف علیہ السلام کے موردار کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بالاتفاق آپ کی طہارت اور پاکیزگی کا اقرار کیا۔ عزیز مصر کی بیوی جو یوسف علیہ السلام کو پھلانے کی اصل ذمہ دار تھی۔ اُس نے بھی صریح الفاظ میں آپ کو راستبانہ اور نیک انسان تسلیم کیا اور خود اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ یوسف علیہ السلام کے علم و فضل، تقویٰ اور پرہیزگاری سے تو بادشاہ تعبیر خواب کی وجہ سے ہی گرویدہ ہو چکا تھا، اب جب کہ اُن عورتوں نے بھی آپ کی تعریف کی تو بادشاہ پر یوسف علیہ السلام کا اعتقاد مزید سنجیدہ ہو گیا اور اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس قدر قابل آدمی سے ضرور کوئی بہتر خدمت یعنی چاہیے۔

یوسف علیہ السلام  
شہی دربار میں

اس مقصد کے لیے وَقَالَ الْمَلِكُ اسْتَوْفُوا بِلَدِ بَادِشَاهِ نے کہا کہ اُس شخص کو میرے پاس لاؤ، ایسے آدمی کو جیل میں بند رکھنا انسان کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ کو لائے گئے۔ بادشاہ نے آدمی بھیجے پھر جب یوسف علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ اُن کے خلاف لگایا گیا الزام وصل چکا ہے اور تمام عورتوں نے آپ کی بے گندہی کی شہادت دی ہے اور اب اُن کی تبلیغ کے رستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تو آپ جیل سے باہر آ گئے۔ تیسری روایات میں آتا ہے کہ رہائی کے بعد انہوں نے غسل کیا، مہیا کردہ لباس پہنا اور شاہی دربار میں پہنچ گئے۔ آپ نے اپنے طریقہ پر "السلام علیکم" کہہ کر بادشاہ کو سلام کیا، تو بادشاہ نے اس طریقہ کی تفصیلات معلوم کرنا چاہی آپ نے فرمایا، ہمارے کرباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور یعقوب علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے

جو کہ سارے اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ مفسرین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب دو سر قیدیوں کو یوسف علیہ السلام کی رہائی کا علم ہوا تو وہ سخت مغموم ہوئے کیونکہ داروغہ جیل نے آپ کو قیدیوں کا حاکم بنا رکھا تھا اور آپ ان کے ساتھ نہایت رحیم و شفیق تھے، تمام قیدی آپ کے حسن اخلاق کے مداح تھے لہذا آپ کی جدائی سے ان پر گہرہ طاری ہو گیا فطری امر تھا تاہم یوسف علیہ السلام نے ان کو تسلی دی کہ وہ شاہی دربار میں پہنچ کر ان کی خیر خواہی کا حق ادا کرتے رہیں گے اور ان کے لیے ہر ممکن سہولت کا بندوبست بھی کریں گے۔

بہر حال بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے دربار میں لایا جائے اَسْتَخْلَصَهُ لِنَفْسِي میں انہیں اپنی ذات کے لیے خاص کر لوں گا۔ یعنی آپ جیسے صاحب علم، صاحب خلق، ہمدرد اور پاکباز انسان کو اپنا مصاحب، مشیر یا وزیر بنالوں گا۔ یہ بات تو اس وقت تک تھی۔ جب تک بادشاہ کی یوسف علیہ السلام سے ملاقات نہیں ہونی تھی۔ پھر جب آپ دربار میں آگئے فَلَمَّا كَلَمَهُ اور بادشاہ نے آپ سے گفتگو کی، تو وہ آپ کی شخصیت سے مزید متاثر ہو گیا اور اس نے اسی وقت اعلان کر دیا قَالَ اَنْتَ الْيَوْهَرُ لَدَيْنَا هٰكَيْنِ اب میں تمہارے پاس صاحب مرتبت اور صاحب قدر و منزلت ہو اور امانت دار رہی ہو۔ ہم تمہیں ملک و قوم کا خیر خواہ اور امین سمجھتے ہیں۔ لہذا ہم تمہارے ہر مشورے پر صاد کریں گے۔ اب تم غلام نہیں ہو بلکہ بادشاہ کے مصاحبین میں شامل ہو۔ عزتیں بادشاہ نے عزیز مصر کے تمام اختیارات یوسف علیہ السلام کو سونپ دیے یہ اعزاز پانے کے بعد قَالَ اجْعَلْنِي عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ملک مصر کے خزانوں پر

مقرر کر دو۔ یہاں پر ارض سے مراد مصر ہے۔ اَلْقِیَ حَفِیْظٌ عَلَیْہِمْ  
یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ جَعَلْتُ کُم مِّنْ اٰوَالِیِّیْنَ وَاٰلِیِّیْنَ وَاٰلِیِّیْنَ مِطْلَبِیْہِمْ اَیُّہَا  
نَبِیُّہِمْ لَا اَکْرِیْہِمْ شَاہِیْ خِزْلَہِہِہِ کی پوری پوری حفاظت اور اس کے لئے  
اسے بر محل خرچ کروں گا جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

یہاں پر مفسرین ایک اشکال پیش کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام  
تو اللہ کے نبی اور کمال فیجے کے زاہد تھے اور ایسے بندوں کو آخرت  
کی طرف زیادہ رغبت ہوتی ہے مگر یوسف علیہ السلام نے دنیا کا ایک  
عہدہ خود طلب کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی ایک یہ صفت  
بھی بیان کی ہے اِنَّا اَخْلَقْنٰہُمْ بِحَآیِصَۃٍ ذِکْرِیْ الدَّارِ الْاٰخِرَہِ  
ہم نے ان کو آخرت کے کھنر کے ساتھ خالص کر لیا ہے۔ وہ دنیا  
کی طلب نہیں کرتے۔

حضرت عبدالرحمن ابن سمرہ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام  
کی خدمت میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حاضر ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ  
کے قبیلے کے دو دوسرے آدمی بھی تھے۔ جب وہ آپ کی خدمت میں  
پہنچے تو ان دو آدمیوں نے حضور علیہ السلام سے کوئی عہدہ طلب کیا  
چونکہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو ان کی نیت کا علم نہیں تھا، اس لیے وہ  
اپنے ساتھیوں کا سوال سن کر پریشان ہو گئے۔ آپ نے حضور علیہ السلام  
کی خدمت میں معذرت کی کہ ان کے ساتھیوں نے ایسا مطالبہ کیا  
اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّا لَا نُوَلِّیْ عَلٰی ہٰذَا مَن  
اَرَادَ اَوْ طَلَبَ یعنی جو شخص خود طالب ہوئے۔ ہم اسے مطلوبہ  
کام پر مقرر نہیں کرتے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے وہ عہدہ ان دو  
آدمیوں کی بجائے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو دے دیا جنہوں نے اس  
کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ یہ حدیث عمدہ قضا اور دیگر عمدہ سے متعلق



یعنی سے کہ جو شخص خود کسی عہدہ کا طالب ہو آست و استر تعالٰی کی تابعدار سے  
محروم ہو جاتا ہے۔ اور جس کو خود کوئی عہدہ پیش کیا جائے اس کو استر تعالٰی  
کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام نے وزارت  
شہزادہ کی ذمہ داری کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کیا، تو مفسرین کہ ایم فرماتے  
ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی دنیاوی مفاد کے لیے کوئی عہدہ  
طلب کرتا ہے، وہ تائید الہی سے محروم ہو جاتا ہے، مگر طالب ہے  
پیش نظر اگر دین کا مفاد اور مخلوق خدا کی بہتری ہو تو پھر اقتدار کا سوال کتنا  
جائز ہے۔ اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ اگر یہ عہدہ میں نے طلب کیا  
تو اس پر کوئی غیر مستحق آدمی متمکن ہو جائے گا جس کی بدستور لوگوں کو ظلم کا  
شکار ہوں گے تو پھر ایسا عہدہ خود طلب کرنا درست اس کی مثال  
ایسے ہی ہے کہ غرور و تکبر ناپسندیدہ فعل ہے مگر بعض مواقع پر یہی تکبر اللہ  
کے نزدیک محمود ہو جاتا ہے۔ جب دشمن کے ساتھ مقابلہ ہو تو وہاں اکثر  
اور تکبر کا اظہار دشمن کی بددلی کا سبب بن سکتا ہے جنگ خیر کے موقع  
پر حضرت علیؑ نے بعض فخریہ اشعار کہے تھے جو کہ موقع ہی مناسب تھے  
تھے اور بالکل جائز تھے۔

اَنَا الَّذِي سَكَمْتَنِي اُحْتِ حَيْدَرًا  
كَلِمَتِ غَابٍ كَرِهَةِ الْمُنْظَرِ

میں وہ ہوں کہ جس کا نام ماں نے حیدر رکھا ہے جنگل کے شیر کی مانند ہوں  
جو دیکھنے والے کو دہشت زدہ کر دے مطلب یہ کہ بعض اوقات تکبر  
کرنا اور خود عہدہ طلب کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔ اور اگر بعض دنیا کے  
مفاد کے لیے یا لوگوں پر ظلم و زیادتی کے لیے عہدہ طلب کیا جائے تو  
یہ ناجائز ہوگا اور ایسا کرنے والا تائید الہی سے محروم ہوگا۔

اسی اصول کے پیش نظر بعض اوقات قاضی یا جج بنا ضروری ہو جاتا ہے  
 اگر کوئی شخص مناسب علم اور صلاحیت رکھتا ہے اور اسکی عدم موجودگی  
 میں کسی فاسق، فاجر اور ظالم آدمی کے قاضی بننے کے موقع موجود ہوں تو  
 باصلاحیت آدمی کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ خود اپنی خدمات  
 پیش کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنگ موتہ کے موقع پر  
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجاہدین کی قیادت کے لیے تین آدمی  
 مقرر فرمائے تھے۔ یعنی زید بن حارثہؓ، جعفر طیارؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ  
 آپ نے فرمایا تھا کہ حوادث کی صورت میں یہ تین سپہ سالار یکے  
 بعد دیگرے فوج کی کمان سنبھالیں گے۔ میدان جنگ میں پہنچ کر واضح  
 ہوا کہ دشمن کی تعداد ایک لاکھ یا پونے دو لاکھ ہے۔ جب کہ ان کے  
 مقابلے میں مجاہدین صرف تین ہزار کی تعداد میں تھے۔ جنگ شروع  
 ہوئی تو مذکورہ تینوں جرنیل یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ اس موقع  
 پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے خود آگے بڑھ کر فوج کی قیادت سنبھال لی  
 آپ نے اپنی خدا داد صلاحیت کی بناء پر نہ صرف دشمن کو مرعوب کیا  
 بلکہ اسلامی لشکر کو کھٹا نطرت نکال لایا۔ مطلب یہ ہے کہ جب  
 خلا پیدا ہو جائے تو بعض حالات میں حصول اقتدار لازم ہو جاتا ہے  
 مگر ہمارے ہاں مسئلہ بالکل الٹ ہے۔ دین اسلام اور مخلوق خدا کی  
 خدمت کے جذبے سے اگر کوئی مولو، انیشن میں کھڑا ہو جائے تو  
 آوازے کئے گئے ہیں۔ یہ تو دریاں مانگ کر لگانے والے ہیں۔ انہیں  
 سیاست میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ اپنی نمازوں سے غرض  
 رکھیں اور ملکی نظام دوسروں کے سپرد کر دیں۔ بہر حال یوحنا علیہ السلام  
 کے پیش نظر دین اور مخلوق کی خدمت مٹی آگے ملک قحط نہ ہونے  
 والا تھا، اس لیے ملکی معیشت کا باصلاحیت اور دیانتدار ہاتھوں میں

غیر مسلم  
کی عبادت

آنا ضروری تھا، اس لیے یوسف علیہ السلام نے خزانے کی ذمہ داری  
خود اٹھانے کی پیش کش کر دی اور آپ کا یہ اقدام بالکل درست تھا  
یہاں پر کئی دوست مسائل بھی جنم لیتے ہیں، منجملہ ان کے ایک  
یہ ہے کہ کیا کافر حکومت کا عہدہ قبول کرنا درست ہے۔ اس واقعہ  
کے تناظر میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بادشاہ وقت، ریان ابن دہید  
سلطان ہو چکا تھا لہذا اس کی ملازمت درست اور امتیاز کا مقام محمد بن  
کے نزدیک اس تمن میں کوئی عیب نہ تھا۔ روایت نہیں ملتی کہ یہود کہتے ہیں کہ  
وہ ایمان لے آیا ہو۔ اگر ایمان نہ بھی لایا ہو تو بھی یوسف علیہ السلام  
کے حق میں وہ بہر حال اچھا تھا اور اُس نے آپ کو جس عہدے  
پر فائز کیا اس کے مکمل اختیارات بھی آپ کو سونپ دیے تھے۔  
بائبل کی روایت میں آتا ہے کہ بادشاہ نے خود اپنے تمام اختیارات  
بھی یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیے تھے، آپ کو تخت پر بٹھا  
کر آپ کے سر پر آج بھی رکھا اور بادشاہ نے اپنی انگوٹھی امارت کے  
دی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ تاج کا پہننا تو ہمارے لیے غیر متعلقہ  
بات ہے، البتہ نظام حکومت کو چلانے کے لیے انگوٹھی بطور  
مہر ضرور استعمال ہوتی رہی ہے۔ غرضیکہ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام  
کو کئی اختیارات دیے اور خود برائے نام بادشاہ رہ گیا۔ یہودیوں  
کی کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی خود مختاری  
بادشاہ کی کونسل کے مشورے سے عمل میں آتی تھی اور سب کے بالاتفاق  
اس امر کی منظوری دی تھی۔ بہر حال محمد بن اور مفسرین فرماتے ہیں کہ  
اگر کسی عہدے دار کو خلاف شرع کسی کام پر مجبور کیا جائے تو ایسا عہدہ  
قبول نہیں کرنا چاہیے اور اگر ایسی کوئی مجبوری نہ ہو تو کافر حکومت  
میں بھی عہدہ قبول کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے۔



انگریزی دور میں مسلمانوں کو بڑی بڑی جاگیریں اور عہدے دے کر ان سے غلط کام کرائے گئے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے قتل کرایا گیا مسلمان ملک پر حملہ کے لیے مسلمانوں کو بھیجا گیا اور شریعت کی خلاف ورزی کے دوسرے کام کرائے گئے، جو قتل و دہشت گردی کے لیے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور دوسرے بزرگان فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں غیر مسلم حکومت میں عہدہ قبول کرنا ناجائز نہیں علمائے کرام نے انگریزی فوج کیس بھرتی کے خلاف فتویٰ دیا کیونکہ انگریز مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑانا چاہتا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ذریعے عراق پر حملہ کر کے وہاں کے مسلمانوں کی خوب پٹائی کرانی، عربوں اور ترکوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا، چنانچہ فوجی بھرتی کے خلاف فتوے کی پاداش میں علماء کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سید الدین کچلو، پیر غلام محمد سندھی، جیسے اکابرین ملت نے بڑے مصائب اٹھائے حتیٰ کہ مولانا مدنی کو دو سال تک کھڑی بیڑیوں کی سزا بھیگنا پڑی۔ تاہم اگر غلط کام نہ لیا جائے تو پھر غیر مسلم حکومت میں بھی عہدہ قبول کرنا روا ہے، یوسف علیہ السلام کے عمل میں باقی لوگوں کے لیے اسوہ موجود ہے۔

یوسف علیہ السلام  
کا حصول  
اقتدار

الغرض! یوسف علیہ السلام کی خواہش پر بادشاہ وقت نے آپ کو خزانوں کا نگران مقرر کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ اور اس طرح ہم نے زمین میں یوسف علیہ السلام کو اقتدار دیا۔ اللہ نے آپ کو ایسا موقع فراہم کیا کہ يَكْتُبُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ آپ جہاں بھی چاہتے جگہ پکڑتے، انہیں کسی جگہ آنے جانے میں

کوئی رکاوٹ نہ تھی، ملک میں بادشاہ کا سا اعزاز حاصل تھا۔ اللہ نے فرمایا لَنُصِيبَنَّ بِرَحْمَتِنَا مَنْ تَشَاءُ ہم اپنی مہربانی جسے چاہتے ہیں، پہنچاتے ہیں۔ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ اور نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ یوسف علیہ السلام محسین میں سے تھے۔ انہوں نے بڑی بڑی جہانی اور ذہنی تکالیف برداشت کیں تو اللہ نے انہیں دنیا میں بھی جاہ و اقتدار عطا کیا مگر آخرت کا اجر تو بہت زیادہ ہے۔

۵۔ یہ دنیا و عقبیٰ کے قدر یافت  
کہ او جانب صبر و تقویٰ شتافت

دنیا اور عقبیٰ دونوں مقامات پر مرتبہ وہی پاتا ہے جو صبر اور تقویٰ کی طرف دوڑ کر جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام میں یہ دونوں چیزیں یکجا  
موجود تھیں لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی اعلیٰ منصب عطا فرمایا اور آخرت کا درجہ تو بہر حال اللہ کے ہاں موجود ہے۔

زلنجہ  
نکاح

کسی صحیح روایت میں تو اس بات کا ذکر نہیں ہے مگر تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام منصب شاہی پر فائز ہو گئے تو اپنی دلوں میں فطیفاً عزیز مصر فوت ہو گیا اور بادشاہ نے زلنجہ کا نکاح یوسف علیہ السلام سے کر دیا۔ امام ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین نے بھی اس نکاح کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ زلنجہ سے یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے افرہیم اور فتاویٰ بھی پیدا ہوئے۔ پھر افرہیم سے نون پیدا ہوئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت لوشع کے والد ہیں۔ افرہیم کے ہاں ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی جس کا نام حمیرہ تھا اور جو ایوب علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔ کہتے ہیں کہ نکاح کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے زلنجہ سے کہا، کیا یہ بات اس سے بہتر





وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ  
وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝۵۸ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ  
قَالَ ائْتُونِي بِبَاخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ  
أَنِّي أُوْفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝۵۹ فَإِنْ لَمْ  
تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ۝۶۰  
قَالُوا سَتَرَأُودُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ۝۶۱ وَقَالَ  
لِفَتْنِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ  
لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ  
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝۶۲

ترجمہ :- اور آئے یوسف (علیہ السلام) کے بھائی اور انکے پاس داخل ہوئے  
تو آپ نے انکو پہچان لیا۔ اور وہ آپ کو نہیں پہچانتے تھے ۝۵۸  
اور جب تیار کر کے دیا اُن کو اُن کا سامان تو کہا (یوسف نے)  
لانا میرے پاس اپنے باپ شریک بھائی کو، کیا تم نہیں دیکھتے  
کہ میں پورا پورا دیتا ہوں اناج اور میں بہتر مہمان نوازی کرنے  
والا ہوں ۝۵۹ پس اگر تم اُس کو نہ لا سکو میرے پاس تو  
میرے پاس تمہارے لیے کوئی اناج نہیں ہو گا اور پھر میرے قریب

بھی نہ آنا ⑥ وہ کہنے لگے کہ ہم ضرور اُس کو اس کے پپ سے پھیلانیں گے ، اور بیشک ہم ایسا کرنے والے ہیں ⑦ اور کہا (یوسف نے) اپنے خدمت گاروں سے کہ ڈال دو ان کی پوتلی ان کے سامان میں ، شاید کہ یہ اس کو پہچان لیں جب یہ اپنے گھروں کو واپس لوٹیں ، اور شاید کہ یہ پھر واپس آئیں ⑧

گزشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب شاہِ مصر کو اُس کے خواب کی تعبیر مل گئی تو اُس نے یوسف علیہ السلام کو بلا بھیجا مگر آپ نے اپنے غلافِ ثمنی کے الزام کی صفائی تک جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ پھر بادشاہ نے مصر کی معزز خواتین کو طلب کر کے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کے متعلق تسلی کر لی تو آپ جیل سے نکل کر شاہی دربار میں پہنچے۔ بادشاہ آپ کے علم و فہم اور عقل و دانش کا تو پہلے ہی معترف ہو چکا تھا، جب اُس نے آپ سے گفتگو کی تو مزید گرویدہ ہو گیا، اور آپ کو اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا۔ یوسف علیہ السلام نے خود امورِ خزانہ کی ذمہ داری اٹھانے کی پیش کش کی جسے بادشاہ نے منظور کر لیا اور آپ کو وزیرِ خزانہ کا منصب سونپ دیا۔

رہنمایات

اسی اثنا میں بادشاہ کے خواب کے مطابق ملک میں خوشحالی کے سات سالوں کا آغاز ہو گیا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنی حسن تدبیر کے ساتھ وافر غلے کو محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ہر سال جتنا اناج ضرورت سے زیادہ ہوتا آپ اُس کے خوشے ہی سٹور کرتے رہے تاکہ یہ محفوظ شدہ غلہ قحط کے اگلے سات سالوں میں کام آسکے۔

یوسف کی  
حسن تدبیر

جب فراوانی کے سات سال ختم ہو گئے تو یوسف علیہ السلام کے پاس کثیر مقدار میں غلہ جمع ہو چکا تھا۔ اس کے بعد قحط کا زمانہ شروع ہو گیا، بارش بند ہو گئی، زمین کا پانی بھی خشک ہو گیا۔ جب پانی ہی نہ رہا تو غلہ کیسے پیدا ہوتا۔ نہ صرف ملک مصر بلکہ ارد گرد کا پورا خطہ بھی زبردست قحط کا شکار ہو گیا۔ کنعان، فلسطین اور یروشلم کے علاقے بھی قحط

کی زد میں آ گئے اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ اس دوران میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ شاہ مصر کے پاس وافر غلہ موجود ہے، بادشاہ نہایت رحم دل اور انصاف پسند ہے جو بھی اس کے پاس چلا جائے وہ اسے اناج دیکر لوٹاتا ہے، چنانچہ غلہ حاصل کرنے کے لیے مدین، شام، فلسطین اور کنعان وغیرہ سے لوگ مصر کی طرف جانے لگے۔

عالی قحط

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے خوفناک قحط پڑے حتیٰ کہ یورپ بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں تو بہت سے قحطوں کا پتہ چلتا ہے۔ انگریزی دور کے آخری زمانے یعنی ۱۹۴۵-۴۶ء میں بنگال میں زبردست قحط رونما ہوا۔ جس سے نوے ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ اس وقت پنجاب اور سرحد وغیرہ کے لوگوں نے بنگالیوں کی حسب توفیق مدد کی۔ تاہم وہاں پریشانی ضرورت کی اس قدر قلت پیدا ہو گئی تھی کہ ایک من چاول یا ایک ساڑھی پانچ سو روپے میں بھی دستیاب نہ تھی۔ اس صدی کی ابتدا میں بھی برصغیر میں بڑے بڑے قحط پڑے شمالی علاقہ جات کو مہتان، الائی، سندھ وغیرہ جو اس وقت آزاد علاقے تھے، خوفناک قحط کا شکار ہو گئے بہت سے لوگ ان علاقوں سے نقل مکانی کرتے ہوئے راستے میں ہی دم توڑ گئے ہماری اپنی بستی کے قریب سے عام شاہراہ گزرتی تھی۔ والدہ مرحومہ نے ہمیں بتایا کہ قحط کے زمانے میں لوگ اس راستے سے گزرتے رہے۔ انہوں نے بتایا کہ اسی دوران کوئی چھ سات فٹ قد کی لمبی ترانگی عورت راستہ چلتے ہمارے گھر آ گئی۔ بیچاری فقیر اور بیمار سی مڈھال ہو رہی تھی حتیٰ کہ وہ کچھ بولنے سے بھی عاجز آچکی تھی۔ والدہ نے اسے چاولوں کی ایک پلیٹ پیش کی۔ اس نے ایک لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈالا تو بہوش ہو کر گر پڑی اور اسکی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ہماری بستی کے



قریب ہی ایک ٹیلے پر بہت سی قبریں تھیں، ہمیں بتایا گیا کہ یہ قحط کے دوران سفر کرنے والوں کی قبریں ہیں۔

ابن بطوطہ آٹھویں صدی کا عظیم سیاح گنہ راس ہے۔ یہ دنیا بھر میں واحد سیاح ہے جس نے تائیس برس تک سیاحت کی اور دنیا کے گوشے گوشے میں پھرا۔ یہاں برصغیر میں بارہ برس تک پھرتا رہا، اس کے علاوہ وہ جزائر شرق الہند، چین، سیام اور عثماني لینڈ وغیرہ گیا۔ اب تو تیز رفتار سواریاں میسر ہیں جن کی وجہ سے دنیا بھر کی سیاحت نہایت آسان ہو گئی ہے مگر ابن بطوطہ کے زمانے میں غریبے جان جو کھجور کا کام تھا۔ اس شخص نے اپنے سفر نامے میں کئی قحطیوں کا ذکر کیا ہے کہتا ہے کہ بعض مقامات پر ایک دینار میں ایک روٹی یا پانی کا ایک گلاس بھی مشکل میسر آتا ہے۔ گمانے کی ایک سری ایک سو دینار میں نہیں ملتی تھی۔ یہ شخص مراکش کا رہنے والا تھا اور اپنی عمر کے آخری حصے پر وہیں پہنچ کر فوت ہوا۔

قیمت  
پر گھنٹوں

بہر حال جب مصر میں قحط پڑ گیا اور بیرونی ممالک کے لوگ بھی غلہ لینے کے لیے مصر کی طرف آنے لگے تو وہاں غیر معمولی حالات پیدا ہو گئے ایک طرف اندرون ملک انداز کی مسلسل فراہمی کا مشاہدہ پیش آیا اور دوسری طرف دوسرے ممالک کو بھی مناسب مقدار میں غلہ کی فراہمی منظرِ بختی۔ ایوسف علیہ السلام نے ان حالات سے بھرپور ہونے کے لیے دو نہایت اہم فیصلے کیے۔ آپ نے اندرون ملک غلے کی قیمتیں مقرر کر دیں تاکہ کوئی شخص منگے داموں غلہ فروخت نہ کر سکے اور ملکی ضروریات بلا روک ٹوک پوری ہوتی رہیں۔ آپ نے دوسرے فیصلہ یہ کیا کہ غیر ممالک سے آنے والوں کے لیے ایک مقدار مقرر کر دی کہ اس سے زیادہ کوئی شخص انداز حاصل نہیں کرے گا چنانچہ اسے انوار نے ہر شخص کو اپنے ایک ساری اونٹ پھر وغیرہ کے بوجھ کے برابر غلہ

وینے کا حکم دیا اور اس طرح کوئی شخص ایک بوجہ سے زیادہ مانع حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا  
فائدہ یہ ہوا کہ اندرون ملک بھی غلے کی قیمتیں معقول سطح پر رہیں اور بیرون ملک بھی مانع زیادہ  
سے زیادہ لوگوں تک پہنچا رہا۔ جس سے ملک کا خزانہ بھی بھر گیا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں  
کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصد تو عقیدہ توحید، ایمان، نیکی  
اور اخلاق کی تعلیم ہے، مگر ان کی بعثت کا ایک اہم مقصد لوگوں سے  
ظلم کو دور کرنا بھی ہے۔ اس لیے جب کسی علاقے میں غیر معمولی حالات  
پیدا ہو جائیں اور یہ ظلم، لالچ ہو کہ لوگوں سے من مانی قیمت وصول  
کر کے ان پر ظلم کیا جائے گا، تو ایسی صورت میں حکومت کے لیے  
اشیائے صرف کی قیمتوں پر کنٹرول کرنا ضروری ہو جاتا ہے عام حالات  
میں جب کہ اشیائے صرف کی فراوانی ہو، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے  
کہ تجارت کو کھٹلا چھوڑ دیا جائے اور کسی چیز کی قیمت پر کنٹرول نہ  
کیا جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام سے  
بھاؤ مقرر کر نہ سکی درخواست کی گئی تو آپ نے انکار کر دیا، اور فرمایا  
تجارت کو آزاد چھوڑ دو تاکہ کسی پر زیادتی نہ ہو۔ فرمایا اگر میں قیمت  
مقرر کر دوں اور اس سے کسی پر زیادتی ہو، تو یہ درست نہیں۔  
امام محمدؒ کے مطابق اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے  
فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب لوگوں پر ظلم ہو رہا ہو تو مائش ظلم کو  
دور کرنے کے لیے قیمتوں پر کنٹرول کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

گوامی کا  
صلہ

بہر حال یوسف علیہ السلام نے قحط کے دوران مانع کی بہم رسانی  
کا بہترین انتظام کیا جسکی بدولت مخلوق خدا سے ایک بہت بڑا خطرہ  
ٹل گیا۔ نویں صدی کے بزرگ امام محمد بن محمد یوسف اترنی ۸۳۳ھ نے وعظ و نصیحت  
کے موضوع پر "الذہر الفائح" (چمک والی خوشبو) نامی کتاب لکھی ہے

جس میں لکھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے پاس ایک محتاج آدمی غلہ لینے کے لیے آیا۔ آپ نے اس کو ایک عام صاع (تقریباً چار سیر) غلہ عطا فرمایا۔ اس نے عرض کیا، حضرت! اس سے تو میری ضرورت پوری نہیں ہوگی، اس لیے کچھ مزید دیجئے۔ اسی پر آپ نے اسے ایک صاع مزید دے دیا۔ پھر وہ شخص کسے لگا کہ اگر آپ مجھے جانتے ہوئے تو یقیناً \_\_\_\_\_ آپ مجھے راضی کرتے

یوسف علیہ السلام کے دریافت کرنے پر اس شخص نے بتایا کہ وہ وہی شخص ہے جس نے صرف چار ماہ کی عمر میں آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ جب زلیخا نے آپ کی قمیص پھاڑ دی تھی تو میں نے ہی بول کر کہا تھا کہ اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا قصور دار اور یوسف بے گناہ ہے۔ چنانچہ اس بات سے یوسف علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور آپ نے اس شخص کو ایک سوارب اناج اور ایک سودینار بھی دینے کا حکم دیا۔ ایک اردب میں صاع کے برابر ہوتا ہے اور اس طرح آپ نے اس شخص کو دو سو من غلہ عطا کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے یوسف! جس شخص نے آپ کے حق میں ایک گواہی دی آپ اس پر اتنا خوش ہوئے کہ اُسے ایک سوارب اناج دیدیا اور جو شخص صبح شام میری توجیہ کی گواہی دیتا ہے اور میرے نبی کی نبوت کی شہادت دیتا ہے میں اس پر کتنا خوش ہوتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے کہ قحط کے زمانے میں جب لوگ دُور دُور سے غلہ لینے کے لیے مصر آنے لگے تو یہ خبر ان بھی پہنچی اور پھر شاہ مصر کی فیاضی کا حیر چا سُن کر بردارانِ یوسف بھی مصر آئے۔ ارشاد ہوتا ہے وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ اور یوسف علیہ السلام کے

برادرانِ  
یوسف  
کی مصر آمد



بھائی بھی سب نکرٹوں میں مل کا سفر کر کے آپ کے پاس غلہ لینے کے لیے حاضر ہوئے۔ فَدَخَلُوا عَلَيْكَ وہ یوسف علیہ السلام کے پاس داخل ہوئے۔ فَعَرَفَهُمْ تَوَّابًا نے بھائیوں کو پہچان لیا۔ وَهُمْ لَهُ مُّسْكِرُونَ اور بھائی آپ کو نہ پہچان سکے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ جس بھائی کو انہوں نے پہچانوں میں گمراہ کیا، پھر قافلے والوں کے ہاتھوں سے داسوں فروخت کر دیا، وہ ملک مصر کا خود مختار حاکم بھی ہو سکتا ہے اور وہ اسی کے سامنے غلے کے لیے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ حکومتی آداب کا تقاضا تھا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کے زیادہ قریب بھی نہ جاسکتے تھے۔ برخلاف اس کے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو ایک نظر میں ہی پہچان لیا مگر اپنا تعارف نہیں کمرایا۔ ظاہر ہے کہ تب سے ۳۸ تا ۴۰ سال پہلے یوسف علیہ السلام بھائیوں سے جدا ہوئے تھے تو بھائی اس وقت بھی جوان تھے اور اتنے عرصہ کے بعد بھی ان کی شکل و صورت میں کوئی خاص تغیر واقع نہیں ہوا تھا، لہذا آپ نے اُن کو آسانی سے پہچان لیا۔ آپ نے بھائیوں سے اُن کے اور اُن کے ملکی حالات دریافت کیے مگر زیادہ تفصیل کے ساتھ بات نہ کی۔

جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہوا ہے۔ یوسف علیہ السلام بیرون ملک سے آنے والے تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور انکو اعزاز سے ساتھ بٹھراتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے بھائیوں کو بھی پورا پورا اعزاز دیا اور ان کی همان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اہل شہر کا فرض ہے کہ وہ باہر سے آنے والے ماجرہوں سے بھی حسن سلوک سے پیش آئیں۔ اگر ایسا کریں گے تو باہر سے زیادہ سے زیادہ ماجرہ آئیں گے جس سے

ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہوگا۔ اشیاء صرف کی فراوانی ہوگی۔ اور ملک  
 ترقی کے راستے پر گامزن ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر تاجروں کیساتھ  
 بدسلوکی کی جائے گی، ان کے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا جائے گا۔ ان  
 کا مال چھین لیا جائیگا تو وہ دوبارہ اس طرف آنے کی غلطی نہیں کریں گے  
 نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر ملکی تجارت کمزور پڑ جائے گی۔ اشیاء صرف کی قلت  
 پیدا ہوگی اور اس طرح ملک تنزل کی طرف جائے گا۔ شاہ صاحب نے  
 دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ معاشرے کے غریبوں، محتاجوں، اور  
 یتیموں سے اچھا سلوک کرو تاکہ تمہارا معاشرہ ترقی کرے۔ اس طرح  
 معاشرتی مسائل کم ہوں گے اور ملک آسودگی کی طرف پیش قدمی کرے گا۔  
 بہر حال یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی خوب خاطر مدارت کی  
 اور پھر انہیں دستور کے مطابق غلہ بھی دیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا جَهَنَّمَ  
بَنَجْهَانَصَٰءً جب ان کا سامان تیار ہو گیا، اور اپنے وطن واپس جانے  
 لگے تو یوسف علیہ السلام نے ان سے الْوَدَّعٰی مَلٰٓئِکَاتٍ میں فرمایا فَاَلَّا  
اَتَّوْنٰی بِبَآجٍ لَّکُمْ مِّنْ اَبۡیۡکُمْ میرے پاس لے آنا اپنے بھائی  
 کو جو تمہارے باپ میں شریک ہے۔ یوسف علیہ السلام کی مراد اپنے سگے  
 بھائی بن یامین سے تھی جس کا ذکر خود آپ کے بھائی کر چکے تھے کہ  
 وہ باپ کی خدمت کے لیے کنعان میں ہے اور ہمارے ساتھ نہیں  
 آ سکا مفسرین بیان کرتے ہیں کہ برادران یوسف نے اپنے اپنے حصے  
 کا غلہ لینے کے بعد یوسف علیہ السلام سے گزاریش کی تھی کہ ان  
 کے نابینا باپ اور چھوٹے بھائی کا حصہ بھی انہیں دیا جائے وہ بوجہ  
 ہمارے ساتھ نہیں آ سکے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام ان دونوں کا حصہ  
 بھی بھائیوں کو دے دیا تھا، تاہم آئندہ کے لیے یہ شرط عائد کی تھی کہ  
 جب دوبارہ آؤ تو اپنے گیارہویں بھائی کو بھی ساتھ لانا اور نہ سمجھا جائے

بن یامین  
 کو اپنے  
 کی فراکش

گا کہ تم نے دروغ سے کام لے کر اس کا حصہ ناجائز طور پر وصول کر لیا ہے  
 فرمایا اَلَا تَرَ قَدْ اَلِفْتَ اَوْفٰی الْحٰکِمِلْ یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے  
 کہ میں پورا پورا دیتا ہوں یعنی کسی کو مایوس نہیں کرتا اَوَا نَاخِیْنِ الصَّنٰیئِیْنِ  
 اور میں بہتر مہانداری کرنے والا ہوں۔ میں نے تمہیں عزت کے ساتھ  
 رکھا ہے، تمام ضروریات پوری کی ہیں۔ لہذا اگلی دفعہ تم اپنے بھائی کو  
 ضرور ہمراہ لانا۔ فَاِنْ لَّسْتُمْ تَاْتُوْنٰی دِیْنًا اور اگر تم اسے ساتھ نہیں لاؤ  
 گے فَلَا کَیْلَ لَکُمْ عِنْدِیْ تو تمہارے لیے میرے پاس کوئی  
 انج نہیں ہوگا، یعنی تمہیں بھی کچھ نہیں دوں گا، لہذا وَلَا تَقْرَبُوْنِیْ پھر  
 میرے قریب بھی نہ آنا، ورنہ تمہیں مایوس کرنا پڑے گا۔ یوسف علیہ السلام  
 نے یہ سخت شرط عائد کر دی۔

یہاں پہ جہنّم بچھاڑ ہیم کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ جہاز سامان  
 کو کہتے ہیں اور جہیز بھی اسی مادے سے نکلا ہے۔ شادی کے موقع پر بچی  
 کو جہیز دینا نہ تو فرض ہے۔ نہ واجب اور نہ سنت مؤکدہ، بلکہ حسب استطاعت  
 مستحب ہے مگر بہائے ہاں اس چیز نے لعنت کی صورت اختیار کر  
 لی ہے جس کی وجہ سے اکثر شادیاں بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی التوا  
 میں ٹپی رہتی ہیں اور بچی وجہ سے معاشرے میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا  
 ہو رہی ہیں۔ اگر کوئی صاحب استطاعت ہے تو بیٹی کو جہیز دے، اس میں  
 کوئی حرج نہیں، لیکن اس کے برعکس اگر ہر غریب آدمی بھی بھاری بھبر  
 کم فرنیچر، فریج اور ٹیلیوژن جیسی لغویات دینے کی کوشش کرے گا، تو  
 معاشرتی خرابیوں کا باعث ہوگا اور یہی جہیز ایک لعنت بن کر رہ جائیگا  
 ایسا کہ نامحض رواج اور تہیوں کی تعلیم کے خلاف ہے۔

بہر حال ایک طرف تو یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا کہ  
 وہ آئندہ بن یامین کو ساتھ لائیں اور دوسری طرف جب ان کا غلہ بھرجا رہا



تھا تو آپ نے وَقَالَ لِفَتًىٰ إِنَّهُ اجْعَلُوا بَصَائِعَ لَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ اپنے خدام سے کہہ دیا کہ ان کی پونجی بھی ان کے کجاووں یعنی ان کے سامان میں ہی رکھ دو۔ وہ جو بھی درہم یا دینار لائے تھے، اس احتیاط سے ان کے سامان میں رکھ دو کہ انہیں علم نہ ہو سکے۔

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ فَإِذَا  
 کہ یہ اسے پہچان لیں جب کہ اپنے گھروں کو واپس لڑیں۔ اور لَعَلَّهُمْ  
 يَرْجِعُونَ اور شاید اسی وجہ سے یہ لوگ دوبارہ مصر آئیں۔ اس پونجی کی بنا  
 پر واپس آنے کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ جب یہ لوگ واپس جا کر اپنی  
 رقم واپس پائیں گے تو سمجھیں گے کہ غلطی سے آگئی ہے لہذا دیا نڈاری کا  
 تقاضا یہ ہے کہ اسے واپس لٹایا جائے اور اسی بہانے سے دوبارہ مصر  
 آجائیں گے۔ وہ اسے اپنی ایمانداری کا امتحان بھی سمجھ سکتے ہیں اور رقم  
 واپس لٹا کر اس امتحان میں پورا اتر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا  
 ہے کہ دوبارہ آنے کے لیے ان کے پاس کوئی پیسہ نہ ہو اور اپنی رقم دوبارہ  
 اپنے پاس پا کر ان کی حوصلہ افزائی ہوگی اور وہی رقم لے کر دوبارہ آجائیں گے  
 بلکہ ان یوسف کے دل میں یہ خیال بھی آ سکتا ہے کہ اس شخص نے ہمارے  
 ساتھ بڑی فیاضی کا ثبوت دیا ہے لہذا دوبارہ جا کر اس سے مزید فائدہ اٹھانا چاہیے  
 لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ میں ان ساری باتوں کی طرف اشارہ ہے بہر حال  
 خدام نے بلکہ ان یوسف کی رقم بھی ان کے سامان میں واپس رکھ دی  
 اور وہ لوگ اپنے وطن کو روانہ ہو گئے۔

وما ابرئ ۱۳

درس ہفتم ۱۴

سورۃ یوسف ۱۲

آیت ۶۳ تا ۶۶

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ  
 فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانًا نَّكَتِلُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾  
 قَالَ هَلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْنُتُكُمْ عَلَىٰ  
 أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ قَالَ اللَّهُ خَيْرُ حَافِظٍ وَهُوَ أَرْحَمُ  
 الرَّحِيمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَحَدُّوا  
 بِضَاعَتَهُمْ رَدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هَذِهِ  
 بِضَاعَتُنَا رَدَّتْ إِلَيْنَا وَالْيَنَانُ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ  
 أَخَانًا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾  
 قَالَ لَنْ أَرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُوا مَوْثِقًا  
 مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا  
 آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: پس جب وہ (برادران یوسف) واپس لوٹے اپنے

والد کے پاس تو انہوں نے کہا، اے ہمارے باپ! روک

دیا گیا ہے، ہم سے اناج، پس بیچنے کے بارے ساتھ

ہمارے بھائی کو تاکہ ہم باپ کو لائیں (انج) اور بیشک

ہم اس کے لیے البتہ حفاظت کرنے والے ہیں (۶۲) کہا اس

(یعقوب) نے میں۔۔۔ نہیں اعتبار کرتا تمہارا اس پر مگر مینا کہ

میں نے اعتبار کیا تھا تھا اس کے بجائی پر اس سے پہلے  
 پس اللہ ہی ہے بہتر حفاظت کرنے والا اور وہ سب سے  
 بڑھ کر مہربان ہے (۶۴) اور پھر جب انہوں نے کھوٹا اپنے  
 سامان کو تو پایا انہوں نے اپنی پونجی کو کہ لوٹا دی گئی ہے اُن  
 کی طرف، تو کہنے لگے، اے ہمارے باپ! ہم کیا تلاش کرتے  
 ہیں؟ ہماری یہ پونجی بھی لوٹا دی گئی ہے ہماری طرف، اور ہم  
 مانج لائیں گے اپنے گھر والوں کے لیے اور حفاظت کریں  
 گے اپنے بجائی کی، اور ہم زیادہ لائیں گے ایک اونٹ کا  
 بوجھ، یہ مانج تو بہت مٹوٹا ہے (۶۵) کہا (یعقوب علیہ السلام)  
 میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ  
 دے دو تم مجھ کو خدا کا پختہ وعدہ کہ تم ضرور اس کو لاؤ گے  
 میرے پاس، سوائے اس کے کہ گھیر لے جاؤ۔ جب دے  
 دیا انہوں نے پختہ وعدہ تو کہا (یعقوب لے)، اللہ تعالیٰ اس  
 بات پر نگبان ہے جو ہم کہتے ہیں (۶۶)

رابطہ آیات

قحط کے زمانے میں جب برادران یوسف غلہ لینے کے لیے مصر پہنچے تو یوسف  
 علیہ السلام نے اُن کو پہچان لیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اُن کی مہمان نوازی  
 کی۔ پھر جب وہ واپس جانے لگے تو اُن کی لانی ہوئی پونجی بھی اُن کے سامان میں رکھ دی  
 کہ یہی پونجی اُن کے دوبارہ مصر آنے میں  
 مددگار ثابت ہو۔ یوسف علیہ السلام نے اُن کو تاکید کی کہ جب دوسری دفعہ مصر آئیں تو اپنے  
 چھوٹے بجائی کو بھی ہمراہ لائیں ورنہ وہ مصر آنے کی کوشش نہ کریں، انہیں مانج نہیں دیا  
 جائے گا، تو رات کے حوالے سے مصر بن کرام یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام  
 نے اپنے بجائیوں میں سے شمعون کو روک لیا تھا جو کہ اُن کے ہاتھ میں سب سے بہتر



لئے رکھتا تھا، اور یہ بھی کہ آپ نے بن یامین کے حصے کا غلہ باقی بھائیوں کو نہیں دیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ جب اس کو لازماً لگے تو اس کا غلہ بے کار ہو جائے گا۔  
 یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر سے غلہ لے کر اپنے وطن واپس آگئے۔  
 اب بات اُنے ملتی ہے فَلَمَّا دَجَعُوا إِلَيْكَ أَيْتَهُمْ  
 پھر جب وہ لوٹے اپنے باپ کی طرف تو اس سے سادہ جبراً اس طرح  
 ذکر کیا قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ کہنے لگے ہمارے باپ  
 ہم سے آج روک دیا گیا ہے فَارْسِلْ مَعَنَا اخْنَاكَ لہذا ہمارے  
 ساتھ ہماری بھائی کو بھیج دیں نَكْشَلْ تاکہ ہم باپ کو آج لائیں وَإِنَّا  
لَهُ لَحَافِظُونَ اور ہم اس کی حفاظت کرنے لگے ہیں کہنے لگے کہ  
 مصر کے بادشاہ نے ہمیں واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ اگر اپنے بھائی کو ساتھ  
 نہیں لائے گے تو تمہیں بھی آج نہیں ملے گا۔ آج اور پانی انسان بلکہ ہر  
 جاندار کی بنیادی ضروریات میں سے ہے اور اس کے لیے ہر انسان مجاہد  
 کرتا ہے کیونکہ بقاء نے حیات کیلئے مجاہد (STRUGGLE) سسٹر گل )  
 ضروری ہے۔ جو شخص ضروریات زندگی کی جہم رسانی  
 کے لیے کوشش نہیں کرتا وہ خودکشی کا قریب ہوتا ہے جو کہ قطعی حرام  
 ہے۔ کہنے لگے بقاء نے حیات کے لیے آج کی ضرورت ہے۔  
 اور وہ بن یامین کو سانس لے جانے بغیر حاصل نہیں ہوگا، لہذا آپ ضرور  
 اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں، جہم اس کی اپنی طرح ٹکڑا شت کر رہے گے۔

بن یامین  
 کے لیے  
 فہمائش

باپ کا  
 جواب

اس فرمائش کے جواب میں قَالَ يَعْقُوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے کہا هَلْ  
أَمْسَكْتُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْسَكْتُمْ عَلَى أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ  
 میں نہیں امین سمجھتا تم کو یا نہیں اعتبار کرتا تم پر اس بچے کے متعلق مگر اسی  
 طرح کہ جس طرح میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے  
 متعلق کیا تھا مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں تم نے

میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی، تم نے اس کی بھی حفاظت کا ذمہ اٹھایا تھا مگر اس کو بھانہ سکے اور یوسف علیہ السلام کو ضائع کر دیا، اب اسی قسم کا اعتماد میں بن یامین کے بارے میں بھی کرتا ہوں، یعنی دوسرے لفظوں میں میں تم پر اعتماد نہیں کرتا کیونکہ تم پہلے ایک دفعہ ناکام ہو چکے ہو۔ اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ جس شخص نے کوئی غلطی کی ہو اُسے اس غلطی سے آگاہ کر دینا چاہیے تو یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی سابقہ غلطی ان کو یاد دلادی اور بتا دیا کہ تم پہلے ہی قصور وار ٹھہرائے جا چکے ہو، لہذا اب میں تم پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں۔ تاہم خاندان کی ضروریات کے لیے چونکہ زیادہ غلے کی ضرورت ہے اس لیے میں بن یامین کو تمہارے ساتھ بھیجنے پر مجبور ہوں وگرنہ میں تم پر اعتماد کھو چکا ہوں۔ اس کے باوجود میں اُسے سپرد خدا کرتا ہوں قَالَ اللَّهُ تَخَيَّرْتُ خَفِظًا لِّمَنْ هِيَ بِتَرِ حَفَظَتِ كَرْنِي وَالْأَسْبَ، میں اسی کی سپرداری میں نیکے کر دیتا ہوں وَلَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ اور وہ سب سے بڑھ کر مہربانی کرنے والا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے۔ الْمُؤْمِنُ لَا يُكْدَغُ مِنْ جُحْرِ مَقَاتَيْنِ یعنی مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔ چونکہ یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی طرف سے بد اعتمادی پیدا ہو چکی تھی، اس لیے وہ بن یامین کو خوشی خاطر سے بھیجنے پر آمادہ نہ تھے۔

یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے درمیان یہ مکالمہ ان کے واپس پہنچتے ہی شروع ہو گیا۔ جب کہ انہوں نے ابھی ناک مسرے لایا جانے والا سامان کھولا بھی نہیں تھا وَكَمَا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ تو پائی انہوں نے اپنی پونجی واپس لوٹائی ہوئی۔ انہوں نے دیکھا

بیٹوں کی طرف سے

کہ غلے کی قیمت کے طور پر جو رقم وغیرہ انہوں نے مصر کے خزانے میں جمع کرائی تھی، وہ ان کے سامان میں موجود ہے۔ اس پر انہیں باپ کو قائل کرنے کے لیے ایک اور دلیل میسر آگئی۔ قَالُوا يَا بَنَانَا كُنْ سَكَنًا ہمارے باپ! مَا نَبْتَغِيْهِمْ اور کیا چاہتے ہیں۔ وَبُكِّهُوا هَٰذَا بِضَاعَتِكُمْ اور ذٰلِكَ اکیسنا یہ رہی ہماری پونجی جو ہمیں واپس لوٹا دی گئی ہے۔ شاہ مصر نے ہمیں غلہ بھی دے دیا ہے اور قیمت بھی وصول نہیں کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاہ نے دانستہ طور پر ان کی رقم واپس کی ہے عزت و احترام سے محض پایا ہے۔ مہمان نوازی کی ہے اور غلہ بھی دیا مگر قیمت بھی نہیں لی۔ چونکہ بادشاہ ہم پر اتنا مہربان ہے آپ ضرور ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیں تاکہ ہم دوبارہ اناج لاسکیں۔ اور دوسری بات یہ ہے وَنِعْمَ اٰهْلًا اور ہمیں اپنے خاندان کے لیے اناج کی ضرورت بھی ہے لہذا ہم دوبارہ اناج لائیں گے وَنَحْفَظُ اَخَانًا اور اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے وَكُنْ دَاوُدَ كَيْلَ يَحْيٰی اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ ہم زیادہ بھی لائیں گے۔ جب ہمارا چھوٹا بھائی بھی ہمارے ساتھ ہو گا تو اس کے حصے کا غلہ بھی ملے گا۔ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّتَسَبَّحُ بِہٖ یہ اناج جو اب ہم لائے ہیں۔ یہ ہماری ضروریات سے کم ہے۔ اب ہم دوبارہ اسی صورت میں مصر جا سکتے ہیں کہ چھوٹے بھائی کو بھی ہمراہ لے جائیں اور اپنے علاوہ اس کا اونٹ بھی غلہ بھی لے کر آئیں۔

اس واقعہ سے یہ قرینہ ملتا ہے کہ اگر کسی شخص کے سامان سے کوئی ایسی چیز مل جائے جس میں کسی غیر کا حق متعلق نہیں ہے تو پھر ایسی چیز میں تصرف کرنا روا ہو گا۔ بادشاہ کا حسن سلوک، مہمان نوازی اور مہربانی اس بات کا قرینہ تھیں کہ بادشاہ نے یہ پونجی از خود واپس کی ہے، لہذا اس کا دوبارہ استعمال جائز تھا۔ البتہ اگر کسی چیز کے متعلق شبہ ہو کہ یہ



مسوا آگئی ہے تو اس کی تحقیق ضروری ہوگی۔ ایسی چیز کا استعمال بغیر حقیقت معلوم کئے روا نہیں ہوگا۔

ضمانت کا مطالبہ

بیٹوں کی یہ باتیں سن کر یعقوب علیہ السلام بن یامین کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ تو ہو گئے مگر انہوں نے بیٹوں سے پختہ عہد اور ضمانت کا مطالبہ کیا۔ قَالَ كُنْ اَوْ سَلِّهْ مَعَكُمْ مِیْن اُسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا حَتّٰی تَوْثِقُوْنَ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ ہاں تک تم مجھے اللہ کی طرف سے پختہ عہد و پیمان سے دو، یعنی خدا کی قسم اٹھاؤ لَتَاُثْبِتَنَّ بِہ کہ تم اُسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے اِلَّا اَنْ یَّخَاطِبَ بِکُمْ سَوَائے اُس کے کہ تم گھیر لیے جاؤ یعنی راستے میں کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے کہ تمہیں رکنا پڑ جائے، مغلوب ہو جاؤ یا سارے کے سارے ہلاک ہی ہو جاؤ۔ ایسی صورت میں تو کچھ نہیں ہو سکے گا، البتہ عام حالات میں تم اپنے بھائی کو واپس لانے کے پابند ہو گے۔ بالیل کی روایت میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے بڑے افسوس کا اظہار کیا کہ پہلے یوسف بچہ پٹا پھر شمعون مصر میں رک گیا، اب اگر باقی بیٹوں کو کچھ ہو گیا تو پھر میں تو بے اولادوں جیسا ہو گیا۔ بہر حال یہود اُنے پوری ضمانت دی کہ وہ بنیامین کو ضرور واپس لانے گا، اور اگر نہ لاسکا تو بے شک میرے دونوں بیٹوں کو قتل کر دیا جائے۔ اُس نے اتنی بڑی ضمانت کی پیش کش کر دی۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی معاملہ میں ضمانت یعنی جائز ہے۔ ضمانت دو قسم کی ہوتی ہے ایک مال کی اور دوسری جان کی۔ مالی ضمانت کے متعلق تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ یہ جائز ہے۔ کوئی شخص عہد کرتا ہے کہ اگر مقررہ تاریخ تک فلاں شخص فلاں چیز واپس نہیں کرے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ البتہ شخصی ضمانت کے متعلق امام مالکؒ قابل نہیں۔ باقی تمام ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ کسی کی شخصی ضمانت بھی دی جا

سکتی ہے یعنی اگر فلاں شخص فلاں تاریخ اور فلاں مقام پر حاضر نہ ہوا تو اس کے بارے میں ضامن مانوڑ ہوگا۔

اسباب  
اور توکل

فرمایا فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْتُهُمْ حَبِیْثُوْنَ نے باب کو پختہ  
عمر لے دیا اور سن یامین کی واپسی کے ضامن بن گئے قَالَ اللّٰهُ عَلٰی  
مَا نَقُولُ وَكِیْلٌ تو یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ ہماری اس بات  
حیثیت پر اللہ ہی نگبان ہے۔ ہم تو تمام اقلیاطی تدابیر اختیار کر رہے ہیں  
مگر اختیار سارا اسی کا ہے، ہوگا وہی جو وہ چاہے گا۔ اس سے ثابت ہوا  
کہ خود پہچان اور ضمانت تولی جاسکتی ہے مگر اعتماد صرف خدا کی ذات پر  
ہی ہو سکتا ہے، یہ غیر از توکل اور ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ اسباب مباح  
ہیں، انہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ مگر بھروسہ صرف خدا کی ذات پر ہی ہونا  
چاہیئے۔ قرآن پاک میں توکل علی اللہ کی بڑی تاکید آئی ہے جیسے اگلی آیت  
میں ہی آرہا ہے وَعَلَيْهِ فَيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ توکل کرنے  
والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں وَمَا لَنَا اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ رَبِّهِمْ  
اور کیا ہے ہمیں کہ ہم اللہ کی ذات پر بھروسہ نہ کریں۔ وَعَلَى اللّٰهِ  
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (آل عمران) مومن صرف اللہ ہی پر بھروسہ  
کرتے ہیں۔ بہر حال تمام انبیاء کا مشن اور طریقہ یہی ہے کہ ہر کام میں ضروری  
اسباب اختیار کرو مگر ان پر بھروسہ نہ کرو کیونکہ کامیابی کا دار و مدار اسباب  
پر نہیں بلکہ مشیتِ ایزدی پر ہے لہذا بھروسہ کے لائق وہی ہے یہی  
بات یعقوب علیہ السلام نے بھی اس موقع پر فرمائی۔

وَقَالَ يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا  
 مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ  
 مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ  
 وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا  
 مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي  
 عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ  
 يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۖ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ  
 وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ :- اور کہا (يعقوب علیہ السلام نے) اے میرے بیٹو! نہ داخل

ہونا ایک دروازے سے اور داخل ہونا جدا جدا دروازوں سے ، اور

میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کے سامنے کسی چیز سے ۔ نہیں ہے

حکم مگر اللہ کے لیے ۔ اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی پر

چاہیے کہ بھروسہ کرنے والے لوگ بھروسہ کریں ﴿۶۷﴾ اور جب وہ

داخل ہوئے جہاں سے ان کو حکم دیا تھا ان کے باپ نے ،

نہیں تھے وہ کہ بچا سکتے ان کو اللہ کے سامنے کسی چیز

سے ۔ نہیں تھی مگر ایک بات یعقوب علیہ السلام کے جی میں

جس کو انہوں نے پورا کیا ، اور بیشک وہ علم والے تھے اس



وجہ کہ ہم نے اُن کو سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں  
جلتے (۶۸)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا حال بیان ہو رہا ہے وہ مصر سے  
انجائے کہ اپنے باپ کے پاس واپس کنگان آئے تو سفر کی ساری داستان سنانی اور  
یہ بھی بتایا کہ جب تک آپ ہمارے چھوٹے بھائی کو ہمراہ نہیں بھیجیں گے، آئندہ  
انجائے نہیں ملے گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پریشانی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ پہلے بھی تم  
میرے ایک بیٹے کو ساتھ لے جا کر ضائع کر چکے ہو اور اب دوسرے کو بھی لے جانا  
چاہتے ہو۔ تاہم چونکہ مجبوری ہے، انجائے بھی لانا ہے۔ اس لیے میں اللہ کی ذات پر  
بھروسہ رکھتے ہوئے چھوٹے بیٹے کو بھیجنے پر آمادہ ہوتا ہوں، وہی اس کی حفاظت  
کرے گا اور وہ سب بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

روانہ کرنے سے پہلے یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے عہد و پیمان لیا  
اور اُسے ضرور واپس لانے کی ضمانت بھی لی۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ یعقوب  
علیہ السلام کا ایک بیٹا شمعون تو پہلے ہی مصر میں ٹھہر گیا تھا۔ باقی نو بھائی سب سے چھوٹے بھائی  
بن یامین کو لے کر دوبارہ مصر کی طرف روانہ ہوئے اور باپ کی نصائح پر عمل کرنے کا  
عہد بھی کیا۔

متفرق دروازوں  
سے داخلہ

مذکورہ دیگر نصائح کے یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ایک نصیحت بھی کی  
وَقَالَ يَبَنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ فَرَمَا لے میرے بیٹو! ہر  
مصر میں کسی ایک ہی دروازے سے مت داخل ہونا وَاذْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ  
مُتَفَرِّقَةٍ جگہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ قدیم زمانے میں شہروں کے گرد  
فسیل بنانے کا رواج ہوتا تھا اور شہر میں داخلے کے لیے اس کی مختلف سمتوں میں  
بڑے بڑے گیٹ بنائے جاتے تھے۔ یہ گرجہ الزوالہ چھوٹا سا شہر ہے جس کی زیادہ تر  
آبادی رنجیت سنگھ کے زمانہ میں شروع ہوئی۔ تاہم اس شہر کے چاروں طرف

بھی فصیل قحی جس میں لاہوری دروازہ، سیالکوٹی دروازہ، گریجاکھی دروازہ، کھیالی دروازہ وغیرہ کے نام سے مختلف گیٹ تھے اور شہر میں داخلہ انہی دروازوں سے ہوتا تھا۔ اس قسم کے انتظامات کا یہ فائدہ ہوتا تھا کہ کوئی بیرونی حملہ آور یا چور ڈاکو شہر میں آسانی سے داخل نہیں ہو سکتے تھے، رات کو دروازے بند کر دیے جاتے تھے اور چاروں طرف فصیل کے ادیر چوکیدارہ نظام ہوتا تھا اب شہری آبادی کا نظام بحیر تبدیل ہو چکا ہے تنگ مکانوں، تنگ بازاروں اور تنگ گلیوں کی بجائے اب کھلی آبادی کو پسند کیا جاتا ہے، نیا شہر آباد ہوتے وقت سینکڑوں سال کی پیشگی منصوبہ بندی کر کے کھلی سڑکیں اور کھلے پلاٹ رکھے جاتے ہیں۔ اب شہروں کی حفاظت کا انتظام بھی بحیر تبدیل ہو چکا ہے اور تمام کام سائنسی بنیادوں پر کیے جاتے ہیں۔

بغداد بھی اپنے دور میں بہت بڑی آبادی کا شہر تھا۔ منصور عباسی کے زمانے میں جب اس کی تعمیر ہوئی تو اس کے ارد گرد دو بڑی بڑی فصیلیں بنائی گئیں اور داخلے کے لیے مختلف لطرافت میں گیٹ بنائے گئے۔ آج تو دنیا بھر میں شہروں کی آبادی کروڑوں تک پہنچ چکی ہے، جاپان کا ٹوکیو، چین کا پکنگ اور سنگھائی اور انگلینڈ کے لندن کی آبادی ایک کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ برصغیر میں کلکتہ اور ممبئی بڑے شہر ہیں۔ ہمارے ہاں کراچی کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔ لاہور تو بہت پرانا شہر ہے۔ بدھ کا دور آج سے تین ہزار سال پہلے کا دور ہے اور لاہور کے نشانات اس سے بھی ڈیڑھ ہزار سال پہلے کے ملتے ہیں۔ یہ تمام شہر بہت دور دور تک پھیل چکے ہیں اور ان کے پھیلاؤ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لہذا اب فصیل کا نظام قابل عمل نہیں رہا، البتہ پرانے وقتوں میں فصیل اور گیٹ کا نظام تھا۔ مصر بھی اس زمانے میں ایسا ہی شہر تھا۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نصیحت کی کہ سارے ایکس ہی دروازے



سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا۔  
 فرمایا یہ نصیحت میں تمہیں ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کے  
 لیے کر رہا ہوں، درنہ حقیقت یہ ہے وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ  
اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ میں نہیں بچا سکتا تمہیں اللہ کے سامنے کسی چیز سے  
 یعنی اگر مشیت الہی میں تمہیں کوئی حادثہ پیش آنا ہے تو اس کو میں  
 نہیں ٹال سکتا، کیونکہ إِنِ الْفُكُورُ إِلَّا لَذَرْكُمْ تَوَّارَةً  
 کا سارا اللہ ہی کا ہے، وہ جیسے چاہے کرے، اُسے کوئی روک نہیں  
 سکتا۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ میں بھی اسی پر بھروسہ کرتا ہوں وَعَلَيْهِ  
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ اور تمام بھروسہ کرنے والے بھی اسی  
 ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ میں تو محض حفاظتی تدبیر بتا رہا ہوں، ان  
 کو اختیار کرنا مگر بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی کرنا کیونکہ ہر چیز اسی کے اختیار  
 میں ہے اور اس کی تقدیر کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ام المؤمنین حضرت  
 عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا يُغْنِي  
حَذَرٌ عَنْ قَذَرٍ یعنی کوئی تدبیر تقدیر کو روک نہیں سکتی۔ چنانچہ آگے  
 آ رہا ہے کہ جس چھوٹے بیٹے کے لیے باپ نے اس کے بھائیوں  
 سے عہدہ بیان اور ضمانت لی۔ اُسی کو مصر میں روک لیا گیا۔ اسی لیے  
 یعقوب علیہ السلام نے پہلے ہی کہہ دیا کہ میں تمہیں اللہ کے سامنے  
 کسی چیز سے بچا نہیں سکتا۔

اس نصیحت  
 کی وجوہات

مفسرین نے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی کئی وجوہات  
 بیان کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ سارے بھائی جوان، وجیہ، خوبصورت اور طاقتور  
 تھے اور ان سب کو ایک جگہ کی صورت میں دیکھ کر مقامی لوگ  
 پریشانی میں مبتلا ہو سکے تھے کہ کہیں یہ اہل شہر کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں  
 دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ بھائی پہلی دفعہ آئے تھے تو شاہ مصر



نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی تھی اور اب ان کی پھر خاطر مدرت ہوگی۔  
 اس خیال سے لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف حسد بھی پیدا ہو سکتا  
 تھا۔ اور یعقوب علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ ایسی صورت حال پیدا ہو  
 خود بادشاہ وقت کو بھی خطرہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ اُس کے خلاف  
 کوئی سازش یا جاسوسی نہ کریں۔ چنانچہ پہلی دفعہ جب آپ کے بھائی  
 مصر میں آئے تھے تو یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ دانستہ بے فرخی  
 سے بات کی تھی اور آپ کی زبان سے یہ بھی نکلا تھا کہ تم کیسے یہاں  
 آئے ہو، کہیں جاسوس تو نہیں۔ اس پر بھائیوں نے جواب دیا تھا کہ  
 ہم تو ایک معزز خاندان کے افراد اور نبی کے بیٹے ہیں اور ہمارا باپ  
 نابینا ہو چکا ہے۔ بہر حال اس قسم کے خدشات کے پیش نظر یعقوب  
 علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ ایک دروازے سے  
 شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے جانا۔ اور سب سے اہم بات  
 یہ تھی کہ اتنے خوش شکل، نوجوان، اور وجہ بھائیوں کو دیکھ کر اہل شہر  
 میں سے کسی کی نظر بد نہ لگ جائے، لہذا اکھٹے نہ داخل ہونا۔

مسئلہ نظر

بعض گمراہ یا اپنی ناقص عقل پر انحصار کرنے والے لوگ نظر کا انکار کرنے  
 ہیں۔ حالانکہ یہ برحق ہے اور اس کو شریعت تسلیم کرتی ہے اور یہ بھی کہ  
 نظر لگ جانے سے نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا  
 ہے کہ نظر لگنا یعنی زخم چٹم برحق ہے اور یہ قدرت کی باتوں میں سے  
 ایک بات ہے۔ بعض آدمیوں کی نظر لگ جانے سے اُس کے اثرات  
 فوراً ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ درجہ اول کی صحیح حدیث میں ہے  
 الْعَيْنُ حَقٌّ ۖ نَظَرُ حَقٍّ ۖ اَوْ تَقْدِيرٌ ۖ سَبَقَتْ كَرْنَهُ ۖ وَالْيَ كُوْنِي  
 چیز ہے تو وہ نظر ہے۔ اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا  
 علاج بھی بتایا فرمایا اِذَا اسْتَقْسَمْتَ فَاغْسِلْهَا ۖ جَبَتْ ۖ تَمَّ ۖ

غسالہ طلب کیا جائے تو فوراً دے دو۔ اس سے اللہ تعالیٰ شفا دیتا ہے  
 موطا اہم مالک میں یہی روایت موجود ہے کہ صحابی رسول حضرت سہیل  
 ابن خنیفؓ کہہ تے تے انا کر اور تہ بندہ باندھ کر غسل کر رہے تھے تو ایک  
 دوسرے صحابی عامر ابن ربیعہؓ دیکھ کر کہنے لگے، کتنا خوبصورت جسم  
 ہے، میں نے تو اتنا خوبصورت بدن کسی عورت کا بھی نہیں دیکھا۔

اُن کا یہ کہنا تھا کہ حضرت سہیلؓ کو بخار ہو گیا اور وہ تڑپنے لگے۔ کسی نے اکر  
 حضور علیہ السلام کو یہ خبر دی تو آپؐ نے حضرت عامر کو ڈانٹا اور فرمایا اَلَا  
 مَا يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَحَاهُ تَمَّ مِنْ سَعَةِ كَوْنِي شَخْصًا لِّبَنِي عَبَّادٍ كَمَا اس  
 طرح ہلاک نہ کرے۔ تم نے اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہیں کی  
 معلوم ہوا کہ جس شخص کی نظر لگ جاتی ہو تو اُسے یوں کہنا چاہیے۔ بَارَكَ  
 اللَّهُ يَعْنِي اللَّهُ تَعَالَى تَمَّ مِنْ سَعَةِ كَوْنِي شَخْصًا لِّبَنِي عَبَّادٍ  
 اثرات ظاہر نہیں ہوں گے۔ نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کی نظر  
 لگ گئی ہو وہ مرین کو اپنا غسالہ دے تاکہ اسے شفا حاصل ہو۔

عربوں میں غسالے کا طریقہ قبل از اسلام بھی رائج تھا۔ اور وہ یہ  
 ہے کہ جس شخص کی نظر لگ جائے اس کو پانی کا ایک پیالہ دیا جاتا ہے  
 کہ اس پیالے میں اپنا ہاتھ دھوئے، پھر وہی پانی منہ میں ڈال کر اٹھی  
 پیالے میں کلی کرے۔ پھر دایاں ہاتھ دھوئے۔ پھر بایاں۔ پھر  
 دایاں گھٹنا دھوئے اور پھر بایاں۔ پھر سر دھوئے اور اتنا عرصہ  
 پیالہ ہاتھ میں پکڑے رکھے۔ نیچے زمین پر نہ رکھے۔ اس کے بعد اس  
 پیالے کا سارا پانی اُس شخص پر ڈال دیا جائے جس کو نظر لگ چکی ہے  
 اس طرح اللہ کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے حضورؐ نے اس طریقہ کی  
 تائید فرمائی ہے۔

نظر لگ جانا متعلقہ شخص کے جسمانی اثرات کی بنا پر ہوتا ہے اس کی



مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان میں ملتی ہے کہ مکھی کے دو پروں میں سے ایک میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے۔ اگر مکھی کسی مشروب میں گر پڑے تو وہ اپنا بیماری والا پہ اُس میں ڈبو تی ہے جسکی وجہ سے ایسے مشروب کو استعمال کرنے سے بیماری لاحق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس کا علاج یہ بنایا کہ جب مکھی گر پڑے تو اس کے دوسرے پہ کو بھی مشروب میں ڈبو کر مکھی کو باہر پھینک دو اور مشروب کو استعمال کر لو۔ اس طرح بیماری کے پہ کا اثر زائل ہو جائیگا۔

بشناک جسے کالی مہری بھی کہتے ہیں، ایک جنگلی جوڑی بوٹی ہے۔ جس کے کھانے سے انسان اور جانور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ جہاں یہ بوٹی پائی جائے اس کے قریب ہی اسی شکل و صورت کی دوسری جوڑی بوٹی ہوتی ہے جو بشناک کا تہا بق ہوتی ہے۔ تجربہ کار حضرات بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو اتنی سمجھ دے رکھی ہے کہ اگر وہ نہ ہری بوٹی کھالیں تو فوراً دوسری شفا یاب بوٹی بھی کھاتے ہیں تاکہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کے جسم میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ ان کی نظر لگ جاتی ہے اور پھر اگر اُس شخص کا غلام مریض کو دیا جائے تو اللہ تعالیٰ شفا بھی دے دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے نظر کی یہ دعا بھی سکھلائی ہے اَعِيْذُكَ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ السَّامَةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَةٍ میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ نامہ کے ساتھ شیطان کے شر سے، موزی جانور کیڑے مکوڑے کے شر سے اور نظر بد کے شر سے پناہ پکڑتا ہوں۔

بہر حال براہِ رانِ یوسف باپ سے عہد و پیمان کر کے اور اس کی نصیحت سے کہ مصر پہنچ گئے۔ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ



أَمْرَهُمْ أَلْبُوهُمْ پھر جب وہ داخل ہوئے جہاں سے  
 اُن کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا۔ یعنی وہ ایک دروازے سے داخل  
 ہونے کی بجائے مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے، اور حقیقت  
 یہ تھی مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ  
 تو یعقوب علیہ السلام ان کو اللہ کے سامنے کسی چیز سے بچاؤ نہیں دے سکتے  
 تھے إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسٍ يُعْقُوبُ مگر حضرت یعقوبؑ کی یہ ایک  
 بات تھی قصہ یہاں جس کو انہوں نے پورا کیا۔ اور وہ یہی حفاظتی تدبیر  
 تھی جس کی تشریح عرصہ کھردی گئی ہے کہ بیٹوں کو کہیں نظر نہ لگ جائے  
 یا وہ کسی حادثہ کا شکار نہ ہو جائیں۔ اور یعقوب علیہ السلام نے یہ بات  
 اس لیے کی وَلَا تَكُنْ لَكَ دُفْعٌ لِّمَا عَلَّمَكَ کہ وہ صاحب علم  
 تھے اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں علم سکھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو  
 علم کی دولت عطا فرمائی تھی۔ آپ اللہ کے نبی اور صاحب وحی تھے  
 اور اس علم کی بنیاد انہوں نے نظر بند سے بچاؤ کی تدبیر کی تھی۔ مگر اس  
 کے باوجود بن یامین کو مصر میں روک لیا گیا جس کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام  
 کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا کیونکہ ابھی ابتلا کا دور باقی تھا اور آپ کو اس  
 سے گزرنا تھا۔

امام سفیان ثوریؒ کا قول ہے لَا يَفْعَلُ بِمَا يَفْعَلُ  
لَا يَكُونُ عَالِمًا یعنی جو شخص علم رکھنے کے باوجود اس کے مطابق عمل  
 نہیں کرتا، وہ حقیقت میں عالم کہلانے کا حق دار نہیں۔ حضور علیہ السلام  
 نے دعائیں بھی سکھایا ہے اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا  
يَنْفَعُنَا اللہ! میں ایسے علم سے پناہ چاہتا ہوں جو مفید نہ ہو بغیر مفید  
 علم کی مثال كَعَمَلٍ كَنْزٍ لَا يَنْفَعُ ایسے خزانے کی ہے جسے  
 خرچ ہی نہ کیا جائے۔ یہ تو سبکل ہے جو بدترین بیماری ہے۔ بہر حال

عقوب علیہ السلام اپنے حق کی بابت کو پورا کرنا چاہتے تھے وَلَٰكِنْ  
 أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ آپ کی  
 تدبیر ظاہری اسباب کے لحاظ سے جائز تھی مگر حقیقت میں کسی شے سے  
 بچانا اللہ کے اختیار میں ہے، اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

وما أبرئ

درس نوزدہم ۱۹

سورۃ یوسف ۱۲

آیت ۶۹ تا ۷۵

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾  
 فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسِرْقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ  
 قَالُوا تَفْقِدُ صَوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧١﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سِرْقِينَ ﴿٧٢﴾  
 قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٧٤﴾

ترجمہ :- اور جب وہ داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے پاس تو بگڑ دی انہوں نے اپنے پاس اپنے بھائی کو، اور اس سے کہا کہ بیشک میں تیرا بھائی ہوں، پس تو غلگین نہ ہو ان باتوں پر جو یہ کیا کرتے تھے ﴿۶۹﴾ پھر جب تیار کر کے دیا اُن کو ان کا سامان تو رکھ دیا پانی پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں پھر اعلان کیا ایک اعلان کرنے والے نے، اے قافلے والو! بیشک



تم البتہ چور ہو ۴۰ انہوں نے کہا اور وہ متوجہ ہوئے اُن پر، تم کیا چیز گم پاتے ہو ۴۱ انہوں نے کہا ہم گم پاتے ہیں بادشاہ کا پیادہ اور جو شخص اس کو لائے گا اُس کے لیے ایک ہجراؤٹ کا ہو گا (اناج) اور میں اس کا ذمہ دار ہوں ۴۲ کئے گئے وہ اللہ کی قسم البتہ تم جانتے ہو کہ ہم نہیں آئے یہاں تاکہ ہم فساد کریں زمین میں۔ اور نہیں ہم چوری کرتے ڈالے ۴۳ انہوں نے کہا، کیا ہو گا بدلہ اس کا اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے ۴۴ تو انہوں نے کہا کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ جس کے سامان میں پایا گیا، وہی اس کا بدلہ ہو گا۔ اسی طریقے سے ہم بدلہ لیتے ہیں ظلم کرنے والوں کو ۴۵

حضرت یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسری دفعہ مصر جانے کے لیے انہوں نے باپ کو آمادہ کر لیا کہ وہ سب سے چھوٹے بھائی بن یامین کو بھی ہمراہ لے جائیں گے کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں عزیز مصر انہیں اناج نہیں دیگا۔ چنانچہ باپ سے عہد و پیمان کیا کہ وہ بن یامین کو بھی ضرور واپس لائیں گے، چلتے وقت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو بعض اخلاقی تدابیر اختیار کرنے کی نصیحت بھی کی کہ مصر میں داخل ہوتے وقت کسی ایک دروازے سے سب کے اکٹھے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ مقصد یہ تھا کہ اکٹھا داخل ہونے کی صورت میں کوئی حادثہ پیش نہ آجائے یا کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ اب آج کے درس میں برادرانِ یوسف کے مصر میں داخلے اور وہاں پیش آنے والے بعض واقعات کا ذکر ہے۔

ربط آیات

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ جَبَّ يُوْسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَيْ يَبْجِيَ دَوَّارَهُ  
مصر پہنچے اُمّی مائیکہ اَخَاہُ تو آپ نے اپنے بھائی بن یامین کو اپنے پاس بٹا دی۔ مصر میں کرام فرماتے ہیں کہ برادرانِ یوسف جب دوسری مرتبہ مصر پہنچے تو انہوں نے بتایا کہ ہم

بن یامین  
سے تعارف

آپ کی نصیحت کے مطابق چھوڑے بھائی کو بھی ساتھ لائے ہیں تاکہ دوبارہ  
 اناج حاصل کر سکیں۔ یوسف علیہ السلام نے پہلے سے بھی بڑھ کر ان کی  
 عزت افزائی کی۔ پھر آپ نے ایک وسیع دعوت طعام کا انتظام کیا  
 جس میں سارے بھائیوں کو مدعو کیا اور دو دو بھائیوں کو ایک ساتھ مل  
 کر کھانا کھانے کے لیے کہا۔ چنانچہ دس بھائی تو جوڑا جوڑا بیٹھ گئے، مگر  
 بن یامین اکیلا رہ گیا۔ اس کو پریشان دیکھ کر یوسف علیہ السلام نے اسے  
 اپنے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کے لیے کہا۔ اور اس طرح بن یامین کو  
 بادشاہ کے ساتھ کھانا کھانے کا موقع مل گیا جو کہ بہت بڑا اعزاز تھا۔  
 اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب برادران یوسف  
 آپ کے پاس داخل ہوئے تو آپ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس  
 جگہ دی۔ پھر آپ نے اپنے بھائی سے اس کا نام پوچھا تو اس نے بن یامین  
 بتایا۔ آپ نے فرمایا اس نام کا معنی کیا ہے تو بن یامین نے کہا کہ اس کا  
 معنی ہے ”گم کردہ کا فرزند“ (ولد المثل) کہنے لگا کہ جب میری ولادت  
 ہوئی تو میری والدہ فوت ہو گئی تھی، گم ہو گئی تھی، اس لیے میرا یہ نام  
 رکھا گیا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ میں تمہارا  
 گمشدہ بھائی تمہارے حق میں ہو جاؤں۔ تو چھوٹا بھائی کہنے لگا ہے بارشائے  
 آپ جیسا بھائی کس کر مل سکتا ہے، جس بھائی کو ہم نے گم پایا ہے وہ  
 تو یعقوب اور راحیل نے جنا تھا مگر آپ تو ان کے فرزند نہیں ہیں۔  
 لہذا آپ جیسا بھائی تو کسی خوش بخت کا ہو سکتا ہے۔ اس پر یوسف  
 علیہ السلام پر گریہ طاری ہو گیا، آپ نے بن یامین کو سینے سے لگا لیا، قال  
 اِنِّیْ اَنَا اَخُوْكَ فِیْ سَبَبِیْ تَمَّارَیْ بھائی ہوں۔ اور پھر اس کو تسلی بھی دی فلا  
 تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا یَعْمَلُوْنَ پس تم نہ غم کھاؤ ان باتوں پر جو  
 تمہارے دوست کر بھائی کرتے تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ یا تمہارے

ساتھ جو بھی سلوک کیا اس کو دل سے نکال دو۔ بھائیوں نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو سخت تکالیف پہنچائیں اسی طرح وہ بن یامین کی بھی تحقیر کرتے تھے، اس کو طعن کرتے اور طرح طرح کی اذیت پہنچاتے تھے، تو یوسف علیہ السلام نے اس کو تسلی دی، اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اپنے بھائیوں کے سامنے میرا تعارف نہ کرانا کیونکہ ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا۔ جب وقت آئے گا تو میں خود اپنے آپ کو ظاہر کر دوں گا۔

برادرانہ  
تعلقات  
بھائیوں کا رشتہ بڑا اہم رشتہ ہے۔ یہ ایک دوسرے کے لیے عزت اور قوت بازو بنتے ہیں۔ فارسی والے کہتے ہیں۔  
ہر کہ برادر نہ دارد قوت بازو نہ دارد

جس کا بھائی نہیں ہو تا وہ قوت بازو سے خالی ہوتا ہے۔ اسی طرح مقولہ ہے۔ ہر کہ مادر نہ دارد، شفقت نہ دارد۔ جس کی ماں نہیں وہ شفقت سے محروم ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے الْمَرْءُ كَثِيرٌ بِأَخِيهِ آدمی بھائیوں کے ساتھ ہی زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے باوجود سوتیلے پن کی وجہ سے علاقائی بھائیوں میں حد، بغض اور عداوت بھی پیدا ہو جاتی ہے جبکی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو تکلیف بھی پہنچاتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹوں کی چھوٹے بھائیوں سے عداوت اسی بنا پر تھی۔ اور پھر بعض اوقات بڑے بھائی چھوٹوں کے ساتھ بدسلوک بھی کرتے ہیں، ان کی حق تلفی کرتے ہیں۔ ان کو اذیت پہنچاتے ہیں اور تحقیر آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اسی لیے فارسی والے کہتے ہیں۔ ”سگ باش، برادر خورد نہ باش“ یعنی کتابن جانگ چھوٹا بھائی نہ بن کیونکہ بعض اوقات محض چھوٹا ہونے کی وجہ سے تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ عربوں میں بھی یہ بیماری موجود تھی کہ بڑا



بھائی باپ کی ساری جائداد پر قابض ہو کر چھپنے بھائیوں کو محروم کر دیتا تھا۔  
 بہر حال بھائی بھائی کا تعلق ایک لحاظ سے تو بڑا قیمتی ہے مگر بعض  
 اوقات یہی تعلق حسد اور بغض کو جنم دیتا ہے۔ اللہ نے حضرت آدم  
 علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے، وہ بھی تو حقیقی  
 بھائی تھے مگر ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ یہاں بھی یوسف علیہ السلام  
 کے تمام بھائی باپ میں شریک ہیں مگر ماں مختلف ہونے کی بنا پر  
 چھوٹے بھائیوں سے سخت پسو کی سے پیش آئے۔ مکے کے مشرکین  
 کا بھی یہی حال تھا۔ حضور علیہ السلام ان کے بھائی، برادری والے اور قریبی  
 رشتہ دار تھے، کوئی چیتھے، کوئی حجاز اور تھے مگر انہوں نے آپ کے ساتھ نہایت  
 برا سلوک کیا۔ بہر حال یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی بن یامین  
 کو تسلی دی کہ غمگین نہ ہو، میں ہی تیرا گمشدہ بھائی یوسف ہوں۔

پیمانے کی  
 نشاندہی

برادران یوسف کچھ دن آپ کے پاس ٹھہرے سبے اور مہمان نوازی  
 کا لطف اٹھاتے رہے اور بالآخر ان کی واپسی کی تیاری ہو گئی اور ہر بھائی کو  
 ایک ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلے دے دیا گیا۔ اگلی آیت میں اسی  
 واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جِئَ  
اِنَّ كَا سَا مَانَ اَنْ كُوْتِيَا كَمَرُ دِيَا جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ  
اَخِيهِ تو بانی پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا۔ رحل  
 کا لفظی معنی کجاوہ ہوتا ہے اور مراد سامان ہے جو کجاوے میں رکھا جاتا  
 ہے۔ بہر حال غلہ بھرتے وقت پانی پینے کا پیالہ یا غلہ ماپنے کا پیمانہ بن یامین  
 کے سامان میں رکھ دیا فَاَذْنُ مُؤْذِنٌ پھر ایک اعلان کرنے والے  
 نے اعلان کیا اَيُّهَا الْعَيْنُ اِنَّكُمْ لَسِرَقُونَ اے قلعے والو! تم  
 تو چور ہو۔

یہاں پر مؤذن کا لفظ آیا ہے جس کا معنی اعلان کرنے والا ہوتا ہے

اور اذان کا معنی اعلان ہے۔ ہر اعلان پر اذان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مگر شرعی اصطلاح میں "اذان" مخصوص الفاظ کے ساتھ اور مخصوص مقصد یعنی نماز کے لیے منادی کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو فرشتے نے حضور کے ایک عیابی کو خواب میں بتلائے تھے اور کہا تھا کہ ناقوس وغیرہ بجانے کی بجائے نماز کا اعلان ان الفاظ کے ساتھ کر لیا کرو۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس کی تصدیق بھی فرمائی اِنْ رُئِيَ يَحْيٰى اِنْ شَاءَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے چاہا تو یہ خواب برحق ہے۔ آپ نے فرمایا یہ الفاظ بلند آواز سے حضرت بلالؓ کو بتلاؤ تاکہ وہ ان الفاظ کے ساتھ نماز کی منادی کرے۔

جب برادران یوسف نے چوری کیا یہ اعلان سنا تو شہر رہ گئے  
قَالُوا وَاقْبَلُوا عَلَيْهِمْ اِنْ اَعْلَانِ كَرْنِ وَالْوَلَّوْنَ كِي طَرَفِ تَوَجُّهٍ يَمْسُ  
اور کئے گئے مَآذَا تَفْقِدُ فَنَمَ كِيَا چيزِ گم پاتے ہو؟ قَالُوا نَفْقِدُ  
صَوَاعِ الْعِلَاطِ اَنُورِ نَمَ كِيَا ہم بادشاہ کا پیمانہ گم پاتے ہیں۔ اور ساتھ  
 پیمانہ تلاش کرنے والے کے لیے انعام کا اعلان بھی کیا، لےنے کے لیے وَلَحْنُ  
جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ جَوَ كُوْنِي وَهَ كِيَا تلاش کر کے لائے گا۔ اُسے  
 ایک اونٹ کا بوجھ بطور انعام دیا جائے گا۔ اور ساتھ یہ بھی وَلَا بِيَهَ رَعِيْمُ  
 اور میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ انعام ادا کرنے میں دیر نہیں کی جائیگی۔

اس واقعہ میں مفسرین کرام یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ جَعَلَ السَّقَايَةَ  
 کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف لڑتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پانی  
 کا پیالہ یا پیمانہ خود یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا  
 اور پھر خود ہی بھائیوں پر چوری کا الزام لگایا۔ یہ الزام سب سے اور کبیرہ گناہ میں شامل  
 ہے۔ اگر آپ کا کوئی کارندہ یہ کام کرتا تو مختلف بات ہوتی مگر یہ کام تو خود  
 آپ نے کیا اور بھائیوں کو اس کا علم تک نہیں، تو خدا کے برگزیدہ نبی سے  
 یہ کام کیسے سرزد ہوا؟ اس اشکال کی مفسرین کرام مختلف وجوہات پیش کرتے

چوری  
 کا الزام



ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اِنَّكُمْ لَسْرِ قَوْمٍ الزام نہیں بلکہ استغفار ہے  
یعنی بھائیوں سے دریافت کیا کہ کیا تم چور ہو؟ اور استغفار غلط بیانی کی  
زد میں نہیں آتا۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ بھائیوں کے سامان میں برتن تو یوسف علیہ السلام نے رکھا  
تھا مگر اعلان کر نیوالے حکومت کے کارندے تھے جنہیں واقعی علم نہ تھا کہ برتن کیسے گم ہوا ہے ایسے کا زور  
کی طرف سے چوری کا الزام یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب نہیں کیا جا  
سکتا۔ مگر چونکہ اعلان کرنے والے حکومت کے حکم پر ایسا کر رہے تھے، لہذا  
حکومت اس الزام میں بالواسطہ شریک ہے اور اسے بری الذمہ قرار نہیں  
دیا جاسکتا۔ چنانچہ اس معاملہ میں اکثر مفسرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اِنَّكُمْ  
لَسْرِ قَوْمٍ کے الفاظ چوری کا الزام نہیں بلکہ تور یہ ہے، جس کا مطلب یہ  
ہوتا ہے کہ بات کرنے والا اپنی بات کا کوئی دُور کا مطلب لیتا ہے جبکہ  
سننے والا اس کو عام فہم اور قریبی معنوں میں سمجھتا ہے۔ اس کو جھوٹ نہیں  
کہہ سکتے یہ تعریض یا تور یہ ہوتا ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ اِنَّ  
فِي التَّعْرِیضِ لَمَنْدُ وَ حَہ یعنی بیشک تعریض میں انسان کے  
لیے بچاؤ کا سامان ہوتا ہے اور بعض مواقع پر تور یہ کو اختیار کرنا جائز ہوتا،  
مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب آپ کی قوم  
نے آپ کو اپنے ساتھ میلے میں لے جانا چاہا تو اپنے فرمایا اِنَّہٗ سَقِیْمٌ  
(۳۷-۸۹) میں بیمار ہوں۔ اس سے آپ کا مطلب کچھ اور تھا مگر قوم نے  
سمجھا کہ آپ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہیں۔ پھر جب آپ وطن سے ہجرت  
کر کے مصر پہنچے تو آپ نے اپنی زوجہ محترمہ کے لیے اُختی یعنی بہن کا لفظ استعمال  
کیا۔ اس سے بھی سننے والوں نے حقیقی بہن سمجھا جب کہ آپ کی مراد مختلف  
تھی۔ اس قسم کی بات کو تور یہ کہا جاتا ہے۔ یہ سب جھوٹ نہیں ہوتا، اور  
اس کی اجازت ہے۔ تو اس موقع پر اِنَّكُمْ لَسْرِ قَوْمٍ کے الفاظ



کہ یوسف علیہ السلام کی طرف بھی منسوب کیا جائے تو یہ تو یہ ہوگا کیونکہ  
 آپ کی مراد یہ تھی کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو سیر و تفریح کے  
 بہانے باپ سے حاصل کیا اور پھر اسے قافلے والوں کے ہاتھ فروخت  
 کر دیا جو کہ عسریچ چوری ہے۔ یوسف علیہ السلام کی مراد وہ سابقہ چوری تھی  
 جب کہ آپ کے بھائی اسے پیمانے کی چوری پر محمول کر رہے تھے۔  
 خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہجرت کے واقعہ میں آتا ہے کہ آپ  
 حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ محو سفر تھے کہ ایک ایسا شخص ملا جو حضرت  
 صدیقؓ کو نہ جانتا تھا مگر حضور علیہ السلام کا روٹ ناس نہیں تھا۔ ان دنوں  
 حالت یہ تھی کہ مشرکین مکہ نے حضور علیہ السلام کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر  
 سوا دس لاکھ کا انعام مقرر کر رکھا تھا اور اس انعام کے لالچ میں لوگ چاروں  
 طرف دوڑ رہے تھے۔ ایسی حالت میں اگر صدیق اکبرؓ حضور علیہ السلام  
 کا تعارف اس شخص سے کر دیتے تو آپ کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا  
 تھا۔ چنانچہ جب اُس نے حضرت صدیقؓ سے دریافت کیا کہ تمہارے  
 ساتھ کون ہے تو آپ نے جواب دیا رَحِيلُ يَهْدِيكَ  
 السَّبِيلَ ایک آدمی ہے جو میری راہنمائی کر رہا ہے۔ وہ شخص سمجھا  
 کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ کوئی راستہ بتانے والا یعنی بدرقہ ہے  
 حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ میرے ساتھ اللہ کا راستہ بتانے والا ہے  
 بہر حال اس موقع پر یوسف علیہ السلام کا بھائیوں سے یہ کہنا کہ تم چور  
 ہو، پیالے کے چور نہیں تھا بلکہ خود یوسف علیہ السلام کے چور ہونا مراد  
 تھی اور ایسا کہنے پر کوئی الزام نہیں آ سکتا کیونکہ تعریف تھی۔  
 اس آیت کریمہ میں گم شدہ چیز کو صواع کا نام دیا گیا ہے۔ صواع  
 اور صاع ایک ہی چیز ہے۔ اس میں ستایہ کا لفظ بھی آیا ہے جس کا  
 معنی پینے کا پیالہ ہوتا ہے۔ اور صاع چار سیر کا ایک پیمانہ ہوتا ہے جس

سے غلہ وغیرہ پٹتے ہیں۔ دراصل گندہ چیز چاندی کا بنا ہوا ایک برتن تھا ہو سکتا ہے کہ اس میں پانی بھی پیتے ہوں، اس لیے اسے ستایہ کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس برتن کے ساتھ لوگوں کو غلہ ماپ کر دیتے ہو اور اس لحاظ سے یہ صواع یا صاع کہلاتا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ قحط کے دنوں میں یہ برتن ایک حیاری پیمانہ تھا جس کے ساتھ الماج ماپ کر دیا جاتا تھا۔ اور یہی برتن برادران یوسف کے سامان میں رکھ دیا گیا اور پھر اس کی گمشدگی کا اعلان بھی کیا گیا۔

بہر حال جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر چوری کا الزام لگایا گیا قَالُوا تَاللّٰهِ تَوَدُّهُ كُنْتُمْ مَكَا  
جُنَّا لِنَفْسٍ فِی الْاَرْضِ تَمْرُضُ تَمْرُضُ کہ ہم زمین میں فساد کرنے کے لیے نہیں آئے وَمَا كُنَّا بِمُرْقِبٰیۡنَ اور ہم چور بھی نہیں ہیں۔ چوری کو فساد فی الارض کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ شرعیعت میں فساد واقع ہوتا ہے۔ تمام آسمانی ادیان میں چوری واجب التعمیر ہے اور تمام سابقہ شرائع میں اس کی سزا مقرر رہی ہے۔ بعض شریعتوں میں جہانے کی سزا مقرر تھی اور بعض میں قید کرنے کی۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور ہماری شریعت میں چور کے لیے ہاتھ کاٹنے کی سزا مقرر ہے یہ فساد فی الارض اور کبیرہ گناہ ہے۔ چوری کا ارتکاب تو مسلمانوں کی شان کے بالکل خلاف ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مشرقی ممالک خصوصاً اسلامی ممالک میں چوری کی وبا عام ہے۔ اس کے علاوہ قتل و غارت اغوار اور بدکاری جیسی بیماریاں غیر مسلمانوں کی نسبت مسلمانوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ بھکاری بھی مسلمانوں میں زیادہ ہیں۔ یورپ کے بڑے چورسے چھوٹے ملک ہیں، مگر کوئی شخص بھیک مانگتا نظر نہیں آتا۔ حکومت کا منار ب انتظام ہے۔ اگر بجا ہو گیا تو محضت علاج کی سولت میسر ہے

برادران  
یوسف  
سنا انکار

اور کسی دوسرے بیکار ہے تو حکومت بیکاری الاؤنس دیتی ہے۔ لہذا  
بھیک مانگنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ہمارے ہاں گلی کوچے شہر  
اور بازار بیکاریوں سے بھرے پڑے ہیں۔ کسی بیکار مقام پر چلے جائیں  
کہیں سفر کمزور ہو۔ خریداری کمزور ہو، ہر جگہ بیکاری آپ کا استقبال کریں گے  
حالانکہ ہمارے دین میں گناہ گری عظام ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ  
فرماتے ہیں کہ چوری، ڈکیتی، قتل، اغوا، دھوکہ وغیرہ جیسے ناجائز پیشوں  
میں گناہ گری بھی شامل ہے۔

بہر حال برادران یوسف نے کہا کہ ہم چور نہیں ہیں اور نہ زمین میں فساد  
برپا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے بعد قالوا حکومت کے کارندوں  
نے کہا فَمَا حَبْرَآءُ أَنتَ كُنْتَ تَزْكِي بَنِي إِسْرَءِيلَ اگر تم جھوٹے  
ثابت ہوئے تو اس کی سزا کیا ہوگی یعنی اگر گمشدہ پیمانہ تمہارے سامان  
سے برآمد ہو گیا تو پھر تمہارے لیے کیا آواہان ہوگا قالوا برادران یوسف  
کہنے لگے حَبْرَآءُ هَؤُلَاءِ وَجِدَ فِي دَحْلِهِ فَهُوَ حَبْرَآءُ  
جس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا، وہ اس کا بدلہ ہوگا۔ یعقوب علیہ السلام  
کی شریعت میں چور کی سزا یہ تھی کہ اسے مالک کا ایک سال کے لیے ظلم  
بن کر رہنا پڑتا تھا۔ ایسا شخص سال بھر مال مسروقہ کے مالک کی خدمت  
کرتا تھا تو پھر اس کی جان چھوٹی تھی۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو  
یقین تھا کہ انہوں نے تو چوری نہیں کی۔ لہذا انہوں نے کنعان کا قانون  
تبلا دیا کہ وہاں یہ چور کہ ایک سال تک غلامی کرنا پڑتی ہے۔ کہنے لگے  
كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ہم تو ظلم کرنے والوں کو یہی بدلہ یعنی سزا دیتے ہیں۔  
بہر حال اس طریقے سے یوسف علیہ السلام کو ایک بہانہ میسر آ گیا کہ  
وہ اپنے بھائی بنی مین کو اپنے پاس روک سکیں۔

چوری  
کی سزا



وما آبرئ ۱۳  
درس بستم ۲۰

سورة يوسف ۱۲  
آیت ۷۶، ۷۷

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرِجَهَا  
مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَتْ  
لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ  
دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾  
قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسْرَهَا  
يُوسُفَ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ  
شَرٌّ مَّكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا  
الْعَزِيزُ إِنْ لَكَ أَبَا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ  
إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنُ  
أَتَّخِذَ إِلَّا مَنُ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا  
لَّظَالِمُونَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ :- پس شروع کیا (یوسف علیہ السلام نے تلاشی لینا) اُن  
کے سامان کی اپنے بھائی کے سامان سے پہلے ۔ پھر اُس پیمانے  
کو نکالا اپنے بھائی کے سامان سے ۔ اس طریقے سے ہم نے  
تدبیر کی یوسف علیہ السلام کے لیے ۔ نہیں تھے وہ کہے لیتے  
اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ چاہے ۔ ہم  
بند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں اور ہر علم والے  
کے اُپر ایک جاننے والا ہے ﴿۷۶﴾ کہا (اِن بھائیوں نے)

اگر چوری کی ہے اس نے تو بیشک چوری کی تھی اس کے بھائی  
 نے بھی اس سے پہلے۔ پس پوشیدہ رکھا اس بات کو  
 یوسف (علیہ السلام) نے اپنے جی میں اور ظاہر نہیں کیا اس کو  
 اُن کے سامنے، اور کہا کہ تم لوگ بتر ہو رہے ہو، اور اُن  
 خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو ﴿۷۸﴾ تو وہ کہنے  
 لگے اے عزیز! بیشک اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، پس  
 اے ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ۔ تحقیق ہم خیال کرتے  
 ہیں تیرے بارے میں کہ تو احسان کرنے والوں میں سے  
 ہے ﴿۷۹﴾ کما یوسف نے پناہ بخدا اس بات سے کہ ہم  
 اے لیں مگر اسی کو کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا  
 ہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو بیشک ہم اس وقت البتہ  
 ضرور زیادتی کرنے والوں میں ہوں گے ﴿۸۰﴾

رہط آیات

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ پانی پینے کا پیالہ بن یامین کے سامان  
 میں رکھ دیا گیا، اور پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ اے قافی والو تم چور  
 ہو۔ برادر بن یوسف نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ نہ تو ہم زمین میں فساد  
 برپا کرنے کے لیے آئے ہیں اور نہ ہی ہم چور ہیں۔ پھر بادشاہ کے کارندوں نے  
 کہا کہ اگر چوری ثابت ہو جائے تو چور کی سزا کیا ہے تو بھائیوں نے کہا کہ حضرت  
 یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق چور کو ایک سال تک مسروقہ مال کے ہاک  
 کی غلامی کرنا پڑتی ہے۔ اب آج کے درس میں بھائیوں کے سامان کی تلاشی اور پیالہ  
 برآمد ہونے کا ذکر آ رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے قَبْلَآ يَأْوِعِيهِمْ قَبْلَ رَوْحِهِمْ يَسْفِطُ يَسْفِطُ  
 نے سب بھائیوں کے سامان کی تلاشی شروع کی اپنے بھائی کے سامان سے پہلے۔

سامان کی  
 تلاشی

وَحَاكَامَعْنَىظُرْتُيَابِرْتَنهُوَآهے، تاہم اس کا اطلاق ہر اس بوری،  
توڑے یا تھیلہ وغیرہ پر بھی ہوتا ہے جس میں کوئی چیز رکھ کر اسے بند کر  
دیا جائے۔ تو اس سے مراد وہ بوریاں ہیں کہ جن میں نندہ بندہ کے برادران  
یوسف کو دیا گیا تھا۔ اب گمشدہ پیانے کی بازیابی کے لیے نلے کی بوریاں حصول  
کے تلاشی لی گئی۔ اور یوسف نے بن یامین کے علاوہ باقی بھائیوں کی تلاشی  
پہلے شروع کی۔ جب ان سب کے سامان کی تلاشی لی جا چکی اور گمشدہ پیانہ برآمد  
نہ ہوا تو آخر میں بن یامین کا سامان کھولا گیا۔ ثُمَّ اسْتَحْضَرُ جَهَامًا  
وَعَاوِ أَخِيَهُ پھر اُس پیلے کو نکال لیا اپنے بھائی کی بوری سے جب  
گمشدہ مال برآمد ہو گیا تو برادران یوسف مجبور ہو گئے اس سے پہلے وہ خود چور  
کی سزا بھی بٹپچکے تھے اور اب بن یامین چور ثابت ہو چکا تھا۔

بھائیوں  
کو روٹل

اس موقع پر بھائیوں کا فوری رد عمل یہ تھا قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ کہنے لگے اگر بن یامین نے چوری کی ہے  
تو اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف بھی چوری کا ارتکاب کر چکا ہے  
در اصل بڑے بھائی کا سارا بوجھ چھوٹے بھائیوں پر ڈال کر خود کو یہی الزمہ  
قرار دینا چاہتے تھے۔ مگر وہ یہ بات بھول گئے کہ اس سے پہلے وہ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ کہہ کر سب کی ہریت کر چکے تھے مگر اب نہ صرف  
بن یامین کی چوری کی تصدیق کی بلکہ اُس کے بے گناہ بھائی یوسف  
علیہ السلام پر چوری کا مزید الزام لگا دیا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ  
بھائیوں نے بن یامین کو ڈانٹ پلائی اور کہنے لگے، راحیل کے بیٹو! تم  
تمہاری دھستہ رقم پر بھی مصیبت آئی ہے۔ بن یامین بھی اپنے بھائی یوسف  
علیہ السلام سے متعارف ہونے کے بعد حوصلہ مند ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں  
نے فوراً بھائیوں کو جوابا کہا کہ تم غلط کہتے ہو۔ ہماری وجہ سے تم پر مصیبت  
نہیں آئی بلکہ تم نے ہمیشہ ہمیں ازیت پہنچائی ہے۔ یوسف علیہ السلام کہ



ساتھ لے کر جنگل میں گم کر دیا، باپ کو سخت اذیت پہنچائی اور میرے  
ساتھ بھی ہمیشہ بدسلوکی کرتے رہے، لہذا تم گنہگار ہو۔ بھائیوں نے کہا  
کہ چور تو ہے کیونکہ یہاں تیرے سامان سے نکلا ہے، بن یامین نے  
بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ مجھے کیا علم ہے کہ میرے سامان میں یہ  
پیالہ کس نے رکھا ہے۔ شاید یہ اسی شخص نے رکھ دیا ہو جس نے پہلے  
موقع پر تمہارے سامان میں تمہاری پونجی رکھ دی تھی اور پھر واپس جا کر باپ  
سے بڑے فخر کے ساتھ کہا تھا "هَذِهِ بَضَاعَتُنَا دُرُودُتِ الْيَسْنَا"  
یہ ہے ہماری پونجی جو ہمیں واپس لوٹا دی گئی ہے۔ اُس وقت تو تم نے  
اپنے آپ کو چور ثابت نہیں کیا۔ اب مجھے اور میرے بھائی دونوں  
کو چور ثابت کرنے پر تے بیٹھے ہو۔ اب بھائی لا جواب ہو گئے کیونکہ  
وہ ایک بات جلد یازی میں بغیر سوچے سمجھے کہ چکے تھے۔

یوسف علیہ السلام  
پر الزام

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگایا، اس کے  
متعلق مفسرین مختلف روایات بیان کرتے ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ  
یوسف علیہ السلام چوری کے کسی معاملے میں کبھی ملوث نہیں ہوئے  
اور بھائیوں کی الزام تراشی محض اپنے آپ کو پاک قرار دینے کا ایک رعبہ  
تھا۔ البتہ دوسری رائے یہ ہے کہ بچپن میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ  
بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا جس طرح کا واقعہ بن یامین کے ساتھ مصر  
میں پیش آیا اور حبشی بناد پر اس پر چوری کا الزام لگایا گیا۔ اپنی  
والدہ کی وفات کے بعد یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی کی کفالت میں بے  
لگے۔ اس دوران میں پھوپھی آپ سے بہت مانوس ہو گئی۔ چنانچہ جب  
کچھ خرچہ بعد باپ نے یوسف علیہ السلام کو واپس بلانا چاہا تو پھوپھی کی  
محبت آڑے آئی، وہ آپ کو جہانم میں لے کر چلا جاتی تھی مگر یعقوب علیہ السلام  
اس پر مصر تھے۔ اس پر پھوپھی نے یہ تدبیر بنائی کہ اپنا ایک چچا یوسف علیہ السلام

کی کمر سے باندھ دیا۔ پھر خود ہی پٹکے کی گمشدگی کا اعلان کر کے ادھر ادھر تلاش شروع کر دی اور بالآخر اُسے یوسف علیہ السلام کی کمر سے برآمد کر لیا۔ اُس وقت کے قانون کے مطابق سارق کو مال ہسروۃ کے مالک کے پاس ایک سال تک رہ کر خدمت کرنا ہوتی تھی، لہذا اس بہانے سے پھوپھی نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس روک لیا۔ یہ تھا وہ سرقہ جس کا انکشاف برادرانِ یوسف نے مصر میں جا کر کیا۔

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے بن یامین کو اپنے پاس روک رکھنے کے لیے جو تدبیر اختیار کی تھی۔ بن یامین کو اس سے قبل از وقت آگاہ کر دیا تھا اور بنیامین نے اس تدبیر سے اتفاق کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کی پھوپھی نے آپ کے ساتھ جو کارروائی کی تھی وہ بھی آپ کی رضامندی سے کی تھی۔ ان دونوں واقعات کو ظاہر تو چوری پر مجمول کیا جاسکتا ہے اور ان پر قانون بھی جاری ہو سکتا ہے مگر حقیقت میں دونوں واقعات چوری کے ارتکاب نہ تھے اور نہ دونوں پر چوری کی سزا عائد ہوتی تھی۔

یہاں پر غلامی کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ دونوں واقعات میں یوسف علیہ السلام کی پھوپھی نے یوسف علیہ السلام اور خود یوسف علیہ السلام نے بن یامین کو غلام بنایا حالانکہ انفرادی طور پر کسی آزاد کو غلام بنانا قطعی حرم اور گناہِ کبیرہ ہے۔ قدیم زمانے میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنایا جاتا تھا اور اس بات کا فیصلہ بھی حکومت وقت کرتی تھی، کسی فردِ واحد کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں تھی، مگر ان دونوں بھائیوں کو غلام کیسے بنالیا گیا؟ اس ضمن میں بھی مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ دونوں واقعات میں نہ تو چوری کا ارتکاب ہوا اور نہ ہی کسی کو غلام بنایا گیا بلکہ یہ تو محبت کی وجہ سے اپنے پاس روک لینے کے بہانے تھے۔ بہر حال یوسف علیہ السلام



نے کبھی چوری نہ کی تھی اور آپ کے بھائیوں کا الزام محض اپنی پاکدامنی کی تائید میں تھا۔

یوسف علیہ السلام  
کے تاثرات

جب یوسف علیہ السلام یہ آپ کے بھائیوں نے چوری کا الزام عائد کر دیا فَاسْرَہَا فِی سَفْسَفٍ نَفْسِہٖ ثُمَّ یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں چھپانے رکھا وَلَمْ یُبْدِہَا لَہُمْ اور اسے اپنے بھائیوں پر ظاہر نہ کیا کہ اس الزام کی اصل حقیقت کیا ہے بلکہ صرف اتنا کہا قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّکَانَ کہ تم بہت بڑے درجے پر ہو جو بگینا ہوں کہ چور بتلا ہے ہو اور خود اپنی کرتوتوں پر پردہ ڈال رہے ہو۔

یوسف علیہ السلام کے بچپن میں ایک توپٹے والا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ پر الزام ایک مرغی کی وجہ سے آیا تھا جو آپ نے گھر سے اجازت لیے بغیر کسی محتاج کو دے دی تھی۔ بہر حال ٹپٹے کا مسئلہ تقایا مرغی کا، اس پر غور سے بہت مال کی چوری کا ہی الزام تھا۔ اور اوصہر بن یامین کے خلاف بھی پیالے کی گمشدگی کا معاملہ تھا اور اس کا تعلق بھی مال ہی سے تھا۔ اس کے برخلاف یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے جیتے جاگتے ایک آزاد انسان کو چند ٹکوں کے عوض فروخت کر دیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے وَشَرَوْہُ بِثَمَنِ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَۃً کیا معمولی سے مال میں تصرف کر لینا زیادہ جرم ہے یا باپ کے محبوب ایک آزاد شخص کو معمولی قیمت پر فروخت کر دینا زیادہ بیع ہے؟ تم تو چوروں سے بھی زیادہ بڑے مجرم ہو جو ایک عظیم باپ کی ازیت کا باعث بنے۔ یوسف علیہ السلام نے مزید فرمایا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کر رہے ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے جھوٹ اور سچ ہر چیز سے واقف ہے۔



تدبیر خداوندی

اُوصر جب بن یامین کے سامان سے شاہی پیمانہ برآمد ہو کر آپ کو روک لینے کا انتظام ہو گیا تو اللہ نے فرمایا كَذَلِكَ هَبَّ دَارَ لِيُؤْسَفَ اسی طریقے سے ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے تدبیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تدبیر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ ہم نے آپ کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ اس طریقے سے تم اپنے بھائی کو اپنے پاس روک سکتے ہو، کیونکہ صورت حال یہ تھی مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ بادشاہ مصر کے قانون (LAW) کے مطابق یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو نہیں روک سکتے تھے۔ کیونکہ مصری قانون کے مطابق چور کو کوڑے لگائے جاسکتے تھے یا بھرنے کی سزا دی جاسکتی، اُسے روکا نہیں جاسکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بندوبست کر دیا کہ خود برادران یوسف نے کفانی قانون کے مطابق سال بھر تک روک لینے کی سزا کا ذکر کر دیا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تدبیر کی۔ اور پھر یہ ہے کہ تدبیر مطلقاً بھی ہوتی ہے۔ اور تدبیر برائی کے لیے بھی ہوتی ہے۔ كَيْدٌ مَّا مَعْنَى تَدْبِيرٍ هِيَ اور مکر بھی جیسے سورۃ طارق میں فرمایا إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ه وَكَيْدٌ كَيْدٌ وہ بھی تدبیر کرتے ہیں اور میں بھی تدبیر کرتا ہوں۔ تو فرمایا بن یامین کو ملکی قانون کے مطابق روکا نہیں جاسکتا تھا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ جب اللہ کی مشیت ہوئی تو اس نے اس تدبیر کے ذریعے بن یامین کو روک لینے کا بندوبست کر دیا۔

علم کی  
فضیلت

اللہ نے فرمایا نُفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ شَاءَ ہم چند کمیتے ہیں درجیات جس کے پاس ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ اور ہر اہل علم کے اوپر ایک دوسرا علم والا ہوتا ہے۔ اور اس کی انتہا یہ ہے کہ تمام علم والوں کے اوپر علیم کل ہے جو واحد ذات خداوندی ہے ساری مخلوق کا علم محدود ہے جب کہ علیم کل کا علم لامحدود ہے۔ کمال حال

کرنے کا ذریعہ علم ہے اور اسی کے ذریعہ انسان خدا تک رسائی حاصل کرتا ہے  
پوری انسانیت علم ہی کی روشنی میں ترقی کرتی ہے اور حقیقی علم وہ ہے جو  
وحی الہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ علم کی اصل تین چیزیں ہیں۔ آیات  
محکمہ، سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ۔ آیات محکمہ سے مراد قرآن پاک، سنت  
قائمہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور فریضہ عادلہ وہ قضا  
یا فیصلہ (JUDGMENT) جو ججمنٹ جس کے ذریعہ تنازعہ امور  
کو نپٹایا جاتا ہے۔ یہ تین علوم اصلی ہیں اور باقی تمام علوم خواہ وہ کسی شعبہ  
سے تعلق رکھتے ہو، زائد ہیں اور درجہ دوم میں آتے ہیں۔ مخلوق میں سے  
کسی کا علم ذاتی نہیں بلکہ اس کے پاس عارضی ہے۔ ذاتی علم فقط ذات  
مذاونہ کی کا ہے جس کے تقاضے سے وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

حیلہ سازی  
کی شرعی  
حیثیت

یوسف علیہ السلام نے جو تدبیر اختیار کی وہ حصول مقصد کے لیے اید  
حیلہ تھا۔ شریعت نے بعض حیلوں کو جائز قرار دیا ہے اور بعض کو ناجائز  
اور حرام۔ کل میں نے ابراہیم علیہ السلام کی حیلہ سازی کا ذکر کیا تھا اور یوسف  
علیہ السلام کا حیلہ بھی ایسا ہی تھا۔ اسے کوہِ ریا یا تعریفیں بھی کہتے ہیں جو حیلہ  
مروجہ جھوٹ یا حرام کام سے بچنے کے لیے اختیار کیا جائے، وہ جائز  
ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کا حیلہ حضرت  
ایوب علیہ السلام کو بھی سکھایا تھا۔ آپ اپنی بیوی سے کسی وجہ سے ناراض  
ہو کر قسم اٹھا بیٹھے کہ اے سو کوڑے ماروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر  
وحی نازل فرمائی کہ یہ عورت تو بے قصور ہے، اس کی غلطی اتنی سنگین نہیں  
کہ اے سو کوڑے مارے جائیں اور پھر ایوب علیہ السلام نے قسم بھی اٹھا  
رکھی تھی، اگر وہ پوری نہ کرتے تو گنہگار ہوتے۔ چنانچہ ایوب علیہ السلام  
کو حائنٹ ہونے سے بچانے کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر بتلائی  
اور فرمایا وَخُذْ بِیَدِكَ ضُغْثًا فَاصْرُبْ بِهِ وَلَا تُخْشِئْ (حت)

سوتنوں کا ایک گھٹالیں اور بیوی کو ایک ہی دفعہ مار دیں۔ اس سے  
کوڑوں کی قسم پوری ہو جائے گی اور آپ حائض نہیں ہونگے۔ مطلب  
یہ کہ یہ ایک حیلہ تھا جس کے ذریعے ایک بیگناہ کو سزا سے بچانا مطلوب تھا۔  
اس قسم کا حیلہ خود حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر بتایا تھا۔ آپ  
نے ایک عامل کو کھجوریں لانے کے لیے خیبر بھیجا۔ جب وہ واپس  
آیا تو اس نے اعلیٰ درجے کی کھجوریں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش  
کیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا خیبر میں ساری کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں  
اس شخص نے جواب دیا کہ ایا تو نہیں ہے بلکہ وہاں ادنیٰ قسم کی کھجوریں  
بھی ہوتی ہیں مگر ہم یہ کرتے ہیں کہ ادنیٰ قسم کی دو یا تین صاع کھجوروں کے  
بڑے اعلیٰ قسم کی ایک صاع حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا  
بڑے انوس کی بات ہے، اُولَئِكَ عَنِ الرَّبِّ یہ تو عین سود ہے۔  
کیونکہ کسی ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس کے ساتھ برابر کی بنیاد پر ہی ہو  
سکتا ہے۔ ہاں اگر اجناس مختلف ہوں تو پھر کمی بیشی جائز ہے، مثلاً گدڑ  
کے عوض جو یا باجو یا کھجور کے عوض کشمش کم و بیش وزن سے لے سکتے ہو  
مگر ہم جنس چنیر میں ایسی کمی بیشی جائز نہیں ہے، ایسی اشیاء کے تبادلہ کی نسبت  
ایک اور چار بھی ہو سکتی ہے مگر جو کام تم نے کیا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے  
وہ شخص پریشان ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حرام سے بچنے کا طریقہ  
یہ ہے کہ بیع الجمع بالدرہم تمام کھجوروں کو درہم و دینار  
کے بدلے میں بیچ دو اور پھر اس پونجی کے ساتھ اعلیٰ قسم کی کھجوریں خرید  
لو۔ اگر نقد رقم میسر نہ ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک جنس کے بدلے دوسری  
جنس حسب منشاء بجاؤں سے خرید لو اور پھر اس جنس سے اپنی مطلوبہ قسم  
کی شے لے لو۔ یہ بھی درست ہے۔ گویا آپ نے عرام سے بچنے کا  
ایک حیلہ بتا دیا۔



حرام حیلہ

البتہ حرام اور ناجائز حیلہ وہ ہے جو کسی فرض یا واجب کو ماقط کرنے کے لیے اختیار کیا جائے۔ مثلاً خاوند پر کسی مال کی زکوٰۃ قریب الادا ہے۔ یعنی کچھ عرصہ بعد اُس مال پر سال پورا ہو کر زکوٰۃ واجب الادا ہو جائے گی تو فرض کی اس ادائیگی سے بچنے کے لیے خاوند وہ مال اپنی بیوی کو مہبہ کر دیتا ہے۔ پھر بیوی وہ مال سال کا بیشتر حصہ اپنے پاس رکھ کر پھر خاوند کو مہبہ کر دیتی ہے۔ اس طرح اُس مال پر نہ کسی کے پاس سال پورا ہوتا ہے اور نہ وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے، تو ایسا حیلہ قطعی حرام ہوگا۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ان کے پاس رقم موجود ہے جس پر سال پورا ہونے والا ہے تو وہ سال پورا ہونے سے پہلے اُس رقم سے کوئی ایسی چیز خرید لیتے ہیں جس سے زکوٰۃ سے بچ جائیں حالانکہ انہیں اتنی جلدی وہ چیز خریدنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ بھی غلط ہے۔ تو بہر حال حیلہ وہ جائز ہے جو گناہ سے بچنے کے لیے اختیار کیا جائے جیسے ابراہیم، یوسف اور ایوبؑ کے جیلوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور جس حیلے سے فرض یا واجب کو ماقط کرنا مقصود ہو وہ حرام ہے۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی بڑے جوان اور طاقتور تھے۔ جب یوسف علیہ السلام تے بنیامین کو روک لینے پر اصرار کیا تو بھائیوں نے بڑا جوش و خروش دکھایا اور بنیامین کو زبردستی چھڑانے کی دھمکی بھی دی۔ اس پر یوسف علیہ السلام نے ایک بڑے طاقتور بھائی کو ایک ہی ٹھوکری سے گرا دیا اور ان کو پتہ چل گیا کہ یہاں پر ان کی طاقت بھی کام نہیں آسکتی۔ جب اس طرف سے ناکام ہو گئے تو عاصی بنی اسرائیل نے اور یوسف علیہ السلام کی منت سماجت کی کہ يَا أَيُّهَا الْحَزِينُ کہنے لگے، اے عزیز! بھائیوں کا یہ خطاب عمدے کے لحاظ سے تھا۔ کیونکہ جس عزیز مصر کے گھر میں پدرش پائی تھی اسی

بہادران  
یوسف  
کی عاصی



وفات کے بعد یوسف علیہ السلام اسی عہد سے پرستگن ہوئے تھے۔ البتہ بادشاہ مصر نے آپ کو عزیز سے کہیں زیادہ اختیارات دے کر خود مختار بنا دیا تھا۔ بہر حال بھائیوں نے آپ کو عزیز کے خطاب سے ہی مخاطب کیا، کہنے لگے، اے عزیز! اِنَّ لَّكَ اَبًا سَخِيحًا كَبِيْرًا بَنِيْنَ اَمِيْنٍ کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے، خدا کے لیے فَخْذٌ اَحَدٌ نَا مَكَاثِلُ اس کی بجائے ہم میں سے کسی ایک کو روک لے اور اسے چھوڑ دے ورنہ باپ کو بڑی پریشانی ہوگی۔ اِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ہم آپ کو نیکی والے دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے پہلے ہی ہم پر بڑے احسان کیے ہیں۔ ہماری صہان نوازی کی، شاہی صہان بنایا اور صفت اناج دیا، آپ بڑے محسن ہیں، اب ہماری یہ درخواست بھی قبول کر لیں کہ بن یامین کو ہمارے ساتھ ہی جانے دیں اور اس کے بدلے میں ہم میں سے کوئی ایک آدمی روک لیں۔ اس کے جواب میں یوسف علیہ السلام نے کہا قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ بِنَاہِ سَخْدًا یَعْنٰی میں خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے اَنْ نَّأْخُذَ اِلَّا مَخْرَجًا وَوَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ کہ ہم اس شخص کے سوا دوسرے کو روک لیں جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ ہم تو اپنے ملزم ہی کو روکیں گے، اس کے بدلے میں کسی بگناہ کو سزا نہیں دے سکتے، کیونکہ ملکتِ امیرِ امپری کا اصول یہی ہے۔ "اَلَا تَنْزِیْرٌ وَاِذْہِ وَزَرَ اُخْرٰی" (النجہ) جو کہ ہے وہ بھرے، ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جاتا۔ فَسَرَّ مَیَا اَکْرَمَہُمْ بَعْقُورٌ لَّیْسَ لَکَ اِنَّا اِذَا الْغُلَامُوْنَ تو ہم زیادتی کرنے والوں میں ہو جائیں گے لہذا ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ملزم کو چھوڑ کر ایک بے گناہ کو غلام بنالیں۔ اس جواب پر سارے بھائی لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔ اس واقعہ کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ چالیس سال کے اس

طویل عرصہ میں ایسٹ علیہ السلام نے اپنے بابِ محترم علیہ السلام کی لپٹ  
 کو بھیجی بھی پیشِ نظر نہیں رکھا۔ اس کی وجوہات آگے ذکر ہوں گی۔  
 انشاء اللہ۔

---



وما ابرئ ۱۳

درس ہستیک ۲۱

سورة يوسف ۱۲

آیت ۸۰ تا ۸۳

فَلَمَّا اسْتَيْسَوْا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ  
 اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُم مَّوَدِعًا  
 مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُوسُفَ فَلَنَ اُبْرَحَ  
 الْاَرْضَ حَتّٰى يَّاذَنَ لِىْ اِنِّىْ اَوْحَيْكُمُ اللّٰهُ لِحِزِّهِ وَهُوَ خَيْرُ  
 الْحٰكِمِيْنَ ① اَرْجِعُوْا اِلٰى اٰبِيَكُمْ فَقُولُوْا يَا اَبَانَا اِنَّ  
 ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا  
 لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ② وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيْهَا  
 وَالْعِيْرَ الَّتِيْ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ③  
 قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبِرْ جَمِيْلٌ  
 عَسٰى اللّٰهُ اَنْ يَّاتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا اِنَّهُ هُوَ الْعَلِيْمُ  
 الْحَكِيْمُ ④

ترجمہ :- پس جب یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئے  
 تو الگ ہوئے مشورہ کرتے ہوئے ۔ اُن میں سے بڑے  
 نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے پختہ  
 عہد لیا تھا اللہ کا ، اور اس سے پہلے بھی جو تم نے کوتاہی  
 کی یوسف علیہ السلام کے بارے میں ۔ پس میں نہیں ٹوں گا  
 اس زمین سے یہاں تک کہ اجازت دے مجھے میرا باپ یا

فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ میرے حق میں ، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (۸۰) تم واپس چلے جاؤ اپنے والد کے پاس اور کہو اے ہمارے باپ ! بیشک تیرے بیٹے نے چوری کی ہے ، اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اس بات کی جو ہم نے جانی ہے ، اور نہیں تھے ہم غیب کی بات کی حفاظت کرنے والے (۸۱) اور پوچھو اے تو اس بتی سے جس کے اندر ہم تھے ، اور اس قافلے سے جس کے اندر ہم آئے ہیں ۔ اور بیشک ہم البتہ سچے ہیں (۸۲) کیا یعقوب نے (ایسا نہیں) بلکہ بنایا ہے تمہارے نفسوں نے ایک معاملہ ۔ پس اب تو میرا میرا جمیل ہی ہے ۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ سے آئے میرے پاس اُن سب کو ۔ بیشک وہ سب کچھ جانتے والا اور حکمت والا ہے (۸۳)

ربط آیات

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ شاہی پیمانہ بن یامین کے سامان سے برآمد ہوا اور اُن کے اپنے بھائیوں کے مطابق چور کو ایک سال تک غلام بن کر رہنا پڑتا تھا ، لہذا یوسف علیہ السلام نے بن یامین کو واپس کنعان جانے سے روک دیا ۔ برادرانِ یوسف نے ہر چند بن یامین کو رہا کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں طاقت استعمال کرنے کی دہمکی بھی دی مگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے ۔ پھر انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور مننت سماجیت پر اتر آئے ۔ یوسف علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارا باپ بوڑھا اور نابینا ہو چکا ہے اور وہ اپنے چھوٹے بیٹے کی مددنی کا صدر برداشت کرنے کے قابل نہیں ، لہذا آپ ہم میں سے کسی ایک کو بن یامین کے بستے میں روک لیں اور اس کو جانے کی اجازت سے دیں ۔ یوسف علیہ السلام نے اُن کا یہ مطالبہ بھی مسترد کر دیا اور کہا کہ پناہ بھڑا ، میں ایک بے گناہ شخص کو کیسے پھڑکوں ؟ ہم تو اُسی آدمی

کو گرفتار کریں گے جس کے ہاں سے ہمارا پیمانہ برآمد ہوا۔ آپ نے اس بات کے لیے بڑے محتاط الفاظ استعمال کیے اور بن یامین کو چور نہیں کہا اور فی الحقیقت وہ چور نہیں تھے۔ فرمایا ہم قانون کے مطابق اس شخص کو ماخوذ کریں گے جس سے ہمارا پیمانہ ملا ہے اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے واقعہ کا انکشاف بیان فرمایا ہے۔

نبیوں کی  
مشاورت

ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ حَبِيبٌ۔ وہ یعنی اردن یوسف اس سے یایوس ہو گئے۔ مِنْهُ کی ضمیر اگر یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کی جائے تو مطلب ہوگا کہ بھائی یوسف علیہ السلام کی طرف سے یایوس ہو گئے کہ وہ ہماری بات نہیں مانتے۔ اور اگرکہ مِنْهُ کی ضمیر بن یامین کی طرف ہو تو یہ بھی درست ہے کہ بھائی بن یامین کو ہمراہ لے جانے سے یایوس ہو گئے تو پھر انہوں نے کیا کیا؟ سَخَلَمُوا الْكِبَ ہوئے یعنی تنہائی میں چلے گئے نتیجتاً مشورہ کرنے کے لیے۔ حَبِیبٌ یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کی زال نہ گئی تو باہمی مشاورت کے لیے تنہائی میں آئے ہوئے تاکہ آئندہ کے لیے کوئی پروگرام بناسکیں۔ چنانچہ اس مجلس مشاورت میں قَالَ كَيْفَ هُمْ اُن میں سے بڑے نے کہا۔ عمر کے لحاظ تو بڑا روہیل تھا مگر عقل و دانش کے لحاظ سے یہود زیادہ سمجھدار تھا۔ وہ یوسف علیہ السلام کے لیے نرم گوشہ رکھتا تھا اور پہلے واقعہ میں اسی نے کہا تھا لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ یعنی یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی کنوئیں یا گڑھے میں پھینک دو، وہ تمہاری اور باپ کی نظر وں سے اوجھل ہو جائے گا۔ اور تمہارا قصہ پورا ہو جائے گا۔ بہر حال ان دونوں میں سے روہیل یا یہود نے دو سر نبیوں کو یاد دلایا اَلَمْ تَعْلَمُوا کیا تمہیں معلوم نہیں اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا پختہ عہد لیا تھا۔



اور تمہارے قسم اٹھا کر وعدہ کیا تھا کہ تم بن یامین کو ضرور واپس لاؤ گے الایہ کہ  
 تم مغلوب ہو جاؤ یا ہلاک ہی ہو جاؤ۔ ایک تو قسم باپ سے کیے گئے اس  
 وعدے سے جھوٹے پڑے ہوئے اور دوسرے اس بات کے بھی قصور وار ہو  
 وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَقْتُمْ فِي يُوسُفَ جو اس سے پہلے  
 تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کوتاہی کی۔ وہ گناہ بھی تمہارے  
 سر پر ہے کہ تم نے یوسف علیہ السلام کو گم کر دیا۔ اب ان دو وجوہات  
 کی بناء پر میرے لیے واپس کنعان جانا ممکن نہیں کہ باپ کو کیا منہ دیکھا شمار  
 چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا فَكُنْ أَبْرَحَ الْأَرْضِ کہ میں اس سرزمین  
 سے نہیں ٹلوں گا یعنی میں یہیں مصر میں ہی قیام کروں گا حَتَّى  
 يَأْذَنَ لِي آپ کی بیان تک کہ میرا باپ اس بات کی اجازت  
 دے کہ میں واپس آ جاؤں أَوْ يَحْكُمُ اللَّهُ لِي یا اللہ تعالیٰ میرے  
 بارے میں کوئی فیصلہ کر دے مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر  
 دے کہ میں کبھی گم نہ ہو سکوں تو پھر بھی واپس چلا جاؤں گا، اور اگر کوئی  
 صورت بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ میری موت کا فیصلہ ہی کر دے تاکہ یہ معاملہ  
 میرے سر سے لیے ہی ختم ہو جائے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ میں واپس  
 کنعان نہیں جاؤں گا۔ اور کوئی بھی فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ کیونکہ  
 وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا وہی ہے  
 بہر حال پڑے کبائی نے اپنے متعلق تو یہ فیصلہ کیا اور دوسرے جابرین  
 کو مشورہ دیا۔ اَرْجِعُوا اِلَيَّ اَيْبُكُمْ تم اپنے باپ کے پاس  
 واپس چلے جاؤ فَتَقُولُوا اور اس سے کہو یَا بَانَا اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ  
 اے ہمارے باپ! تیرے بیٹے نے چوری کی ہے۔ جس بیٹے سے  
 تو بڑا پیار کرتا تھا اور ہمارے ساتھ بیچنے کے لیے تیار نہ تھا اس نے  
 چوری کا ارتکاب کیا ہے۔ شاہی پیمانہ اس کے مال سے برآمد ہوا ہے۔

بڑے بھائی  
 کا فیصلہ

باپ کے  
 سامنے  
 سرگرمی

اور شام مصر نے اُسے روک لیا ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت قرآن حضرت ضحاکؓ کی روایت میں اس آیت کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے اِنَّ اَبْنٰكَ مُرْتَقٍ یَعْنٰی تیرے بیٹے پر چوری کا الزام لگایا گیا ہے اگرچہ حقیقت کچھ مختلف ہے مطلب یہ کہ اس قرأت کے مطابق بن یامین پر چوری کا صرف الزام ہے کیونکہ ظاہری طور پر گمشدہ پیانہ اٹس کے سامان سے برآمد ہوا ہے مگر اس کا چور ہونا ضروری نہیں وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا اور ہم تو صرف اُسی بات کی گواہی دیتے ہیں جو ہمارے علم میں ہے . وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِیْنَ اور ہم تو غیب کی حفاظت کرنے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ اَلْغَيْبُ لِلّٰہِ (دوئس) غیب تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص ہے اور اصل حقیقت کو وہی جانتا ہے ہم تو غیب دان نہیں ہیں جو مخفی بات کو بھی جان سکیں، اگرچہ ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اس بھائی کو ساتھ ہی نہ لائے، ہمیں کیا علم تھا کہ اس کے سامان سے شاہی پیانہ برآمد ہوگا۔ اگرچہ ہم بس میں ہوتا تو ہم چور کو غلام بنانے کے قانون کا ذکر ہی نہ کرتے اور نہ ہمارا بھائی روک لیا جانا کسگزشتہ ہی کسی ہوئی بات کی زد میں آگئے اور بھائی کو پکڑا بیٹھے۔ بہر حال غیب تو اللہ ہی جانتا ہے اور ہم تو اسی بات کی گواہی دیتے ہیں جو کچھ ہم نے دیکھا ہے۔

پھر اس کی سرگزشت کے ثبوت کے طور پر، باپوں کو باپ کے رد و رد یہ پیش کش کرنے کو بھی کہا وَمَسْئَلُ الْقُرْبٰیۃِ الَّتِیْ كُنَّا فِیْہَا اے باپ! آپ اُن بیٹی والوں سے بھی دریافت کریں جس میں ہم ٹھہرے تھے! یعنی آپ اہل مصر سے ہماری اس بات کی گواہی بھی لے لیں کہ ہم کوئی مجبوٹ تو نہیں کہہ رہے ہیں۔ آپ کوئی معتبر آدمی بھیج کر دریافت کر سکتے ہیں کہ وہاں چوری کا ذکر وہ واقعہ پیش آیا ہے یا نہیں اور کیا

بن یا میں کو شاہِ مسر نے واقعی ماخوذ کیا ہے یا نہیں۔ آپ خود تو مخذور  
ہیں، مسر کا سفر اختیار نہیں کر سکتے اور اگر کسی دوسرے آدمی کو بھی تصدیق  
کے لیے نہ بھیجا چاہیں تو دوسری صورت یہ ہے وَالْعَيْنُ الْبَارِئَةُ  
أَقْبَلَتْ فِيْهِمَا ان قافلے والوں سے دریافت کر لیں جن کے ساتھ ہم  
واپس آئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ برادرانِ یوسف نے جس قافلے کے ہمراہ  
مصر کا سفر اختیار کیا، وہ قافلے والے بھی تو واپس آگئے ہیں اور وہ لوگ  
کنعان کے قریب و جوار کسے رہنے والے ہیں، آپ اُن سے ہماری  
بات کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ اور یقین جاتیں وَإِنَّا لَصَادِقُونَ  
کہ ہم بالکل سچے ہیں۔ ہم نے جو کچھ آپ کے سامنے بیان کیا ہے،  
بالکل سچ ہے۔

باپ کی  
بے یقینی

ظاہر ہے کہ بڑے بھائی کی ہدایت کے مطابق باقی بھائیوں نے  
یہ ساری سرگزشت من و عن باپ کے گدش گزار کی۔ اگرچہ ظاہری  
طور پر وہ سچ کہہ رہے تھے۔ مگر حقیقت کچھ اور تھی۔ اُدھر یعقوب علیہ السلام  
کو بھی اپنے بیٹے کے چور ہونے کا یقین نہیں آ رہا تھا، چنانچہ قال آپ  
نے فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً بلکہ یہ تو تمہارے  
انہی نے ایک بات بنائی ہے۔ آپ کا اپنے بیٹوں پر اعتبار  
اٹھ چکا تھا۔ اس سے پہلے جب آپ کے بیٹے یوسف علیہ السلام  
کو دے کر گئے تھے اور پھر واپس آکر یہ کہانی سنائی تھی کہ اُسے بھیڑا کھا  
گیا ہے تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی جملہ استعمال کیا  
تھا کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ تمہارے اذہان کی وضع کردہ ایک کہانی ہے  
فرمایا میں تمہاری بات پر یقین نہیں کر سکتا کیونکہ عربی کا مقولہ ہے  
أَنْكَذُوبُ لَا يُصَدَّقُ یعنی جھوٹے کی تصدیق نہیں کی جاتی  
جمہور آدمی اگر کسی وقت سچ بھی بولے تو اس پر یقین مشکل سے ہی



آہستہ۔ اسی سلسلے میں آدھی کی روایت پر اعتماد اور یقین نہیں کرتے  
 جس سے زندگی میں کسی ایک موقع پر یہی جھوٹ بولا ہو۔ اس کے بعد  
 اگر وہ ہزار دفعہ بھی سچ بولے تو بھی وہ ایک دفعہ جھوٹ بولنے کی وجہ  
 سے ناقابل اعتبار گردانا جاتا ہے۔ تو یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری  
 بات پر یقین تو نہیں آتا مگر میں تم کو مبرا بھی نہیں دے سکتا، لہذا اب  
 اس کے سوا کوئی چارہ نہیں فصل فی حبیل کہ میں صبر جمیل کو ہی  
 اختیار کروں۔ صبر جمیل وہ صبر ہوتا ہے جس میں جزع فزع نہ کی جائے  
 در نہ مخلوق کے سامنے کوئی شکوہ کیا جائے۔ تو بیٹوں کی سرگزشت  
 کے جواب میں یعقوب علیہ السلام نے صبر کا درس دیا۔

یوسف علیہ السلام  
 کی باپ  
 سے بے تعلقی

مفسرین کرام اس مقام پر ایک نکتہ پیش کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام  
 کو اپنے باپ سے بچنے کے چالیس سال کا عرصہ گزر گیا اور اس دوران میں حضرت  
 یعقوب علیہ السلام کو بڑی جوانی اور ذہنی تکلیف پہنچی مگر اسی عرصہ میں یوسف علیہ السلام نے  
 کبھی باپ کی طرف رغبت نہیں کی اگرچہ باپ کو تو آپ کے متعلق علم نہیں تھا مگر آپ کو  
 قریب کے وطن اور آپ کی تکلیف کا احساس تھا مگر آپ نے کبھی باپ کو اپنے  
 متعلق اطلاع نہ دی۔ بھائیوں نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی  
 پھر بیگناہی کی حالت میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت  
 کرنا پڑیں مگر آپ نے کبھی باپ کے سامنے جوف شکایت پیش  
 نہ کیا کسی آتے جاتے کے ہاتھ پیغام بھیج سکتے تھے، کم از کم باپ  
 کو یہی اطلاع دے دیتے کہ میں زندہ سلامت ہوں تاکہ اس کے  
 غم و اندوہ میں کچھ کمی آتی۔ اس کے بعد آپ منصب شاہی پر فائز ہوئے  
 تو باپ کو مطلع کرنا ————— آپ کے لیے نہایت آسان  
 تھا۔ پھر بھائیوں سے ملاقات بھی ہو گئی مگر آپ نے اپنے آپ  
 کو ظاہر نہیں کیا اور نہ باپ کی تسلی کے لیے کوئی پیغام دینا مناسب

سمجھا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس ضمن میں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یوسف علیہ السلام کو منع کر دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک خاص وقت تک باپ اور بیٹے دونوں کی آزمائش مطلوب تھی۔ ادھر اللہ تعالیٰ یعقوب علیہ السلام کو بھی بذریعہ وحی آگاہ کر سکتا تھا کہ تمہارا بیٹا زندہ ہے اور فلاں مقام پر اس حالت میں ہے، مگر اللہ نے نہیں بتایا کیونکہ یہ آپ کی آزمائش تھی۔ اس قسم کی آزمائش حضور خاتم النبیین علیہ السلام پر بھی آئی تھی۔ جب ام المؤمنین پرفورٹ نے الزام تراشی کی تو آپ سخت پریشان ہو گئے۔ مدینہ بھروجی کا سلسلہ بھی منقطع رہا حتیٰ کہ آپ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔ لوگ میری اہلیہ پر اتہام لگاتے ہیں مگر مجھے تو کوئی بات نظر نہیں آتی۔ پھر مقررہ وقت گزر کے پر اللہ تعالیٰ نے ام المؤمنین کی بریت کا اعلان فرمایا تو آپ کو تسلی ہوئی تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ابتلا میں ڈال کر اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے درجات بلند کرنا چاہتا ہے۔ لہذا انہیں ایسی آزمائش میں ڈالتا ہے۔

غرض عیہ یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی بات پر یقین تو نہ آیا، مگر آپ نے صبر کو اختیار کیا اور ساتھ امید کا دامن پکڑتے ہوئے فرمایا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ a

امید کا  
دامن

بھی پیش نظر تھا۔ تو دل گواہی دیتا تھا کہ وہ زندہ سلامت کہیں نہ گئیں  
 موجود ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کر کے مجھے ملائے۔  
 بہر حال یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی سرگزشت سن کر صبر کیا  
 اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے حتیٰ کہ یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کے  
 موقع پر انہوں نے کنعان کے قریب یا سچ دس میل کے حلقہ میں بھی  
 آپ کی تلاش کے لیے کوئی کوشش نہ کی بلکہ وہاں بھی صبر ہی کیا۔  
 آپ نے بالآخر یہ فرمایا اِنَّهُ هُوَ الْعَلِيُّ ۝ الْحَكِيمُ بِرَبِّكَ اللّٰهُ تَعَالٰی  
 علیم ہے جو ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ حکیم بھی ہے کہ ہر واقعہ اس کی حکمت  
 پر مبنی ہے اس کی حکمت کو وہی جانتا ہے، کسی مخلوق کو علم نہیں ہوتا۔  
 لہذا جو بھی معاملات پیش آتے ہیں وہ حکمت سے خالی نہیں اور تمام  
 تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے صبر بہترین ذریعہ ہے۔

---



وما آبرئ ۱۳

درس بست دو ۲۲

سورة يوسف ۱۲

آیت ۸۳ تا ۸۷

وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَى عَلَى يُونُسَ وَأَبْيَضْتُ  
عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٣﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَنُوا  
تَذَكَّرُ يُونُسَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ  
الْهَالِكِينَ ﴿٨٤﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَنِيَّ وَحُزْنِي إِلَى  
اللَّهِ وَاعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٥﴾ يَبْنِيَّ أَذْهَبُوا  
فَتَحَسَّوْا مِنْ يُونُسَ وَآخِيهِ وَلَا تَأْيِسُوا مِنْ  
رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ  
الْكَافِرُونَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ :- اور پھر (یعقوب علیہ السلام) اُن (بیٹوں) کے  
پس سے اور کہا اے افسوس میرے یونس پر، اور سفید ہو  
گئی تھیں اُن کی آنکھیں غم کی وجہ سے، پس وہ غم سے  
بھرے ہوئے تھے ﴿۸۳﴾ تو کہا (بیٹوں نے) اللہ کی قسم  
کیا آپ ہمیشہ یونس کا ذکر کرتے رہیں گے یہاں تک  
کہ آپ گھل جائیں یا ہو جائیں بک ہوئے والوں میں؟ ﴿۸۴﴾  
کہا (یعقوب نے) بیشک میں شکوہ کرتا ہوں اپنے اندرونی  
دکھ کا اور اپنے غم کا اللہ تعالیٰ کے سامنے، اور میں جانتا  
ہوں اللہ کی طرف سے وہ بات جو تم نہیں جانتے ﴿۸۵﴾  
اے میرے بیٹو! جاؤ تلاش کرو یونس اور اس کے

بھائی کو، اور نہ مایوس ہو اللہ کی رحمت سے۔ بیشک نہیں  
مایوس ہوتے اللہ کی رحمت سے مگر وہ لوگ جو کفر کرنے  
والے ہیں (۸۷)

برادر بن یوسف کا مصر سے واپسی کا ذکر ہو رہا تھا۔ انہوں نے کنعان واپس  
پہنچ کر باپ کو چھوٹے بھائی کے چوری میں ملوث ہو جانے کا واقعہ سنایا اور اس  
ضمن میں اپنی صداقت کے لیے بعض شہادتوں کی طرف بھی اشارہ کیا مگر یعقوب علیہ السلام  
نے اُن پر اعتماد نہ کیا اور فرمایا کہ یہ ساری کہانی تمہارے اپنے نفسوں کی وضع کردہ ہے  
مگر اب میں صبر جمیل کے علاوہ کچھ بھی کیا سکتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں  
کہ شاید وہ ان سب بچپڑے ہونے افراد کو میرے پاس لے آئے کیونکہ خدا تعالیٰ  
علیم و حکیم ہے۔ ہر بات اس کے علم میں ہے اور اس کا کوئی کام حکمت کے خلاف نہیں۔  
میںوں سے مذکورہ گفتگو کرنے کے بعد وَلَوْ لِي عَنْهُمْ يَعْقُوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
ان سے پھرے یعنی مزید بات چیت کرنے کی بجائے اُن سے علیحدگی اختیار کر لی  
کیونکہ گمشدہ بیٹوں کے ذکر سے اُن کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تنہائی میں بچکر  
بھی اُن کو چین نہ آیا بلکہ بن یامین کی جدائی نے یوسف علیہ السلام کی جدائی کو ایک دفعہ پھر تازہ  
کر دیا وَقَالَ يَا سَفِي عَلَى يَوْسُفَ لَئِنْ اَفْسُوسَ مِيرَے يَوْسُفَ پر۔ دراصل عربی زبان  
میں یاسفنی کا معنی ہے، لے میرے افسوس! تم اس بات پر حاضر ہو۔ یعقوب  
علیہ السلام تو یوسف علیہ السلام کے فراق میں ہمیشہ غمگین رہتے تھے، تاہم بن یامین  
کی موجودگی اُن کے لیے کسی حد تک باعث تسکین ہوتی تھی۔ پھر جب وہ بھی نظرِ با  
سے اوجھل ہو گیا تو یعقوب علیہ السلام کا زخم پھر سے تازہ ہو گیا۔

یعقوب علیہ السلام  
کی حالت زار

فرمایا۔ یعقوب علیہ السلام کی حالت اس غم کی وجہ سے یہ ہو چکی تھی وَابْيَضَّتْ  
عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزَنِ کہ آپ کی آنکھیں غم کی وجہ سے سفید ہو چکی تھیں فَهُوَ كَظِيمٌ اور آپ غم سے  
بھرے ہوئے تھے اور چالیس سال سے اس غم میں مبتلا تھے جب کسی شخص کی بینائی کمزور

ہو جاتی ہے تو آہستہ آہستہ آنکھوں میں سفیدی آ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی بنیائی کثرت گریہ کی وجہ سے بالکل کمزور ہو چکی تھی بلکہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس چالیس سال کے عرصہ میں سے چودہ سال ایسے ہیں جن میں آپ کی بنیائی بالکل جاتی رہی تھی۔ لظلم کا معنی اپنے اندر غم کو دیا لینا یعنی غم سے بڑھ جانا ہوتا ہے، گویا آپ غم کی وجہ سے گھٹے ہو گئے تھے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ایک موقع پر یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ ان کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا، ہاں جانتا ہوں پھر آپ نے دریافت کیا کہ میرے ماں باپ پر میری جدائی کا کتنا غم ہے تو جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ ان کو تمہاری جدائی کا اس قدر غم ہے جتنا ان ستر عورتوں یا ستر مردوں کے غم کو اکٹھا کر دیا جائے جن کا کوئی آدمی گم ہو گیا ہو۔ گویا یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی جدائی کا ایک عام جدائی کے غم سے مترکنا زیادہ تھا۔

بیٹوں سے  
مسکالمہ

بیٹوں نے باپ کی یہ حالت دیکھ کر انہیں تسلی دلانے کی کوشش کی، کہنے لگے قَالَ قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتَنُوا تَذْكُرُ يُوْسُفَ الَّذِیْ فُتِنَ، تم ہمیشہ یوسف کا ہی ذکر کرتے رہو گے حتیٰ تَكُوْنُ حَرَضًا یہاں تک کہ تم گھٹل جاؤ اَوْ تَكُوْنُ مِنَ الْهٰلِکِیْنَ یا ہلاک ہونے والوں میں ہو جاؤ۔ حریض کا معنی بے اختیار کرنا بھی ہوتا ہے اور جسم کا بگڑ جانا بھی مطلب یہ کہ کہیں تم گھٹل گھٹل نہ ہو جاؤ۔ اتنا عرصہ گزر چکا ہے، اب اس بات کو چھوڑ دو اور غم نہ کیا کرو۔ اس کے جواب میں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا قَالَ اِنْ مَّا اَنْتُمْ كَوٰبِتٌ وَّحَزَنِيْ رَاحِلُ اللّٰهِ میں اپنی تکلیف اور پریشانی کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں اپنے اندر دینی اندوہ اور



غم کا اظہار اللہ رب العزت کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اس وقت  
 میں کسی مخلوق کے سامنے آہ و بکا نہیں کرتا۔ نیز واغلو صحت اللہ  
 مَا لَا تَحْكُمُونَ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم  
 نہیں جانتے، لہذا میں بائبل یا یوس نہیں ہوں جو یوسف علیہ السلام کو جیل  
 جانوں۔ میرے سامنے بعض قرآن ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ  
 یوسف علیہ السلام زندہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مخفی رکھا ہوا  
 ہے اور یہ اُس کی طرف سے ابتلا ہے کہ مجھے میرے بیٹے کے حالات  
 سے مطلع نہیں کیا جا رہا۔ اور اُدھر یوسف علیہ السلام کی بھی آزمائش ہے  
 کہ اُن کو بھی میری طرف سے بے خبر رکھا گیا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ  
 خواب میں یعقوب علیہ السلام کی ملاقات ملک الموت سے ہوئی تو آپ  
 نے دریافت کیا کیا تو نے یوسف علیہ السلام کی روح قبض کی ہے، تو اُس  
 نے نفی میں جواب دیا جس سے آپ کو یقین ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام  
 زندہ ہیں۔ اُدھر بچپن میں یوسف علیہ السلام کو جو خواب آیا تھا اُس سے یہ  
 اُمید بندھتی تھی کہ اس خواب کا کوئی نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگرچہ یہ قطعی بات  
 نہیں تھی تاہم یوسف علیہ السلام کی زندگی کے متعلق یعقوب علیہ السلام کے  
 سامنے کچھ قرآن موجود ہے۔ بہر حال بیٹوں کی بات کے جواب میں آپ  
 نے فرمایا کہ میں اپنے دکھ اور درد کا اظہار خدا تعالیٰ کے سامنے ہی کرتا ہوں  
 اور الہا کرنا دے گا کہ جسے کے مترادف ہے اور یہ کوئی قابلِ ملامت بات  
 نہیں۔ البتہ اگر میں اپنی تکلیف کا اظہار مخلوق کے سامنے کروں، تو غرور  
 قابلِ اعتراض بات ہوگی۔

کثرت غم  
 پر اشکال

اس مقام پر مفسرین کرام ایک اشکال پیش کرتے ہیں کہ یعقوب  
 علیہ السلام تو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر اور عظیم المرتبت انسان تھے۔ انہوں نے  
 بیٹے کا غم اس حد تک سینے سے لگا لے رکھا کہ آنکھوں کی بینائی

سنان ہو گئی حالانکہ ایک عام خدا پرست سالک بھی جب مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کا تعلق دنیا کی ہر چیز سے کٹ کر صرف خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام بھی ایک انسان تھے اور ایک انسان کی محبت میں اپنے آپ کو اس قدر منہمک کر لینا حضرت یعقوب علیہ السلام کی شان رفیعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں مفسرین فرماتے ہیں کہ غم کا لاحق ہونا امور طبعیہ میں سے ہے اور اس سے خواہیں بھی متنازع نہیں ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کے فرزند ابراہیم وفات پا گئے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ فرماتے تھے کہ آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمگین ہے اِنَّا بِفِرَاقِكَ لَمَحْزُونُونَ يَا اِبْرَاهِيْمُ ایشک ام تیری جدائی میں غمزدہ ہیں۔ ایسے موقع پر دل میں غم پیدا ہو جانا تو فطرت امر ہے تاہم کپڑے پھاڑنا، منہ ٹوچنا اور واؤلا کرنا حرام ہے اور یعقوب علیہ السلام نے آیا کوئی کام نہیں کیا بلکہ اپنے دکھ کا اظہار اللہ جل جلالہ کے سامنے ہی پیش کرتے رہے۔

حضرت امام مجدد شیخ احمد سرہندی برصغیر پاک و ہند میں گیارہویں صدی کی عظیم شخصیت ہوئے ہیں۔ یہ اس خطے کی توحش قسمتی ہے کہ آپ کے انہی سالوں بعد اس سرزمین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدا ہوئے۔ پھر سربراہ تقریباً ایک سو سال بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا زمانہ آیا۔ یہ عزائم شخصیتیں ہیں جن کی فکر اور حکمت بڑی بلند تھی اور انہوں نے بڑے کام کر لیے۔ مخلوں کے ابتدائی دور میں جب اس برصغیر میں سخت گمراہی پھیل رہی تھی، مغل بادشاہ اکبر نے نیا دین وضع کر لیا تھا اور اس کے نورتن حواری جن میں ہندو اور مسلمان بھی شامل تھے، محض اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ فرزند اکبر کر باپ کے دور حکومت میں لڑائیوں سے فرست

امام مجتہد  
کی توجہ

نہ مل سکی لہذا وہ تعلیم بھی حاصل نہ کر سکا۔ اس لیے اپنے غلط حواریوں کے مشوروں کی زد میں رہا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی بہتری مطلوب ہوتی ہے تو بادشاہ وقت کو اپنے مشیر عطا کرتا ہے اور جب کسی قوم کی برائی مقصود ہوتی ہے تو پھر حکومت کے مشیر بھی غلط قسم کے لوگ ہوتے ہیں، تو اکبر کی مشکل بھی یہی تھی کہ اُسے

ابوالفضل فیضی اور ملا مبارک جیسے غلط مشیر میراثے جنہوں نے اسے غلط لائن پر چڑھایا عقیدہ غلط ہو گیا اور شریعت کے احکام بھی غلط سمجھنے لگے، اور ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر امام مجدد کو پیدا فرمایا۔ جنہوں نے دین اسلام کی حفاظت کے لیے شہید مجاہدہ کیا۔ آپ کو جہانگیر کے دربار میں طلب کیا گیا تو آپ نے اسلامی طریقہ پر جا کر اسلام علیکم کہا اور درباری طریقے کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ ناراض ہو گیا۔ اور آپ کو تین سال یا بعض روایات کے مطابق سات سال تک گوالیار کی جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔

بہر حال امام مجدد نے یعقوب علیہ السلام کے غم و اندوہ کے مسئلہ کو ایک دوسرے طریقے سے حل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ غم وہ محبوب اور قابل اعتراض ہوتا ہے جو کسی دنیاوی چیز کے لیے ہو مگر یعقوب علیہ السلام کا غم امور آخرت کی چیز کے متعلق تھا اور ایسی چیزوں سے محبت کرنا ممنوع نہیں بلکہ مطلوب چیز ہے مثلاً جنت اس کی نعمتیں حوریں، پھل وغیرہ امور آخرت میں شامل ہیں اور ان سے محبت کرنا اور ان کے حصول کے لیے کام کرنا اچھی بات ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت اسی قسم کی تھی کیونکہ یوسف علیہ السلام باپ کے لیے محض ایک بیٹے اور اچھے انسان کی حیثیت سے نہیں بلکہ امور آخرت میں سے ایک امر بھی تھے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں ملعون یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہیں اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ



اَوْ مَا وَالَاهُ اَوْ عَالَمٌ اَوْ مُتَعَلِّقٌ تَحْتَ جَارِ جَنَّتِ اس لعنت سے  
سے مستثنیٰ ہیں اور وہ ہیں (۱) اللہ کا ذکر (۲) ذکر سے متعلقہ دیگر امور  
(۳) عالم دین اور (۴) دین کا طالب علم۔ تو یوسف علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ  
نے ایسی پائیزہ سیرت اور کمال پیدا فرمایا تھا جو امورِ آخرت سے متعلق  
رکھنے والی چیز ہے، لہذا ان کی محبت میں سرشار ہونا اور ان کی بدائی  
میں مغموم ہونا بالکل روافقا۔

امام مجتہد و مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ انانی نہ دریات کی بعض  
چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بغیر انسان سخت بے چین ہو جاتا ہے۔  
مثلاً کمزور نظر والے شخص کی اگر عینک گم ہو جائے تو اسے سخت زحمت  
ہوگی تو یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بمنزلہ عینک  
کے تھے، جب وہ گم ہو گئے تو آپ سخت غم و اندوہ میں مبتلا ہو گئے  
حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دیکھو! جنت بالکل  
خالی ہے، وہاں کی مٹی بڑی پاکیزہ ہے اور اس میں شجر کاری اللہ تعالیٰ  
کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے، جب کوئی شخص اس دنیا میں غلوں دل سے  
سُحَّانَ اللہ، الْحَمْدُ لِلَّہ، اللہ اکبر یا لا اللہ الا اللہ کہتا ہے  
رہے لے جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں  
تو یہ حروف اور کلمات ہیں مگر آخرت میں یہ درختوں کی شکل میں ظاہر  
ہوں گے۔ آخرت کی نعمتیں محض وہاں کے درخت اور پھل ہی نہیں  
بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے اسمائے پاک اور اس کی شجاعت  
بھی نعمتوں میں شامل ہیں جو تسبیح و تہلیل کے آئینہ یا عینک میں نظر آتے  
ہیں۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام  
بھی امورِ آخرت میں سے ہیں اور آپ یعقوب کے لیے بمنزلہ عینک یا آئینہ  
تھے چونکہ آپ کی یہ عینک گم ہو گئی تھی اس لیے اس کے غم میں آپ

پریشان بہتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے  
سے محبت محض دنیاوی امر نہیں تھا۔ بلکہ امیرِ آخرت میں سے تھا اور اس  
کی محبت میں غم و اندوہ کا اظہار بالکل جائز تھا۔ لہذا اس وجہ سے آپ  
کی ہرگز یہ حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ماریوس کا گناہ  
ہے

بہر حال یعقوب علیہ السلام نے امیر کا دامن تھامے رکھا اور بیٹوں  
سے فرمایا یٰبَنَیَّ اِذْ هَبُوا فَاَتَحَسَّسُوا مِنْ یُوسُفَ وَ اَخِیْهِ  
اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ  
سب کو واپس کر دے یعنی یوسف کے ساتھ اُس کا بھائی بنیامین بھی مل جائے  
اور ساتھ یہ مسئلہ بھی سمجھا دیا وَلَا تَایْسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ۔ اور  
اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ روح کا معنی فیضان اور مہربانی ہے  
سورۃ واقعہ میں موجود ہے کہ اللہ کے مشرکین کے لیے فُرُوحٌ وَّ رَحْمَانٌ  
وَّ جَنَّتْ نَعِیْمٌ ہے۔ تو فرمایا خدا تعالیٰ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو  
کیونکہ اِنَّکُمْ لَا یَایِسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ  
کیونکہ اللہ کی رحمت سے صرف کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ ایسا تذکرہ  
کبھی مایوس نہیں ہوتا بلکہ آخر دم تک پُر امید رہتا ہے۔ چنانچہ مصنف  
عبدالرزاق میں روایت موجود ہے کہ بڑے گناہوں میں سے عظیم ترین  
گناہ شرک ہے۔ اس کے بعد خدا کے خوف سے بالکل بے نیاز ہو جانا  
بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ انسان اس بات کو بھول جائے کہ اللہ تعالیٰ  
قادر مطلق ہے اور وہ مجرموں کو سزا بھی دیتا ہے، اور تمسیرِ بڑا گناہ یہ  
ہے کہ انسان خدا کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ یہ تو کافروں کا شیوہ  
ہے۔ لہذا مایوسی سخت گناہ ہے۔

وما آبرئ ۱۳

درس بست و سہ ۲۳

سورۃ یوسف ۱۲

آیت ۸۸ تا ۹۳

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَكْنَا  
 الضُّرُّوجُنَّا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ  
 تَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۸۸﴾ قَالَ  
 هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ  
 جَاهِلُونَ ﴿۸۹﴾ قَالُوا إِنَّكَ لَآ أَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا  
 يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي زَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنُ  
 يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۰﴾  
 قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخِطِيئِينَ ﴿۹۱﴾  
 قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يُغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ  
 وَلَهُ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۹۲﴾ إِذْ هَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا  
 فَالْقُوْهُ عَلَى وَجْهِ إِلَى يَأْتِ بَصِيرًا وَأَتُوْنِي بِأَهْلِكُمْ  
 أَجْمَعِينَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ :- پھر جب وہ داخل ہوئے اُن کے پاس تو انہوں  
 نے کہا اے عزیز! پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو  
 تکلیف اور لائے ہیں ہم ایک ناقص پونجی۔ پس پورا پورا  
 دے ہمیں اناج اور صدقہ کہ ہم پر۔ بیشک اللہ تعالیٰ بدلہ



دیا ہے صدقہ کرنے والوں کو (۸۸) کہا (یوسف نے) کیا  
 نہیں خبر ہے جو کیا تم نے یوسف اور اس کے بھائی  
 کے ساتھ جب کہ تم نہ سمجھتے تھے (۸۹) وہ کہنے لگے، کیا  
 سچ مچ آپ یوسف ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں یوسف ہوں  
 اور یہ میرا بھائی ہے۔ تحقیق اللہ نے احسان کیا ہے ہم  
 پر۔ بیشک جو شخص ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے، پس بیشک  
 اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا (۹۰) تو  
 کہا انہوں نے اللہ کی قسم البتہ فضیلت دی ہے تجھ کو  
 اللہ نے ہم پر، اور بیشک تجھے ہم خطا کار (۹۱) کہا (یوسف  
 نے) نہیں ملامت تم پر آج کے دن، اللہ معاف کئے  
 تمہیں۔ اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے (۹۲)  
 لے جاؤ میری یہ قمیص اور اس کو ڈال دو میرے والد  
 کے چہرے پر۔ وہ آئیں گے دیکھتے ہوئے۔ اور لے  
 آؤ میرے پاس اپنے گھر والوں کو سب کے سب (۹۳)

ربط آیات  
 جب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کنعان جا کر اپنے باپ کو بن یامین  
 کی گرفتاری کا حال سنایا تو ان کا پرانا غم پھر تازہ ہو گیا پہلے وہ یوسف علیہ السلام کی جدائی میں  
 پریشان تھے، اب دوسرے بیٹے کی جدائی کی بات سنی تو دیکھ دو چند ہو گیا مگر آپ  
 اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوئے بلکہ بیٹوں سے کہا کہ جاؤ جا کر یوسف علیہ السلام  
 اور اُس کے بھائی کو تلاش کرو، عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سب کو لے آئے۔  
 بن یامین بھی رہا جو جائے اور یوسف علیہ السلام جس کا نام و نشان تک معلوم نہیں،  
 شاید وہ بھی مل جائے خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور اُس سے کوئی بعید نہیں۔ فرمایا خدا  
 کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا کیونکہ یہ تو کافروں کا شیوہ ہے۔

باب کے اس حکم پر یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے منہر کے تیسرے سفر کی تیاری کی۔ اس سفر کا ایک مقصد تو بنیامین اور یوسف علیہ السلام کی بازیابی تھا اور دوسرا قحط کے اس زمانے میں اناج کا حصول بھی تھا۔ اس سفر کے دوران بھسا یوں کو اپنی سابقہ غلط کارروائی پر مذمت ہو رہی تھی اور وہ اعتراف کر رہے تھے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ بہر حال برادر یوسف نے حقوڑی بہت پونجی جو میسر آئی ہمراہ لی اور تیسری مرتبہ مصر پہنچ گئے۔

یوسف علیہ السلام  
سے تیسری  
ملاقات

اب اس تیسرے سفر میں پیش آنے والے حالات کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ فَلَمَّا دَخَلُوا لَيْسَ لَهُ بَرْدَانِ یوسف مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے سلسلہ کلام ایسی عجیب انگاری، قحط سالی اور عزیز مصر کی خوشامد سے شروع کیا۔ ان کا خیال تھا کہ پہلے تکلیف بیان کر کے اناج کے حصول کی بات کریں گے اور اگر حاکم کو نرم دل پایا تو پھر بنیامین کی رہائی کی درخواست بھی کریں گے قَالُوا يَا لَيْسَ الْحَزِينُ کہنے لگے، اے عزیز! ظاہر ہے کہ بھائیوں کو ابھی تک یوسف علیہ السلام سے تو تعارف نہیں ہوا تھا، وہ اپنے خیال میں جس حاکم کو خطاب کر رہے تھے، وہ بادشاہ کا مستقر کہ وہ عزیز مصر تھا کیونکہ زمین کے غلام عزیز مصر کی وفات کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو اس عہدے پر فائز کیا تھا اور گنہگار دو موقع پر برادران یوسف نے اسی کی میزبانی کا لطف اٹھانے کے علاوہ غلہ ہی حاصل کیا تھا اور پھر اسی کے سامنے بنیامین پر چوری کا الزام لگا اور اسی نے اُسے روک لینے کا حکم دیا تھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام بظاہر تو عزیز کے عہدے پر منتظم تھے مگر بادشاہ نے انہیں مزید اختیارات دے کر بالکل خود مختار

بنا دیا تھا، بہر حال برادرانِ یوسف نے آپ کو عزیز ہی کے لقب سے  
 خطاب کیا۔ اور عرض کیا مَسْنَا وَكَلَّمْنَا الْقَهْقَرُ کہ ہمیں اور ہمارے  
 گھر والوں کو سخت تکلیف پہنچی ہے۔ یوسف علیہ السلام کے زمانے کا  
 قحط اتنا شدید تھا کہ اس سے کوئی بھی چھوٹا بڑا اثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔  
 کنعان میں رہنے والا خاندان یعقوب بھی اس کی لپیٹ میں آگیا اور اس  
 سے پہلے مصر سے دو دفعہ انج لے جانے کے باوجود ان کی خوردنی ضروریات  
 پوری نہیں ہو رہی تھیں، لہذا انہوں نے سب سے پہلے اپنی تکلیف کا ذکر کیا  
 معدی صاحب نے قحط سالی میں شدت تکلیف کا ذکر اس طرح  
 کیا ہے۔

چناں قحط سالے شد اندر دشت  
 کہ یاراں فراموش گردند عشق

یعنی دشت میں اس قدر شدید قحط پڑا کہ سارے دوست اپنے اپنے  
 عشق کو بھی بھول گئے۔ مطلب یہ ہے کہ فاقہ کی وجہ سے تمام  
 معمولاتِ زندگی متاثر ہوئے اور کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نہ رہی حتیٰ کہ  
 لوگ عبادت و ریاضت بھی بھول گئے۔ فاقہ کے متعلق ترمذی شریفین  
 میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے کہ انسان کے لیے چند نعمتیں ضروری  
 ہیں جن کے ساتھ اس کی گمراہی ہو سکے، یعنی بھوک کی وجہ سے اتنا  
 بڑا سال نہ ہو جائے کہ گھٹرا ہو کہ عبادت بھی نہ کر سکے، ایک دفعہ مکے  
 والے بھی سخت قحط کا شکار ہوئے تھے۔ بخاری شریف کی روایت میں  
 آتا ہے کہ اہل مکہ کی مسلسل نافرمانی اور انذار سانی کی بناء پر حضور علیہ السلام نے  
 ان کے خلاف دعا کی تھی اللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَلَيْهِمْ مَسِينًا  
كِسْفِي يُوسُفَ سَنَةِ الْمَدَانِ پر قحط کے لیے سال ڈال دے جس طرح  
 یوسف علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں پر ڈالے تھے چنانچہ مکے والوں پر



بھی قحط نازل ہوا، اور پھر وہ اس قدر عاجز آ گئے کہ پرانے چمڑے، بوسیدہ  
 ہڈیاں اور سردار تک کھلنے پر مجبور ہوئے۔ بہر حال یوسف علیہ السلام کے  
 بھائیوں نے عزیمت مصر سے عرض کیا کہ ہم اور ہمارے گھمڑے قحط کی وجہ  
 سے سخت تکلیف میں ہیں۔

اناج کی  
 درخوہت

ان تمہیدی الفاظ کے بعد عرض کیا وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ  
 ہم ایک ناقص پونجی ہمراہ لائے ہیں۔ بِضَاعَةٍ اس المال کو کہتے ہیں  
 جس کے ساتھ کوئی چیز خریدی جاتی ہے۔ اور مزجی سے مراد ناقص  
 اور گھٹیا ہے۔ دراصل ازجی کا معنی ہوتا ہے دھکیل دینا۔ دفع کر دینا  
 یعنی کوئی ایسی چیز پیش کرنا جسے کوئی قبول نہ کرے اور کہے کہ اسے لے  
 جاؤ۔ یہ کسی کام کی نہیں ہے۔ چنانچہ برادران یوسف نے کہا کہ ہم تو گھٹیا  
 سی پونجی لائے ہیں۔ آپ اسے قبول کر لیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ  
 وہ پونجی چند گھوڑے، سکوں، پھلوں اور صنوبر کے دانوں پر مشتمل تھی۔ کچھ چمڑا  
 تھا اور بھیروں کی کچھ اونٹنی تھیں۔ جس کے بدلے میں وہ اناج حاصل کرنا  
 چاہتے تھے۔ تو بجائے اس کے کہ عزیمت اس پونجی کو از خود ٹھکرا دے،  
 انہوں نے اس پونجی کی حقارت کو پہلے ہی تسلیم کر لیا کہ یہ پونجی اس قابل  
 تو نہیں ہے فَاَوْفَ لَنَا الْكَيْلَ مگر ہمیں اس کے بدلے  
 غلہ پورا پورا دے دیں۔ کیل کا معنی ماپ ہوتا ہے۔ تاہم مراد غلہ ہی ہے  
 کہ ہمیں ماپ کر دے دیں۔ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اور ہم پر صدقہ  
 بھی کر دیں۔ ہمیں یہ غلہ خیرات سمجھ کر ہی دے دیں کیونکہ ہم اسے خریدنے  
 کی طاقت تو نہیں رکھتے۔ اِنَّ اللَّهَ يُجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ  
 بیشک اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔ احسان کرنے  
 والوں کو اللہ اس دنیا میں بھی کچھ نہ کچھ بدلہ عطا کرتا ہے اور اگر صدقہ  
 کرنے والا مومن ہے تو آخرت میں تو اس کیلئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

صدقہ کا مقہوم

یہاں پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام تو اللہ کے جلیل القدر نبی تھے اور نبی اور اس کے گھرانے کے لیے صدقے کا مال جائز نہیں ہوتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد بھی موجود ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی صدقہ محمد اور آپ کی آل کیلئے حلال نہیں ہے۔ آل محمد میں آل علیؑ، آل عقیلؑ، آل عباسؑ، آل جعفرؑ، آل نوفلؑ اور آل عارضؑ آتے ہیں۔ ان سب کے لیے بھی صدقہ جائز نہیں تھا، تو یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے صدقے کا سوال کیسے کر دیا؟ اس کے جواب میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ صدقے کی حرمت صرف حضور خاتم النبیین علی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ مگر دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ صدقہ ہر نبی اور اس کے گھر والوں کے لیے ناجائز رہا ہے اور آخری امت میں بھی ناجائز ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ، صدقہ فطر اور نذر کے مستحقین صرف عزراؤ مسکین ہوتے ہیں اور اسے کوئی صاحب انصاب آدمی وصول نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ نبی اور اس کے خاندان کے لیے ادا ہوتا ہے۔ تاہم جس صدقے کی بات بزرگان یوسف نے کی، اس سے حقیقی صدقہ مراد نہیں۔ بلکہ اس سے مراد احسان ہے کہ اے عزیز! ہمارے پاس پونجی تو نہیں ہے اور بھوک کی وجہ سے تکلیف بھی بہت ہے، لہذا آپ ہم پر احسان کرتے ہوئے نذر عطایت کر دیں۔ اس قسم کے احسان کی مثال حدیث شریف میں بھی ملتی ہے۔ جب کوئی شخص شرعی مسافت پر ہو تو وہ چار رکعت کی سجاوے صرف دو رکعت فرض ادا کرے گا۔ اس کے متعلق الفاظ یہ ہیں صَدَقَہُ تَصَدَّقَ اللہُ بِهَا عَلَیْکُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَہُ یَا اللہ تو نے کی طرف سے ایک صدقہ ہے تم پر، لہذا اس کے صدقہ کو قبول کیا کرو۔ یہاں پر دو رکعت کی تخفیف کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور مطلب



احسان ہے۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بھی ان پر احسان کر نیکی درخواست کی اور اس صدقہ سے حقیقی صدقہ مراد نہیں ہے۔

جب بھائیوں نے اس قدر عاجزی اور خاندان کی تکلیف کا اظہار کیا تو یوسف علیہ السلام کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اُدھر آپ کو قلبی شہادت بھی مل رہی تھی کہ ابتلا کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ لہذا انہوں نے دل میں فیصلہ کیا کہ اب اُن کے اور ان کے بھائیوں کے درمیان پردہ اٹھ جانا چاہیے۔  
 قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ  
 کیا تمہیں خبر ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا اِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ جب کہ تم نادان تھے۔ آپ اس مستہزل بلند اخلاق واقع ہوئے کہ اتنی تکالیف برداشت کرنے کے باوجود بھائیوں کو براہ راست الزام نہیں دیا، بلکہ فرمایا کہ یہ کاروائی تم سے نادانی میں ہو گئی تھی۔

پہلے تو بھائیوں کے دھم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُن کا بھائی عزیزِ مصر کے عہدے پر فائز ہو سکتا ہے مگر جب آپ کی زبان سے اپنے متعلق دو لوگ بات سنی قَالُوا إِنَّكَ لَا نَتَّيُوسُفَ تُوَكَّنْ لَكَ، کیا سچ سچ آپ ہی یوسف علیہ السلام ہیں۔ یہ تو بڑی تعجب کی بات معلوم ہوئی ہے۔ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي فرمایا، ہاں! میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے جس کو میں نے چوری کے الزام میں مجبوس کر رکھا تھا۔ فرمایا قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ ہماری جرائی کو دور کر کے آپس میں ملا دیا ہے تنگی کو دور کر کے راحت بخشی ہے اور غلامی سے نکال کر عزت کے مقام پر بٹھایا ہے۔ فرمایا ہم دونوں نے بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ تم نے ہمارے ساتھ بڑی زیادتی کی مگر بنیامین نے بھی بڑا سہر کیا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ



جب یوسف اور بنیامین کی ملاقات ہوئی تو اس وقت بنیامین کے دس بیٹے تھے۔ یہ حال یوسف علیہ السلام کے ذہن میں بھائیوں کی طرف سے کی جانے والی تمام زیادتیاں تھیں، مگر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

یوسف علیہ السلام نے مزید فرمایا إِنَّهُ مَتَّ يَتَّقِي وَيَصْبِرُ بیشک جو شخص ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ اجر المؤمنین تو اللہ تعالیٰ نہی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ تقویٰ کی پہلی منزل یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور نفاق سے بچ جائے۔ پھر کبائر سے اجتناب کرے اور پھر درجہ بدرجہ صغائر سے بھی بچ جائے۔ تقویٰ بہت بڑی حقیقت ہے جس کے متعلق سورۃ انفال میں ہے إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا اگر تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں فیصلہ کن حالات پیدا کرے گا اور تم میں کسی مرحلہ پر بھی پریشانی کا سامنا نہیں ہوگا۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ آیت کریمہ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ عدل اور احسان امتزاج ہے تقویٰ میں سے ہیں اس طرح صبر بھی بہت بڑی حقیقت ہے۔ قلت ابراہیمی کے بعض مسلم اصول میں جنہیں قرآن کی اصطلاح میں بیتات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان میں صبر، شکر، ذکر، تعظیم شان اللہ، نماز اور تقویٰ جیسی حقیقتیں شامل ہیں جو انسان کی کامیابی کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اپنی حقائق کے ذریعے انسان حظیرۃ القدس کا ممبر بن سکتا ہے اور اللہ کے پاک مقام میں داخل ہو سکتا ہے۔

صبر کے مختلف مقامات ہیں۔ اس کے تین مادے ہیں۔ صبر مصیبت میں بھی ہوتا ہے اور اطاعت میں بھی خواہشات نفسانہ

پر قابو پانے کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے  
صبرِ یوسف کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ جب آپ کی جیل سے رہائی  
کا پیغام پہنچا تو آپ نے اس وقت تک باہر آنے سے انکار کر دیا۔  
جب تک آپ پر لگانے کے الزام کی حیثیت واضح نہ ہو جائے۔ شاہ  
عبد القادر دہلوی صبر کے متعلق یہ جملہ لکھتے ہیں "جس پر تکلیف پڑے اور  
وہ شرع سے باہر نہ ہو، اور گھبرائے نہیں تو آخر بلا سے زیادہ عطا ہے"  
یعنی صابر آدمی کو اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف سے زیادہ اجر عطا فرمائے گا  
امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ دہلوی تقویٰ کو "محافظة بر حدود شرع سے  
تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی شریعت کی حدود کو قائم رکھنا ہی تقویٰ ہے۔

جب بھائیوں پر واضح ہو گیا کہ عزیزِ مصر ان کا بھائی یوسف ہے  
اعتراف جس کے ساتھ وہ بڑی ہی بدسلوکی کرتے رہے ہیں۔ تو غلطی کا اعتراف  
اور حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہنے لگے قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرْنَا  
اللّٰهُ عَلٰی سَمَائِنَا اللہ کی قسم، بیشک اللہ نے ہمیں اپنے کیا ہے ہمارے  
مقابلے میں۔ اثر کا معنی تریح دینا۔ فضیلت دینا یا پسند کرنا ہوتا ہے  
تو بھائیوں نے اقرار کیا کہ اے ہمارے بھائی، تمہیں اللہ نے ہم پر فضیلت  
بخشی ہے وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ اور بیشک ہم ہی خطا کار ہیں۔  
اور غلطی کے اقرار کا نام ہی توبہ ہے۔ تو برادرانِ یوسف اپنی زیادتی سے  
تائب ہو گئے، حدیث شریف میں آتا ہے كُلُّ بَنِي اٰدَمَ خَطَاةٌ  
وَ خَيْرُ الْخَطَاةِ اِنْ تَوَابَ یعنی ہر انسان خطا کار ہے مگر  
بہتر خطا کار وہ ہے جو توبہ کر لیتے ہیں۔ غرضیکہ بھائیوں نے یوسف  
اور نبیائین کے ساتھ اپنی بدسلوکی اور اذیت رسانی کا اقرار کیا کہنے لگے  
کہ ہم تو انہیں ختم کرنا چاہتے تھے مگر اللہ نے انہیں زندہ رکھا اور ہم  
تو انہیں ذلیل کرنا چاہتے تھے مگر اللہ نے ان کو عزت بخشی۔

بہائیوں کی زبان سے اعتراف حقیقت سن کر یوسف علیہ السلام  
کا کریمانہ اخلاق جوش میں آگیا۔ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ  
فَرَّيَا، آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ  
اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، اب ہم تمہیں طعن  
ملامت نہیں کریں گے۔ تشریب کا مادہ شرب ہے جس کا لغوی معنی  
چربی اور مراد ایسی بات ہوتی ہے جس کے ذریعے دوسرے کی عزت و  
آبرو خراب ہو، یہی چیز ملامت کہلاتی ہے۔ حدیث شریفین میں آتا  
ہے کہ اگر تم میں سے کسی کی لونڈی برائی کا ارتکاب کرے اور پھر اس  
پر اصرار کرے تو اب اس کو زبانی ملامت نہ کر۔ حدیث کے الفاظ ہیں  
وَلَا يُشْرَبُ بِهَا بَلْکَ ایک رسی کے عوض بیچ ڈالو۔ گویا معمولی  
قیمت پر بھی بک سکے تو بیچ دو کیونکر یہ کہنے کے قابل نہیں۔ تو یہاں  
بھی شرب کا معنی ملامت کرنا آتا ہے۔

بہر حال یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی معافی کا عام اعذار کر دیا یہی  
 قسم کا واقعہ فتح مکہ کے دن بھی پیش آیا تھا۔ اُس دن وہ تمام لوگ آپ  
 کے سامنے گھٹڑے تھے جو تیرہ سال تک آپ کو اذیت پہنچاتے رہے، پھر  
 حبیب آپ مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی چہین سے نہ بیٹھنے دیا۔  
 آپ نے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تم کیا خیال کرتے ہو کہ میں  
 تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ سب نے کہا: آپ ہمارے  
 ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ایک شریف بھائی اپنے بھائیوں کے ساتھ  
 کرتا ہے۔ فرمایا، میں آج تمہارے ساتھ بھی وہی بات کرتا ہوں جو یوسف  
 علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کی تھی لَا تَنْزِيلَ عَلَيْهِمْ  
 الْيُوسُفُ يَعْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ تم پر آج کے دن کوئی ملامت نہیں  
 جاؤ اللہ تمہیں معاف کرے۔ بہر حال یوسف علیہ السلام نے بھائیوں



کے حق میں مغفرت کی دعا فرمائی کہ اللہ تمہیں معاف کرے وَهُوَ أَرْحَمُ  
الرَّاحِمِينَ اور وہ سب سے بڑھ کر مہربان ہے۔

اب جب کہ حقیقت حال واضح ہو گئی، یوسف علیہ السلام اور بنیامین  
کے تمام رازوں سے پردے اٹھ گئے تو یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے  
فرمایا اِذْ كُنتُمْ رِجَالًا بَائِسِينَ إِلَىٰ قَمِيصٍ بِلَا حِسَابٍ وَلَا يَفْعِلُ غَيْرُكُمْ  
واقعہ میں یوسف علیہ السلام کی قمیص کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔  
سب سے پہلے گھڑتے کا ذکر اس وقت آتا ہے جب بھائیوں نے  
اسے خون آلود حالت میں باپ کے سامنے پیش کیا وَجَاءَ عُوْثُ عَلَىٰ  
قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ۔ جھوٹے خون سے آلود قمیص باپ  
کے پاس لے آئے اور کہا کہ یوسف

کو بھڑپا کھا گیا ہے۔ پھر قمیص کا ذکر وہاں آتا ہے جب زلیخا نے اسے  
پھینچے پکڑ کر بچاڑ دیا تھا فَلَمَّا رَاقِمِيصُكَ قَدْ مِثْرٌ دُبُرٍ  
کے الفاظ پہلے گزر چکے ہیں۔ ان دونوں مواقع پر یوسف علیہ السلام کا  
کرتہ بری خبر کے طور پر استعمال کیا گیا مگر اب تیسری دفعہ یہی کرتہ ایک  
اچھی خبر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

اس گھڑتے کے متعلق مفسرین کرام نے مختلف باتیں کی ہیں۔  
بعض فرماتے ہیں کہ یہ ایک خاص کثرت تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام  
کو رہنہ کر کے آگ میں پھینکا گیا تھا تو جبرائیل علیہ السلام نے یہی کثرت آپ  
کو پہنایا تھا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ حشر کے میدان میں سب  
سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائیگا کیونکہ کافروں نے یہ رہنہ تمہارے  
آگ میں پھینکا تھا۔ بہر حال تفسیری روایات میں آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام  
کا یہ کرتہ اسحاق علیہ السلام کے پاس آیا، پھر یعقوب علیہ السلام کی تحویل میں  
گیا۔ جنہوں نے اس کو تعویذ میں بند کر کے یوسف علیہ السلام کے گلے میں

باپ کیلئے  
قمیص کا  
محف

ڈال دیا۔ جب بھائیوں نے آپ کا کمرہ آ کر کیا آپ کو کنوئیں میں چھینک دیا تو کنوئیں میں جبائیل علیہ السلام نے سی کمرہ تعویذ سے نکال کر یوسف علیہ السلام کو پہنا دیا تھا۔ یہ تفسیری روایات ہیں، ان کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام پورے خاندان کی ہستی اور ان کے عملہ احوال اور آخرت سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے سکود و ثروت جسم کے ساتھ لگنے والا ہر کمرہ وہی کام کر گیا۔ جو امر واقع میں ہوا۔ فرماتے ہیں کہ اس کام کے لیے کسی خاص کمرہ کے کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ غرضیکہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا کہ میرا یہ کمرہ تیرے جاؤ فَالْقُوَّةَ عَلَى وَجْهِهِ اپنی اور سے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا يَا تَبَصِّرُنَا وہ بنا ہو کر آئے گا۔ باپ کی بینائی کا لوٹ آنا باسرا الہی معجزہ تھا۔ یوسف علیہ السلام کی جدائی میں رد و کمرہ پہلے عرصہ تک نظر کمزور رہی اور پھر آخری چھ سال تک بالکل نابینا ہے۔ اب ان کی بینائی کا ذریعہ اللہ نے یہ پیدا فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کا کمرہ ان کے چہرے پر ڈال دیا جائے تو وہ بنا ہو کر آجائیں گے۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ امور مملکت میں انہماک کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کا خود باپ کے پاس جانا ممکن نہیں تھا، اس لیے انہوں نے باپ کی خدمت میں کمرہ بھیجا اور کہا کہ وہ بنا ہو کر آجائیں گے۔ نیز بھائیوں سے یہ بھی کہا فَاتَّوْنِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ سارے گھر والوں کو میرے پاس آدیاں پر باپ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کے متعلق تو پہلے ہی فرمایا تھا کہ وہ بنا ہو کر خود ہی آجائیں گے۔ کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ جب باپ کو میرے متعلق علم ہوگا تو ملاقات کے لیے فوراً چل پڑیں گے۔ چنانچہ باقی گھر

والوں کو لانے کے لیے بھی کہہ دیا کیونکہ اب ابتداء کا دور ختم ہو چکا تھا۔

---



وما آبرئ ۱۳

سورة يوسف ۱۲

درس اہت وچام ۲۳

آیت ۹۲ ۹۸

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ  
يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفِندُونِ ۝۹۲ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ  
لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۝۹۵ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ  
أَلْفَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ  
لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝۹۶  
قَالُوا يَا بَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۝۹۷  
قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ  
الرَّحِيمُ ۝۹۸

ترجمہ :- اور جب جدا ہوا قافلہ تو کہا اُن کے باپ  
نے ، بیشک البتہ میں پاتا ہوں خوشبو یوسف علیہ السلام کی  
اگر تم مجھے بڑھا بے عقل نہ کہو ۝۹۲ وہ کہنے لگے ، اللہ  
کی قسم ، بیشک تو اپنی پرانی غلطی میں مبتلا ہے ۝۹۵ پس جب  
آیا خوشخبری لانے والا تو ڈال دیا اُس کُرتے کو اُن کے  
پہرے پر ، پس لوٹ کر وہ دیکھنے لگے ہو گئے ، تو انہوں  
نے کہا ، کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ میں بانٹا ہوں اللہ  
کی طرف سے وہ بات جو تم نہیں جانتے ۝۹۶ وہ کہنے  
لگے ، اے ہمارے باپ ! بخشش طلب کر ہمارے لیے  
ہمارے گناہوں کی ۔ بیشک ہم غلطی کرنے والے تھے ۝۹۷

کہا اُس نے کہ میں عنقریب بخشش طلب کروں گا تمہارے  
 لیے اپنے پردہ دگار سے بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا  
 اور مہربان ہے (۹۸)

رہنمائی

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ مصر کے قیسرے چکر میں برادرانِ یوسف  
 نے یوسف علیہ السلام کے روبرو نہایت عجز و انکساری کا اظہار کیا اور اس بات کا  
 اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ان پر فضیلت بخشی ہے اور غلطی پر وہی  
 تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے گریبانہ اخلاق کی بنا پر اعلان کیا کہ آج تم پر کوئی ملامت  
 نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف فرمائے۔ نیز فرمایا کہ میں تو بوجہ فوری  
 طور پر والد کے پاس نہیں جاسکتا، تم میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے  
 پر ڈال دینا، وہ جینا ہو کہ میرے پاس چلے آئیں گے اور تم باقی خاندان کو بھی لے  
 کر مصر میں آجاؤ۔

ان حالات میں برادرانِ یوسف کا قافلہ کنعان کی طرف واپس روانہ ہوا جب  
 یہ لوگ مصر کی طرف آئے تھے تو نہایت پریشانی کے عالم میں تھے۔ بن یامین کے  
 مصر میں رہ جانے کی وجہ سے باپ سے سخت شرمندہ تھے اور اب باپ نے  
 اس ہدایت کے ساتھ مصر بھیجا تھا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بن یامین  
 کو رہا کرنے کی کوشش کرو اور ساتھ ساتھ یوسف علیہ السلام کی تلاش بھی کرو، شاید وہ زندہ ہو  
 اور پھر تم سب اکٹھے میرے پاس آجاؤ۔ اس کام کے علاوہ بیانیوں کو غلے کی بھی ضرورت  
 تھی اور ان کے پاس پونجی بھی بالکل معمول تھی۔ اس لیے غلے کے حصول کے سلسلے  
 میں بھی گونگو کی کیفیت میں مبتلا تھے کہ اس مرتبہ ملتا ہے یا نہیں۔ بہر حال ان ناگفتہ بہ  
 حاوت میں مصر کی طرف آئے تھے۔

قریب سرحدِ حماں جگر ٹھہر جاؤ

نا ہے قافلہ غم کا اور سرے گزرتے گا

مگر اب حالت یکسر بدل چکے چالیس سال سے گزشتہ بھائی

یوسف مل چکا تھا اور خوشی کی بات یہ تھی کہ اب وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا  
بلکہ غزنیہ مصر کی حیثیت میں پورے مصر اور اردگرد کے علاقوں کو غلہ تقسیم  
کے رہا تھا، اور اب اٹھی کے حکم سے اہل خانہ کو لینے کے لیے جا رہے تھے  
اور ساتھ ہی اس نے باپ کی بیانی لوٹ آنے کی خوشخبری بھی سادی تھی۔  
چنانچہ یہ قافلہ نہایت خوشی خوشی کنعان کی طرف جا رہا تھا۔

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے خوشخبری پہنچانے  
والے قافلے کے لیے دو سو سو سواریوں کا انتظام کیا، ظاہر ہے کہ ان کے بھیڑوں  
کے علاوہ دیگر لوگ بھی اس قافلے میں شامل ہوں گے آج کی آیات میں  
اللہ تعالیٰ نے اس قافلے کی روانگی کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔ وَلَکُمَا  
فَصَلَّتِ الْعِیْنُ اور جب وہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو اس کی کیفیت  
عجیب و غریب تھی اور میر کے الفاظ میں :-

یارب وہ وقت کیا ہو گا جب مصر سے چل کر  
کنعان کی طرف قافلے شب گیر کریں گے

بہر حال جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو اودھم کنعان میں یہ ہوا :-  
قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمَّا جَاءَ يَحْيَى  
يُوسُفَ لَوْ لَأَنَّ تَفْجِئَةً قَدْ لَئِي لَوْ لَأَنَّ يَحْيَى لَوْ لَأَنَّ يَحْيَى  
کی خوشخبری محسوس کر رہا ہوں، اگرچہ تم مجھے بوڑھا بے عقل ہی کیوں نہ کہو،  
مصر اور کنعان کے درمیان اڑھائی سو میل کا فاصلہ ہے جس کو طے کرنے کے  
لیے آٹھ دس دن درکار ہوتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ قافلہ ابھی مصر  
سے روانہ ہی ہوا تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی خوشخبری  
محسوس کر لی جس نے حسن بصری کا قول ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو خوشبو آجانا  
معجزانہ طور پر ہوا کیونکہ جب یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب صرف تین  
یا نو میل کے فاصلے پر کنوئیں میں پڑے تھے تو اس وقت تو یعقوب علیہ السلام



کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ نہ خوش و آئی۔ نہ کوئی قرینہ ظاہر ہوا اور آپ نے چالیس سال کا عرصہ غم و اندوہ میں گزاریا مگر اب جب کہ اللہ کی مہربانی شامل حال ہوئی، ابتداء کا زمانہ گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اڑھائی سو میل سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو باپ تک پہنچا دی۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی رحمت کا جھونکا آتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے، اور اس کو منظور نہ ہو تو کچھ نہیں ہوتا۔ بہر حال یعقوب علیہ السلام نے کنعان کے لوگوں کو یوسف علیہ السلام کی خوشخبری سنا دی۔ آپ نے یہاں اپنے لیے منفذ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ منفذ اس فساد کو کہتے ہیں جو عقل میں پیدا ہو جائے۔ فرمایا تم تو یوں کہو گے کہ اس بوڑھے بے عقل کا دماغ چل گیا ہے۔ یہ سچھیا گیا ہے مگر میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو ضرور محسوس کر رہا ہوں۔ حاضرین فرماتے ہیں کہ منفذ کا لفظ صرف مرد کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ اس کی عقل خراب ہو گئی۔ اس کا اطلاق عورت پر نہیں ہونا کیونکہ قدرت نے عورتوں میں تو عقل کا مادہ فیسے ہی کم رکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو ناقص عقل و دین فرمایا ہے۔

جب یعقوب علیہ السلام کے گھر والوں یا ارد گرد کے دیگر لوگوں نے آپ کے منہ سے یہ بات سنی تو کہنے لگے قَالُوا تَاللّٰهِ الشَّرُّ قَدْ اَنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ تیسری بات تم تو پرانی غلطی میں مبتلا ہو، تم پر وہی یوسف علیہ السلام کا پرانا ضبط سوار ہے۔ ابتداء اب چالیس سال کے بعد یوسف کہاں سے آئیگا، نہ معلوم وہ اس دنیا میں موجود بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو دنیا کے کس خطے میں کس حالت میں ہے۔ مگر یہ خوشبو تو مبنی بر حقیقت تھی اور یہ معجزہ تھا کہ اللہ نے یوسف علیہ السلام کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کے دماغ تک پہنچا دی۔ یہاں پر ضلال کا معنی گمراہی نہیں ہے اگرچہ یہ گمراہی پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس لفظ کا

بیاضہرکت

جب یہ قافلہ کنعان پہنچا تو ان میں سے ایک شخص نے سب سے پہلے جا کر  
 یعقوب علیہ السلام کو خوشخبری سنانا چاہی۔ تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے  
 کہ یہ آپ کا بیٹا یوسف تھا جو یوسف علیہ السلام کے لیے نسبتاً زیادہ نرم گوشہ  
 رکھتا تھا، اسی نے بھائیوں کو مشورہ دیا تھا کہ یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ کسی کنوئیں  
 میں پھینک دو۔ تمہارا مقصد حل ہو جائیگا۔ روایات میں آتا ہے کہ یوسف  
 علیہ السلام کا خون آلود کڑتہ باپ کو پیش کرنے والا بھی یہی تھا، تو اب  
 جب کہ باپ کو خوشخبری سنانے کا وقت آیا تو سب سے پہلے اسی نے  
 حاضر ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس واقعہ کے متعلق ارشاد ہے فَلَمَّا أَتَتْ  
جَاءَ الْبَشِيرُ میر جب خوشخبری دینے والا یعقوب علیہ السلام کے پاس  
 آیا الْقَهْلُ عَلِمَ وَجْهَهُ تو اس نے وہ کڑتہ یعقوب علیہ السلام  
 کے چہرے پر ڈال دیا فَرَزَقَكَ كَبِيرًا پس پٹ کر وہ دیکھنے والے  
 ہو گئے۔ یعنی ان کا اندھا پن زائل ہو کر آنکھیں روشن ہو گئیں۔ پھر بیٹے  
 نے خوشخبری بھی سنانی کہ جس بیٹے کے فراق میں آپ پچیس سال تک  
 گریہ کرتے رہے ہیں۔ وہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ مصر کا بادشاہ ہے اور  
 یہ اچھی کا کڑتہ ہے جس کی وجہ سے آپ کی بیانی لڑ آئی ہے۔ اس  
 موقع پر یعقوب علیہ السلام نے حاضرین مجس سے مخاطب ہو کر فرمایا  
قَالَ السُّرَّافُ لَكُمْ كُلُّكُمْ يَا أَيُّهَا الْعَالَمُونَ  
مِنَ اللَّهِ مَكَانًا تَعُودُونَ کہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے  
 وہ کچھ جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ میرا دل نہیں مانتا تھا کہ یوسف  
 ہلاک ہو چکا ہے۔ اس کے بچپن کا خواب بھی میرے پیش نظر تھا اور

قریب سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی پورا ہونے والا ہے، اسی لیے میں نہیں کہتا تھا کہ جاؤ جا کر یوسف کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اب میرا خیال درست ثابت ہوا ہے کہ یوسف علیہ السلام نہ صرف زندہ ہے بلکہ اللہ نے اُسے دنیا میں حکومت بھی عطا کی ہے۔

منصب  
انبیاء

تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب خوشخبری مینے والے نے یعقوب علیہ السلام کو بتایا کہ آپ کا بیٹا تو بادشاہ ہے تو آپ نے فرمایا، میں بادشاہی کو کیا کروں گا، مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کس دین پر ہے۔ جب آپ کو بتایا گیا کہ یوسف دین اسلام پر ہے تو یعقوب علیہ السلام نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اب یہ نعمت مکمل ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کا مشن فکر ایمان ہے اور اسی چیز کو وہ دنیا میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ مخلوق خدا کو دین سے روشناس کرائیں۔ البتہ بعض غلط رسومات کی بیخ کنی بھی منصب انبیاء میں شامل ہے رَفَعَ التَّظَالُّیرَ مِنْ بَنَیْنِ السَّامِ یعنی لوگوں کے درمیان سے ظلم کو شتم کرنا بھی انبیاء کا مشن ہے اور پھر غلط رسومات اور ظلم کو مٹانے کے لیے اجتماعیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے انبیاء کو خلافت کا نظام بھی قائم کرنا پڑتا ہے تاکہ مادی قوت حاصل ہو اور اس کے ذریعے مذکورہ مقاصد بھی حاصل کیے جاسکیں، تاہم انبیاء کا بنیادی منصب دین سے روشناسی ہی ہے۔

معافی کی  
درخواست

یوسف علیہ السلام کی خوشخبری سنانے کے بعد آپ کے بیٹوں نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کیا اور باپ کے سامنے معافی کی درخواست پیش کی قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا كُنْ لَنَا دُفْعًا ہمارے باپ! معاف کر دے ہمارے لیے ہمارے گناہ اِنَّا كُنَّا



خطیبین بیشک ہم ہی خطا کا رستے۔ پہلے یوسف علیہ السلام کے سامنے بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا کہ اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور ہم ہی گنہگار ہیں تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم نے یہ کام نادانی کی حالت میں کیا ہے۔ اب باپ کے پاس بھی اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا کہ ہم کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں جو ہمارے لیے کسی طور بھی مناسب نہیں تھا، لہذا باپ سے درخواست کی کہ ہم کو معاف کر دیں۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کسی شخص کے ذمے گناہ اس وقت تک ہی ہوتا ہے جب تک وہ اس پر مصر ہے۔ اور اس کے بعد اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ وَتَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ جب کوئی بندہ اعتراف معصیت کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اب برادران یوسف نے بھی اپنی غلطی کا اقرار کر کے توبہ کر لی اور اب وہ انابت کی طرف آگئے جو کہ بہت بڑی بات ہے۔

قال بیٹوں کی معافی کی درخواست کے جواب میں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا سَوْفَ اَسْتَغْفِرُكُمْ رَبِّيْ میں عنقریب تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش طلب کروں گا۔ آپ نے فوراً بیٹوں کے لیے بخشش کی دعا نہیں کی بلکہ وعدہ کیا کہ عنقریب ایسا کروں گا میں غرض فرماتے ہیں کہ اس کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ یعقوب علیہ السلام سمجھتے تھے کہ زیادتی صرف انہی کے ساتھ نہیں ہوئی بلکہ یوسف علیہ السلام کو بھی سخت تکالیف پہنچائی گئی ہیں۔ اور حقوق العباد کا تقاضا یہ ہے کہ جینک صاحب حق خود معاف نہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف نہیں کرتا۔ لہذا یعقوب علیہ السلام اس معاملہ میں یوسف علیہ السلام کا غم نہ بھی معلوم کرنا چاہتے تھے حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی بیماری کے آخری ایام میں منبر پر تشریف لائے  
شہرتِ درو کی وجہ سے آپ نے سر پر زوال باندھ رکھا تھا۔ اس حالت  
میں آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اے لوگو! جس کسی نے مجھ سے کچھ لینا  
ہے وہ اسی دنیا میں وصول کر لے تاکہ یہ حق یہیں ختم ہو جائے اور آگے  
چل کر اس کی جواب دہی نہ کرنا پڑے۔ آپ نے دوسرے لوگوں سے  
بھی فرمایا کہ اگر کسی نے کسی کا حق دینا ہے تو ابھی ادا کر دو۔ کسی کی بے آبروی  
کی ہے تو اس سے معافی مانگ لو۔ کچھ دینا ہے تو ادا کر دو کیونکہ آخرت  
میں جا کر اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ بندہ اپنا  
حق معاف نہیں کرے گا۔

قبولیتِ دعا  
کا وقت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ  
یعقوب علیہ السلام کی دعا کو مؤخر کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ  
بخشش کی دعا جمعہ کی رات کو کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ متبرک رات  
ہوتی ہے۔ ایک روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے  
تاخیر جمعرات تک نہیں بلکہ سحری کے وقت تک کی تھی حضرت عمرؓ  
صبح کے وقت نماز کے لیے بار بار تھے کہ کسی گھر سے دعا کی آواز  
آئی، اے پروردگار! تو نے پکارا تو میں نے تیری آواز پر لبیک کہی۔ تو نے  
عزم دیا تو میں نے حتی الامکان اس کی تعمیل کی وَلَهَذَا السَّحَرُ فَلَعَنَ قُلُوبُ  
یہ سحری کا متبرک وقت ہے، اے اللہ! مجھے معاف کر دے حضرت عمرؓ  
نے پتہ کیا تو دعا کی یہ آواز حضرت عبداللہ بن مسعود کے گھر سے آ رہی تھی  
آپ نے ان سے دریافت کیا یہ دعا تم مانگ رہے تھے تو انہوں نے  
اثبات میں جواب دیا۔ کہ سحری کا وقت بڑا بابرکت اور قبولیتِ دعا  
کا وقت ہوتا ہے۔ رات کے آخری حصے میں خاص قسم کی روحانیت  
پھیلی ہوئی ہے اور ادھر سے آوازیں آ رہی ہوتی ہیں کہ بے کوئی دھمکنے

والا کہ اس کی دعا قبول کروں۔

بہر حال یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے حق میں بخشش کی دعا کو  
 منحصر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں عنقریب تمہارے لیے اپنے پروردگار سے  
 بخشش کی دعا کروں گا اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ بیشک  
 وہ خدا تعالیٰ بہت زیادہ بخشنش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔

---



ترجمہ :- پھر جب وہ داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے پاس تو انہوں نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو اور کہا داخل ہو جاؤ مصر میں۔ اگر اللہ نے چاہا تو اس میں رہو گے (۹۹) اور اونپنا کیا انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اور گرہٹے وہ سب اُس کے سامنے سجدے میں۔ اور کہا اُس نے اے میرے باپ ! یہ ہے بغیر میرے خواب کی جو اس سے پہلے دیکھا تھا۔ بیشک بنایا ہے اس کو میرے پروردگار نے سچا۔ اور بیشک اس نے احسان کیا ہے میرے ساتھ جبکہ اُس نے نکالا مجھے قید خانے سے اور جب کہ لایا وہ تمہیں دیہات سے بعد اس کے کہ جگر ڈا ڈال دیا شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان۔ بیشک میرا

پروردگار بہت باریک تدبیر کرنے والا ہے جو پاس ہے ۔ بیشک

وہ علم والا اور حکمت والا ہے (۱۰۰)

گزشتہ درس میں یہ بیان تھا کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں پر اپنے آپ ربط آیا۔  
کو ظاہر کر دیا اور پھر اپنی قمیص لئے کر اُن کو واپس کنعان بھیجا کہ باپ کے چہرے پر ڈال  
دینا وہ جینا ہو کہ میرے پاس آئے گا، اور تم باقی خاندان کے افراد کو بھی یہاں سے آؤ  
حسب الجکم بھائیوں نے ایسا ہی کیا۔ باپ کو یوسف علیہ السلام کے بل جانے کی خوشخبری  
سنائی اور ساتھ اپنی سابقہ کوتاہیوں کی معافی بھی مانگی اور اللہ تعالیٰ سے معافی کے لیے  
باپ سے دعا کی درخواست کی جسے آپ نے کچھ وقت کے لیے موخر کر دیا، گویا  
جیٹوں سے مشروط وعدہ کیا کہ وہ اُن کے لیے مغربی بخشش کی دعا کریں گے۔

جیسا کہ گزشتہ درس میں عرض کیا تھا یوسف علیہ السلام نے اہل خانہ کو لانے کے  
دوستو سواریاں بھیجی تھیں تاکہ خاندان کے افراد اور ساز و سامان لانے میں وقت پیش نہ آئے  
حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے خاندان پر مشتمل یہ قافلہ مصر کی طرف چل پڑا۔ البتہ  
افراد خانہ کی تعداد کے متعلق مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف روایات میں نوے<sup>۹</sup>  
تراشی اور بیتر کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق یہ قافلہ  
تریشٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ پھر سینکڑوں سال بعد جب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل  
مصر سے نکلے تھے تو ان کی تعداد چھ لاکھ ستتر ہزار تیس سو چھیالیس تھی۔ حالانکہ فرعون اور  
اس کی قوم نے بنی اسرائیل پر بڑے مظالم ڈھائے تھے۔ تفسیری روایات کے  
مطابق موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو روکنے کے لیے اُس زمانے کے فرعون نے  
نوے ہزار نو مولود بچوں کو قتل کرا دیا تھا۔

یعقوب علیہ السلام  
استقبال

اُس زمانے میں مصر کا آئینی بادشاہ ولید ابن ریان تھا جس نے یوسف علیہ السلام  
کو عزیز کے عہدے پر فائز کر کے آپ کو پورے اختیارات سونپ رکھے تھے۔ یوسف  
علیہ السلام کی حسن انتظامی رعایا کے ساتھ شفقت و محبت اور ملک کو فحط کے اثرات

سے محفوظ رکھنے کی وجہ سے تمام اہل مصر آپ سے دلی محبت رکھتے تھے جب کہ بادشاہ نے تو آپ کو پہلے ہی ستمزدار رکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ یوسف علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا، تاہم اگر وہ نہ بھی ایمان لایا ہو تو آپ کی دیانتداری، رعایا پر درمی اور حسن تدبیر سے بہت خوش تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب خاندان یوسف کی کنعان سے روانگی کی خبر ملی تو سارے مصر آپ کے استقبال کے لیے اٹھ پڑا۔ خود بادشاہ کے متعلق تو اختلاف ہے کہ آیا وہ بذات خود استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا تھا یا نہیں مگر روایات میں چار ہزار سے تین لاکھ افراد کا ذکر ملتا ہے جو خاندان یوسف کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آئے تھے، ان میں بڑے بڑے عمائدین، فوجی اور رسول افسر اور عوام الناس شامل تھے۔ شہر سے باہر ایک کھلا میدان تھا جہاں مصری لوگ قومی دین یا جشن منانے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یعقوب علیہ السلام کے استقبال کے لیے بھی اسی جگہ کو منتخب کیا گیا۔ شاہی انتظام کے تحت وہاں خیمے لگائے گئے، اور مہمانوں کے استقبال کے لیے بہت بڑا شیج تیار کیا گیا۔ بائبل کا بیان ہے کہ بادشاہ نے بھی یعقوب علیہ السلام

کے مصر آنے پر خوشی کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ انہیں میرے پاس لایا جانے ان کا بیاں پر عزت و احترام کیا جائیگا۔ اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کی جائیگی۔ الغرض اہل مصر کی کثیر تعداد یعقوب علیہ السلام کے استقبال کے لیے مخصوص میدان میں جمع ہو گئی، وہاں خوب چیل پیل اور رونق تھی، جشن کا سماں تھا، تو جب یعقوب علیہ السلام کا قافلہ قریب پہنچا تو انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں جمع ہوئے ہیں؟ کیا یہ فرعون اور اس کا لاؤشکر ہے؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کا بیٹا یوسف علیہ السلام ہے جو اہل مصر کے ہمراہ آپ کے استقبال کے لیے آیا ہے۔ استقبال



میدان میں پہنچ کر یعقوب علیہ السلام سواری سے نیچے اترے بیٹے نے آگے بڑھ کر استقبال کیا، پھر دونوں نے معافقہ کیا اور اس موقع پر یعقوب علیہ السلام خوب روئے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب باپ اور بیٹا خوشی کے آنسو روئے تھے تو اس وقت فرشتے بھی روئے تھے۔ بڑا جذباتی منظر تھا۔ اور اُدھر اس بات کی خوشی بھی تھی کہ ایک عظیم باپ اپنے عظیم بیٹے سے چالیس سال کے بعد ملاقات کر رہا ہے چالیس سالہ دور کی تمام تکالیف اور پریشانیاں ایک ایک کر کے یاد آرہی تھیں۔ مگر اب اس ملاقات کی خوشیاں ان تمام آلام پر غالب آرہی تھیں اور اس طرح باپ اور بیٹے کے اٹسے ہوئے آنسو خوشی کے آنسو بن چکے تھے پھر جبرائیل علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو بتایا کہ آپ کی ملاقات کی خوشی میں فرشتے بھی شامل ہوئے ہیں۔

ابتدائی ملاقات کے بعد یوسف علیہ السلام نے باپ سے دریافت کیا، اباجی! آپ چالیس سال تک روتے رہے حتیٰ کہ آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی، اس کی کیا وجہ تھی؟ کیا آپ کو یقین نہیں تھا کہ اگر ہماری ملاقات اس دنیا میں نہ بھی ہو سکی تو آخرت کو تو ضرور ہو جائے گی، تو پھر اس قدر گمہ یہ کی کیا ضرورت تھی؟ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، میرے لیے تشویش کی بات یہ تھی کہ کم عمری میں کچھ گئے تھے اور پتہ نہیں آپ کا دین بھی سلامت رہا ہوگا یا نہیں۔ اگر خدا نخواستہ ایمان سلب ہو جاتا تو پھر قیامت کی ملاقات بھی ممکن نہ رہتی کیونکہ وہاں پر یمن اور کافر الگ الگ ہوں گے۔ اتنا عرصہ اللہ نے بذریعہ وحی بھی نہیں بتایا تھا کہ آپ کس حال میں ہیں اور کس دین پر ہیں۔ یہ سب باتیں پردہ غیب میں تھیں، لہذا میری تشویش فطری امر تھا۔

والدین  
کی عزت  
افزائی

اللہ تعالیٰ نے اس سارے واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے فَلَمَّا





کے ہمراہ آنے والی آپ کی والدہ ہی تھیں اور اُس وقت زندہ تھیں۔  
البتہ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ آپ کی والدہ نہیں بلکہ خالہ تھیں، جو  
یعقوب کے نکاح میں تھیں۔ اور خالہ بھی بمنزلہ والدہ کے ہوتی ہے  
اور اُس کا ادب و احترام اور قدر و منزلت بھی ماں کی طرح ہی ہوتا ہے  
اس لیے یہاں پر البویہ کا لفظ آیا ہے۔

سب سے پہلے  
ہو گئے

شہر میں داخل ہو کر مہانوں کا قافلہ یوسف علیہ السلام کے اصل مقام  
پر پہنچا جہاں آپ کی رہائش تھی اور آپ امور سلطنت انجام دیتے تھے  
وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ مِثْلَ بَنِي إِسْرَءِيلَ یُوسُفُ عَلَیہِ السَّلَامُ نے اپنے  
والدین کو تخت پر بٹھایا۔ ظاہر ہے کہ جس جگہ پر بیٹہ یوسف علیہ السلام نے  
فرائض منصبی ادا کرتے تھے، وہ خاص جگہ ہوگی، جہاں عام آدمی کی رہائی  
نہیں ہوتی، تو آپ نے اپنے ماں باپ کو اُس خاص جگہ پر بٹھایا۔ وَخَرُّوا  
لَهُ سُجَّدًا اور وہ سب آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے، جن میں آپ  
کے والدین، بھائی اور دیگر اہل خاندان تھے۔ اور اس طرح یوسف علیہ السلام  
کا بچپن کا وہ خواب پورا ہو گیا۔ جس میں آپ نے دیکھا تھا کہ گیارہ سارے  
سورج اور چاند آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ پالینس سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے  
اس خواب کی تعبیر اس طرح ظاہر کی کہ آپ کے گیارہ بھائی اور باپ اور ماں  
آپ کے سامنے سجدہ ریز تھے۔

یہاں پر لفظ کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف لڑتی ہے جس کا مطلب  
ہے کہ تمام اہل خاندان مع والدین نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا، حالانکہ  
بیٹے کا مرتبہ باپ سے کم ہوتا ہے۔ بھائیوں کی طرف سے تو سجدہ کرنے  
کا جواز نکل سکتا ہے کہ انہوں نے آپ کو بڑی تکالیف پہنچائی تھیں اور  
وہ معافی کے خواستگار تھے مگر باپ کا سجدہ کرنا قرین قیاس معلوم  
نہیں ہوتا۔ اسی طرح والدہ یا خالہ کا سجدہ کرنا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا



کیونکہ بیٹے سے ان کا مرتبہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مفسرین کہہ رہے ہیں کہ سجدہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک سجدہ عبادت اور دوسرا سجدہ تعظیم۔ جہاں تک سجدہ عبادت کا تعلق ہے یہ تو اللہ کے سوا کسی وقت اور کسی امت میں روا نہیں رہا، البتہ قرآن پاک میں دو واقعات کا ذکر ملتا جہاں سجدہ تعظیم سجایا گیا پہلے موقع پر فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا تھا اور اب دوسرا موقع ہے کہ یعقوب علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ نے یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا۔ گویا پہلی شراعی میں سجدہ تعظیم ناجائز نہیں تھا، اسے آداب سجالات پر محمول کیا جاتا تھا مگر اس آخری امت میں کسی قسم کا سجدہ نبی روا نہیں ہے تو یعقوب علیہ السلام کا سجدہ بھی تعظیمی تھا۔ اور محض اللہ کے حکم سے تھا۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کا سجدہ بھی بامر الہی تھا، در نہ غیر اللہ کے لیے سجدہ روا نہیں ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ سجدہ کی حالت و حرمت کا حکم آدمی کی نیت کی بنا پر لگایا جاتا ہے کیونکہ بظاہر تو سجدے کی مہذبت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کو سجدہ کرتے وقت اس سے وہی تعظیم مراد لیتا ہے جو ایک بندہ اپنے پروردگار کے سامنے کرتا ہے تو پھر سجدہ تعظیم کرنے والا واضح طور پر کافر اور مشرک ہوگا۔ اور اگر اس سجدہ سے اس کی مراد الہی تعظیم ہے جیسی شاگرد استاد کی، بیٹا باپ کی یا رعیت بادشاہ کی کرتی ہے تو یہ شرک نہیں ہوگا۔ اسی لیے شاہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لوحید اور شرک پر بحث کرتے ہوئے یہ بات سمجھائی ہے کہ بعض چیزیں منطقات شرک ہیں یعنی شرک کے محل ہیں اور وہاں پر شرک کا ارتکاب کرنے والا قطعی کافر اور مشرک ہوگا مثلاً کوئی شخص بت کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور ساتھ کتاب ہے کہ میری مراد محض

سجدہ کی  
شرعی  
جہیزیت

تعلیم ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائیگا اور اس پر کفر و شرک کا قطعی حکم لگ جائے گا کیونکہ اس نے منظرہ شرک کا ارتکاب کیا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے قصہ اور ارادے سے اللہ کے کلام کو گنہ گاری میں پینک دیتا ہے تو ایسا شخص کتاب اللہ کی توہین کے جرم میں کافر ٹھہرے گا اور اس کی کوئی تاویل اسے اس جرم سے بری قرار نہیں دے سکے گی۔ ہاں! اگر کوئی شخص کسی دوسرے انسان کے سامنے یا قبر کے سامنے سجدہ کرتا ہے، تو اس پر فوراً حکم نہیں لگے گا بلکہ اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے یہ سجدہ کس نیت اور ارادے سے کیا ہے اگر وہ کہے کہ میں نے سجدہ عبادت کیا ہے یعنی مسجد کی ایسی تعلیم کی ہے جیسی اللہ کی ہونی چاہیے تو وہ شخص صریح کافر اور مشرک ہوگا۔ اور اگر وہ اسے سجدہ تعلیمی بتاتا ہے تو کہیں گے کہ تو ایک حرام فعل کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ اس آخری امت میں غیر اللہ کے سامنے ہر قسم کا سجدہ حرام ہے۔ بہر حال ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ نہیں لگے گا بلکہ وہ فعل حرام کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ انتہائی تعلیم کی شکل رکوع یا جھکنا بھی ہے۔ تو رات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ تو بالکل ہی سجدہ ریز ہو جاتے تھے مگر بعض جھک کر بھی تعلیم بجا لاتے تھے۔ تو اس آخری امت میں تعلیم کے لیے جھکنا بھی مکروہ تحریمی میں آتا ہے لہذا سلام کہنا ہو یا مصافحہ کرنا مطلوب ہو تو سیدھے کھڑے ہو کر کہنا چاہیے۔ بہر حال پہلی صورت میں سجدہ بالکل کفر اور شرک ہے اور دوسری صورت میں حرام ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقام پر لہذا کی تفسیر یوسف علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف لڑتی ہے اور یوسف علیہ السلام غنیمت قبلہ کے تھے۔ اس کی مثال بیت اللہ شریف کی ہے جسے قبلہ مقرر کر کے ہم خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں نہ کہ بیت اللہ کے سامنے

جس طرح بیت اللہ شریف سجدہ کے لیے ایک سمت اور جہت ہے  
 اسی طرح خاندان یعقوب سے یوسف علیہ السلام کو قبلہ ٹھہرا کر سب اللہ تعالیٰ  
 ہی کو پایا تھا اور ان کی مشکلات دور ہونے پر یہ سجدہ شکر تھا نہ ظاہر ہے کہ  
 سجدہ شکر بھی صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی ہو سکتا ہے، لہذا انہوں  
 نے ایسا کیا۔ بہر حال یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کی یہ دوسری  
 توجہات مفسرین بیان کرتے ہیں، ان میں سے پہلی توجہ یہ عام ہے اور  
 اس کی وجہ بھی میں نے عرض کر دی ہے۔

خواب کی  
 سچی تعبیر

غرض کہ جب سب کے رب یوسف علیہ السلام کے سامنے  
 سجدہ رہتے ہو گئے تو آپ نے کہا وَقَالَ يٰ اَبَتِ هٰذَا نَبِئْتُكَ  
وَعَنْ يٰ اَبَتِ قَبْلُ لَئِنْ مَرَّتْ بِمِثْرِ مِثْرٍ یہ اس خواب کی  
 تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھی تھی۔ یعنی میرے خواب کی تعبیر چالیس  
 سال کے بعد ظاہر ہوئی ہے فَقَدْ جَعَلَهَا اَرْبَعًا مِثْرًا  
 پھر ردگار نے اس کو سچا بنا دیا ہے گویا اس میں میرا کوئی کمال نہیں  
 بلکہ یہ خواب میرے رب نے پورا کیا ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ  
 کی مہربانی اور اس کے احسان کا ذکر بھی کیا وَقَدْ اَحْسَنَ بِي  
اَلرَّحْمٰنُ پھر ردگار نے مجھ پر احسان کیا اِذَا اَخَذْتِ بَنِيَّ مِنَ الْمَدِيْنَةِ  
 جب کہ مجھے قیام سے رہائی دلائی۔ قید کا تو ایسا دن بھی بڑا دشوار ہوتا ہے  
 مگر یوسف علیہ السلام سات سال تک جیل میں سے بعض روایات  
 میں تو بارہ اور چودہ سال کا ذکر بھی ہے کہ اللہ نے بڑا احسان فرمایا کہ نہ  
 صرف جیل سے رہائی دلائی بلکہ عزت و اکرام بھی دلا دیا اور اس ملک  
 ملک کا یہ بھی احسان ہے وَجَاءَهُ بِكُمُ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ کہ آپ  
 کو یعنی یعقوب علیہ السلام اور خاندان کو صحرا اور دیہات سے نکال لے  
 آیا کہ کنعان کا شہر خود کو دیا ہے، میں نہیں آتا کیونکہ یہ شہر آبادی تھی اس



یہ غسرن فرماتے ہیں کہ یہاں پر دیات سے مراد کنعان کی قریبی صحرائی  
آبادیاں ہیں۔ جہاں یعقوب علیہ السلام اکثر جایا کرتے تھے اور وہاں لوگوں  
کے ساتھ آپ کی مجلس بھی ہوتی تھی۔ البتہ دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے  
کہ مصر کے مقابلے میں کنعان کی تمدنی حیثیت کم تر تھی اس لیے اگر کنعان  
کو بھی باد یہ کہہ دیا گیا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی تھی  
کہ خاندان یعقوب کو کنعان سے مصر بچا دیا۔

فرمایا اللہ نے مجھ پر یہ احسانات فرمائے مِنْ اَبْعَدِ اَنْ يَكُنَّ  
الشَّيْطَانُ يَسْتَكِنِي وَبَيْنَهُ اخوتي بعد اس کے شیطان نے میرے  
اور میرے بھائیوں کے درمیان جگڑا کھڑا کر دیا۔ یوسف علیہ السلام نے  
یہاں پر بھی بھائیوں کو براہِ راست الزام نہیں دیا۔ حالانکہ بھائی آپ  
کو سخت تر باتیں کہتے ہیں پوری طرح طوٹ تھے مگر پھر بھی آپ کو  
اگر ہاں دل آزمائی مطلوب نہ تھی تو نہ وہ اقرار کر چکے تھے اِنَّا كُنَّا خَطِيئِينَ  
یعنی خطا کار وہی ہیں۔ لہذا ان کو ملامت کرنے کی بجائے آپ نے شیطان  
کو معون کیا کہ اسی نے میرے بھائیوں کے اذہان کو خراب کر کے انہیں  
غلط کارروائی پر آمادہ کیا تھا۔

فرمایا اِنَّكَ رَجُلٌ رَاحِلٌ لِّمَا يَشَاكُرُ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّدِّكَ  
لطافت والا ہے جو چاہے۔ لطافت کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک  
بار ایک بہن جیسے وَهَذُو الْاَطِيفُ الْيُوسُفُ یعنی وہ بہت ہی  
مخفی طریقے سے تدبیر کو چلانے والا ہے۔ اور لطیف کا دوسرا معنی اذہان  
ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر باریک تدبیر کرنے والا مراد ہے۔ وہ  
ایسے مخفی طریقے سے کوئی تدبیر کرتا ہے کہ کسی کو علم نہیں ہو پاتا۔ یوسف  
علیہ السلام کے واقعہ میں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ آپ  
کے ساتھ اس قسم کے حالات پیش آئیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی

صفت لطیف کام کر رہی تھی جو اس قسم کے حیران کن واقعات  
پیش آئے۔ فرمایا اِنَّكَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ وہ اللہ تعالیٰ  
سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر ایک کی نیت، ارادے اور عزم  
سے واقف ہے اور وہ حکیم بھی ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے  
خالی نہیں مگر اس کی حکمت کو مخلوق نہیں جان سکتی۔ یہ اس کی حکمت  
کام کر رہی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو اتنے عروج پر پہنچا دیا وگرنہ حامل  
اور بدخواہوں نے کچھ اور ہی سوچا تھا۔

---

وما آتینک

درس بت پیش ۲۶

سورۃ یوسف ۱۲

آیت ۱۰۱ تا ۱۰۴

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ  
 الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ فِي  
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۝۱۰۱  
 ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ  
 لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝۱۰۲  
 وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ۝۱۰۳  
 وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا  
 ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝۱۰۴

ع ۵

ترجمہ :- (یوسف نے کہا) اے میرے پروردگار! بیشک  
 تو نے عطا کی ہے مجھے حکومت، اور سکھایا ہے تو نے مجھے  
 باتوں کو ٹھکانے لگانا۔ اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین  
 کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں۔ مجھے وحی  
 دینا اسلام پر اور مجھے ظاہر دینا نیک لوگوں کے ساتھ ۝۱۰۱ یہ  
 ہیں غیب کی خبریں، ہم وحی کہتے ہیں اس کو آپ کی طرف  
 اور نہیں تھے آپ ان کے پاس جب انہوں نے ٹھکانا اپنے معائنے  
 کو، اور وہ تدبیر کرتے تھے ۝۱۰۲ اور نہیں ہیں اکثر لوگ جاننے  
 آپ حریف ہیں، ایمان لانے والے ۝۱۰۳ اور آپ نہیں مانگتے  
 ان سے اس پر کوئی بدلہ۔ نہیں ہے یہ منکر نصیحت



سب جہان والوں کے لیے (۱۹)

ربط آیات

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اختتام پذیر ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں کا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ برادرانِ یوسف نے آپ کو نہایت ظالمانہ طریقے سے وطن سے نکالا۔ وہ آپ کو باپ کی نظروں سے اوجھل کر کے حد کی آگ کو بھجوانا چاہتے تھے، مگر خدا تعالیٰ کی تدبیر اپنا کام کر رہی تھی۔ بھائیوں کا یہ حد اور بغض ہی یوسف علیہ السلام کے باہم عروج تک پہنچنے کا سبب بن گیا، آپ نے مصر میں نظام حکومت سنبھالا، قحط سالی میں حسن تدبیر سے نہ صرف مصر کو اس کے اثرات سے بچایا بلکہ دوسٹر ملکوں کو بھی غلہ فراہم کیا، پھر آپ نے آخر میں اپنے والد گرامی اور پورے خاندان کو مصر میں بلا لیا اور ان کو نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے اخلاق کو بیان کا ذکر بھی کیا کہ انہوں نے نہ صرف بھائیوں کو معاف کر دیا بلکہ ان کے درمیان نزاع کو شیطانی فعل قرار دیکر انہیں الزام سے بری قرار دیدیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کیا کہ اُس نے آپ کو جیل سے رہائی دلائی اور پھر پورے مصر کا کارمندان بنا دیا۔

یعقوب علیہ السلام  
کی وفات

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان سے آنے کے بعد زندگی کے بیس سال نہایت اچھے طریقے سے مصر میں گزارے۔ یوسف علیہ السلام نے آپ کی خوب خدمت کی۔ پھر جب چوبیس سال کا عرصہ گزرا تو یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آگیا وہی وقت جو ہر انسان پر آتا ہے اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" (آل عمران) کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکنا ہے۔ انسان نیک ہو یا بد، نبی ہو یا ولی، موت کا پیالہ پینا ہی پڑے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے یوسف علیہ السلام اور دیگر اہل خانہ کو وصیت کی کہ انہیں ان کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے قریب ہی دفن کیا جائے۔ آپ نے بیٹوں کو دین اسلام پر ثابت قدم اور کفر و شرک سے بیزار

سنے کی وصیت بھی کی جس کا ذکر سورۃ بقرہ میں موجود ہے۔ پھر حال جب آپ کی وفات ہو گئی تو وصیت کے مطابق آپ کا جسم مبارک ایسے تابوت میں رکھ کر مصر سے فلسطین اور بیت المقدس لے جایا گیا جہاں حضرات اسحاق اور ابراہیم علیہما السلام کی قبور ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام خود میت کے ساتھ گئے اور اس کو دفن کرتے گئے بعد مصر واپس آ گئے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ کی تاریخی روایت کے مطابق جس دن یعقوب علیہ السلام کی میت کنعان پہنچی تو اسی دن آپ کے بڑے بھائی عیص ابن اسحاق کا بھی انتقال ہو گیا، چنانچہ دونوں بھائیوں کو آپ کی قبر کے قریب ہی دفن کر دیا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور عیص جڑواں بھائی تھے۔ البتہ عیص کی ولادت پہلے ہوئی اور یعقوب علیہ السلام کی بعد میں، اور اسی بنا پر آپ کا نام یعقوب یعنی پیچھے آنے والا مشہور ہو گیا۔ دونوں بھائیوں نے ایک سو سینتالیس سال کی عمر پائی۔

یوسف علیہ السلام  
کا آخری  
زمانہ

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ باپ کی وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام تیس برس مزید مصر کے سیاہ و سفید کے مالک رہے اس دوران آپ نے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی، مخلوق خدا کی خدمت کرتے رہے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ آہستہ آہستہ آپ کا دل مادی زندگی سے اچٹ ہونے لگا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق بڑھ گیا، چنانچہ زندگی کے آخری حصے میں آپ اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح دست برعائ ہوئے

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنْكَ الْمَلَأْتُ لِي بِرُزْكَارٍ بَشَرًا  
تو نے مجھے ملک مصر پر حکومت عطا فرمائی۔ یہاں پر لفظ "میت" بیانہ بھی ہو سکتا ہے اور بعینہ یہ بھی۔ اگر اس کو بیانہ تسلیم کیا جائے تو مطلب ہوگا کہ تو نے مجھے مصر کی بادشاہی میں سے حصہ عطا کیا۔ مصر کا

اصل حکمران توفرعون تھا اور اس نے آپ کو عزیز کے عہد سے پر فائز کر رکھا تھا، تاہم آپ کو بہت حد تک مکمل اختیار دے رکھے تھے اور اس طرح عملی طور پر یوسف علیہ السلام ہی مصر کے کمر نادھر تھے۔ اس کی تصدیق بالیبل کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ فرعون نے کہا تھا کہ اے یوسف! اس ملک میں کوئی آدمی تمہارے حکم کے بغیر قدم نہیں اٹھا سکے گا۔ بادشاہ نے آپ کو ”جہاں پناہ“ کا خطاب بھی دیا تھا اور فرعون محض برائے نام ہی بادشاہ تھا۔

اور اگر اس کو من قبضہ تصور کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے پروردگار! تو نے مجھے حکومتوں میں سے حکومت کا ایک اہم حصہ عطا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ساری دنیا کی حکومت تو آپ کے پاس نہ تھی بلکہ صرف مصر پر آپ کو اقتدار حاصل تھا باری دنیا کا اقتدار چار آدمیوں کو ملا ہے جن میں سے دو مومن اور دو کافر ہیں مومنین میں سے ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام ہیں جب کہ تفسیری روایات کے مطابق کفار میں سے شداد اور نجثا لعل ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے ایک تو اس احسان کا ذکر اپنے رب کے سامنے کیا جس کے ذریعے آپ کو عمان حکومت دی گئی اور دوسرا احسان یہ ذکر کیا **وَعَلَّمَٰ ثَنِي صِدْقًا**۔ **تَاوِيلُ الزَّحٰدِ** حدیث مولاکریمؒ نے مجھے باتوں کو ٹھکانے لگانے کا علم بھی عطا فرمایا۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں یعقوب علیہ السلام نے خواب کے ضمن میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو برگزیدہ بنائے گا۔ **وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاوِيلِ الزَّحٰدِ** حدیث اور باتوں کو ٹھکانے لگانے کا علم سکھائے گا۔ تو یہاں پر یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور اسی احسان کا ذکر کیا ہے تاویل کا لغوی معنی کسی چیز کو کوٹنا کر اس کی اصل حقیقت تک پہنچانا یا

تاویل حدیث  
کا علم



ٹھکانے لگانا ہوتا ہے اور اس میں خواب کی تعبیر بھی شامل ہے جو ایک مشکل کام ہے مگر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس میں کمال عطا فرمایا تھا۔ ابھی ہوئی بات کو سلجھانا، کسی مشکل کا حل پیش کرنا یا کسی معاملے میں صحیح نتیجے پر پہنچنا عام آدمی کا کام نہیں، اس کے لیے خاص صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کو بھی عطا فرمائی تھی۔ اس ضمن میں حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے رَبِّ قَضِيَّةٍ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا يَكُنْ كَتْنُ هِيَ فِي صِلَةِ طَلَبِ امْرِئٍ مَكْرُوفٍ افسوس کہ ابواحسن یعنی حضرت علیؑ اس وقت موجود نہیں۔ بہر حال یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا بھی ذکر کیا کہ اُس نے انہیں تعبیر خواب کا علم عطا فرمایا یا معاملات کو سلجھانے کی صلاحیت عطا فرمائی۔

اللہ کے  
سند سے  
انکاری

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی فَاطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے۔ فاطر اور بدیع خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور دونوں کا معنی یکساں ہے۔ فطور ایسی ایجاد کہہ سکتے ہیں جو بغیر کسی مادے، آلے اور ذریعے کے کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو محض اپنی صفت اور بجلی سے ایجاد فرمایا جس کی کیفیت کوئی نہیں جانتا البتہ اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ تو آپ نے فرمایا اے آسمان اور زمین کے ایجاد کرنے والے أَنْتَ وَلِيَّتْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا اور آخرت میں تو ہی میری ولی ہے۔ ولی کا معنی سرپرست، رفیق، دوست اور کارساز ہوتا ہے۔ تو فرمایا تو ہی میرا کارساز ہے، میرے کام کو بنانا میرے ہی اختیار میں ہے اس طرح گویا یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکاری کا اظہار فرمایا، اُس کی صفت فاطر

کا ذکر کیا اور اس بات کا اقرار کیا کہ دنیا و آخرت میں اس کا وہی کار ساز ہے۔  
 اس کے بعد یوسف برسرِ مطلب آئے تو اللہ تعالیٰ کے حضور یہ درخواست  
 پیش کی **تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ** اے اللہ! مجھے اسلام  
 پر وفات دینا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دینا۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ  
 میں کہ خود موت کی تمنا کرنا گنہگار نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے  
 کہ تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے، خواہ اسے تکلیف ہی کیوں  
 نہ ہو۔ اگر دعا کرنا ہی ہو تو یوں کہے **اللَّهُمَّ اَحْيِنِي مَا كَانَتْ**  
**الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّي وَتَوَفَّنِي اِذَا كَانَتْ الْوَفَاتُ خَيْرًا لِّي**  
 اور مجھے موت دے جب موت میرے حق میں بہتر ہو۔ جب کسی کو  
 تکلیف یا پریشانی ہو تو اس قسم کی دعا کرنی چاہیے اور براہ راست بلاکت  
 کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ مفسرین فرماتے ہیں کہ دو مواقع ایسے ہیں  
 جب موت کی تمنا کرنا درست ہے۔ ایک موقع وہ ہے جب  
 انسان کو دینی طور پر فتنے میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ زندگی میں  
 ایمان منافع ہو جانے سے بہتر ہے کہ انسان کو ایمان کی حالت میں موت  
 آجائے۔ حضرت محمود ابن لبید کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام  
 کا فرمان ہے کہ انسان دو چیزوں کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ وہ اس  
 کے لیے بہتر ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ یک کون **الْحَيَاةُ** وہ موت  
 کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ وہ اس کے لیے فتنے سے بہتر ہے دوسری  
 چیز فرمایا **يَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةَ الْمَالِ أَقْلًا لِلْحِسَابِ**  
 انسان مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ قلت مال اس کے لیے  
 قلت حساب کا باعث ہوگا۔ قتنا مال کم ہوگا، قیامت کو حساب بھی  
 کم دینا پڑے گا، اور جس کے پاس زیادہ ہوگا، اسے حساب بھی زیادہ دینا





ہمیں پکارتے ہیں ہماری نعمتوں کی طرف رغبت رکھتے ہوئے اور  
ہماری کجبرائی اور جلال سے ڈرتے ہوئے۔ یہی تعلیم تمام اہل ایمان کو  
بھی دی گئی ہے کہ انہیں بھی خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف رغبت اور  
اس کی گرفت کا خوف ہونا چاہیے۔ اسی لیے امام ابو حنیفہؒ نے اپنی  
مقیدے کی کتاب میں لکھا ہے اَلْإِيمَانُ بِأَنَّ الْخَوْفَ  
وَالرَّجَىٰ عَنِ النَّاسِ كَالْإِيمَانِ خَوْفٌ وَرَأْيٌ لَهُمْ نَزْهُتٌ  
وَهُوَ كَافِرُونَ كِي طَرَحَ بِلَهُ خَوْفٌ هُوَ جَانِبٌ أَمِيرٌ كَالْأَمْنِ تَهْوِئَةٌ  
كَمَا يَهْوِي كُفْرٌ كَمَا تَهْوِي دُفْعَةٌ

یوسف علیہ السلام نے نیک لوگوں میں شامل ہونے کی دعا کی۔  
نیک لوگوں کی جماعت کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے بھی کیا ہے۔ قیامت  
کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو مخاطب کر کے فرمائے گا فَادْخُلِي  
فِي عِلِّيِّينَ وَادْخُلِي جَنَّتِي پلے میرے نیک بندوں میں شامل  
ہو جاؤ، پھر جنت میں داخل ہو گویا نیک لوگوں کی جمعیت مقدم ہے معلوم  
ہو کہ خود انبیاء علیہم السلام بھی نیک سوسائے کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ابھی  
میں نے عرض کیا کہ مسرت، سلیمان علیہ السلام نے بھی نیک لوگوں میں  
شامل ہونے کی دعا کی، اسی طرح بعض دوسرے انبیاء کا ذکر بھی ملتا ہے  
نیک لوگوں کی رفاقت سے ہی انسان کو نال حاصل ہوتا ہے۔ الگ  
تھلگ رہنے سے ہو سکتا ہے کہ انسان برائی سے بچ جائے مگر کمال  
حاصل نہیں کر سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اَلْمُؤْمِنُ  
الَّذِي يَتَخَلَّى النَّاسَ وَيَسْتَبِيحُ عَالِيًا اَذَاهُ (المیث جو مومن  
آدمی لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتا ہے  
وہ انہیں ہرنے سے نہ جوتے کسی سے ملتا ہے نہ اُسے کوئی تکلیف  
پہنچتی ہے اور نہ وہ صبر کرتا ہے۔

نیک لوگوں  
کی جمعیت

بہر حال ”صالحین“ کا لفظ اچھی سوسائٹی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کہ ایک مطلوب چیز ہے۔ جب تک اچھی سوسائٹی میسر نہ ہو، اخلاق اچھا نہیں ہو سکتا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں اَلْاَخْلَاقُ بِالْاَحْوَالِ وَلَا بِالتَّكَلُّمِ یعنی اخلاق تعلیم سے نہیں حاصل ہوتا، بلکہ ماحول سے ملتا ہے، اس لیے اہل ایمان کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا ماحول ٹھیک ہو۔ اگر ماحول درست نہیں ہوگا تو اخلاق بھی درست نہیں ہوگا۔ بڑے ماحول میں بچے خاص طور پر بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ مگر آج دنیا میں اچھا ماحول ہی نایاب ہو گیا ہے۔ اس چیز کو رومی صاحبؒ نے اپنی شہنہری میں سوز و گداز کے ساتھ بیان کیا ہے اور ڈاکٹر اقبال نے بھی اسی بات کا رد و ردیا ہے کہ اچھی سوسائٹی میسر نہیں۔ یہ ایسی چیز ہے کہ جس کی انبیاء بھی ذمہ داری ہے کہ اللہ! ہمیں اچھی سوسائٹی کا مہر بنا دے۔

صلح مرد وہ ہے جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور مخلوق کا بھی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اَحِبُّ الصَّالِحِينَ وَكَسَتْ مِنْهُمْ میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ اُن میں سے نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ایسی صلاحیت عطا فرمائے۔ آج کی دنیا میں اچھی سوسائٹی کا فقدان ہے۔ اس کی بجائے ہر طرف فحاشی، عیاشی، شرک، کفر، بدعت، معاصی، بیانت اور دھوکہ نامی دور دورہ ہے تاہم ہر بچے مومن کی خواہش یہ ہے کہ اُسے آخرت میں اچھی سوسائٹی نصیب ہو جائے۔

اس دعا کے ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اختتام پزیر ہوتا ہے۔ یہ پورا قصہ سورۃ ہذا کے گیارہ رکوعات پر محیط ہے قرآن کریم میں دو انبیاء یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام

کے واقعات دو مکمل سورتوں میں بیان ہوئے اور ان میں کسی دوسرے نبی کا ذکر نہیں۔ سورۃ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کا مکمل ذکر ہے اور سورۃ یوسف میں یوسف علیہ السلام کا۔ اگرچہ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات کے مختلف اجزاء دوسری سورتوں میں بھی بیان ہوئے تاہم یہ سورۃ صرف آپ ہی کے واقعات پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے یہ واقعات اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ لوگ ان سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں۔ قرآن پاک نے ان واقعات کے صرف وہی حصے بیان کیے ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ قرآن پاک کوئی تاریخ کی کتاب نہیں کہ جس میں واقعہ کی تمام جزئیات بیان ہوں تاہم بعض تاریخی باتیں بھی اس میں آجاتی ہیں۔ بہر حال اس آیت پر یوسف علیہ السلام کا واقعہ ختم ہوتا ہے۔

رسالت کی  
صدقت

اب اگلی آیات میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی صداقت کو بیان کیا گیا ہے اور اسے ایک دلیل کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو واقعات ہم نے بیان کیے ہیں۔  
ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ، نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ يَعْزِيبُ کی خبریں ہیں جو ہم بذریعہ وحی آپ پر نازل کرتے ہیں۔ وگرنہ آپ نے کسی سکول یا کالج میں تو تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی کوئی تاریخ کی کتاب پڑھی ہے آپ کے ماحول میں تو ننانویں فیصدی سے بھی زیادہ لوگ امی یعنی اُن پڑھ تھے، لہذا ان واقعات کو صحیح صحیح بیان کرنا بجز وحی الہی کے ممکن نہیں اور یہی چیز آپ کے نبی برحق ہونے کی دلیل ہے۔ تاریخ میں تو سچ اور جھوٹ خلط ملط ہو جاتا ہے۔ اس میں سچی سالی اور غیر مصدقہ باتیں بھی آجاتی ہیں، اس لیے عربی کا مقولہ ہے الکذب الناس ابغض الیہ یعنی تاریخ میں بہت زیادہ جھوٹ کی ملاوٹ ہوتی ہے



مگر جو بات حضور علیہ السلام وحی کی رسالت سے بیان کر رہے ہیں، وہ سب  
فیصدی حق ہے۔ اللہ نے انہیں غیب کی خبروں سے تعبیر کیا ہے اور  
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی حقانیت پر دلیل بنایا ہے۔

مسئلہ نظر  
حاضر و ناظر

فرمایا یہ غیب کی خبریں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ وَكَانَ  
كَذَلِكَ نُبَيِّنُكَ لَكَ وَأَرْسَلْنَاكَ مِنْ قَبْلِكَ أَنْ تَقُولَ مَا لَمْ يُخَوِّفْ لَكَ  
أَمْرًا هَٰذَا جَبَّ ائْتَنُوهَا نَفْسِي مَعَاظٍ عَلَى الْفَقْرِ كَمَا وَهَمَ بِيَكُونُ  
اور جس وقت وہ تدبیر کر رہے تھے یہ مطالب یہ ہے کہ جب برادرانِ  
یوسف آپ کے خلافت منصوبہ بندی کر رہے تھے اور جب انہوں  
نے آپ کو گنوئیں میں پھینک دیا تو آپ وہاں موجود تو نہیں تھے  
جو ان واقعات کے چشم دید گواہ ہوں۔ گویا آپ حاضر و ناظر نہیں تھے  
اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ نبی نہ تو غیب دان ہوتا  
ہے اور نہ وہ ہر جگہ موجود ہوتا ہے، مگر آج اسی مسئلہ کو لوگوں نے تنازعہ  
بنادیا ہے۔ حاضر و ناظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وَاللَّهُ عَلَى  
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ہر جگہ موجود ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے،  
مخلوق میں سے کوئی بھی اس صفت سے متصف نہیں ہے لوگوں  
نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر بنانے کی کوشش کی ہے یہ  
تراویان کو مٹانے کرنے والی بات ہے۔ شیطان نے محبت اور عشق  
کے نام پر ایسے سبق پڑھائے ہیں اور گمراہی کے لیے جال پھیلانے ہیں  
کہ جن میں پھنس کر لوگ عقیدہ توحید سے محروم ہو جائیں اور پھر جہنم کا  
ایذہن بن جائیں۔ شیطان نے ایسی ایسی رسومات بھی ایجاد کی ہیں۔  
جنہیں دین کے نام پر انجام دیا جائے اور کمزیر ایمان والا آدمی ان  
کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

قرآن پاک میں دو سکرانیا کے واقعات ہیں بھی صاف موجود ہے

کہ آپ ہر جگہ موجود نہیں تھے مثلاً سورۃ القصص میں ہے "فَمَا كُنْتَ  
بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْتَا نَجِيبَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِرُوحِي نَازِلٍ مُّوَسًى  
مَتْنِیٰ تو اُس وقت آپ طور کے کنارے پر تو نہیں کھڑے تھے۔ اور پھر  
مریم علیہا السلام کے واقعہ میں فرمایا "وَمَا كُنْتَ كَذَّابًا اِذْ يُلْقُونَ  
اَفْئَادَهُمْ" (ال عمران) جب مریم علیہا السلام کی کفالت کے  
لئے قرعہ اندازی ہو رہی تھی تو بھی آپ وہاں موجود نہیں تھے کہ آپ نے  
زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکلے ہوئے پچھتم خود دیکھا ہو یہ سب آپ  
آپ کو وحی کے ذریعے بتلائی جاتی ہیں اور یہی چیز آپ کی صداقت کی  
دلیل ہے۔

فرمایا حقیقت یہی ہے جو بیان کر دی گئی ہے وَمَا أَكْثَرُ  
النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ مگر آپ کتنی بھی حرص اور  
خواہش کریں، اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ گمراہ ہی رہیں گے۔  
لوگوں کی اکثریت عند غنا، عند اہل و عسریٰ اور باطل رسومات کو نہیں  
چھوڑے گی۔ البتہ کچھ ایسے لوگ بھی ضرور ہوں گے جو حق کے  
طالب اور منصف مزاج ہوں گے۔ ہر دور میں ایسا ہی رہا ہے کہ  
دنیا کی غالب آبادی گمراہی میں مبتلا رہی ہے اور ایمان والے ہمیشہ اقلیت  
میں رہے ہیں۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے چار ارب  
افراد ایمان کی دولت سے محروم ہیں اور کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔  
یسود و نصاریٰ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اپنی ضد پر اٹے ہوئے  
ہیں اور اسلام کو مٹانے کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔ ہر وقت  
سازشیں کرتے رہتے ہیں تاکہ اللہ کا دین غالب نہ آ سکے۔ سکول اور  
ہسپتال کھول کر اور پھر مالی امداد دے کر لوگوں کو دین حق سے بظن کھینچنے  
کی کوشش کی جاتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ آپ کی شدید خواہش کے

اکثریت  
گمراہ ہے

باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ نے فرمایا کہ آپ جو حق تبلیغ ادا کر رہے ہیں، اس کے لیے وَمَا أَنتُمْ لَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ أَلْ أَنْ سِے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ آپ تو ان کی خیر خواہی کے لیے لوگوں کو بے لوث تبلیغ کرتے ہیں۔ مہربانی نے اپنی اپنی امت کو یہی کہا یَقُولُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا (ہود) میں تم سے کوئی بدلہ تو طلب نہیں کرتا، میری بات تو سن لو۔ اَفَصَحَّ لَكُمْ (ہود) میں تو تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ (الاعراف) میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ ایمان قبول کر لو، تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں بلکہ اس میں خود تمہارا ہی فائدہ ہے کہ میری اس بے لوث خدمت سے فائدہ اٹھا لو۔ فرمایا اِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت کی بات ہے۔ قرآن پاک تمام اہل جہان کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ اگر کوئی شخص اس نصیحت کو قبول نہیں کرتا اور اس ہدایت سے فیضیاب نہیں ہوا چاہتا تو یہ اس کی اپنی بد بختی ہے، اس سے قرآن کی حقانیت پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور اللہ کے نبی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس نصیحت سے مستفید نہ ہونے والا ہی خسارے میں ہے گا۔

بے لوث  
خدمت



وما آتبرئ ۱۳

درس بست ہفت، ۲۰

سورة یوسف ۱۲

آیت ۱۰۵ تا ۱۰۸

وَكَايْنٍ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّونَ  
 عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ  
 اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ اَفَاَمِنُوا  
 اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ  
 السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ هٰذِهِ  
 سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ فَتَعَالٰى بَصِيْرَةٌ اَنَا وَمَنْ  
 اتَّبَعَنِ ۚ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾

وَقَوْلُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

ترجمہ :- اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن  
 پر یہ لوگ گزرتے ہیں مگر اُن سے اعراض کرتے ہوئے ہوتے  
 ہیں ﴿۱۰۵﴾ اور نہیں ایمان لاتے اکثر اُن میں سے اللہ تعالیٰ  
 پر ، مگر وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں ﴿۱۰۶﴾ کیا یہ لوگ بے فکر  
 ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آجائے اُن پر ڈھانپ لینے والی  
 اللہ کے عذاب سے ، یا آجائے اُن کے پاس قیامت ہی  
 اچانک ، اور اُن کو خبر بھی نہ ہو ﴿۱۰۷﴾ اے پیغمبر ! آپ کہہ دیجئے  
 یہ میرا راستہ ہے ، بلا آ ہوں میں اللہ کی طرف ۔ میں بعیرت  
 پر ہوں اور وہ لوگ بھی جو میری پیروی کرتے ہیں ۔ اور پاک  
 ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ، اوحائیں ہوں میں شرک کرنے والوں  
 میں سے ﴿۱۰۸﴾

یوسف علیہ السلام  
کی تدفین

یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کا ذکر کیا کہ انہوں نے نہایت عجز و انکاری کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں درخواست کی کہ اُن کی موت اسلام پر آئے اور وہ نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے تقریباً ربع صدی بعد یہ دعا کی تھی جبکہ آپکا دل اس دنیا سے اچھا ہو کر آخرت کی طرف زیادہ راغب ہو چکا تھا۔ پھر جب آپ کی وفات ہو گئی تو تاریخی روایات کے مطابق آپ کو تابوت میں بند کر کے دریائے نیل کے بالائی علاقے میں دفن کر دیا گیا مگر آپ کی وصیت یہ تھی کہ اگر نبی اسرائیل کو کسی وقت مصر سے نکلنا پڑے تو پھر وہ اس تابوت کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں اور انہیں اُن کے اباؤ اجداد کے قریب فلسطین میں دوبارہ دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کے ہمراہ مصر سے نکلے تو وہ یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی ہمراہ لے گئے اور پھر اسے وہیں دفن کر دیا۔ جہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی قبور ہیں۔

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے مفصل واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عجیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعے نازل کرتے ہیں اور آپ کی طرف سے ان واقعات کا بے کم و کاست بیان کر دینا ہی آپ کی رسالت کی دلیل ہے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھے لکھے تو نہیں تھے اور نہ آپ نے تاریخ کی کتابیں کسی سے پڑھی سنی تھیں، اس کے

تصدیق  
رسالت

باوجود ان واقعات کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا وحی الہی کے ذریعے  
ہی ممکن تھا۔ اور یہی بات ثابت کرتی ہے کہ آپ اللہ کے سچے  
رسول ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کا روشن  
مستقبل

یوسف علیہ السلام کے ان واقعات سے حضور خاتم النبیین  
صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن مستقبل کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ دونوں  
انبیاء کے بعض واقعات میں مماثلت پائی جاتی ہے مثلاً یوسف  
علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی طرح طرح کی تکلیفیں  
پہنچائیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عروج نصیب کیا۔ بالکل اسی طرح  
حضور علیہ السلام کے بھائی بندوں نے بھی آپ کے ساتھ سخت بدلوں کی  
کی، آپ کو تکلیفیں پہنچائیں۔ آپ کے مشن کو ناکام کرنے کی کوشش کی مگر  
اس تمام تر مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو باہم عروج تک پہنچایا  
جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی آخر میں نادیم ہوئے تھے۔ اسی طرح  
حضور علیہ السلام کے عزیز واقارب کو بھی آپ کے سامنے نادیم ہو کر پیش  
ہونا پڑا۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بات سمجھادی کہ آپ  
کفار و مشرکین کی ایذا و ساینیوں سے بدلہ نہ ہوں بلکہ آپ کا مستقبل عزت  
یوسف علیہ السلام کی طرح روشن ہے اور آخر میں آپ ہی کامیاب کامران  
ہوں گے۔ اللہ نے آپ کو اس بات پر بھی تسلی دی کہ دنیا کی اکثر آبادی  
ہمیشہ گمراہی میں مبتلا رہی ہے، لہذا اگر یہ لوگ آپ کے کہنے پر ایمان نہیں  
لاتے تو آپ بدلہ نہ ہوں بلکہ اپنا کام جاری رکھیں، جن کی قسمت میں  
اللہ نے ہدایت رکھ رکھی ہے۔ وہ ضرور ایمان لائیں گے اور باقی اہل ایمان  
کی تقویت کا باعث بنیں گے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار و مشرکین پر افسوس کا اظہار  
کیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر بھی ان سے سبق حاصل

نہایت  
تدریس  
اعراض



نہیں کرتے بلکہ ان نشانات سے اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔  
 ارشاد ہوتا ہے وَكَايِنُ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ  
 اور آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں يَمُرُّونَ عَلَيْهَا  
 لوگ ان پر سے گزر جاتے ہیں۔ وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ  
 مگر وہ ان سے اعراض کرتے ہوئے ہوتے ہیں۔ آیت کا لفظ عام ہے  
 اور یہ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً آیت کا اطلاق حکم پر  
 بھی ہوتا ہے جیسے تِلْكَ آيَةُ اللّٰهِ تَتْلُوهَا عَلَيْهِمُ بِالْحَقِّ (البقرہ)  
 یہ اللہ کی آیتیں جنہیں ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں اور آیت کا معنی  
 دلیل بھی ہوتا ہے إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ (العنکبوت)  
 اس میں مومنوں کے لیے دلائل ہیں۔ پھر آیت کا معنی واضح نشانی بھی  
 ہوتا ہے، جسے دیکھ کر ان کو کئی چیز انہی طرح سمجھ جاتا ہے۔ جیسے  
 فرمایا کہ زمین و آسمان کی پیدائش اور دن اور رات کے اختلاف میں لَاٰيَةُ  
الْأُولٰٓئِیْنَ (آل عمران) اہل عقل و خرد کے لیے نشانیاں ہیں۔  
 آیت کا معنی معجزہ بھی ہے اور اکثر مشرکین انبیاء علیہم السلام سے معجزے  
 طلب کرتے رہے۔ کہتے تھے لَوْ لَا أَنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ  
(یونس) اس کے پردہ و کار کی طرف سے اس پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل  
 ہوتا۔ بہر حال یہاں پر آیت کا معنی واضح نشانی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے  
 کائنات میں بے شمار نشانیاں پیدا رکھی ہیں، لوگ ان کو دیکھتے ہیں مگر ان  
 سے عبرت حاصل کیے بغیر گزر جاتے ہیں، گویا ان نشاناتِ قدرت  
 سے اعراض کرتے ہیں جس طرح لوگ احکامِ الہی کو سن کر ان پر عمل نہیں  
 کرتے۔ اسی طرح وہ اللہ کی نشانیاں دیکھ کر بھی ان سے کوئی سبق حاصل  
 نہیں کرتے اور ان نشانات سے ایسے گزر جاتے ہیں جیسے کچھ دیکھا ہی  
 نہیں۔ راستے میں میل کا نشان لگا ہوتا ہے، جسے دیکھ کر مسافر سمجھ جاتے

ہیں کہ وہ اپنی منزل کے کس جسے میں ہیں۔ وہ اس پہوٹی سی نشانی سے تو  
فائدہ اٹھا لیتے ہیں مگر اتنے بڑے بڑے نشانات قدرت کو دیکھ کر بھی  
انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین نہیں آتا۔ زمین، چاند، سورج، کرات  
سپاڑ، جنگل، دریا۔ اتنے بڑے بڑے نشانات ہیں کہ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی  
بھی انہیں دیکھ کر اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔  
مگر مشرکین پر ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وہ ان نشانات سے لاپرواہی کے  
ساتھ گزر جاتے ہیں بغیر ان کے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تسزلی اور تعزینی دونوں قسم  
کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ان کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے  
ان پر غور و فکر ہی نہیں کرتے۔

مشرکین کی  
کثرت

آگے بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ان کے  
اعراض کی وجہ سے دل برداشتہ نہ کہوں کیونکہ وَمَا لِيُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ  
بِاللَّهِ ان یسے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اَلَا وَهٗمْ  
مُشْرِكُونَ مگر وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایمان  
لانے کے باوجود لوگوں کی اکثریت شرک ہی رہتی ہے۔ زبان سے  
ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر۔ انہیں سائنہ شرک کا احساس نہ ہوتا  
جاتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ  
کے واجب الوجود اور خالق ہونے کو تو شرک بھی مانتے ہیں۔ سوائے  
دہریوں کی قلیل تعداد کے تمام یہود و نصاریٰ ہنود اور قدیم و جدید شرک  
اللہ کی ان دو صفات کو تو تسلیم کرتے ہیں مگر اللہ کی تبرا اور عبادت  
میں شرک کرنے لگتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا دوسرے کسی تدبیر کرتے  
ہیں۔ وہ بھی مدبر ہیں اور لوگوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں اور بگڑا ہی بندتے  
ہیں۔ اسی طرح قولی، فعلی اور عملی عبادت میں بھی دوسروں کو شرک کہہ دیتے  
ہیں، ان کی نذر دنیا زیتے ہیں، ان کی دہائی دیتے ہیں یا ان کی ایسی تعلیم

کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

نصاری عیسیٰ علیہ السلام میں اہمیت یا تین خداؤں کا عقیدہ مان کر مشرک بنے۔ مجوسی، یزدان اور اہرمین دو خداؤں کو مان کر مشرک میں مبتلا ہوئے۔ بعض مشرک جنات اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر مشرک ہو گئے اور اکثر لوگ غیر اللہ کی انتہائی تعظیم کر کے، غیروں کی نذر و نیاز دے کر، قبروں پر تعظیماً چڑھا دے پڑھا کر شے تک کے مرتکب ہوئے۔ قبروں کو سجدہ مانا، ان پر چادریں اور پھول چڑھانا، ان پر گنبد بنانا اور ان پر روشنی کرنا بدعت اور ناجائز ہی تو ہے اور یہ بیماری برصغیر میں عام ہے۔ قبروں پر جاؤ تو فاتحہ پڑھو۔ استغفار کرو، مرنے والوں کے لیے بخشش کی دعا کرو۔ جو سنت طریقہ ہے۔ مگر یہاں تو مسئلہ ہی دوسرا بن گیا ہے۔ یہاں لوگ قبروں پر جاتے ہیں کہ صاحبانِ قبر کو راضی کر سکیں اور پھر وہ خوش ہو کر ہماری مرادیں پوری کر دیں۔ قبروں کا عرق گلا سے غسل۔ رنگ برنگی روٹیاں اگر بتیوں کی خوشبوں اور پھولوں کی دھواں آخر کس لیے کی جاتی ہے۔ ان پر سجدہ و کیوں کیا جاتا ہے؟ ان کو بوسہ کیوں دیا جاتا ہے؟ اور ان پر ہاتھ لگا کر منہ پیم کیوں پھیرا جاتا ہے؟ یہ سب کچھ قبر والے کو راضی کر کے اپنی مطلب برداری کے دھندے ہیں اور یہی شرک ہے اسی لیے فرمایا کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود اس کی وحدانیت کو زبان سے تسلیم کرنے کے باوجود مشرک ہی رہتے ہیں۔

پیر پرست لوگ بزرگوں میں کمر شمع مان کر مشرک کا ارتکاب کرتے ہیں کسی پیر اور مولوی نے اگر کسی چیز کو حلال کہہ دیا تو اسے حلال تسلیم کر لیا اور حرام کہہ دیا تو اسے تمک کہہ دیا۔ یہ تو وہی نصاریٰ والا عقیدہ ہے جس کے متعلق سورۃ توبہ میں آتا ہے "اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ" کہ انہوں نے اپنے پیروں اور علما



کہ اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس کی تشریح میں  
 یہی فرمایا کہ غیر اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام  
 تسلیم کر لینے کا نام اللہ کے سوا دوسروں کو رب بنانا ہے بعض لوگ تعویذ،  
 گدگدے کے ذریعے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں ایسے تعویذ جن میں غیر اللہ  
 سے مدد طلب کی گئی ہو۔ یا جبرائیل اور میکائیل وغیرہ کے الفاظ ہوں یا  
 خات سے مدد طلب کی گئی ہو قطعی حرام اور شرک ہے۔ بعض عورتیں  
 خاندانوں کو رام کرنے کے لیے شرکیہ جتن کرتی ہیں۔ بعض لوگ نجوم کو موثر  
 مان کر نجومیوں سے قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں۔ کاهنوں سے عیب  
 کی خبریں پوچھتے ہیں۔ بعض چیزوں سے اچھا یا بُرا خُگون لیتے ہیں شرک  
 کی تمام شکلیں انسانی سوسائٹی میں رائج ہیں اور ان کو کایہ ثواب سمجھ کر ادا کیا  
 جاتا ہے۔ ہاں! اگر تعویذ میں اللہ کا کلام ہو اور شرک نہ بات نہ ہو تو اس میں  
 کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر اکثر لوگ شرک میں ملوث پائے جاتے ہیں جسے  
 اللہ تعالیٰ نے ظلم عظیم سے تعبیر فرمایا ہے اور جس کی معافی نہیں ہے۔  
 حضرت امام حسن بصریؒ اس آیت میں مذکور شرک کو شرک خفی  
 پر محمول کہتے ہیں اپنے عمل میں ریاکاری یا دکھلاوا شرک خفی ہے۔  
 اس کی وجہ سے ان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ مگر آج ہم  
 دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے عابد، زاہد اور عامل اس قبیح بیماری میں  
 مبتلا ہو چکے ہیں۔ اب نیکی کا کون سا عمل ہے جو بے ریا ہو۔ کسی کی  
 ذاتی عبادت ہو تو لاؤڈ سپیکر پر نشر کی جاتی ہے کسی غریب کی امداد کا  
 مسئلہ ہو تو اخباروں میں تصویریں چھپتی ہیں اور اللہ تعالیٰ حج کی توفیق دے  
 دے تو اس کی وسیع تشریح کی جاتی ہے۔ یہی تو شرک خفی ہے جس میں  
 لوگوں کی اکثریت مبتلا ہے۔

کفار و مشرکین کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا اَفَاَصْنُوْا کِیۡہِ

عذاب الہی  
 سے بے فکری

سب لوگ بے ہوش اور نڈر ہو گئے ہیں اس بات سے اَنْ تَاتِيَهُمْ عَذَابُ الْمَلٰٓئِكَةِ كَمَا هُمْ عَلٰی اَنْ يُّرٰٓذِلُوْا حٰنِیۡنِۭۡنَ وَالِی اللّٰہ کے عذاب سے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دن کے وقت یا رات کو کوئی افتاد آ پڑتی ہے۔ اچانک رات کے وقت زلزلہ آیا اور تباہ کر دیا۔ بد رتہ کا زلزلہ رات تین بجے آیا تھا۔ کوڑھ کا زلزلہ بھی رات کے وقت آیا تھا جس میں ہزاروں انسان موت کی نیند سو گئے۔ تو فرمایا: کیا یہ لوگ کسی آفت کا انتظار کر رہے ہیں اَوْ تَاتٰیہُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ یا ان پر اچانک قیامت ہی آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ قیامت کا آنا دو صورتوں میں ہے پہلی شکل تو یہ ہے مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ جو مر گیا اس کی تو قیامت برپا ہو گئی اور عقیقی کی منزل یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ جو ہنی انسان موت کی آغوش میں گیا، اس مادی دنیا کا خاتمہ ہوا تو عقیقی کی پہلی منزل شروع ہو گئی۔ پھر آگے بندھ کی منزل ہے۔ پھر حشر کی منزل آئے گی اور پھر حاب کتاب کی منزل سے ہوتا ہوا، انسان یا تو ابدی راحت میں پہنچ جاتا ہے یا پھر جہنم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور پھر قیامت کی دوسری شکل اجتماعی قیامت ہے جب ہر چیز فنا ہو کر نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہو گا اور پھر آگے تمام منزلوں سے گزرنا پڑے گا۔ تو فرمایا کیا یہ لوگ اللہ کے عذاب کے منتظر ہیں کہ اسی دنیا میں اُن پر پستوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں یا قیامت کے انتظار میں ہیں کہ وہ برپا ہو کر اس دنیا کا سلسلہ مکمل طور پر ختم کر دے۔ اب جبکہ تمام تنزیلی اور تکوینی دلائل آچکے ہیں تو اب ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے۔ کیا کسی عذاب یا قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ آئے تو پھر ایمان لائیں۔ یاد رکھو! جب وہ وقت آگیا تو پھر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ اس وقت تک انسان مکمل طور پر ناکام

ہو چکا ہو گا۔

صلوٰۃ تقسیم

فرمایا، اے پیغمبر! قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي اَبِى كُنتُمْ  
یہ ہے میرا راستہ اَدْعُوْا اِلَیْ الْحَبْلِ الَّذِیْ فِیْہِ تَوْحِیْدٌ کی طرف دعوت  
دیتا ہوں۔ ایمان اور توحید خالص کی طرف بلانا ہوں کہ اس کو صحیح  
شکل و صورت میں تسلیم کر لیں کیونکہ فلاح اسی میں ہے۔ اگر کفر و شرک  
میں ملوث ہے تو فلاح حاصل نہیں ہوگی۔ فرمایا عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ مِّنْہُمْ  
اَنَا وَمَنْ اَتٰہُ اَتٰہُ اس معاملہ میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔ فرمایا میں اور میرے  
مبتدعین اسی بصیرت کی طرف دعوت دیتے ہیں جو خالص ایمان پر  
مبنی ہے اور اس میں کفر و شرک کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

بصارت آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں اور بصیرت سے مراد  
دل کی روشنی ہے۔ جب دل میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا پختہ یقین  
ہو جائے تو یہی بصیرت ہے۔ سورۃ النعام میں موجود ہے "قَدْ جَاءَکُمْ  
بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ تَمَّارَہُ رَہُ رَہُ رَہُ رَہُ رَہُ رَہُ رَہُ رَہُ رَہُ R  
یاس بصیرت آچکی ہے۔ جو کوئی اسے اختیار کرے گا۔ اس میں اسی  
کا فائدہ ہے اور جو اس سے اعراض کرے گا۔ اس کا وبال بھی اسی  
پر پڑے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے اسی بصیرت کا اعلان کروایا  
مگر آج شیطانی پراپیگنڈے نے اس بصیرت کو خراب کر کے رکھ  
دیا ہے۔ اسلام کے مخالفین قرآن و سنت کے متعلق ایسا پراپیگنڈا  
کرتے ہیں کہ اہل ایمان دین سے متعلق تہذیب کا شکار ہو کر اپنی بصیرت  
کھو بیٹھیں۔ کبھی جدید تمدن کے نام پر اور کبھی مادی ترقی کو سامنے رکھ  
کر مسلمانوں کو دین سے بدظن کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اکثر  
مسلمان قرآن پاک کے قانون سے متزلزل ہو گئے ہیں۔ اگر انہیں وحی



الہی کے قوانین پر یقین ہوتا تو دنیا میں اس طرح ذلیل نہ ہوسکتے۔ اللہ  
 نے اپنی کتاب میں تجارت کا مکمل ضابطہ بیان فرمایا ہے اور مکمل حقائق  
 کو واضح کیا ہے مگر ہمیں یہ ضوابط پسند نہیں۔ ہم تجارتی قوانین کے  
 لیے امریکہ، روس اور چین کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک  
 خدا کے بتائے ہوئے صنعت و حرفت کے قانون بہتر نہیں،  
 بلکہ ہم اغیار کی طرف دیکھتے ہیں۔ اسلام کے تعلیمی نظریات بھی ہماری  
 ضروریات پوری نہیں کرتے، ہمارے سیاسی مسائل اور ہمارے معاشی  
 مسائل بھی حل طلب ہیں مگر قرآن پاک سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے  
 باہر سے مشیر منگواتے ہیں۔ جو اپنے نظریات ہم پر پھونسنے کی کوشش  
 کرتے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے اندر قرآنی بصیرت کیسے آسکتی ہے  
 ہم تو ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہیں گے۔ یہ تو خود ہمارا فرض تھا کہ  
 ہم قرآن پاک سے بصیرت حاصل کرنے کے لیے وقت ویت، محنت  
 کرتے اور مال صرف کرتے۔ ہمارے اکابرین دین نے قرآن کو سینے  
 سے لگایا تو ان کے ذہل روشن ہو گئے۔ آج کوئی جمہوریت کے گیت  
 گارہا ہے تو کوئی اشتراکیت کی طرف دیکھتا ہے مگر افسوس کہ ہم نے  
 اپنے پاس موجود حقیقی نظام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ دین میں اجتہاد  
 علمائے حق کا کام ہے مگر آج ایسے ایسے مجتہد سامنے آ رہے ہیں، جو  
 غلط نظریات کو قرآن پر چپاں کر کے اپنی مطلب براری کرنا چاہتے ہیں  
 ابھی پچھلے دنوں علامہ اقبال کے فرزند اور پنجاب ہائی کورٹ کے  
 چیف جسٹس نے کہا تھا کہ موجودہ دور کے علماء، اجتہاد کے اہل نہیں  
 ہیں اور یہ کام وکلاء کے سپرد ہونا چاہیئے۔ سبحان اللہ! اجتہاد کے اہل  
 وہ لوگ ہیں۔ جو نماز اور روزہ سے عاری ہیں، جنکی شکل و صورت صحیح  
 نہیں اور جو پاکی پیدی کے احکام سے واقف نہیں، وہ دین میں اجتہاد

کے اہل ہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں روایتی علماء بیشک اس خطاط میں ہیں مگر وکلاء کو اہل اور علماء کو نا اہل کتنا کتنی غلط بات ہے۔ وکلاء کی اکثریت تو جان بوجھ کر ظالم کی حمایت کرتی ہے۔ انہیں سچ اور جھوٹ کا علم ہوتا ہے مگر ان کے پیشے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر صورت میں اپنے مؤکل کو صحیح ثابت کریں۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے اور ایسے وکلاء سے کون سا اجتہاد درست ہوگا؟ آپ اندازہ لگائیں کہ ہماری بصیرت کس قدر ضراب ہو چکی ہے۔ تمام ادیان اور اقوام کے برخلاف حقیقت تو صرف اہل ایمان کے پاس ملتی مگر انہوں نے خود دوسروں کو اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت کے تمام قوانین کو فرسودہ کر رکھا گیا ہے اور جدید نظام کو اپنایا جا رہا ہے۔ جو دنیا کو تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔

فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا سمت ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اور میرے پیروکار بصیرت پر ہیں۔ اور یاد رکھو! وَسُبِّحَانَ اللّٰهِ الشُّرْعَالٰی کی ذات پاک ہے۔ وَمَا آٰنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اور میں مشرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں اور میرے پیروکار ہر قسم کے شرک سے بیزار ہیں اور اللہ کی ذات تمام شرکیہ باتوں سے منزہ ہے۔

وما ابرئ ۱۳

درس ہفت ہشت ۲۸

سورة یوسف ۲

آیت ۱۰۹ تا ۱۱۱

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِنْ  
 اَهْلِ الْقُرَىٰ ۚ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا  
 كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ  
 خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹ ۚ حَتّٰٓىٰ اِذَا  
 اسْتَيْسَرَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنْهُمْ قَدْ كَذَبُوْا جَآءَهُمْ  
 نَصْرُنَا فَنُجِّيْ مَنْ نَّشَآءُ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاسُنَا عَنِ الْقَوْمِ  
 الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي  
 الْاَلْبَابِ ۚ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقُ  
 الَّذِى بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى  
 وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱

ترجمہ

ترجمہ :- اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول  
 مگر مرد ہم وحی کرتے ہیں اُن کی طرف اور وہ بیتوں کے  
 بہنے والوں میں سے تھے کیا یہ لوگ نہیں چلے زمین میں ،  
 پس دیکھتے کیا ہوا انجام اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرتے  
 ہیں ، اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو  
 بچتے رہے ، کیا تم عقل نہیں رکھتے ۝۱۰۹ ۚ یہاں تک کہ جب  
 ناسیہ ہو گئے اللہ کے رسول اور گمان کیا اُن لوگوں نے کہ



تحقیق وہ جھوٹے گئے ہیں، تو آگئی اُن کے پاس ہماری مدد، پس ہم نے پہچایا اُن کو جن کو ہم چاہتے ہیں۔ اور نہیں لوٹایا جاتا ہوا عذاب اُن لوگوں سے جو مجرم ہیں (۱۱) البتہ تحقیق اُن کے واقعات میں عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو عقل مانے ہیں۔ نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو گھڑی عموماً ہو، لیکن یہ تصریح ہے اُس کی جو اس کے سامنے ہے۔ اور یہ تفصیل ہے ہر چیز کی، اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۱۱)

رابطہ آیات

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق فرمائی کہ یہ واقعہ آپ نے نہ تو کسی سے سنا ہے اور نہ کسی کتاب میں پڑھا ہے بلکہ ہم نے وحی کے ذریعے آپ کو بتلایا ہے اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پتے تھے ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ آپ اپنی دعوت الی اللہ کے لیے کسی سے کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کرتے بلکہ آپ یہ خدمت بے لوث انجام دے رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی منزلی اور تکوینی دونوں قسم کی نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں مگر یہ لوگ انہیں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لیتے بلکہ کفر و شرک میں مبتلا رہتے ہیں۔ بھلا ان کے ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے کیا یہ عذاب کا انتظار کر رہے ہیں یا قیامت کے برپا ہونے کے منتظر ہیں۔ پھر نبی علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ میرا راستہ تو ایمان اور توحید کا راستہ ہے۔ میں اور میرے پیروکار ابھیرت رہیں اور میں اسی راستے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اس دعوت کو قبول کر لو گے تو بچ جاؤ گے، ورنہ خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ جاؤ گے۔

پھر اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم کے لیے تسلی کا مضمون بیان

فرمایا کہ تمام دلائل کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو قبول نہیں کرتے اور آپ کو نبی برحق تسلیم نہ لے کے یہ تیار نہیں تو آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ معاملہ صرف آپ ہی کے ساتھ پیش نہیں آیا بلکہ پہلے لوگ بھی اپنے انبیاء کی دعوت کا اس طرح انکار کرتے رہے ہیں۔

انبیاء  
نوع انسانی

اب آج کی آیات میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت کو مزید واضح کیا گیا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا اور نہیں بھیجے ہم نے اس سے پہلے رسول مگر مرد اللہ کا ارشاد ہے کہ ہر نوع انسان کی طرف ہمیشہ انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کسی جن یا فرشتے کو لوگوں کی مبعوث نہیں کیا گیا کیونکہ ہمیشہ انسان انکا اسوہ بھی انسان ہی بن سکتے ہیں گناہیں غیر جنس کے فائدہ نہیں لھاتی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی طرف انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ وہ ان کی تعلیمات سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں اور ان کے اعمال کو بطور نمونہ اختیار کر کے خود بھی احکام الہی پر کاربند ہو سکیں مگر یہ لوگ پھر بھی انکار ہی کیے جا رہے ہیں۔ لَوْ حِجِّيْ اِلَيْهِمْ ہم پہلے انبیاء کی طرف بھی اسی طرح وحی کرتے رہے ہیں جس طرح آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ ہمارا پیغام رسانی کا طریقہ بھی ہمیشہ جساں رہا ہے اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام انبیاء میں اَفْضَلُ الْقَوَّامِ بَتِیُّوْنَ کے بننے والوں میں سے مبعوث ہوتے رہے ہیں تو اللہ نے یہاں پر تین باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی بات یہ کہ نبی ہمیشہ مرد ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے اور تیسری بات یہ کہ انبیاء ہمیشہ بڑی بستیوں یعنی شہری علاقوں سے ہوتے رہے ہیں۔

مرد و زن  
میں تفریق

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے، اللہ نے مردوں کو انبیاء بنایا ہے اور آج تک کسی عورت کو نبوت عطا نہیں کی کیونکہ عورت اپنے مخصوص

فطری تقاضوں کی بنا پر منصب نبوت کے مناسب حال نہیں ہے  
 عورتوں میں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو تمام جہان کی عورتوں  
 پر فضیلت بخشی ہے مگر نبوت کا منصب انہیں بھی عطا نہیں کیا۔ بلکہ  
 آپ کو صدیقیت کے مرتبے تک رکھا گیا ہے۔ سورۃ مائدہ میں موجود  
 ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول تھے وَأَمَّا صِدْقُهُ أَوَّلُ  
 والد حضرت مریمؑ صدیقہ تھیں۔ چنانچہ دورِ جدید میں عورت اور مرد کے  
 مساوی حقوق کا مطالبہ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ نے مرد و زن میں  
 فطرتاً امتیاز رکھا ہے، لہذا نہ قوان کے فرائض برابر ہیں اور نہ ہی حقوق  
 مساوی ہیں۔ البتہ نوع انسانی میں عورت اور مرد دونوں صنفیں شامل ہیں اور دونوں ہی اپنے اپنے  
 دائرہ کار میں احکام الہی کے پابند ہیں اللہ تعالیٰ نے بعض کام مردوں کیلئے خاص کیے ہیں جن کی ذمہ داری  
 عورتوں پر نہیں ڈالی گئی کیونکہ عورتیں ایسے امور کی اہل ہی نہیں ہیں۔

علم کلام والے نبی کی تعریف اس طرح کرتے ہیں هُوَ الْإِنْسَانُ  
 بَعَثَهُ اللَّهُ لِتَبْلِيغِ مَا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيْهِ يَعْنِي نَبِيَّ إِلَهٍ إِنَّكَ  
 ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اس چیز کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرماتا ہے  
 جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تبلیغ و ارشاد  
 کا فریضہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر مردوں کے سپرد کیا ہے۔ اور  
 عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اجتماعی نوعیت کے تمام امور مثلاً جہاد،  
 تجارت اور تبلیغ وغیرہ مردوں کی ذمہ داری میں ہیں۔ عورتوں کے  
 لیے حکم یہ ہے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کہ وہ اپنے گھروں میں  
 رہیں۔ زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ گھومتی پھریں۔ البتہ وَاذْكُرْنَ  
 مَا يُسَلَّىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ (الاحزاب) گھروں میں بیٹھ کر  
 اللہ کی نازل کردہ حکمت کا تذکرہ کریں۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت  
 عورتیں کر سکتی ہیں مگر محدود پیمانے پر۔ باہر جا کر کام کرنا مردوں کی ذمہ داری



ہے اگر عورتیں بھی مردوں کے شانہ بشانہ نکلیں گی تو معاشرے میں خرابیاں پیدا ہوں گی۔ بہت سے امور کے لیے اندرون و بیرون ملک معز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اکیلے رہنا پڑتا ہے، اس لیے ایسے کام اللہ نے مردوں پر ڈالے ہیں۔ باہر جا کر کام کرنا تو دور کی بات ہے، عورت تو خاندان یا محرم کے بغیر سفر بھی نہیں کر سکتی۔ چونکہ منصب نبوت ایک اہم اور مشکل کام ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ منصب عورتوں کو عطا نہیں فرمایا۔ اور دوسری بات اللہ نے یہ فرمائی کہ ہم انبیاء کی طرف وحی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وحی غیر نبی پر تو نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کے پاس ہی جبرائیل علیہ السلام کو بھیجے وحی نازل کرتا ہے۔ چونکہ انبیاء صرف مرد ہوتے ہیں، اس لیے وحی بھی انہی پر نازل ہوتی ہے۔

دیہاتی اور  
شہری تمدن

تیسری چیز اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ نبی اور رسول بستیوں میں رہنے والے تھے۔ قریہ کا اطلاق اگرچہ چھوٹی اور بڑی سب بستیوں پر ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر قرآن سے مراد بڑی بستیاں یعنی شہر ہیں ورنہ دنیویہ سے لینے لادینے کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے مگر اللہ نے بادیہ سے کوئی نبی نہیں اٹھایا کیونکہ بادیہ کے لوگ تہذیب سے قدرے دور ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف شہر کے لوگوں کی تہذیب و تمدن بتر ہوتی ہے کیونکہ انہیں تعلیم و تربیت کے بہتر مواقع اور اچھی مجالس حاصل ہوتی ہیں جنہوں پر علیہ السلام کا فرمان ہے مَنَّ مَسْكَنُ الْبَادِيَةِ كَجَفَا جَسْنِ الْبَادِيَةِ مِمَّنْ يَكُونُ انْتِيَارًا كِي لَا يَدْرِي كِي كِيونکہ وہ بہتر تمدن سے محروم رہا منافقوں کی مذمت کے بیان میں بھی اللہ نے فرمایا ہے الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَفَسَادًا (التوبة) دیہاتی لوگ کفر اور فساد میں بڑے سخت ہوتے ہیں۔

غرضیکہ شہری ماحول کو پسند کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں مکے اور مکہ کے لیے قرینین کا لفظ آیا ہے کہ یہ دونوں بڑی بستیاں یعنی شہر شمار ہوتے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ نبی اکثر شہروں سے ہوتے ہیں مگر لوگ ہمیشہ انکار کرتے رہے اور آج بھی کہہ رہے ہیں۔

آگے فرمایا اَفَلَمْ نَكْنِمْ اَرْضًا وَنَبْرِىٰ اَرْضًا كَمَا يَرٰهٖ لَوِى  
 زمین میں نہیں چلے۔ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ  
 الْكَٰذِبِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وہ چل پھر کر دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے  
 لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ پرانی تہذیبوں کے کھنڈرات ملاحظہ کریں گے  
 تو انہیں پتہ چلے گا کہ نافرمان قوموں کا کیا حال ہوا۔ جب گذشتہ اقوام  
 نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں تو اس دہر کے نافرمان لوگ کیسے بچ  
 سکتے ہیں۔ یہ تو اس دنیا کا حال ہے۔ وَلَٰكِنَّ الْاٰخِرَةَ خَيْرٌ  
 لِّلَّذِیْنَ هُمْ اَلْقَوُوْا۔ اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے  
 لیے جو بچتے رہے۔ جنہوں نے کفر و شرک سے اعراض کیا، معاصی سے  
 بچتے رہے اور دنیا میں نہایت محتاط طریقے سے زندگی بسر کی، آخرت  
 کی بھلائی انہی کے لیے ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تمہیں اتنی بھی  
 سمجھ نہیں ہے کہ اگر آج اس دنیا میں نافرمان لوگ کامیاب نہیں  
 تو ظاہر آخرت میں کیسے کامیاب ہوں گے؟ قیامت کو بھی ان  
 کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

نکاح  
 کا انجام

انبیاء کی  
 مایوسی

انہی آیت بھی تسلی بخاکے باب میں آرہی ہے۔ اللہ کے نبی طویل  
 عرصہ تک تبلیغ کافر قبضہ انجام دیتے رہے، اس کام میں بڑی بڑی تکالیف  
 برداشت کیں مگر قوم کی طرف سے مسلسل نافرمانی ہوتی رہی۔ حتیٰ  
 اِذَا اسْتَدْعٰی الرَّسُوْلَ لِحُكْمٍ فَهُمْ لَا يَخْتَصِمُوْنَ  
 اَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوْا اور انہوں نے کہا ان کی تحقیق وہ جھوٹا ہے

کہے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول اس بات سے مایوس ہو گئے کہ اب نافرمانوں کو اس دنیا میں سزا نہیں ملے گی مگر بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ نبیوں کی طرف مایوسی کی نسبت کمرادرست نہیں ہے کیونکہ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ اگر اللہ کا نبی اللہ کی طرف سے مایوس ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اللہ نے جو نافرمانوں کے لیے سزا کا وعدہ فرمایا تھا یا اہل ایمان کی نصرت کا وعدہ کیا تھا، وہ غلط ثابت ہوا اور انبیاء کی بات کی تخریب ہوئی فرماتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے کذب بولا کا معنی خطا کیا ہے۔ یعنی نبیوں نے از خود سمجھ لیا تھا کہ شاید ان کی زندگی میں ہی فلاں لوگوں کو سزا مل جائیگی، ایسا سمجھنے میں انہوں نے خطا کی کیونکہ عذاب کا آنا مصلحت الہی کے تابع ہے۔

امام ابو بکر جصاص، امام ابن کثیر اور بعض دوسرے مفسرین لکھتے ہیں کہ ابو حمزہ جذری بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے احباب کی دعوت کی جس میں حضرت سعید ابن جبیرؓ کو بھی مدعو کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ باقی سب احباب دعوت میں شریک ہو گئے مگر حضرت سعیدؓ نہ آئے تو میں خود ان کو جا کر لایا۔ دوران مجلس ایک نوجوان نے سعید ابن جبیرؓ سے کہا کہ جب میں آیت "اِذَا اسْتَقْبَلْتُ الرَّسُولَ فَمِنْهُمْ شُرُكٌ فَوَيْلٌ لِلْكَافِرِينَ" پڑھتا ہوں تو مجھے یہ بات بڑی سخت معلوم ہوتی ہے کہ عبدا اللہ کے نبی کیسے مایوس ہو سکتے ہیں اور پیغمبر ساتھ یہ بھی "وَقَالُوا لَا تَنْفِرْ فِی الْبَرِّ" کہتے ہیں انہوں نے گمان کیا کہ اللہ کی طرف سے نافرمانوں کو سزا نہ ملے کہ یا انبیاء کی مدد نہ کرے ان کی تخریب کی گئی ہے۔ تو اس نوجوان نے کہا کہ مجھے تو یہ الفاظ پڑھنے سے سخت ڈر لگتا ہے اور صدمہ ہوتا ہے۔ عبدا آپ اس کو کس طرح پڑھتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں تابعین کے زمانے



کے مفسر قرآن حضرت سید ابن جریر نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک کہ اللہ کے رسول مایوس ہو گئے لوگوں کے ایمان سے نہ کہ خدا کی نصرت سے۔ اللہ کے نبیوں نے بڑی محنت کی، بڑا لمبا عرصہ ان پر گزارا۔ حتیٰ کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک حق تبلیغ ادا کیا مگر قوم کے ایمان لانے کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ اللہ نے بڑی مہلت دی مگر وہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں وَظَنُوا سے مراد انبیاء کا گمان نہیں بلکہ گمان کہ دن قوم ایساں یعنی انبیاء علیہ السلام کی قوم نے یہ گمان کیا۔ کہ ان کی تکذیب کی گئی ہے کیونکہ عذاب آنے کا جو وعدہ ان سے کیا گیا تھا، وہ پورا نہیں ہوا۔ مرسل الیم میں دونوں قسم کے لوگ آسکتے ہیں۔ یعنی کافر بھی ایمان دار بھی۔ اگر اس سے کافر مراد لیے جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ تو کہیں گئے کہ کوئی عذاب نہیں آیا اور ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا کہ کوئی ایسا دیا عذاب آئے والا ہے۔ اور اگر تکذیب کی نسبت ایمانداروں کی طرف کی جائے تو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح جھٹلا گئے۔ تو ظاہر ہی طور پر جب اللہ کی طرف سے لمبی مہلت دی گئی، اور نافرمانوں پر عذاب نہ آیا تو مومنوں نے گمان کیا کہ شاید وہ جھٹلائے گئے ہیں۔ بہر حال تکذیب کی نسبت کافروں یا مومنوں کی طرف تو ہو سکتی ہے۔ مگر اللہ کے نبیوں کی طرف نہیں ہو سکتی کہ وہ جھٹلائے گئے ہیں۔ البتہ مایوسی کا مرجع نبیوں کی طرف ہو سکتا ہے کہ ان کی قوم کے لوگ ایمان نہیں لاتے۔ مگر پھر بھی اللہ کی رحمت اور اس کی مدد سے مایوسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

نصرت الہی

بہر حال جب اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے کہ طویل مہلت کی وجہ سے مایوسی کے آثار پیدا ہونے لگے اور تکذیب کا خطرہ پیدا ہو

کیا تو اللہ نے فرمایا جاکوہم قصصنا ان کے پاس ہماری مدد ان  
پہنچی فتحی منک شکا پر پھر ہم نے نجات دی جس کو چاہا۔ ولا  
یرد باسنا عن القوم المعجزین اور مجرم لوگوں سے  
ہمارا عذاب لوٹا یا نہیں جاتا۔ اگرچہ منکرین کو دہشت دی گئی۔ مگر بالآخر  
ان کو عذاب سے آچڑا اور وہ ہلاک کر دیے گئے۔

یہ حضور علیہ السلام کے لئے اہل ایمان بیان ہو رہا ہے کہ پہلے رسول  
پر بھی بڑی آزمائش آئی تھی کہ نبی اور اہل ایمان پکار اٹھے "هٰذَا نَصِيُّ الْمَلِكِ"  
الشر کی مدد کب آئے گی، ہم تو بہت انتظار کر چکے اور بڑی تکالیف برداشت  
کر چکے۔ تو ابھرے آواز آئی "الْاٰرَافُ فَخَصَّرَ اللّٰهُ قَرِيْبٌ" فکر نہ  
کرو، اللہ کی نصرت قریب ہی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مصلحت  
ہوتی ہے وہ نافرمانوں کو دہشت دیتا رہتا ہے بعض باتوں کہ ان ان  
نہیں جانتے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ پھر جب اس کی مصلحت کے  
مطابق وقت پورا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچ جاتی ہے اور  
منکرین و مکذبین کو کچل لیا جاتا ہے۔

سلمانِ عمرؓ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات  
بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روشن مستقبل کی  
طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ان واقعات کو بیان کرنے کا دوسرا بڑا مقصد  
یہ ہے کہ لوگ ان واقعات کو جان کر عبرت حاصل کریں۔ اگلی آیت  
کہ میر میں ہی بات بیان کی گئی ہے لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ  
عِبْرَةٌ لِّاُولٰٓئِیْہِ الْاَلْبَابِ بیشک ان کے واقعات میں عبرت  
ہے عقل رکھنے والوں کے لئے۔ یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں نے حسد  
کیا، آپ کے خلاف بغض اور عناد رکھا، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس  
کے برخلاف یوسف علیہ السلام نے صبر استقامت کا ثبوت دیا۔ تمام مصائب





اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ ہر چیز سے وہ چیزیں مراد ہیں کہ جو انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے ضروری ہیں۔ سورۃ النحل میں ہے  
 وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَاثًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُمِّنَ آيَاتِ  
 كِتَابٍ يَدُلُّ عَلَى شَيْءٍ مِّنَ الْغَيْبِ وَهُوَ رَاسٍ  
 کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرتی  
 ہے اور کسی چیز میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ یہاں پر بھی ہر چیز سے وہ چیز  
 مراد ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے ضروری ہے۔ حضرت  
 عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق تَبْيَاثًا لِّكُلِّ شَيْءٍ مِّنَ  
 الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ یعنی حلال حرام، جائز ناجائز یا صحیح اور غلط کے متعلق  
 یہ کتاب الہی ہر چیز کو واضح کرتی ہے اور اس میں کوئی اشتباہ نہیں  
 رہنے دیتی اور اگر کوئی شخص ہر چیز سے دنیا کی ہر چیز مراد لیتا ہے تو وہ  
 درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ قرآن پاک صابن بنانے، مٹینری جوڑنے یا  
 پرزے بنانے کی تفصیلات کو نہیں بتائے گا، بلکہ وہ تو ایسے اصول  
 بتائے گا جن کے ذریعے عقیدے، عمل اور اخلاق کی اصلاح ہو، قرآن  
 بتائے گا کہ کون سے کام کرنے چاہئیں اور کن کاموں سے بچنا چاہیے  
 کون سے کام کامیابی کی طرف لے جاتے ہیں اور کون سے ناکامی کا  
 باعث بنیں گے۔

ہدایت اور  
رحمت

فرمایا اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے وَهُدًى اور اس میں ہدایت  
 بھی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی راہنمائی کرتی ہے مگر اس کے  
 لیے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورۃ البقرہ میں دو چیزوں کا ذکر  
 آتا ہے مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدًى ایک بینات ہے اور دوسری  
 ہدایت۔ بینہ واضح چیز کو کہا جاتا ہے جو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے  
 جیسے صبر، شکر وغیرہ مگر ہدایت کے لیے اُستاد کے پاس جانا پڑتا ہے  
 ہدایت میں شریعت کی باریک باتیں ہوتی ہیں اور اِنَّهَا الْعِلْمُ  
 لہ بخاری ص ۱۱۱



بِالتَّكْلِیمِ یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ ایسی چیزوں کے لیے  
 نزائے ادب کے کرنا پڑتا ہے۔ تو فرمایا کہ قرآن حکیم میں ہدایت کا سامان  
 بھی موجود ہے۔

اور تیسری چیز فرمایا وَرَحْمَةً اس میں رحمت بھی ہے ظاہر  
 ہے کہ رحمت کا نزول اس وقت ہوتا ہے جب کوئی انسان ہدایت  
 کا صحیح طریقہ اختیار کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ کی رحمت  
 بندے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ قرآن پاک  
 ہدایت اور رحمت ہے لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُونَ۔ ان لوگوں کیلئے  
 جو ایمان لاتے ہیں۔ ہدایت کو اختیار کرتے ہیں۔ صحیح راستے پر چلتے  
 ہیں۔ اللہ کی رحمت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

درمختار القرآن فی رد وکس القرآن کمال ۲۰۰۰ جلد و کتب میں

افادات

مکتبہ قرآن اہل بیت علیہ السلام کوٹلی عظیمہ کتب خانہ کتب خانہ کتب خانہ

ریکارڈنگ

بازار احمد نگر صاحب



مکتبہ قرآن اہل بیت علیہ السلام کوٹلی عظیمہ کتب خانہ کتب خانہ کتب خانہ

درمختار القرآن فی رد وکس القرآن کمال ۲۰۰۰ جلد و کتب میں

مکتبہ قرآن اہل بیت علیہ السلام کوٹلی عظیمہ کتب خانہ کتب خانہ کتب خانہ

مکتبہ قرآن اہل بیت علیہ السلام کوٹلی عظیمہ کتب خانہ کتب خانہ کتب خانہ

مکتبہ قرآن اہل بیت علیہ السلام کوٹلی عظیمہ کتب خانہ کتب خانہ کتب خانہ

مکتبہ قرآن اہل بیت علیہ السلام کوٹلی عظیمہ کتب خانہ کتب خانہ کتب خانہ